(نمرہ احمد)

قسط نمبر 21:

''کافر۔ ماکر۔ کاذب۔ قاتل'' (حصہ اول)

تمہیں جنگ میں کامیابی ملے گی

صرف مکاری سے!

سوتم خود کو رکھنا ہوا کی مانند تیز...

اور جنگل کی مانند گھنا...

جھپٹنا آگ کی لپٹ کی طرح....

اور جم کر کھڑے ہونا پہاڑ کی طرح...

اپنے منصوبوں کو پراسرار رکھنا رات کی طرح

اور جب چلو تو بجلی کی کڑک کی طرح گرنا

جب مضبوط ہو تو خود کو کمزور ظاہر کرنا

اور جب کمزور ہو تو خود کو مضبوط ظاہر کرنا۔

دشمن کو لڑے بغیر چت کر دینا

ہی بہترین فتح ہے!

فتح یاب جنگجو پہلے جنگ کو جیت لیتے ہیں

اور پھر اس جنگ کو شروع کرتے ہیں۔

شکست خوردہ لوگ پہلے جنگ شروع کرتے ہیں

اور پھر اسے جیتنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ساری جنگی حکمت عملی منحصر ہے

فریب کاری پہ
تب حملہ کرو جب لگے کہ نہیں کر سکتے
جب قوت استعمال کر رہے ہو تو لگے کہ تم جامد بیٹھے ہو
جب قریب پہنچ چکو تو خود کو دور ظاہر کرو
اور جب دور ہو تم
تو یقین دلا دو اسے کہ تم ہو بہت قریب!
اگر اس کی طاقت تم سے کہیں زیادہ ہے
تو اس سے اعراض برتو
اگر وہ غصیلا ہے تو اس کو چھیڑو
خود کو کمزور ظاہر کرو تا کہ وہ غرور میں بڑھتا جائے
اگر اس کی فوجیں متحد ہیں تو ان کو توڑو۔
اس پہ تب حملہ کرو جب وہ تیار نہ ہو
اور وہاں سے کرو جہاں
تمہارے ہونے کا اسے گماں تک نہ ہو
صرف وہ جیتے گا جنگ'
جو جانتا ہے کہ کب ہے لڑنا!
اور کب ہے نہیں لڑنا۔

(The Art of War) Sun Tzu

(دی آرٹ آف وار)

چند ساعتوں کے لیے ہم ماہ کامل کی رات میں واپس جاتے ہیں۔

کرنل خاور کو بے ہوش کر کے اس کے پیسے اسلحہ اور پاسپورٹ چرا کر سعدی یوسف اب تیز تیز سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا۔ بار بار احتیاط سے پیچھے مڑ کر دیکھتا۔ سوتے جاگتے شہر میں کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ ذرا دور جا کر اس نے ایک ٹک ٹک رکشہ روکا اور اس میں سوار ہو گیا۔ "بلرز لین۔" اس نے فوراً سے پتہ بتایا۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد وہ اسے پاکستانی سفارت خانے سے چند فرلانگ دور اتار گیا۔ وہ ٹک ٹک سے اترا اور دور... کافی دور نظر آتی سفارت خانے کی عمارت کو دیکھا۔ سفید اونچے محل جیسی عمارت جس کے سامنے سرسبز لان بنا تھا۔ وہ اس اجنبی ملک میں پاکستان کی سرزمین کا واحد ٹکڑا تھی، جس پہ لنکن قانون نہیں چل سکتے تھے، وہ ایک دفعہ اس میں داخل ہو جائے تو لنکن پولیس اسے چھو بھی نہیں سکتی تھی۔

اسٹریٹ میں لوگ، ٹریفک، روشنیاں، سب جاگ رہے تھے۔ سعدی کی نگاہیں عمارت سے ہٹ کر سڑک پہ پھسلیں۔ کونے میں درخت کے ساتھ ایک سیاہ وین پارکڈ تھی۔ پرلے کونے میں ایک آدمی کھڑا موبائل پہ بات کر رہا تھا۔ وہ ہاشم کا آدمی تھا کیا؟ وہ سفارت خانے جائے گا، سب کو اندازہ تھا۔ اس کی تاک میں بیٹھے ہوں گے وہ لوگ۔ وہ ایک ایک چہرے کو دیکھتا۔ ہر شخص مشکوک تھا، ڈرا رہا تھا۔

اس سفارت خانے میں بھی لنکا ڈھانے کے بہت سے دیسی بھیدی ہوں گے ہی۔

سعدی واپس رکشے میں بیٹھا اور اسے چلنے کو کہا۔ بیگ سینے سے لگائے اب وہ سمٹ کر بیٹھا تھا۔ محتاط۔ قدرے ڈرا ہوا۔ اب وہ کیا کرے گا؟ کچھ علم نہیں تھا۔ خاور کو گرانا تو پلان کیا تھا، مگر اس سے آگے نہیں۔

ٹک ٹک نے اسے ایک ہوٹل کے کنارے اتارا۔ وہ چند منٹ ادھر کھڑا رہا۔ (کیا ان کو معلوم نہیں ہو گا کہ وہ کسی ہوٹل جائے گا؟) وہ مڑ گیا اور اسٹریٹ میں آگے چلتا گیا، چلتا گیا یہاں تک کہ ٹانگیں تھک گئیں اور تنفس تیز چڑھ گیا تو وہ رکا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں سے سمندر کی لہروں کا شور سنائی دیتا تھا۔ سمندر... جو انسان کے دل جیسا ہوتا ہے، کبھی پرسکون، کبھی اضطراب سے ٹھاٹھیں مارتا... ہر پل بدلتا...

وہ مین روڈ سے اتر کر ساحل تک آ گیا۔ ساحل کا یہ حصہ سنسان پڑا تھا۔ اوپر پورا چاند خاموشی سے بادلوں کے بیچ نیم دراز، گویا ٹیک لگا کر بیٹھا، نیچے بہتے سمندر کو کھینچ رہا تھا۔ ٹھاٹھیں مارتا شور... چیختی چنگھاڑتیں، کئی کئی فٹ بلند ہوتیں لہریں، اور پھر واپس پسپا ہوتا پانی...

وہ ایک طرف آ گیا جہاں چٹانیں اور پتھر سے پڑے تھے۔ بیگ اتار کر نیچے رکھا، اور ٹیک لگا کر وہیں بیٹھ گیا۔ ٹھنڈ بھی تھی، اوپر سے پورا جسم نمی کا شکار ہونے لگا تھا۔ اس نے سر پتھر سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اور نیند تو سولی پہ بھی آ ہی جاتی ہے، وہ سولی سے گزر کر آیا تھا، سو دھیرے دھیرے اس کا جسم ڈھیلا پڑتا گیا۔ ذہن نیند میں ڈوبتا گیا۔

اس کی آنکھ جانے کس آواز سے کھلی تھی۔ ایک دم وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ بیگ کو دیکھا۔ سب ٹھیک تھا۔ مگر... اس نے چہرہ اٹھایا.. ایک چیز غلط تھی۔

سورج نکل آیا تھا۔

سامنے افق پہ سنہری تھال اتنا چمکیلا، آگ برسا رہا تھا، کہ سعدی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے فوراً چہرہ ہاتھوں میں گرا لیا۔ صبح روشن تھی اور ٹریفک پیچھے سڑک پہ رواں دواں تھی۔ رش، لوگ، آوازیں۔ اس نے ہر چیز کے لئے خود کو تیار کیا تھا۔ سوائے ایک کے۔

سورج! جو اس نے آٹھ ماہ سے نہیں دیکھا تھا۔ 21 مئی سے 21 جنوری... پورے آٹھ ماہ۔

سعدی بدحواسی سے اٹھا، بیگ اٹھایا اور سڑک کی طرف بھاگا۔ سورج اس کی پشت پہ آگ برسا رہا تھا، گویا پیچھا کر رہا ہو اور وہ خوفزدہ سا

آگے بھاگتا جا رہا تھا۔ ہاتھ پیر عجیب سی سنسنی کا شکار تھے۔ سردی میں بھی پسینے آ رہے تھے۔ وہ رکا نہیں۔ ہر طرف روشنی تھی۔ تیز روشنی۔ یوں جیسے ساری دنیا کے پردے ہٹ گئے ہوں گے۔ عیاں ہو گیا ہو سب۔ وہ دوڑتا گیا۔ سڑک کنارے... گلیوں میں... وہ تیز تیز بھاگتا گیا۔

اس سارے میں ایک بھی جگہ نہیں نظر آئی جہاں وہ رک سکے۔ جہاں وہ رکنے کا سوچ ہی۔ چوکنی مگر خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھ کر چلتا وہ ایک جگہ بالآخر رک گیا۔

یہ ایک پرانا کارخانہ تھا جو بند پڑا تھا۔ اس کھنڈر کو نشئی لوگ اپنے قیام کے لئے استعمال کرتے تھے۔ وہ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک بالکل اندرونی کمرے میں آ رکا... جہاں سورج کی روشنی نہ پہنچتی تھی۔ گندا' میلا' کاٹھ کباڑ سے بھرا کمرہ... کچھ بھی برا نہیں لگا اسے۔ بس ہانپتا ہوا وہ جلدی سے نیچے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ بالکل سکڑ سمٹ کر' خوفزدہ نگاہیں دروازے پہ جمائے۔۔ خاور کی پستول ہاتھ میں رکھ لی۔ کوئی آئے اور وہ اسے چلا دے۔

سعدی اگلے کئی گھنٹے اسی طرح بیٹھا رہا۔ جسم اکڑ گیا۔ پستول اب بھی ہاتھ میں تھی۔ چہرے پہ پسینہ تھا۔ ہر آہٹ پہ وہ چونک کر سیدھا ہوتا۔ پستول تان لیتا۔ مگر وہ ہوا کا کوئی کھٹکا ہوتا' یا نیچے بیٹھے نشئیوں کی آوازیں۔ کولمبو بالکل کراچی جیسا تھا۔ وہی ماحول' وہی آدھے صاف ستھرے پوش علاقے اور باقی اس کے برعکس۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنی تعمیر اٹھاتے تو کوئی بات بھی تھی

تم نے اک عمر گنوا دی میری مسماری میں

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر اتھا بغ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ فارس نے کار سے نکلتے ہوئے سیل فون کو کان سے لگایا اور آستین کا خون آلود حصہ اندر کو موڑ لیا۔ آنکھیں چندھیا کر وہ سنہرے آسمان پہ جمائے' وہ گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا دوسری طرف جاتی گھنٹی سن رہا تھا۔

''ہاں فارس...'' ہاشم کا معروف سا لہجہ سنائی دیا۔

''آفس میں ہو؟ آ جاؤں؟'' کان کی لو مسلتے ہوئے اس نے سادگی سے پوچھا۔

''میں کولمبو میں ہوں۔ کہو' کیا ہوا؟''

''اوہ۔ تم سے کام تھا۔ خیر تم آ ؤ تو بات کرتے ہیں۔'' وہ گویا فون رکھنے لگا۔

''میرے آئے بغیر' میری ایک کال پہ بھی یہاں سو کام ہو جاتے ہیں۔ تم بولو۔'' ہاشم محتاط انداز میں غور سے سن رہا تھا۔ اپنے سوئیٹ کے صوفے پہ بیٹھا' گرے سوٹ میں ملبوس' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ پوری طرح تیار تھا۔ اگر سعدی یوسف نے اسے فون کیا ہو تو...؟

''تم نے ایک دفعہ پیشکش کی تھی کہ اگر مجھے نوکری چاہیے تو تم سے...''

''تم میرے پاس کام کرنا چاہتے ہو؟''

''نہیں' تمہارا ز یا دہ احسان نہیں لینا چاہتا۔'' اکھڑ انداز میں بولا۔ ''مگر کراچی میں جو تمہارا دوست ہے.. ادریس الطاف.... سنا ہے اس کو سکیورٹی میں کسی آدمی کی ضرورت ہے۔ اگر تم اس سے بات کرلو۔ تو میں اس کے پاس چلا جاتا ہوں۔''

''تم کراچی جانا چاہتے ہو جاب کے لئے؟'' ہاشم کو اس کے لہجے میں کچھ بھی غیر معمولی نہ لگا تھا۔ وہ عام انداز میں بات کر رہا تھا۔

''پھر اور کیا کروں؟''

''اچھا۔'' ہاشم نے سوچنے کے لیے وقفہ لیا۔

''اگر نہیں کر سکتے تو مجھے بتاؤ' میں تمہارا احسان نہ ہی لوں تو بہتر ہے۔'' وہ تلخی سے بولا۔ ہاشم نے گہری سانس لی۔

''فارس.. ابھی ایسا کوئی کام نہیں بنا جو میں نہ کر سکوں۔ تم سمجھو کام ہو گیا۔'' ذرا ٹھہرا' اور مسکرایا۔ ''مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے مجھے کام کہا۔''

''مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ مجبوری نہ ہوتی تو نہ کہتا۔ میری بیوی کا...'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ ہاشم نے ابرو اٹھایا۔

''کیا اس کی صحت کو کوئی مسئلہ ہے؟ تم بے فکر رہو' ہماری کمپنی اس کے بلز پے کرتی رہے گی' ڈیڈ کی خواہش کے مطابق۔''

''وہ میری بیوی ہے ہاشم' اس کے بلز میں خود پے کرنا چاہتا ہوں۔ تم ادریس الطاف سے بات کرو' میں کل سے ہی کام پہ لگنے کو تیار ہوں۔''

اس کے لہجے میں ہاشم کاردار نے بے چینی محسوس کی تھی۔ وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ (وہ لوگ اپنے مسئلوں میں الجھے تھے۔ شاید زمر کی صحت پھر سے خراب ہونے لگی تھی۔ اسے افسوس ہوا مگر اب اس کے بلز تو دے رہا تھا وہ' اور کیا کرتا۔ سعدی نے ان کو کال نہیں کی' اس کی تشفی ہو گئی تھی۔) فون رکھتے ہی اس نے ادریس کو کال ملائی۔ علیک سلیک کے بعد وہ مدعے پہ آیا۔

''فارس غازی.. میرا کزن ہے... وہ تمہارے پاس آئے گا اور تم اس کو رکھ لو گے' چاہے تمہیں ضرورت ہو یا نہیں۔ اور پھر تم اس پہ نظر رکھو گے۔ وہ کیا کرتا ہے' کہاں جاتا ہے' کس سے ملتا ہے' پل پل کی رپورٹ چاہیے مجھے۔'' سخت لہجے میں وہ دوسری طرف کسی کو سمجھا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایسا نہیں کہ ہم کو محبت نہیں ملی
ہم جیسی چاہتے تھے وہ قربت نہیں ملی

فون بند کر کے فارس گھر کے اندر داخل ہوا تو مصروفیت سی ہر سو بکھری تھی۔ ندرت کچن سے آوازیں دے رہی تھیں' حنین لاؤنج کے شیلف جوڑ رہی تھی' زمر کونے میں کھڑی استری اسٹینڈ پہ کپڑے پریس کر رہی تھی۔ (یقیناً پچھلی رات وہ دونوں کہاں رہے' وہ ان کو مطمئن کر چکی تھی۔) فارس ذرا کھنکھارا۔ بڑے ابا نے اپنے دوائیوں کے باکس سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا' عینک کے پیچھے سے غور سے۔ وہ سامنے صوفے پہ آ بیٹھا۔ باری باری سب کو دیکھا۔ زمر نے صرف اسے دیکھ کر ابرو اٹھائی (ڈاکٹر سے مل آئے؟) فارس نے سر کو خم دے کر اشارہ کیا۔ (ہاں' سب ٹھیک ہے۔) پھر کچن سے آتی ندرت کی طرف متوجہ ہوا۔ ''مجھے جاب مل گئی ہے۔'' سب رک کر اسے دیکھنے لگے' ندرت

کے چہرے پہ خوشی اتری۔ اس کے قریب آکر بیٹھیں۔ "اللہ کا شکر ہے۔ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ کہاں ملی ہے؟"

"کراچی۔ مجھے کل سے جوائن کرنا ہے۔"

زمر کے ہاتھ پہ استری لگی تھی۔ سس۔ اس نے جلنے والی جگہ لبوں میں دبالی۔ ندرت کی رنگت پھیکی پڑی۔ حنین بھی فوراً اس طرف گھومی۔

"آپ ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے ماموں؟" بھنویں اکٹھی کر کے بولتی وہ پریشان اور خفا دونوں تھی۔

"تھوڑے عرصے کی بات ہے، پھر کوشش کروں گا ادھر ہی پوسٹنگ کروالوں۔"

"فارس اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟" ندرت اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے پریشان سی کہنے لگیں۔

"تو کیا ہو گیا ندرت؟ لوگ نوکری کے لئے دوسرے ملکوں میں بھی جاتے ہیں۔ کوئی انوکھی بات نہیں ہے اس میں۔ اس کو یوں فکرمند نہ کرو۔ سکون سے جاب پہ جانے دو۔ اور خبردار جو تم نے یہاں رونا ڈالا۔" بڑے ابا نے آخری فقرہ حنہ کو دیکھ کر کہا تھا۔ حنین نے پہلے فارس کو دیکھا جو خاموشی سے گردن اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا، پھر زمر کو جو سر جھکائے بہت سست روی سے کپڑے استری کر رہی تھی، اور پھر پیر پٹخ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے یقین تھا فارس اس کے پیچھے آئے گا، اسے منائے گا، مگر وہ نہیں آیا۔

حنین اپنے کمرے کے دروازے کے ساتھ لگی زمین پہ بیٹھی، خاموشی سے سر گھٹنوں میں دیئے رونے لگ گئی۔ وہ انہیں چھوڑ کر جا رہا ہے، اسے پتہ تھا... پہلے ابو، پھر وارث، پھر سعدی ان کے سارے مرد ان کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ کیوں؟ آخر کیوں؟

دوپہر کے کھانے کے بعد جب زمر اپنے کمرے میں داخل ہوئی وہ سامنے کھڑا نظر آیا۔ ایک چھوٹا بیگ بیڈ پہ کھلا پڑا تھا اور وہ سر جھکائے کھڑا اس میں سامان رکھ رہا تھا۔ زمر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹے اسے دیکھے.. بس دیکھے گئی۔

"یہ اچانک سے جاب کس نے لگوا کر دی؟" وہ مشکوک تھی۔ (ذہن میں ہارون عبید کا نام گردش کر رہا تھا۔)

"ہاشم نے۔" سنجیدگی سے کہتے اس نے زپ بند کی۔ زمر کا منہ کھل گیا۔

"ہاشم؟ تم ہاشم کے کہنے پہ شہر چھوڑ رہے ہو، ہم سب کو چھوڑ رہے ہو؟ تم اس پہ کیسے اعتبار کر سکتے ہو؟" فارس نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہاشم میرا کزن ہے۔" پھر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔ "کیوں؟ کیا اس کے بارے میں کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتا؟"

زمر نے کندھے جھٹکے۔ "مجھے کیا پتہ۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ کل تک تمہارا ناپسندیدہ کزن آج تمہارا بی ایف ایف کیسے بن گیا۔ خیر، تمہاری مرضی جو بھی کرو۔" وہ آنکھوں میں ڈھیروں خفگی لئے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈال کر مڑی۔ تبھی سنگھار میز پہ رکھا فارس کا موبائل بجنے لگا۔ زمر قریب کھڑی تھی۔ گردن جھکا کر دیکھا۔ آبدار کالنگ۔ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"صرف آبدار؟ تو اب تم اس کے ساتھ فرسٹ نیم ٹرمز پہ ہو۔" مڑ کر ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔ وہ خاموشی سے آگے آیا اور فون اٹھا کر اسے سائیلنٹ کر کے جیب میں ڈال لیا۔

"میں چلی جاتی ہوں کمرے سے، تم تسلی سے اس سے بات کر لو۔"

”وہ تو میں تمہارے جانے کے بعد ویسے بھی کرلوں گا۔“ وہ اس کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

”ظاہر ہے، جیل میں یہ سب تو سیکھا ہو گا تم نے۔“ وہ جبراً مسکرا کر بولی تھی۔

فارس نے ذرا سا اس کی طرف جھک کر مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”تم جل رہی ہو اس سے؟“

”میں؟“ زمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ”اور اس پلاسٹک کی گڑیا سے جلوں گی؟ ہونہہ۔“ اس نے سر جھٹکا۔ ”جلنے کے لئے سامنے والا آپ سے بہتر نہ ہو تو کم از کم آپ کے مقابلے کا تو ہونا چاہیے۔“

”خوبصورت تو خیر وہ بہت ہے۔ اور اس کی سب سے اچھی بات پتہ ہے کیا ہے۔“ اس کے مزید قریب جھک کر سادگی سے بولا۔ ”اس کے بالوں کا رنگ نیچرل سرخ ہے۔ وہ خوبصورت لگنے کے لیے مصنوعی ڈائی نہیں لگاتی۔“

زمر نے بمشکل اپنے بھڑکتے جذبات پہ قابو پایا تھا۔ ”تو تم سارا وقت فون پہ اس سے اس کے بالوں کا رنگ ڈسکس کرتے ہو؟“

”نہیں اور بھی بہت کچھ کرتا ہوں۔ کام کی ساری باتیں۔ اس نے بہت کچھ کیا ہے میرے لیے۔ ایکچولی مجھے وہ اپنی ورک وائف لگتی ہے۔“

اس سے زیادہ زمر یوسف اس آدمی کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسے پرے دھکیلا اور خود دروازے کی طرف بڑھی۔

”اچھا سوری میں مذاق کر رہا تھا، بات تو سنو۔“ فارس نے اسے روکنے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا مگر زمر نے تیزی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچا۔

”تم نا مجھ سے دور ہی رہو ورنہ....“ اگلے ہی پل وہ منجمد ہو گئی۔ فارس نے جس ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ رکھی تھی، اس کی آستین پہ خون کے دھبے لگے نظر آ رہے تھے۔

”یہ خون کیسا ہے؟“ اس نے چونک کر فارس کو دیکھا۔ وہ جو مسکرا کر کچھ کہنے لگا تھا، نظریں اپنی آستین تک گئیں، چہرے کی رنگت بدلی، فوراً سے اس کی کلائی چھوڑ کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔

”یہ... شاید کان سے آ رہا تھا۔“ اس نے ساتھ ہی دو انگلیاں کان کے پیچھے لگا کر دیکھیں۔

”کیوں؟“ اس نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ”ٹھہرو مجھے دیکھنے دو۔“

”اب ٹھیک ہے۔ شاید کوئی زخم وغیرہ تھا۔“ مگر وہ آگے آنے لگی تو وہ بولا۔ ”فکر مت کرو، آبدار ایک بہت اچھے ای این ٹی اسپیشلسٹ کو جانتی ہے میں اسے دکھا دوں گا۔“ اور وہ جو فکرمندی سے آگے کو ہوئی تھی، اس نام پہ رکی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

”ہاں، اسے ہی دکھاؤ۔“ اور برے موڈ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

فارس نے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے طویل سانس لی، اور پھر سویٹر کی آستین دوبارہ سے موڑ لی اور بیڈ کے کنارے آ بیٹھا۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے، اس نے بند آنکھوں کو مسلا۔

زمر اور حنین.... دونوں اسے بہت عزیز تھیں۔ وہ ان دونوں کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر حقیقت کے تیز چمکتے سورج میں کھڑے ہونے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ بس کچھ دن اور....

"دشمنی ....آج مل سکتے ہو؟" چند منٹ بعد وہ فون پہ کہہ رہا تھا۔

احمر شفیع نے فارس کا فون رکھا اور نظر اٹھا کر سامنے نصب اسکرینز کو دیکھا جن پہ ایک آفس کی مختلف فوٹیجز چل رہی تھیں۔ احمر اس وقت کنٹرول روم میں کھڑا تھا اور اس کے چہرے پہ سنجیدگی چھائی تھی۔ بس یک ٹک پتھریلی آنکھوں سے ان فوٹیجز کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن میں وہ فون کال گونج رہی تھی۔ جو چند گھنٹے پہلے اسے موصول ہوئی تھی۔

"احمر شفیع..." وہ عورت کہہ رہی تھی جو سفید شال میں نیو ایئر پارٹی میں اسے نظر آئی تھی اور جو چترال کے ایک بااثر سیاسی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ "آج صبح جب میرے آفس کی فوٹیجز لیک ہوئیں تو میرے سیکیورٹی اسٹاف نے فوراً سے بھاگ دوڑ شروع کردی کہ معلوم کریں' کس آئی پی ایڈریس' کس سرور' کس جگہ سے ان کو لیک کیا گیا ہے۔ بیک ٹریسنگ اور پتہ نہیں کس کس کام میں لگے ہیں وہ' لیکن میں نے صرف ایک بات سوچی۔ کہ اس سب کا فائدہ کس کو ہو گا؟ اگر اس بات کا جواب ہو تو انسان کو کسی سراغ رسانی کی ضرورت نہیں رہتی۔"

ذرا توقف کرکے وہ بولی۔ "سانپ کو مارتے وقت اس کا سر کچلا جاتا ہے کیونکہ قدیم داستانوں میں آتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں اپنے قاتل کی تصویر عکس بند ہو جاتی ہے۔ اور میری آنکھوں میں احمر شفیع تمہاری اور تمہاری مالکن کی تصویر نقش ہو گئی ہے۔"

احمر نے ریموٹ اٹھا کر اسکرینز کو آف کیا' اور موبائل اور چابی اٹھاتا باہر نکل گیا۔ اس کا ذہن اس وقت شدید دباؤ کا شکار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منتظر میرے زوال کے ہیں

میرے اپنے بھی کیا کمال کے ہیں

کولمبو کے اس پرتعیش ہوٹل کے تہہ خانے میں اس وقت شدید تناؤ چھایا تھا۔ ہاشم کاردار ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔ نیوی بلیو سوٹ' اسٹرائپس والی ٹائی' ڈائمنڈ کف لنکس پہنے' بال جیل سے پیچھے کو جمائے' وہ اپنی ساری شان و شوکت اور جاہ جلال سے وہاں بیٹھا تھا' گویا پچھلی رات اس کے قیدیوں کا نکل جانا اس کے لئے پریشانی کا باعث تھا ہی نہیں۔

سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے لوگوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ فصیح بھی پہنچ چکا تھا اور سخت مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ ہیڈ شیف تحمل سے بتا رہا تھا کہ فراریوں نے آرڈر پہ تیار کیا کیک کیسے فریج سے غائب کیا اور یہ کہ ان کے ساتھ یقیناً اندر سے کوئی ملا ہوا تھا۔ ہیڈ شیف' فصیح' رئیس' سب اپنی اپنی تھیوریز پیش کر رہے تھے۔ بار بار خاموش ہو کر ہاشم کو دیکھتے۔

"سر؟" فصیح سے مزید برداشت نہیں ہوا تو پکار بیٹھا۔ ہاشم چند منٹ مزید بٹن دباتا رہا' پھر بالآخر سر اٹھایا اور مسکرا کر ان سب کو دیکھا۔

"Sun Tzu قدیم چین کا ایک جرنیل اور فلسفی تھا۔ اس نے ایک مشہور زمانہ کتاب لکھی تھی۔ دی آرٹ آف وار (جنگ لڑنے کا فن)۔"

موبائل میز پہ ڈال کر وہ مسکرا کر گویا ہوا۔ "اس کتاب میں جب وہ یہ بات کہتا ہے کہ جنگ کے دو طریقے ہیں' ڈائریکٹ اور ان ڈائریکٹ لیکن ان دونوں کا "ملاپ" بہترین نتائج سامنے لاتا ہے تو ساتھ وہ مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ..." وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے کھڑے افراد

کی کمریں اور گردنیں مزید سیدھی ہوئیں۔

''کہ میوزیکل نوٹس پانچ سے زیادہ نہیں ہوتے لیکن ان کا ملاپ لامحدود دھنیں بنا دیتا ہے۔'' قطار میں کھڑے افراد کے ساتھ سے گزرتا ہوا' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا' وہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ کہتا ہے کہ پرائمری کلرز پانچ سے زیادہ نہیں ہوتے۔ نیلا۔ سرخ۔ زرد۔ سفید اور سیاہ۔ لیکن ان کا کمبی نیشن لامحدود رنگ بنا سکتا ہے۔'' سب توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ کمرے میں غیر معمول سناٹا تھا۔

''اور وہ کہتا ہے کہ بنیادی ذائقے پانچ سے زیادہ نہیں ہیں' کھٹا' تیکھا' نمکین' میٹھا' اور کڑوا۔ مگر ان کا ملاپ لامحدود ذائقے بنا دیتا ہے۔'' ہاشم نے رک کر گہری سانس لی۔

''ہر چیز بہت پرفیکٹ تھی۔ منصوبہ بندی۔ اس پہ عمل پیرا ہونے کا انداز۔ سب شاندار تھا۔ میں متاثر ہوا ہوں۔ لیکن...'' سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے وہ چند قدم مزید آگے آیا۔ سب سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔

''لیکن ان پانچ ذائقوں میں سے ایک ایسا بھی ہے جو میری بیٹی کو نہیں پسند۔ nuts کا نمکین ذائقہ۔ اس ہوٹل میں جب بھی یہ کیک بنایا جاتا ہے... وہ بلیو بیری کیک جو سعدی کل میری بیٹی کے لیے لایا تھا... اس میں ہیڈ شیف nuts ڈالتا ہے' لیکن پچھلے سال جب سونی نے یہ کیک چکھا تھا تو nuts کے ذائقے پہ اس نے برا منہ بنایا تھا۔ اور اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ یہ کیک جو کسی مہمان کے آرڈر پہ تیار کیا گیا تھا' اور جو بظاہر سعدی اور خاور نے چوری کیا تھا' اس کیک میں...'' وہ ہیڈ شیف کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''اس کیک میں nuts نہیں تھے۔''

شیف کا رنگ سفید پڑا۔ ادھر کمرے میں سب چونکے تھے۔ دوسرے ہی لمحے فصیح اس پہ جھپٹا اور اسے نیچے گرایا۔ دو گارڈز بھی اس پہ پل پڑے اور چند ہی لمحوں میں وہ اسکے ہاتھ پیچھے کو باندھ کر اسے قابو کر چکے تھے۔ وہ نفی میں سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔

''سر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں....''

''اونہوں!'' ہاشم نے اسی پرسکون چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا اور ایک پنجے کے بل زمین پہ بیٹھا۔ ''جانتے ہو مسئلہ کیا ہے؟ میرے اور تمہارے جیسے لوگ دوسروں کے ساتھ مخلص ہوں یا نہ ہوں ہم اپنے کام کے ساتھ بے حد مخلص ہوتے ہیں۔ اس کو پرفیکشن کے آخری لیول پہ کرتے ہیں۔ اور ایک بہترین شیف کی انا یہ کہتی ہے کہ جس کے لئے کیک بناؤ' اس کو وہ پسند آنا چاہیے۔''

کالر سے نادیدہ گرد جھاڑ کر وہ اٹھا اور بے تاثر سخت نگاہوں سے فصیح کو دیکھا۔

''اس کی چمڑی ادھیڑ دو فصیح۔ یہ جو کچھ جانتا ہے اس سے اگلواؤ۔ زندہ یا مردہ' مجھے ان دونوں کو واپس اس جیل میں دیکھنا ہے۔'' پھر ایک قہر آلود نظر اس شیف پہ ڈالی جس کو وہ زنجیر پا کر چکے تھے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پاؤں رکھتے ہیں جو مجھ پر انہیں احساس نہیں

میں نشانات مٹاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

فوڈلی ایور آفٹر ریسٹورانٹ میں اس شام ہلکی پھلکی گہماگہمی تھی۔ سلک شرٹ اور ڈنر جیکٹ میں ملبوس احمر شفیع اندر داخل ہوا' شناسائی سے کاؤنٹر والے لڑکے کو ہاتھ ہلایا اور سیدھا زینے اوپر چڑھتا گیا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ اور بے تاثر تھا۔ بالائی ہال کا دروازہ کھولا تو دیکھا' وہاں صرف فارس غازی کھڑا تھا۔ گرے سویٹر میں ملبوس' سینے پہ بازو لپیٹے وہ احمر کی طرف پشت کیے' شیشے کی دیوار سے باہر دیکھ رہا تھا۔ احمر نے دروازہ بند کیا تو فارس اس کی طرف گھوما۔ پھر چہرے پہ سنجیدگی لئے' تیکھی نظریں اس پہ جمائے' وہ چند قدم آگے بڑھا۔

''کیا حال ہے غازی؟''

''بلایا اور کام سے تھا مگر نیوز میں کچھ دیکھا ہے میں نے' اشٹنی۔'' وہ تیز لہجے میں بولا۔ ''اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس میں کاردارز کا ہاتھ ہے مگر کاردارز کا دایاں ہاتھ تو آج کل تم ہو۔ ہے نا؟''

احمر نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔ ''کنسلٹنٹ کلائنٹ پریویلیج کے تحت میں اس بات کا جواب نہیں دے سکتا۔''

''اور اس بے ہودہ نخرے کا مطلب دوسرے لفظوں میں ''ہاں'' ہوتا ہے۔''

''ہاں ہو یا ناں' تم کیوں جاننا چاہتے ہو؟''

''کیا مطلب میں کیوں جاننا چاہتا ہوں؟'' فارس کی آنکھوں میں غصہ اور تعجب دونوں عود آئے۔ ''منع کیا تھا تمہیں' کاردارز کی غلامی مت کرو' وہ تم سے ایسے ہی کام کروائیں گے۔ ایک بے قصور عورت کو رسوا کر کے کیا ملے گا تمہیں؟ کرمنل بنتے جا رہے ہو تم!''

احمر لب بھینچے خاموش رہا۔ وہ دونوں چند قدم دور آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''اپنا استعفیٰ لکھو اور اپنی مالکن کے منہ پہ مار کر آؤ۔ آج ہی اشٹنی۔ تم یہ جاب چھوڑ رہے ہو اور میں تمہارے منہ سے ناں نہیں سنوں گا۔''

''جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تم سے آرڈر نہیں لیتا' فارس غازی!'' اس کا لہجہ اجنبی اور روکھا تھا۔

فارس کے ابرو مزید تن گئے' پیشانی کے بلوں میں اضافہ ہوا۔ وہ قدم مزید قریب آیا۔

''اور جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تمہارا دوست ہوں' اور تمہیں ایسا انسان نہیں بننے دینا چاہتا جس کو میں پہچانوں بھی نا۔''

''پہچانتا تو میں بھی نہیں ہوں اب تمہیں۔'' احمر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ٹھنڈے لہجے میں بولا تھا۔ لمحے بھر کو فارس کا سانس تھم گیا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ تم خود کیا ہو؟'' احمر کی آواز بلند ہونے لگی۔ ''میں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے سروائیول کے لئے کر رہا ہوں میں قانون توڑوں اپنی گردن آزاد رکھنے کے لئے تو وہ غلط... لیکن عظیم فارس غازی وہی کام کرے تو وہ صحیح۔ کیوں غازی؟ کیا تم وہ انسان رہے ہو جو مجھے پہلی دفعہ ملے تھے؟ تب تم نمازیں پڑھتے تھے اب تم ایک athiest بن چکے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ کیا تم نے ڈاکٹر ایمن کے ہسپتال میں آگ نہیں لگائی تھی؟ کیا وہ جرم نہیں تھا؟ کیا تم انتقام کے نام پہ لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتے؟ تم دھوکہ نہیں دیتے؟ کیا معلوم تم نے وہ تینوں قتل بھی کیے

"

ہوں۔تم کرو تو سب ٹھیک۔سب Justified۔کاردارز وہی کام کریں ہم شفیع لوگوں کے ویڈیو اسکینڈل لیک کرے تو وہ غلط۔"

"تم ایک ہی سانس میں مجھے کافر دھوکے باز جھوٹا اور قاتل کہہ رہے ہو۔" فارس سرخ آنکھوں سے غرایا۔"یہ مت بھولو کہ میرا خاندان تباہ ہوا تھا۔میں جو بھی کرتا ہوں ان لوگوں کے ہاتھ روکنے کے لئے کرتا ہوں تا کہ وہ ہمیں مزید تباہ نہ کر سکیں۔"

"دو غلط مل کر ایک صحیح نہیں بناتے فارس غازی!" ہمر نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔وہ دونوں آمنے سامنے سرخ چہروں کے ساتھ کھڑے تھے اور اتنی سردی میں بھی ہال میں شدید گرم سا تناؤ در آیا تھا۔"اسی طرح کاردارز کے پاس بھی اپنے غلط کاموں کی توجیہات ہوتی ہیں۔"

فارس انگارہ آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔

"یہ....."میرا" سروائیول ہے۔یہ میرا سیلف ڈیفینس ہے غازی اور اگر تمہارے لئے یہ درست ہے تو غلط یہ میرے لئے بھی نہیں ہے۔"

"اگر تمہیں یہ دونوں چیزیں ایک جیسی لگتی ہیں اور تم ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے تو میں تمہیں کبھی نہیں سمجھا سکتا۔"

"تم مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو تو بہتر ہے۔میں اپنی بقا کے لیے لڑنا سیکھ چکا ہوں۔اس لئے میرے معاملوں سے دور رہو غازی۔" ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالتا وہ تیزی سے مڑا اور باہر نکل گیا۔پیچھے لمبے لمبے سانس لے کر خود کو قابو کرتا فارس تنہا کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات ہر چند کہ سازش کی طرح ہے گہری

صبح ہونے کا مگر دل میں یقین رکھنا ہے

وہ رات کولمبو پہ بھی اتر آئی تھی۔وہ ابھی تک نہیں سویا تھا۔یونہی بیٹھا رہا۔حتیٰ کہ رات بھی آدھی بیت گئی۔شہر خاموشی میں ڈوبتا گیا۔تب وہ اٹھا اور بیگ کندھے سے لگائے باہر نکلا۔سڑک سنسان تھی۔وہ چوکنا سا آگے بڑھتا گیا۔بار بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھتا۔چند منٹ بعد وہ ایک ویران گلی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا جب دائیں طرف ایک بند بیکری کا بینر دیکھا۔وہ انگریزی میں لکھا تھا۔مسٹر بیکر۔سعدی نے ادھر ادھر دیکھا۔وہاں کوئی نہ تھا۔وہ تیزی سے بیکری کے دروازے تک آیا۔اس کا لاک عام سا تھا۔مگر کھولنے کے لیے کوئی تار' کوئی پن' کوئی بھی چیز دستیاب نہ تھی۔اس نے پستول نکالا (جس کے اوپر سائیلنسر فٹ تھا) اور لاک کی طرف رخ کر کے ٹریگر دبایا۔پستول سے آواز نہ آئی مگر اس نے زور کا جھٹکا کھایا۔وہ پورے کا پورا ہل کر رہ گیا۔دل تک کانپ گیا۔مگر خیر..اب دروازے کو ٹھوکر ماری تو وہ کھل گیا۔

اندر بیکری سنسان' تاریک پڑی تھی۔اس اسٹریٹ کی بہت سی دکانوں کی طرح۔یہ درمیانے درجے کی بیکری تھی۔اس نے لائٹ جلائی تو کمرہ روشن ہوا۔وہ گھوم کر کاؤنٹر کے پیچھے آیا اور شوکیس کے اندر جھانکا۔کیکس' پیسٹریز۔براؤنیز۔اس سے آگے اس نے نہیں دیکھا۔وہ دو دن کا بھوکا تھا۔اس نے بیگ پرے رکھا اور ایک بڑا سا کیک باہر نکالا۔ارد گرد کسی چمچ کی تلاش میں نظر دوڑائی۔کچھ خاص نظر نہ آیا تو وہ ہاتھوں سے شروع ہو گیا۔وحشت سے' دیوانہ وار' وہ تیز تیز کھاتا جا رہا تھا۔ساتھ بار بار دروازے کو بھی دیکھتا۔

حنین کی فینٹسی تھی' کہ کبھی وہ کسی بیکری میں بند ہو جائے اور پھر..مزے مزے کی چیزیں بلا روک ٹوک کھاتی جائے' کھاتی جائے۔کس کی

خواہش کس کے نصیب میں لکھی تھی۔

ایک دم سے اسے کسی آہٹ کا احساس ہوا۔ وہ برق روی سے پیچھے کو گھوما اور پستول والا ہاتھ تان لیا۔ دوسرے بازو کی آستین سے منہ پہ لگی کریم رگڑی۔

بیکری کے اندرونی دروازے پہ ایک آدمی شب خوابی کے لباس میں کھڑا تھا۔ اس کے پستول تاننے پہ اس نے ہاتھ اٹھا دیے۔

"ریلیکس ریلیکس..." وہ اسے تسلی دینے کے انداز میں میں کہنے لگا۔ سعدی سرخ انگارہ آنکھیں اس پہ جمائے پستول تانے رہا۔

"مجھے مت مارنا۔ تم کھالو جتنا کھانا ہے۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ چوکھٹ میں ہاتھ اٹھائے کھڑا کہہ رہا تھا۔ سعدی اسی طرح پستول اس پہ تانے اسے گھورتا رہا۔

"اس فریج میں صبح کے پیزا رکھے ہیں مائیکرو ویو میں گرم کرلو ان کو بچے اور ساتھ لے جاؤ۔ میرا دل اتنا چھوٹا نہیں۔ لے جاؤ۔" وہ ہاتھ اٹھائے نرمی سے کہتا دو قدم مزید آگے بڑھا۔ سعدی نے آہستہ سے پستول والا ہاتھ نیچے کیا۔

"میں بغیر پیسوں کے کچھ نہیں لوں گا۔" ڈیڑھ دن بعد وہ پہلی دفعہ بولا تو احساس ہوا کہ آواز پھٹی پھٹی سی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ تم جو لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ۔ تم برے انسان نہیں ہو میں دیکھ سکتا ہوں۔ تم صرف بھوکے ہو۔" وہ ہمدردی سے بولا۔

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا اور سر جھکا کر شوکیس میں رکھی براؤنیز کو دیکھا۔ "مجھے یہ ایک ڈبے میں ڈال دو۔ جلدی۔"

بیکر ہاتھ گرا کر تیزی سے آگے آیا' ایک ڈبے کا گتا اٹھایا' اس کی اطراف کو موڑ کر اس کو چوکور ڈبے کی شکل دی' پھر سعدی کے ساتھ آ کھڑا ہوا اور جیسے ہی وہ براؤنیز نکالنے کے لئے جھکا' سعدی یوسف نے کہنی اس کی گردن کی پشت پہ ماری' اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا' وہ بیکر کی گردن کو اپنے بازو کے نرغے میں لے کر اس کی مخصوص رگ کو دباتا گیا۔

"تم نے پہلا فقرہ ہی مجھ سے انگریزی میں بولا۔ سنہالی کیوں نہیں بولی' ہاں؟ نیم روشن کمرے میں پہلی دفعہ مجھے دیکھتے ہی تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں انگریزی سمجھنے والا فارنر ہوں' ہاں؟" بیکر ہاتھ پاؤں مارتا رہا' مگر منہ سے آواز تک نہ نکلی' یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو کر ڈھے گیا۔

سعدی نے جلدی سے ٹشو اٹھا کر اپنے کریم والے ہاتھ صاف کیے' پھر جھک کر اس کی جیب تھپتھپائی۔ اندر سے موبائل نکالا۔ نیا پیغام آیا ہوا تھا۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی سنہالی کے باوجود بیکر کا پیغام اور جوابی پیغام سمجھ لیا۔ اپنے کسی جاننے والے کو "پوسٹر والے لڑکے" کی اپنی بیکری میں موجودگی کی اطلاع دے رہا تھا۔

کسی احساس کے تحت سعدی اٹھا اور بیکری کی بتیاں جلائیں۔ تلاش کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ کیش کاؤنٹر کے اوپر ہی اس کا پوسٹر لگا تھا۔ وہ 100 فیصد اس کی شکل نہیں تھی' مگر سیاہ رنگ سے کھنچا خاکہ' گھنگریالے بال' بھوری آنکھیں' گوری رنگت' اٹھی ہوئی ناک... نوے فیصد وہ سعدی ہی تھا۔ اس پوسٹر پہ لکھا تھا کہ وہ تامل ٹائیگرز کا جاسوس ہے (تامل ٹائیگرز سری لنکا میں وہی تھے جو پاکستان میں تحریکِ طالبان ہے۔ فرق اتنا ہے کہ تامل ٹائیگرز 2009 میں مکمل طور پہ پسپا ہو چکے تھے۔) اور وہ تامل تحریک کو پھر سے اٹھانے کے لیے سرگرم کارکنوں

کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اس کی گرفتاری پہ بھاری انعام رکھا گیا تھا۔ ساتھ ایک فون نمبر بھی درج تھا۔ ڈیم اِٹ۔ سعدی نے تیزی سے وہ پوسٹر پھاڑ کر اتار لیا (اوپر لکھے فون نمبر کے دو ہندسے دیوار سے لگے رہ گئے۔)

پوسٹر بیگ میں ڈال کر وہ تیزی سے باہر نکلا۔ ابھی تک گلی سنسان تھی۔ اسے پکڑنے آنے والوں کو ابھی (پیغام کے مطابق) 10 منٹ لگنے تھے۔ مین روڈ سے اس نے ٹک ٹک پکڑا' اور اس میں بیٹھ گیا۔ اب وہ جھک کر' بیگ کو خود سے لگا کر نہیں بیٹھا تھا۔ اب وہ گردن اٹھائے' سنجیدہ اور ہوشیار سا بیٹھا تھا۔ رستے میں اس نے تین رکشے بدلے۔

آدھے گھنٹے بعد وہ اس جگہ سے کافی دور' ایک فلیٹ بلڈنگ کی تیسری منزل میں ایک اپارٹمنٹ کا تالہ کھول کر اس کے اندر کھڑا تھا۔ پوری عمارت میں صرف یہی فلیٹ یوں لگتا تھا کہ مکینوں سے خالی ہے۔ (اس کی بالکونی میں رکھے پودے سوکھ رہے تھے۔ گویا سارا خاندان جلدی میں گھر سے گیا ہو' کوئی ناگہانی آ گئی ہو اور ابھی تک واپس نہ آ سکا ہو۔)

اس نے مختلف الماریاں کھولیں۔ کپڑے دیکھے۔ جوتے دیکھے۔ لاؤنج میں پڑا فون بھی دیکھا۔ مگر اس کو چھوا تک نہیں۔ پھر وہ ایک باتھ روم میں چلا گیا۔

چند منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو بڑھی ہوئی شیو ویسی ہی تھی البتہ۔ گھنگریالے بالوں پہ گویا استرا پھیر کر ان کو بہت چھوٹا کر چکا تھا۔ شاید ناخن سے بھی آدھے رہ گئے ہوں۔ نئی جینز شرٹ میں ملبوس اس نے باہر آ کر بوٹ پہنے۔ اور آئینے میں خود کو دیکھا۔ اب وہ اسکیچ والے سعدی سے کافی مختلف لگ رہا تھا۔

وہ رات سعدی اسی فلیٹ میں رہا۔ ان کا کمپیوٹر اس نے کھول کر' پاسورڈ اڑا کر' انٹرنیٹ کھولا۔ اپنا کوئی میل اکاؤنٹ وہ لاگ اِن کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ندرت کی فیس بک آئی ڈی کھولی۔ (یہ کسی زمانے میں امی کو بنا کر دی تھی' بیرونِ ملک رشتے داروں کی تصاویر دیکھنے' ان پہ چھوٹی تعریفیں لکھنے اور اپنے ریسٹورانٹ کے پیج پہ لوگوں کے اچھے ریویوز پڑھ کر خوش ہونے کے لئے وہ اسے استعمال کرتی تھیں۔) پاسورڈ سعدی کے پاس تھا۔ اس نے ڈالا اور پھر... گویا ایک نئی دنیا کھل گئی۔

وہ ایک کے بعد ایک گھر والے کی آئی ڈی دیکھتا رہا۔ سب کی ٹائم لائن بھری ہوئی تھی۔ تصویریں' چیک اِن' کون کہاں گیا' کس کی سالگرہ ہوئی' کس نے کس کو ٹیگ کیا۔ حنین اور زمر کی اکٹھی مسکراتی ہوئی سیلفی... (یہ دونوں.. ایک دوسرے کے ساتھ اتنی خوش؟) اسامہ کی تصویر ...(یہ.. اتنا بڑا؟ اتنا لمبا؟) اور پھر.. فارس کی پروفائل.. اس میں کچھ خاص نہ تھا.. وہ کم ہی لاگ اِن کرتا تھا.. مگر اوپر اوپر اسامہ نے پوسٹ کی ہوئی تھی۔ "ماموں... کراچی نہ جائیں۔" فارس نے کوئی کمنٹ نہیں کیا تھا مگر نیچے حنین اور زمر کے جوابات تھے۔ زمر کہہ رہی تھی کہ وہ فارس کو تنگ نہ کرے' اور حنہ نے خفگی سے زمر کو فارس کی سائیڈ نہ لینے کا کہا تھا۔

وہ بالکل چپ بیٹھا رہا۔ سارے حساب الٹے ہو گئے تھے۔ زندگیاں بدل گئی تھیں۔ وہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ سب آگے نکل گئے تھے۔ ان کی زندگیاں کتنی پرسکون' اور صاف ستھری تھیں۔

فارس...جو جیل میں تہجد اور فجر پڑھا کرتا تھا' اب بھی اس کا ایمان ایسا ہی مضبوط تھا۔ ہر قسم کے کفر سے پاک۔

حنین...اس کی بہن...جس کی پروفائل پہ فجر کی نماز سے متعلق احادیث لکھی تھیں۔ وہ کتنی سچی سی حنہ تھی۔ ہر طرح کے جھوٹ سے پاک۔

زمر...صاف' کھری' نڈر سی زمر' جو ہر فریب سے دور تھی۔ ہر مکر سے پاک تھی۔

اور وہ خود...اس نے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ ایک قاتل تھا۔

اس نے مڑ کر ایک دفعہ پھر لاؤنج میں پڑے فون کو دیکھا۔ مگر پھر سر جھٹک کر ارادہ بدل دیا۔

وہ اپنے گھر واپس نہیں جا سکتا تھا۔ وہ ان کی طرح روشن' نیک اور صاف ستھرا نہیں رہا تھا۔ اس کے اندر کے اندھیرے اس کے اپنوں کی ساری روشنی نگل لیں گے۔

یوں سعدی یوسف نے رہائی کے بعد کسی کو کال نہیں کی۔ اسے کرنی ہی نہیں تھی۔ صبح وہ اس فلیٹ سے باہر نکلا اور کیب لے کر کولمبو فورٹ کے ٹرین اسٹیشن کی طرف آ گیا۔ بالکل کراچی یا لاہور کے جیسا اسٹیشن تھا۔ مگر ذرا صاف ستھرا زیادہ تھا۔ پہلے وہ اسٹال کی طرف آیا۔ موٹے فریم کا چشمہ خریدا اور اسے آنکھوں پہ لگایا' پھر پی کیپ ماتھے پہ مزید جھکا کر ٹکٹ ونڈو تک آیا۔ لائن میں تب کھڑا ہوا جب سب سے آخر میں اس نے ایک لڑکی کو کھڑے دیکھا۔ وہ ساتھ کھڑے لڑکے سے بات کر رہی تھی۔

''اوہ گاڈ'' وہ جیب تھپتھپا کر اونچا سا بولا۔ ''میں اپنا سیل فون شاپ پہ چھوڑ آیا'' وہ دونوں مڑ کر اس کا پریشان چہرہ دیکھنے لگے۔

''آپ میرے لیے کینڈی کا ٹکٹ خرید دیں گی۔ پلیز۔ میں سیل فون لے آؤں'' جلدی جلدی چند نوٹ اسے تھما کر وہ مڑ کر بھاگا۔ لڑکی حیران رہ گئی مگر لڑکے نے اسے تسلی دی کہ وہ اس کے لیے ٹکٹ لے لیں گے۔

جب اس نے دیکھا کہ ان کی باری آ چکی ہے اور وہ ٹکٹ لے چکے ہیں' تب وہ واپس ان تک آیا اور بہت ہی مایوسی سے بتایا کہ وہ سیل کھو چکا ہے۔ انہوں نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے بتلایا پیسے اور ٹکٹ اسے تھمائے' جنہیں لے کر وہ پھر سے وہاں سے غائب ہو گیا۔ ٹرین کی روانگی تک وہ ایک باتھ روم میں دروازہ بند کر کے کھڑا رہا' اور جیسے ہی وقت قریب آیا' وہ باہر نکلا اور ٹرین میں جا سوار ہوا۔ نہ کسی نے اسے دیکھا' نہ کسی نے اسے محسوس کیا۔ وہ ایک کونے کی سیٹ پہ بیٹھ گیا اور اخبار' وہ کسی مسافر نے نہیں چھوا تھا کہ ہر کوئی اپنے اسمارٹ فون کے ساتھ لگا تھا' کو چہرے کے سامنے پھیلا لیا۔

دو منٹ بعد ٹرین چل پڑی...اور اسے کولمبو سے دور لے گئی...دور...بہت دور...

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ دن ہیں کہ یاروں کا بھروسہ بھی نہیں ہے

وہ دن تھے کہ دشمن سے بھی نفرت نہیں ہوئی تھی

ہوٹل کی زیر زمین جیل میں فصیح سعدی کے کمرہ جن میں کھڑا تھا اور اس کی چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ ساتھ والے کمرے میں تین

افراد اس شیف کو باندھ کر اس کے چہرے پہ کپڑا ڈالے اس پہ بار بار گرم پانی ڈال رہے تھے اور وہ درد سے کراہتا بے ربط الفاظ بولے جا رہا تھا۔

میری فصیح کے ساتھ کھڑی تھی اور اس کو سعدی کی چیزوں کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''وہ یہاں سے کچھ بھی نہیں لے کر گیا' سوائے ان کاغذات کے جن پہ وہ کچھ لکھا کرتا تھا۔''

''ہوں۔'' فصیح نے ہنکارا بھرا' پھر سر اٹھا کر میری کو دیکھا۔ ''تم اوپر چلی جاؤ۔ تم کاردار صاحب کے ساتھ واپس جاؤ گی۔''

میری کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ''مگر میں نے ان کو مایوس کیا ہے۔ میری مخبری کی وجہ سے وہ اس کمرے تک پہنچے اور وہاں سے بھاگے۔''

''مگر تمہاری نیت صاف تھی۔ جاؤ' کاردار صاحب اوپر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔ میری آنکھوں کو پونچھتی باہر نکل گئی۔ فصیح موبائل پہ بٹن دباتا باہر آیا اور لفٹ کی طرف بڑھتے' دوسری جانب جاتی گھنٹی سنتا رہا۔

''سر! ایک اہم بات ہے۔'' لفٹ میں داخل ہو کر وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔

''کیا ہوا فصیح؟'' ہارون مصروف لہجے میں بولے تھے۔

''شیف ٹوٹ چکا ہے۔ سب اگل دیا ہے۔ لیکن زہریلی سرنج کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا۔ سر۔'' وہ متذبذب سا رکا۔ ''سعدی یوسف کے سامان میں دو چیزیں مسنگ ہیں۔ ایک اس کے کاغذ' دوسرا مس آبدار کا پین۔ مس اپنی نوٹ بک اس کے پاس چھوڑ گئی تھیں۔ میں وہ لینے لگا تو وہ پین یاد آیا۔ صرف وہی پین تھا جو سیکیورٹی پوائنٹ پہ چیک نہیں کیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے مس آبدار نے اس میں زہر.....''

''آج تو تم نے میری بیٹی پہ الزام لگا دیا ہے' آئندہ کبھی مت لگانا۔'' وہ ایک دم گرج کر بولے تھے۔ ''وہ میرا پین تھا' اور وہ سعدی نے نہیں رکھا تھا۔ آبی اسے واپس لے آئی تھی۔ تمہاری یادداشت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ اپنی ناک کے نیچے سارا کھیل رچاتے شیف کو تم پکڑ نہیں سکے اور میری بیٹی پہ الزام لگاتے ہو؟''

فصیح کے ایک دم پسینے چھوٹ گئے۔ رنگت متغیر ہوئی۔ ''سوری سر' میرا یہ مطلب...'' مگر ہارون اس کے سارے خاندان کو مغلظات سے نواز کر اسے گویا ادھ موا کر کے فون بند کر چکے تھے۔

وہ اس وقت اپنے آفس میں بیٹھے تھے۔ فون بند کر کے انہوں نے ریموٹ اٹھایا اور دیوار گیر کھڑکی کی طرف کر کے بٹن دبایا۔ بلاک آؤٹ بلائنڈز فوراً سے کھڑکیوں پہ گرنے لگے یہاں تک کہ ساری روشنی ختم ہو گئی اور آفس میں اندھیرا چھا گیا۔ ہارون ٹیک لگائے' تھوڑی مسلتے' چھت کو دیکھتے کتنی ہی دیر سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے انٹرکام اٹھایا۔

''آفتاب کو بلاؤ۔''

آدھے گھنٹے بعد... وہ اسی طرح اندھیرا کیے' کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے جب آفتاب اندر داخل ہوا۔ وہ دبلا پتلا' ادھیڑ عمر شخص تھا اور اچھا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ ہارون نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

"میری بیٹی نے مجھے صبح اطلاع دی تھی کہ وہ چند دن کے لئے میرا بزنس جیٹ لے کر جا رہی ہے۔ اس نے میرے عملے کو بھی چھٹی دے دی ہے..... مجھے معلوم ہے وہ کسی ایسے شخص کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی ہے جس کے بارے میں وہ مجھے نہیں بتانا چاہتی۔"

آفتاب توجہ سے سن رہا تھا۔

"وہ اپنے قابلِ بھروسہ لوگوں کو عملے میں رکھے گی۔ وہ تم پہ بھروسہ کرتی ہے۔ اکثر تمہیں کام کہتی رہتی ہے۔ تم اس عملے میں شامل ہو گے۔"

"اور میں آپ کو معلوم کر کے دوں گا کہ وہ کس کو اپنے ساتھ لے جا رہی ہیں؟"

"میں پہلے سے ہی جانتا ہوں کہ اس کا نیا دوست کون ہے اور یہ بھی کہ وہ کولمبو کیوں جانا چاہتا ہے۔ تم بس کولمبو میں آبی کے قریب رہو گے اور اس کی حفاظت کرو گے۔" ان کا چہرہ اندھیرے میں تھا اور دن کے اوقات کے باوجود آفتاب کو ان کا چہرہ دیکھنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دھیان اور غور سے سنتا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب سانس کا احساس بھی اِک بارِ گراں ہے
خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہوئی تھی

میری انجیو نے اس روز یونیفارم کی بجائے سادہ بھوری اسکرٹ، بلاؤز کے سیاہ لمبی جرابیں پہنی تھیں۔ جس وقت وہ کار سے نکل کر سبزہ زار پہ کھڑی ہوئی اس کی گردن خود بخود قصر کار دار کو دیکھنے... نگاہوں میں سمونے کے لئے.. اوپر اٹھتی گئی۔ دھند اور سرخ شام کے ڈھلتے موسم میں پوری شان سے کھڑا او نچا محل روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اگلی کار سے ہاشم اور جواہرات نکلے تھے۔ سونی آگے بھاگ گئی تھی۔ وہ دونوں باتیں کرتے قصر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میری نے گردن سیدھی رکھی، اور دلی جذبات پہ قابو پاتی، ہمت مجتمع کر کے ان کے پیچھے چل پڑی۔ رواج کے مطابق خوش آمدید کہنے ملازم دروازے پہ آ کھڑے ہوئے تھے۔ فیونا بھی ان میں سے ایک تھی۔ سب سے آگے، وہ اعتماد سے مسکرا کر جواہرات کا استقبال کر رہی تھی۔ دونوں ماں بیٹا اسی بے نیازی سے اندر داخل ہوئے اور فیونا نے دیکھا ان کے پیچھے میری انجیو چلی آ رہی ہے۔ فیونا یکدم بت بن گئی۔ بالکل منجمد۔ میری قدم بقدم چلتی قریب آئی۔ اس کے ادھیڑ عمر چہرے پہ فیونا کے مقابلے میں ڈھیروں لکیریں اور تجربے کے بل پڑے تھے۔ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے فیونا کو دیکھا۔

"بہروز سے کہو میرا کمرہ تیار کرے۔" تحکم سے کہا تھا۔ فیونا نے مڑ کر جواہرات کو دیکھا جو اندر جا رہی تھی اور پھر بے بسی بھرے تعجب سے واپس میری کو۔

"بہروز... سارا پرانا اسٹاف.. اب یہاں جاب نہیں کرتا۔" پھر ذرا اعتماد سے بولی۔ "اب یہاں کا اسٹاف بدل گیا ہے میری انجیو۔"

"بہت اچھے۔ اس بدلے ہوئے اسٹاف کے لوگوں سے کہو میرا کمرہ تیار کریں اور یہ بھی کہو، صبح منہ اندھیرے وہ اٹھ کر تیار ہو جائیں، کل میں سارے گھر کے اِن ڈور پلانٹس کی جگہیں بدلنا چاہوں گی۔" پھر ایک طائرانہ نظر برآمدے پہ دوڑائی۔ "اور ادھر کے سارے پودے

کہاں گئے؟ میں چند دن کے لئے کیا گئی' تم لوگ تو نکمے ہو گئے ہو....'' ڈپٹ کر بولتی وہ اندر بڑھ گئی۔ فیونا ہکا بکا سی ساکت کھڑی رہ گئی۔

اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھتی جواہرات کہہ رہی تھی۔ ''میری.... مساج کے لئے سامان تیار کرو۔ میرے پیر بہت درد کر رہے ہیں۔''

اور اوپر سیڑھیوں کے زینے چڑھتے ہاشم نے آواز لگائی تھی۔ ''میری.... بلیک کافی بھیجو میرے کمرے میں فاٹافٹ۔'' اور میری انجیو مسکرا کر' سر کو خم دیتی' دونوں کو جواب دیتی آگے بڑھ گئی تھی۔

پہلے احمر شفیع اور اب میری انجیو.... فیونا کا سارا وجود مین بوس ہو گیا تھا۔

اپنے کمرے کے دروازے کے قریب ہاشم رکا۔ سامنے سے نوشیرواں چلا آ رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر ہاشم تنے تاثرات کے ساتھ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اسے امید تھی کہ شیرو معذرت کرنے پیچھے آئے گا مگر چند لمحے بعد زینے اترنے کی آواز نے اس کے دل کو دھکا سا لگایا۔ مگر وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ کوٹ اتارتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا۔

زندگی اس کے لئے معمول پہ آ چکی تھی۔ سعدی یوسف کے بھاگنے کے بعد اسے اگلا کارڈ کون سا کھیلنا تھا' اب اسے یہی سوچنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب تیرے قریب آ کے بھی کچھ سوچ رہا ہوں

پہلے تجھے کھو کر بھی ندامت نہ ہوئی تھی

ائیرپورٹ جانے سے پہلے' گھر کے اندر سب سے مل کر' خدا حافظ کہہ کر اب وہ پورچ میں آ کر کار میں سامان رکھنے لگا تھا' اور جانتا تھا کہ اس سے اس وقت کوئی خوش نہیں تھا۔ اس نے سارہ کو فون کرنے کا سوچا پھر رہنے دیا۔ وہ اسے اس کے حال پہ چھوڑ چکا تھا۔

موبائل نکال کر اس نے کال ملائی اور تھوڑی دیر کے لیے گیٹ سے باہر جا کر بات کرنے لگا۔

''میں پھر سے دہرا رہا ہوں۔ تم چوبیس گھنٹے میرے گھر کے باہر ہو گے۔ میرے گھر کون آتا ہے' یہاں سے کون کہاں جاتا ہے' تم ان پہ نظر رکھو گے۔ قادر میرے بھانجے کے قریب رہے گا۔ جب تک وہ اسکول میں ہو گا' وہ اسکول کے باہر کھڑا رہے گا۔ میں کچھ دن میں آ جاؤں گا' لیکن میرے پیچھے تم لوگ میرے گھر والوں کی حفاظت کرو گے۔'' اور دوسری طرف موجود بندہ اسے تسلی دے رہا تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔

زمر نے ائیرپورٹ تک کی ڈرائیو خاموشی سے طے کی وہ بھی چپ سا کھڑکی کے باہر دیکھتا رہا۔ صرف حنین ساتھ آئی تھی اور پیچھے چپ بیٹھی تھی۔ فارس نے اس سے ابھی تک بات نہیں کی تھی۔

پھر احاطے کے اندر آ کر.. ڈھیروں مسافروں کے درمیان... زمر اس جگہ رکی جہاں سے آگے وہ نہیں جا سکتی تھی۔ وہ بھی ٹھہر گیا۔ کچھ دیر دونوں خاموش کھڑے رہے۔

''تو طے ہوا کہ تم نہیں رکو گے۔ بھلے کوئی کتنا ہی روکے!'' سینے پہ بازو لپیٹے وہ اس کے مقابل کھڑی' اداس مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگی۔

''کسی نے روکا ہی نہیں تو کیسے رکتا؟'' اس نے مسکراہٹ دبائی۔

زمر بس یاسیت سے اسے دیکھتی رہی۔ "مت جاؤ۔"

"آ جاؤں گا واپس۔" اس نے نظریں چرائیں۔

"اور اگر جو نہ آئے فارس...." وہ بے بسی سے دونوں ہاتھ اٹھا کر بولی تھی۔ جیسے اپنی بات کی وضاحت نہ کر پا رہی ہو۔ "مجھے لگتا ہے میں تمہیں کھو دوں گی۔"

"تم سب محفوظ ہو۔ پہلے نہیں تھے۔ اب ہو۔ کیونکہ اب ہم سب اکٹھے ہیں۔" ارد گرد موجود لوگوں سے قطعاً بے نیاز ہو کر اس نے زمر کے دونوں ہاتھ تھامے۔ اسے پرواہ نہیں تھی کوئی دیکھ کر کیا سوچتا ہے۔ ہاتھ تھامنے کا مطلب صرف رومانس تو نہیں ہوتا۔ جیسے بھائی بہن کا یا باپ بیٹی کا ہاتھ تھام کر اسے حفاظت اور بھروسے کا احساس دلاتا ہے ' ویسے ہی شوہر اور بیوی کے رشتے میں (اگر بالی وڈ کی عینک اتار کر تم دیکھو) تو دوستی ' اعتماد ' حفاظت ' مان ' یہ سب ہوتا ہے ' اور رومانس تو ایک بہت ثانوی چیز بن کر رہ جاتا ہے۔

اور اس وقت وہ خود کو جتنا کمزور محسوس کر رہی تھی ' فارس کا یوں ہاتھ تھام کر احساس دلانے سے.. اس کی آنکھیں جانے کیوں بھیگ گئیں۔ سرخ گڑیا سے جڑی ساری تلخی ہوا ہوئی۔

"پچھلے ساڑھے چار سال اچھے گزرے فارس۔ میں ان سیکیور نہیں محسوس کرتی تھی خود کو۔ کھونے کے لئے کچھ رہا ہی نہیں۔ مگر اب... ماہ کامل کے بعد سے.. اس رشتے کے بعد سے... کھونے کے لئے بہت کچھ آ گیا ہے زندگی میں۔ پلیز جلدی واپس آ جانا۔" وہ دکھی دل سے کہہ رہی تھی۔ آج اس سے لڑنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"تو تم مجھے مس کرو گی؟" وہ مسکرایا۔ مگر خوش وہ بھی نہیں تھا۔

"میں تمہیں مس کیوں کروں گی؟" زمر نے مسکراہٹ دبائے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالے۔ "آئی ہیٹ یو۔" اور فارس غازی نے سر کو خم دیا۔

"آئی لو یو ٹو!" اور بیگ اٹھا کر کندھے پہ ڈال لیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دی۔ گردن پیچھے کو پھینک کر محظوظ ہو کر۔ پھر اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مسکرا کر۔ محظوظ ہو کر۔ زمر کے دل میں ایک دم بہت سے واہمے در آئے۔

"تم ایسے ہی واپس آؤ گے نا؟ بدل تو نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں۔" اس نے مسکرا کر تسلی دی۔ پھر اس کی طرف جھکا۔ "اور میں اس کو دن میں تین چار کی بجائے صرف ایک یا دو کالز کیا کروں گا۔"

"ہاں ہاں کر لینا۔" وہ پھر ہنس دی تھی۔ وہ اسے صرف ستا رہا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس نے خود کو تسلی دے دی اور پھر مڑ آئی۔ اس کو دور جاتے دیکھنا مشکل تھا۔ خود دور جانا زیادہ آسان تھا۔

حنین اس کی منتظر تھیں۔ وہ چپ چاپ اس سے آملی۔ ماحول بوجھل سا تھا۔ اور پھر اسی بوجھل ماحول میں وہ دونوں گھر جانے کے بجائے ایک ریسٹورانٹ میں آ بیٹھیں۔ حنین نے آرڈر دیا اور زمر گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی' خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''مبارک ہو۔ آپ کا شوہر بھاگ گیا' اور میرا بھائی ابھی تک گمشدہ ہے۔'' حنہ نے تھوڑی دیر بعد جلے کٹے انداز میں کہا۔

''ہم دونوں ناکام عورتیں ہیں کیونکہ ہمارے سب سے عزیز مرد ہمیں چھوڑ جاتے ہیں۔'' وہ خفگی سے بول رہی تھی۔ ''فرعون بھی تو یہی کرتا تھا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے... بار بار... کہ بنی اسرائیل... وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔''

''بیٹیوں کو نہیں' عورتوں کو۔'' زمر نے دھیمی آواز میں تصحیح کی مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''یہ عذاب تھا بنی اسرائیل کا۔ ایسی ذلت کہ کوئی آپ کے مردوں کو مار دے' اور عورتوں کو چھوڑ دے۔ اکیلی عورتوں کو۔ بنی اسرائیل کی بے بسی اور لاچاری تو دیکھو۔ بالکل ہماری طرح۔''

''ہاں ٹھیک ہے یہ آیت ''یقتلون ابنائکم و یستحیون نسائکم'' بنی اسرائیل کی بے بسی بیان کرتی ہے' مگر اس کے اور زاویے بھی ہیں۔'' زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

''مثلاً کون سے؟'' وہ سخت جلی کٹی بیٹھی تھی۔ فارس اس سے بات تک نہیں کر کے گیا تھا۔

''بہت سے ہوں گے نا حنین۔'' وہ جیسے اس ذکر سے احتراز برت رہی تھی۔ اتنے برس سخت دل کے ساتھ گزارے تھے' اب کیا پگھلنا؟

''آپ بتائیں میں سن رہی ہوں۔'' حنہ نے لہجہ ذرا دھیما کیا۔

''ہر آیت کے بہت سے رموز' بہت سے زاویے ہوتے ہیں۔''

''ایک منٹ زمر۔ میں نے ایک بات بھائی سے کبھی نہیں پوچھی' پہلے ضرورت نہیں پڑی لیکن اب میں خود کنفیوز ہو رہی ہوں کہ جیسے بھائی کی فیس بک پہ تفسیر ویڈیوز ہیں....'' وہ ذرا ہچکچائی... ''ہم جیسے عام لوگ قرآن کی تفسیر کیسے کر سکتے ہیں؟''

زمر دونوں کہنیاں میز پہ جمائے آگے کو ہوئی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''ہم جیسے عام لوگ قرآن کی تفسیر کر بھی نہیں رہے۔ تفسیر تو مفسر کرتے ہیں۔ عربی گرائمر' صرف نحو' وغیرہ کی باتیں۔ حقائق کے حوالہ جات۔ آیات کا شانِ نزول وغیرہ بتانا۔''

''تو پھر وہ جو بھائی کے فیس بک گروپ میں اس کی ویڈیوز ہیں' وہ کیا ہے؟''

زمر لمحے بھر کے لئے چپ ہوئی۔ آنکھیں نیچے جھکا کر اس نے گویا کچھ سوچا۔ حنہ کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے۔ اور اس کی اپنی آنکھوں میں دلچسپی اتری۔ پھر زمر نے آنکھیں اٹھائیں۔ (فارس کے جانے کا غم دونوں کے دل سے لمحے بھر کو نکل گیا۔)

''ہمارے رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے آپ کو مفسر نہیں کہا تھا۔ قرآن ایک علمی کتاب بھی ہے' لیکن یہ ''صرف'' علمی کتاب نہیں ہے۔ کیا اللہ نے قرآن میں یہ نہیں فرمایا کہ... (قدرے وقت سے اس نے آیت دہرائی' یہ نہیں تھا کہ آیت یاد نہیں تھی بلکہ بس اس کا یاد آنا اور خود کو یاد دلانا مشکل لگ رہا تھا) یعنی ہم نے نازل کی آپ پر یہ کتاب جو مبارک ہے' تاکہ آپ اس میں تدبر (غور و فکر) کریں اور اس کے ذریعے عقلمند لوگ نصیحت پکڑیں۔ تو حنین' ہم لوگ قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتے' مگر اس کی آیات کے معانی کے اندر رہ کر اس میں تدبر تو کر سکتے ہیں اور اس کی دعوت خود قرآن ہر انسان کو دیتا ہے۔ اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ کوئی پیدائشی عام یا خاص نہیں ہوتا۔ اور اگر ہم اس کی ایک

ایک آیت کو اپنی زندگی سے ریلیٹ نہیں کریں گے تو نصیحت کیسے پکڑیں گے اس سے؟ دیکھو میں واقعی بہت نیک نہیں ہوں' اس کو پڑھتی بھی نہیں ہوں اب۔ مگر میں جو قرآن کا مقصد سمجھی ہوں وہ یہ ہے کہ یہ ہر انسان کے لئے نصیحت ہے۔ یہ صرف "تفسیر" نہیں ہے۔ یا یہ صرف علمی کتاب نہیں ہے۔" حنین پیچھے ہو کر بیٹھی۔ ویٹر آرڈر سرو کرنے لگا مگر زمر ادھر متوجہ نہیں تھی۔ (اچھی بات ہے۔) حنہ نے اپنی پلیٹ سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

"زمر لیکن اگر ہر انسان خود سے تدبر کرنے لگے گا تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ کیونکہ اللہ اسی قرآن کے ذریعے لوگوں کو بھٹکاتا بھی ہے۔"

"تو پھر ہر قرآن پڑھنے والا بھٹک کیوں نہیں جاتا؟" وہ اب زیادہ روانی سے بول رہی تھی۔ "لوگوں نے اس آیت کو بہت غلط استعمال کیا ہے کہ چونکہ قرآن سے بندہ بھٹک بھی سکتا ہے اس لئے اس کو صرف کھول کر پڑھو اور پھر چوم کر کسی اونچی جگہ پہ رکھ دو۔ دیکھو حنہ... کوئی شخص کسی راستے پہ سفر کرنے نکلے تو یا تو وہ بھٹکے گا' یا منزل تک پہنچ جائے گا۔ بھٹکنے کے ڈر سے اب کوئی سفر ہی نہ کرے کیا؟ لوگ تو روز سفر کرتے ہیں۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ جو سائن بورڈز دیکھ کر سفر کرے گا' کامن سینس یوز کرے گا' وہ نہیں بھٹکے گا۔"

"میں بحث نہیں کرنا چاہ رہی زمر۔" حنہ نے مزے سے پلیٹ میں اچھی اچھی اسنیکس نکالیں' فرنچ فرائز بھرے' ساس ڈالی اور پھر سرسری انداز میں بولی۔ "مگر... اس طرح اگر ہر شخص قرآن کی تفسیر..." وہ رکی اور تصحیح کی۔ "قرآن میں تدبر کر کے اس کو بیان کرنا شروع کر دے' یعنی اپنی رائے پہ بیان کرنے لگ جائے... تو..."

"اپنی رائے پہ تو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ قرآن میں ہے نا وہ کہ جہنم والے کہیں گے ہم قیامت کو جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ آ گیا ہم کو الیقین۔ اب الیقین کا مطلب "موت" ہے۔ آپ اس کا مطلب "یقین کر لینا" نہیں لے سکتے۔ آپ کو اس آیت کے اندر رہ کر اس کے مطلب کے دائرے میں رہ کر ہی تدبر کرنا ہے' اور عقل استعمال کر کے اس سے اپنے لئے سبق نکالنے ہیں۔ اسی لئے اللہ کہتا ہے قرآن میں' کہ یہ نصیحت ہے عقل والوں کے لئے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں زمر' کہ اگر ہر شخص یوں تدبر کرنے لگے گا' بھلے وہ اس کی اپنی رائے نہ ہو' بھلے وہ آیت کے اندر رہ کر ہی کہے یہ سب... تب بھی... کیا فتنہ نہیں کھڑا ہوگا؟ کیونکہ بہت سے لوگ غلط تدبر نہیں کرنے لگ جائیں گے اور دوسروں کو بھٹکائیں گے؟"

حنین اب فرنچ فرائز ساس میں ڈپ کر کر کے کھاتی پوچھ رہی تھی۔ (بڑے ماموں... آپ کی وجہ سے کل سے کھانا نہیں کھایا۔)

"کیا مطلب کہ لوگ غلط تدبر کریں گے؟ لوگ پہلے ہی غلط تدبر کر رہے ہیں' حنین۔ اسی قرآن کی آیات کو استعمال کر کے دہشت گرد بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ قادیانی اسی قرآن سے اپنے مطالب نکالتے ہیں۔ سلمان رشدی جیسے لوگ اسی قرآن کو کوٹ کر کے اپنی کتابیں لکھتے ہیں۔ مسلمانوں میں ہی لوگ "دین میں کوئی جبر نہیں" جیسی آیات کا معانی بدل کر اسے استعمال کرتے ہیں۔ لوگ تو ہمیشہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ایسے میں تو ہمیں زیادہ ضرورت ہے قرآن میں صحیح تدبر کرنے کی تاکہ ہم روشنی پھیلائیں اور اس سے غلط تدبر کرنے والوں کے اندھیرے کو مٹائیں۔ لوگوں کو قرآن کا اصل مطلب بتائیں۔"

''وہی تو زمر... اگر ہم بھی تدبر کو فروغ دیں گے تو یوں لوگوں کے غلط تدبر کا رسک بڑھے گا۔ پہلے جہاں بیس لوگ قرآن کو غلط بیان کرتے تھے وہاں اب سو لوگ ایسے کرنے لگ جائیں گے۔''

''ہاں تو کرتے رہیں۔'' اس نے شانے اچکائے تھے۔

''کرتے رہیں؟'' حنین کا کانٹا پکڑے ہاتھ فضا میں معلق ہو گیا۔ منہ کھل گیا۔ ''کرتے رہیں؟''

زمر نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''ہاں کرتے رہیں' مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ یہ قرآن ہے۔ ڈیئر حنین' اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ جو اس میں غلط تدبر کرے گا' اس میں معنوی تحریف کرے گا' وہ خود ہی رسوا ہو کر کسی کونے میں پڑا ہو گا۔ اللہ فرماتا ہے' ہر چیز سمندر کی جھاگ کی طرح ہے' بہہ جائے گی' لیکن جو لوگوں کو نفع دیتا ہے' صرف وہی رہ جائے گا۔ تو جو صحیح تدبر کرے گا' اس کا کام رہ جائے گا۔ باقی سب سمندر کی جھاگ کی طرح بہہ جائے گا۔ کتنے عرب شعراء نے قرآن کی طرح کلام لکھنے کی کوشش کی' کہاں ہے ان کا کام؟ کہاں ہے سلمان رشدی کی کتاب؟ پتہ ہے کیا' جب امام مالک موطا لکھ رہے تھے (حدیث کی ایک مستند کتاب) تو بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی کتب کا نام موطا رکھ کر لکھنا شروع کر دیا تو کسی نے امام مالک سے کہا کہ آپ اپنی کتاب کا نام بدل دیں تو انہوں نے فرمایا ''جو اللہ کے لئے ہے وہ رہ جائے گا۔'' آج صرف ایک موطا مارکیٹ میں ملتی ہے جو امام مالک کی ہے۔ باقی کہاں گئیں؟ تو قرآن کی بقا کے لئے ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ اس نے خود ہمیں دعوت دی ہے کہ ہم اس کے اندر تدبر کریں اور اس کے ساتھ لوگوں کو نصیحت کریں۔ ہم اچھی نیت سے' اور اس کو سمجھ کر اس کا مطلب بیان کریں گے' اور اس سے اپنے لئے اسباق نکالیں گے تو ہمارا کام رہ جائے گا' لیکن جہاں ہم غلط کچھ کہیں گے یا لکھیں گے تو ہم خود ہی مٹ جائیں گے۔''

''رائٹ!'' حنین بھی گویا چونک سی گئی تھی۔ اس نہج پہ اس نے پہلے نہیں سوچا تھا۔ زمر نے پلیٹ میں اسٹیک نکالتے ہوئے اسی اعتماد سے حنہ کو مخاطب کیا۔

''اور تم مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو مارتا تھا اور عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا' اس میں اور کس طرف اشارہ ہو سکتا ہے؟ تو اگر تم اس آیت کے الفاظ پہ غور کرو تو ''بیٹوں'' کو مارتے تھے اور ''عورتوں'' کو زندہ چھوڑتے تھے کہا گیا ہے۔ ''بیٹوں'' کے مقابلے پہ ''بیٹیاں'' کہا جانا چاہیے' مگر نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''عورتیں''۔'' اب کے اس نے بھی اپنی پلیٹ میں اسٹیک نکالی اور اسی روانی میں بولتی گئی۔ ''فرعون کو جب معلوم ہوا کہ ایک بنی اسرائیلی لڑکا اس کے زوال کا سبب بنے گا تو اس نے پتہ کروایا کہ وہ کس سال میں پیدا ہو گا۔ ان کے اپنے حساب تھے۔ ایک سال میں پیدا ہونے والے بچے وہ مروا تا تھا' اگلے سال والے چھوڑ دیتا تھا۔ جس سال ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اس سال بچے نہیں مارنے تھے' سو ان کو چھوڑ دیا گیا۔ مگر جس سال موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اس سال بچے قتل کیے جا رہے تھے۔ تو ہاں' ایک طرف یہ آیت بنی اسرائیل کی بے بسی اور ذلت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ وہ ان کے بیٹوں کو مارتا تھا' مگر ''عورتوں'' کو چھوڑ

دیتا تھا۔ بیٹیوں کو نہیں، عورتوں کو۔ ماں بھی، بہن بھی۔ چاہے کوئی بھی اسرائیلی عورت ہو، فرعون نے اسے چھوڑ دیا۔ اور پھر انہی دو عورتوں نے ...موسیٰ کی والدہ اور ان کی بہن...انہی نے تدبیر کی...نہ صرف موسیٰ کی جان بچائی بلکہ ان کا فرعون کے محل میں رہنا سہل بھی بنایا۔ اگر موسیٰ کی والدہ اللہ کے حکم کو اس وقت نہ مانتیں، اور تدبیر نہ کرتیں تو فرعون کا زوال کیسے ہوتا؟ سو مجھے لگتا ہے اس آیت میں فرعون کی غلطی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ فرعونین غلطی کرتے ہیں جب وہ کسی قوم کی عورتوں کو کمزور اور کم عقل جان کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور سارا فوکس ان کے مردوں پر رکھتے ہیں۔"

اور زمر یوسف کو لگا، یہ سب کہہ کر، خود اس کے دل کو سخت پتھر بنائے خول میں دراڑیں پڑ رہی تھیں۔ سنا تھا قرآن دلوں کو نرم کرتا ہے، آج لگا تھا، واقعی کرتا ہے۔ ہلکی پھلکی سی ہو کر وہ اب کھانا شروع کرنے لگی۔

"بالکل۔ عورتیں بہت کچھ کر سکتی ہیں، لیکن اگر وہ اکٹھی ہوں۔"

حنین نے مسکرا کر زمر کو دیکھا۔ "بہت سالوں بعد آپ کے منہ سے قرآن کی باتیں سنیں۔ اچھا لگا۔ کبھی آپ بھی لکھا کریں نا یہ سب سعدی بھائی کے فیس بک گروپ پہ۔" زمر کے چہرے پہ سایہ لہرایا۔

"جو لوگ اپنی ذاتی عبادات میں اچھے نہیں ہوتے، ان کو کوئی حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ دین کا کام کریں۔ میں بے روح عبادت کے بعد کیسے لوگوں کے سامنے قرآن کو بیان کر سکتی ہوں؟ یہ کام سعدی جیسوں کے لئے ہی بنی ہے۔" وہ خاموشی سے سوچتی رہی، بولی نہیں۔ حنہ اب سارا غم، بھلائے کھانا کھا رہی تھی۔ (کاش کسی دن وہ کسی بیکری میں بند ہو جائے اور سب کچھ چٹ کر جائے....) وہ بچپن کی معصوم خواہش آج پھر دل کو گدگدانے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملنے کو زندگی میں کئی ہمسفر ملے

لیکن طبیعتوں سے طبیعت نہیں ملی

ہاکر 400 فضا میں تیر رہا تھا اور نیچے پھیلی دنیا کی سردی کے برعکس اس کے اندر کا ماحول گرم اور آرام دہ تھا۔ چھوٹی چوکور کھڑکی سے باہر دیکھتے فارس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔ ابرو ذرا اکٹھے کیے ہوئے تھے اور سر پہ سیاہ پی کیپ پہن رکھی تھی۔

اس کے مقابل نشست پہ آبی بیٹھی تھی۔ اس نے سرخ ریشمی رومال سر پہ باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی اور رومال سے نکلتی بھوری سرخ چوٹی بائیں شانے پہ آگے کو ڈال رکھی تھی۔ وہ ہتھیلی پہ چہرہ جمائے، سرخ لب کاٹتی، سرمئی آنکھیں فارس پہ مرکوز کیے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے پہ معصومیت اور خوشی دونوں تھیں۔ ملازم ٹرے لئے اس کے پاس آ کر کھنکھارا تو وہ چونکی، گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور "تھینک یو آفتاب" کہتے ہوئے گلاس اٹھا لیا۔ ملازم فارس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے، گردن موڑے بنا "نو تھینکس" کہا۔ آبی نے ہاتھ کے اشارے سے آفتاب کو جانے کا کہا۔ وہ ایک خاموش نظر فارس پہ ڈال کر مڑ گیا۔

وہ دونوں تنہا رہ گئے تو آبدار کھنکھاری۔ ''کیپ اتار دیں۔ میری ملازم کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔''

فارس نے سنجیدہ چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''اس نے تین دفعہ مجھے سر سے پیر تک دیکھا ہے۔ وہ ذہن میں میری پروفائلنگ کر رہا تھا۔ لینڈ کرتے ہی وہ آپ کے والد کو کال کرے گا اور ان کے سامنے مجھے پروفائل کرے گا۔''

''نہیں' وہ قابل بھروسہ آدمی ہے' آپ فکر مت کریں' وہ....''

''مجھے بالکل فکر نہیں ہے' آبدار۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے والد کو بتائے۔'' وہ بے تاثر نظروں سے اس کو دیکھ کر بولا تھا۔

آبدار کی آنکھیں اس پہ ساکت سی ہو گئیں۔ ''جی؟''

''میں اپنے کام خود کرتا ہوں' لیکن جب کوئی کام بساط سے بڑھ کر لگے تو اس کا بوجھ بانٹ دیتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ہاشم جانے' میں کولمبو جا رہا ہوں۔ اس کے لئے جو کر سکتا تھا' وہ کیا۔ لیکن قوی امکان ہے کہ کوئی مجھے دیکھ لے اور ہاشم کو بتا دے۔ سو میں نے آپ کے ساتھ جانے کو ترجیح دی' کیونکہ آپ کا عملہ ضرور آپ کے والد کو بتائے گا اور میرے حصے کا آدھا کام وہ کریں گے۔''

''اور آپ کو کیوں لگتا ہے کہ بابا ہاشم سے اس بات کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے؟''

''کیونکہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ وہ آپ کو دو دشمنوں کی فائر لائن کے درمیان نہیں کھڑا کرنا چاہیں گے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ کیپ نے اس کی آنکھوں پہ اندھیرا سا کیا ہوا تھا۔

''یعنی....'' آبی متحیر رہ گئی۔ ''آپ مجھے استعمال کر رہے ہیں۔''

''جی میں آپ کو استعمال کر رہا ہوں۔'' وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

آبی کو پھر بھی برا نہیں لگا۔ کہنی سیٹ کے ہتھے پہ جمائے' ہتھیلی پہ چہرہ گرائے اس کو دیکھتے ہوئے سوچ کر کہنے لگی۔ ''میرا خیال تھا ہم دوستوں کی طرح ساتھ جا رہے ہیں۔''

''ہم دوست نہیں ہیں آبدار۔''

''آپ مجھے آبی کہہ سکتے ہیں۔''

''اوکے!'' فارس نے سر کو خم دیا اور بات دہرائی۔ ''ہم دوست نہیں ہیں مس عبید۔''

''میں آپ کے ذاتی مسئلے میں آپ کی مدد کر رہی ہوں' پھر بھی ہم...''

''یہ ''ذاتی'' نہیں ہے میرے لئے۔'' اس نے سنجیدگی سے چہرہ آبدار کی طرف موڑا۔ ''یہ میرے لئے ''کام'' ہے۔ مجھے کچھ کام کرنے ہیں واپس جانے سے پہلے' اور....'' وہ رک گیا۔

''کدھر واپس جانے سے پہلے؟'' وہ چونکی۔ چہرہ ہتھیلی سے اٹھایا اور سیدھی ہو کر بیٹھی۔ فارس چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"جیل واپس جانے سے پہلے۔"

آبی دھک سے رہ گئی۔ "آپ دوبارہ جیل کیوں جائیں گے؟" فارس نے کافی دیر جواب نہیں دیا، لیکن جب وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی تو وہ قدرے نرمی سے بتانے لگا۔

"جب چار سال کی قید کاٹ کر نکلا تھا تو میرے پاس ایک پلان تھا' سب اسی کے مطابق کر رہا ہوں۔ یہ میرا "کام" ہے۔ "ورک" ہے۔ "پرسنل" نہیں ہے۔ اور اس کا انجام ایک ہی طرح سے ہوگا۔ مجھے واپس جیل جانا ہے ان جرائم کے لئے جو میں نے ابھی کرنے ہیں۔ مگر اس سے پہلے' مجھے اپنی فیملی کو محفوظ کرنا ہے' اور سعدی کو واپس لانا ہے۔"

آبدار چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکی۔ "پھر "ذاتی" کیا ہے آپ کے لئے؟ کیا آپ اپنے لئے نہیں جیتے؟"

"میری ایک بیوی ہے جس سے میں جھوٹ بول کر آیا ہوں' میری ایک بھانجی ہے جس سے میں بات کیے بنا آیا ہوں۔ میرا ایک دوست ہے جس سے لڑا ہوں میں کل رات۔ مگر ذاتیات میں آپ سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتا اس لئے ہم اس طرف نہیں جائیں گے۔" اس نے حد بندی واضح کی۔ آبی بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"اسی لئے مسز زمر اور آپ کی ڈائیورس ہونے جا رہی ہے۔ (فارس نے چونک کر اسے دیکھا) آپ آخر میں جیل جانا چاہتے ہیں' اس لئے ان کو آزاد کر دیں گے۔ حیران مت ہوں' مجھے مسز کاردار نے بتایا تھا۔"

فارس نے خاموشی سے سر کو اثبات میں خم دیا۔

"کون سا جرم ہے جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ذاتی تو نہیں ہے' "ورک" ہے نا' اس لئے بتا دیں۔"

جہاز کے اندر ایک دم ڈھیر سارا سناٹا اتر آیا۔

"میں نے دو قتل کرنے ہیں۔"

آبی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر اترتی محسوس ہوئی۔

"تو ابھی تک کیے کیوں نہیں؟"

"پہلے ان کو تقسیم کرنا ہے' پھر توڑنا ہے' پھر مارنا ہے۔ یہ شروع دن سے میرا ہدف تھا۔" اس کی آواز ہلکی تھی۔

"اور پھر آپ گرفتاری دے دیں گے؟" اس نے اداسی سے پوچھا۔ "لیکن اس کے علاوہ بھی تو کوئی راستہ ہو سکتا ہے۔ آپ ملک سے باہر بھاگ سکتے ہیں نا اور...."

"اپنے جرائم کی سزا بھگتنا چاہتا ہوں میں۔ فرار نہیں چاہتا ان سے۔"

آبدار نے گہری سانس لی۔ "تو میں آپ کی کیا ہوں؟ دوست نہیں ہوں تو کیا پارٹنر ان کرائم ہوں؟"

اس بات پہ وہ مسکرایا۔ جیسے کسی کو یاد کر کے مسکرایا ہو۔ "میری پارٹنر ان کرائم ایک ہی ہے' اس کی جگہ میں کسی کو نہیں دے سکتا۔"

''مگر اس سے جھوٹ بول کر آئے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے پلان کا انجام بھی ڈسکس نہیں کیا آپ نے۔ سو وہ آپ کی بیوی ہو سکتی ہے 'آپ کی پارٹنر ہو سکتی ہے' لیکن....'' آبی کی سرمئی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ وہ آگے کو ہوئی' اور مسکرا کر اسی فاتحانہ انداز میں بولی۔ ''آپ کو ماننا پڑے گا کہ آپ کی ورک وائف آبدار عبید ہی ہے۔''

اس بات پہ وہ ہلکا سا ہنس دیا اور پھر سر کو اثبات میں دو تین دفعہ ہلایا۔ ''او کے۔ آپ میری ورک وائف ہیں۔''

''جسے آپ استعمال کر رہے ہیں۔'' مصنوعی خفگی سے اس نے گلہ کیا۔

''بالکل' کیونکہ میں بدلے میں آپ کو کچھ دوں گا' جو کبھی آپ لوگوں کو ہپناٹائز کر کے ڈھونڈتی ہیں' کبھی فرانزک والوں کے ساتھ کام کر کے مجرموں کے انٹرویوز کر کے تلاش کرتی ہیں۔ کبھی وہ چیز آپ جانوروں اور پرندوں کی فوج جمع کر کے حاصل کرنا چاہتی ہیں' کبھی لوگوں کے NDE سن کر۔''

آبدار نے حیرت بھری دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''اور وہ کیا ہے جو آپ مجھے دیں گے؟''

فارس نے ذرا سا مسکرا کر ابرو اچکائے۔ ''ایک دلچسپ ایڈوانچر!''

آبدار کا دوران خون ایک دم تیزی سے بڑھا اس کے گال دہک گئے اور آنکھیں چمک اٹھیں۔ ''پھر ٹھیک ہے!'' وہ بہت محظوظ ہوئی تھی۔

فارس پھر سے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تو بھی کسی کے باب میں عہد شکن ہے غالباً
میں نے بھی ایک شخص کا قرض ادا نہیں کیا

فوڈلی ایور آفٹر کے بالائی ہال میں سورج کی روشنی کھڑکیوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ زمر کونے والی میز پہ موٹی کتاب رکھے اس میں سے نوٹس بنا رہی تھی۔ گاہے بگاہے موبائل پہ نظر ڈالتی جو صبح فارس کے جانے کے بعد سے ابھی تک اس کے نام سے روشن نہیں ہوا تھا۔ (کیا آدمی گھر اطلاع نہیں دے سکتا؟ یہ کیا کہ ایک میسج کر دیا پہنچنے کا۔ وہ بھی فیس بک پہ۔ کال نہیں کر سکتا تھا کیا؟) وہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی' پھر ایک دم زور سے قلم بند کیا اور فون اٹھا لیا۔ (ڈاکٹر کے ساتھ کیا بات ہوئی' تفصیل ہی نہیں بتائی۔ وہی پوچھ لوں۔) جواز گھڑ کر اس نے کال ملائی۔ گھنٹی جانے لگی' مگر.... جواب ندارد۔

اکتا کر اس نے فون پرے ڈال دیا۔ تبھی کسی نے دروازہ ہلکا سا کھٹکھٹایا۔ زمر نے مصروف سے انداز میں سر اٹھایا مگر ایک دم ٹھہر گئی۔

چوکھٹ میں نوشیرواں کھڑا تھا۔ ویسٹ اور ٹائی میں ملبوس' بالکل تیار سا' وہ متذبذب لگ رہا تھا۔

''آیئے....'' زمر نے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے کہا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا سامنے آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

''کیسی ہیں آپ ڈی اے؟''

زمر نے کہنیاں میز پہ جمائے' سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں ڈی اے نہیں تھی' ڈی پی تھی۔ مجھے امریکی فلموں کے سے انداز میں مخاطب..." ضبط سے گہری سانس لی۔ "کر سکتے ہیں آپ۔ خیر کہیے۔ کیسے آنا ہوا؟"

شیرو اپنی فرنچ کو دو ناخنوں سے کھجاتے' نگاہیں اس پہ جمائے' سوچ سوچ کر کہنے لگا۔

"ایک مشورہ چاہیے تھا۔ لیگل ایڈوائس۔"

"میں سن رہی ہوں۔"

"مجھے... کسی بہت اچھے اور با اعتماد وکیل کا بتائیں جو کارپوریٹ کیسز اچھے سے ڈیل کر سکے۔"

"ہاشم کاردار!" وہ سہولت سے بولی۔

نوشیرواں کی آنکھوں میں بے چینی اور ناگواری ایک ساتھ ابھریں۔ "کوئی اور...."

زمر نے "اوہ" والے انداز میں ابرو اٹھائے۔ "یعنی آپ اس معاملے کو ہاشم سے خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔"

"ان سے خفیہ کیوں رکھوں گا' وہ میرے بھائی ہیں' بس ان کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے پہلو بدلا۔ انداز دفاعی تھا۔

"او کے۔" زمر نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور چند نام لکھنے لگی۔ "یہ بیس افراد ہیں' مگر یہ آپ کا فون رکھتے ہی ہاشم کو کال کر کے بتائیں گے۔ آپ کو کوئی ایسا ماہر وکیل نہیں ملے گا جس کو میں جانتی ہوں اور جو ہاشم کو نہ بتائے۔"

"کیا آپ بھی ہاشم کو بتائیں گی؟"

زمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور پھر قلم بند کر دیا۔ "آپ کو کس قسم کا کام ہے نوشیرواں؟"

"میں اپنی کمپنی میں پچاس فیصد شیئرز کا مالک ہوں۔ 25 ہاشم بھائی کے اور 25 ہارون انکل کے ہیں۔ میں چاہتا ہوں وہ باقی کے پچاس بھی میرے پاس آجائیں۔ اگر میرا وکیل کوئی ایسا چکر چلائے' اور کمپنی کے بائی لاز کے دو چار جھول تو میرے بھی ذہن میں ہیں' اور..."

"آپ ہاشم کو سزا دینا چاہتے ہیں؟" نوشیرواں ٹھہر گیا۔ زمر پہ نگاہیں جمائے اس نے تھوک نگلی۔ آنکھوں میں بہت سے جذبات ابھر کر ڈوبے۔ مگر خاموش رہا۔

"آپ کسی بات پہ ہاشم سے ناراض ہیں' اور اس کو سزا دینا چاہتے ہیں۔" وہ ٹیک لگا کر بیٹھی' قلم انگلیوں میں گھماتی' اسے دیکھ کر سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔ شیرو چپ رہا۔

"آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیے۔ جس بھی طریقے سے 50 فیصد شیئرز لے لیں آپ' ہاشم اگلے ہی دن اس کاغذ کو بھک سے اڑا دے گا۔ شیئرز حاصل کر کے آپ کو کیا ملے گا؟ پیسے کے لئے تو آپ یہ نہیں کر رہے۔ اندرونی تسکین کے لئے کر رہے ہیں۔ تو یہ نہیں کرنا چاہیے آپ کو۔ بلکہ اس کی بجائے... آپ وہ کریں جو ہاشم نہیں چاہتا۔ مگر وہ کچھ نہ کر سکے۔ آپ شیئرز "لینے" کی بجائے شیئرز "دے" دیں۔"

نوشیرواں کی آنکھوں میں الجھنا ابھرا۔وہ ذرا آگے کو ہوا۔

''کدھر دے دوں؟''

زمر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔''فری کنسلٹیشن کے پانچ منٹ گزر چکے ہیں۔اب میں اگلی بات صرف اس صورت میں بتا سکتی ہوں جب آپ مجھے ہائر کریں۔سو... آپ مجھے ہائر کر رہے ہیں یا نہیں؟''نرمی سے اس نے پوچھا۔نوشیرواں کی آنکھیں چمکیں اور وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ عجب قیامتیں ہیں تیری رہگزر میں گزراں

نہ ہوا کہ مر مٹیں ہم نہ ہوا کہ جی اٹھیں ہم

ائیرپورٹ کے احاطے سے باہر نکلتے ہی آبدار نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''یہ میرے اپارٹمنٹ کی چابی ہے۔ہمارے ہوٹل سے کافی دور ہے۔اس کے اندر اس کا ایڈریس اور چابیاں موجود ہیں۔آپ جب تک چاہیں ادھر رہ سکتے ہیں۔''

فارس نے کیپ ماتھے پہ مزید ترچھی کر کے جھکاتے وہ پیکٹ پکڑا۔

''اور کیوں لوں گا میں آپ کا فلیٹ؟''

''کیونکہ آپ مجھے استعمال کر رہے ہیں۔''وہ شرارت سے مسکرائی۔فارس نے بے اختیار مسکراہٹ دبائی اور سر کو خم دیا۔''سو تو ہے۔جاتے وقت واپس کر جاؤں گا۔''اور پیکٹ جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

''ہم دوبارہ ملیں گے فارس غازی!''وہ چیلنج کرنے والے انداز میں کہہ کر مڑ گئی۔اس کی کار دور سڑک پہ آ رکی تھی۔

وہ وہاں سے سیدھا آبدار کے فلیٹ آیا تھا۔پوش علاقے میں واقع ایک خوبصورت عمارت میں بنا وہ فلیٹ اندر سے بھی بہت خوبصورت تھا۔چکنی چکنی سفید دیواریں، نرم رنگوں کے پردے، قیمتی مگر ماڈرن فرنیچر۔وہ بنا آرام کیے، سب سے پہلے لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا اور اپنے جی پی ایس چپ کا سگنل چیک کیا۔وہ ابھی تک اس پارک میں تھا۔فارس نے راستے سے خریدا نقشہ نکالا اور اسے پھیلا کر سامنے رکھا۔وہ پارک یہاں سے پچاس منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔وہ نقشے پہ مختلف نکات پہ نشان لگاتا، آگے کا لائحہ عمل تیار کرتا رہا۔وہ مصروف ہو گیا تھا۔زمر یا گھر والوں کو کال کرنا اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔یاد تھا تو صرف سعدی۔

نوشیرواں کو''رخصت''کر کے زمر نیچے آئی تو ریسٹورانٹ کے باہر پھولوں والا لڑکا گل خان بیٹھا تھا۔اپنے پھولوں کے اسٹال پہ پانی کا چھڑکاؤ کرتا وہ مصروف نظر آ رہا تھا۔

''السلام علیکم گل خان!''نرم ٹھنڈے انداز میں پکارا تو وہ چونکا، اسے دیکھا اور شرما کر مسکراتے ہوئے سلام کیا۔پھر جلدی سے بولا۔

''باجی یہ جو لڑکا ابھی یہاں سے نکلا تھا' یہ وہی تھا' سفید گاڑی والا جس کا سعدی بھائی سے....'' گل خان نے مزید سراغرسانی کے جوہر دکھانے چاہے مگر زمر نے ''مجھے پتہ ہے'' کہہ کر بات ختم کر دی۔ (ہاشم نے سعدی کو گولیاں مروا دیں' یہ معلوم ہو جانے کے بعد یہ سوچنا کہ شیرو کا اس سے ہاتھا پائی کلامی' کبھی کوئی جھگڑا ہوا تھا بے معنی سا لگتا تھا۔)

وہ گھر آئی تو لاؤنج میں معمول کی چہل پہل لگی تھی۔ اس گھر کا لاؤنج کافی کھلا اور بڑا تھا۔ کچن یہاں سے نہیں دکھائی دیتا تھا۔ بغلی گیلری میں آگے بڑھتے تو پھر آتا تھا۔ لاؤنج کے ایک طرف ڈائننگ ہال تھا۔ دونوں کے درمیان میں شیشے کے سلائیڈنگ دروازے تھے۔ (ان کے پردے ابھی بنوانے تھے۔) بڑی ایل ای ڈی اسکرین دیوار پہ نصب تھی اور ندرت صوفے پہ بیٹھیں' عینک لگائے' موبائل کو دیکھ کر حنین کو پکار رہی تھیں۔

''حنین' ذرا میرا جی میل تو دیکھو بار بار تنگ کر رہا ہے۔'' مگر نقار خانے میں امی کی کون سنتا ہے؟ حنہ ڈائننگ روم میں کرسی پہ بیٹھی' لیپ ٹاپ میز پہ رکھے کھٹ کھٹ کام کیے جا رہی تھی۔

''زمر فارس نے پہنچ کر اطلاع دی؟'' ابا نے اسے پکارا تو اس نے نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ ''جی'' کہہ کر ان کی تسلی کرا دی۔

''اس سے کہنا ویک اینڈ پہ گھر آ جائے۔ مگر بار بار فلائٹس کا خرچہ.... اونہوں۔'' ندرت نے اپنی ہی بات کی خود ہی تردید کر دی۔

زمر حنہ کے پاس آئی اور شیشے کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر اس کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی اور بوری ہو کر اسے دیکھا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' حنین کو جیسے کسی سامع کی تلاش تھی۔ جوش سے شروع ہو گئی۔

''اس فلیش میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے' مگر یاد ہے' سونیا کی سالگرہ کا کیک؟'' اس نے پچھلے سال کی سیاہ سنہری سالگرہ یاد دلائی۔

''باربی کیک تھا۔ پنک باربی۔''

جواباً حنہ نے اسکرین پہ چند تصاویر نکالیں۔ سونی کی سالگرہ کی تصاویر۔

''یہ باربی لگتی ہے' مگر یہ باربی نہیں ہے۔ اس کی شکل غور سے دیکھیں۔ یہ آنا Anna ہے۔ پرنسس آنا۔ سونی کو فروزن پسند ہے۔''

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''زمر کون سا بچہ ہے جس کو فروزن نہیں پسند؟ مگر سونی اپنے باپ کی طرح (دل میں کچھ چھپا) بہت انا والی ہے۔ وہ کھلم کھلا یہ ظاہر نہیں کر سکتی کہ وہ بھیڑ چال کا حصہ بن کر عام لوگوں کی طرح کسی فلم کی دیوانی ہے۔ وہ مختلف ہے۔ اس نے آنا اور باربی کو مکس کر کے ایک نئی ڈول بنائی۔ یہ بات ہم نے نہیں نوٹس کی تھی' مگر سونی کے دوست بچوں نے نوٹس کی ہو گی اور اسکی واہ واہ ہوئی ہو گی۔'' وہ جوش سے بتا رہی تھی۔

''فلیش' حنہ!'' زمر نے یاد دلایا۔

''ہاں وہی۔ اس فلیش میں صرف فروزن ہے۔ یہ فلیش ہاشم کے ڈیٹا سے بھری ہونی چاہیے تھی۔ ہے نا؟ مگر فلیش کو خالی دیکھ کر میں سمجھی یہ غلط فلیش ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس میں ہاشم کا ہی ڈیٹا تھا۔ فروزن بھی اسی کے ڈیٹا میں ہو گی' سونی نے ڈاؤن لوڈ کی ہو گی نا۔ اس

فلیش میں زمر ہاشم کی ساری فائلز موجود تھیں مگر کسی نے فروزن کے سوا سب کچھ مٹا دیا۔"

"مگر کس نے!" زمر چونکی تھی۔

"یہ تو سعدی بھائی ہی بتا سکتا تھا۔" اس نے گہری آہ بھری۔ یہ ایسا ذکر تھا جس پہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ باہر سے امی کی پکار پھر سے شروع ہو گئی۔ "حنہ... میرا میل باکس فل ہو رہا ہے۔"

"ایک تو امیوں کو اسمارٹ فون نہ لے کر دے بندہ۔ مصیبت میں اولاد آ جاتی ہے۔" جل کر بولی۔ پھر چہرہ اونچا کر کے آواز لگائی۔ "میں بزی ہوں امی۔ رات میں دیکھ دوں گی۔" پھر وہ زمر کی طرف گھومی اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ اعلان کیا۔ "مجھے وہ فائلز چاہیے ہیں۔ میں ہاشم کے کمپیوٹر کو ہیک کرنے لگی ہوں۔ اور مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔" زمر خاموش رہی۔ وہ اس کے ساتھ تھی۔ خاور نہیں تھا۔ اب ڈر کیسا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اچھی لگتی نہیں اس درجہ شناسائی

ہاتھ ہاتھوں سے ملاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

کولمبو پہ شام نیلی اور بھیگی بھیگی سے سائے پھیلانے لگی۔ ایسے میں اس بلند بالا عمارت سے فارس نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بھورے سوئیٹر اور نیلی جینز میں ملبوس، جیبوں میں ہاتھ ڈالے، وہ سنجیدہ سی سنہری آنکھوں سے سامنے دیکھتا، چلتا جا رہا تھا جب قریبی کیفے کا گلاس ڈور کھلا اور اندر سے آبدار نکلتی دکھائی دی۔ نیلی جینز پہ سفید گھٹنوں تک آتا کوٹ پہنے اس کے سیدھے سرخ بال کمر پہ گر رہے تھے اور سر کے اوپر سرخ ریشمی رومال باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی۔ سرمئی آنکھوں میں چمک لئے، وہ شرارت سے سرخ لب کاٹتی دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے ساتھ آ ملی۔ فارس رک گیا اور قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

"آپ ادھر کیا کر رہی ہیں مس آبدار؟"

"آپ کو اپنے ذہن میں آئی باتیں شیئر کرنے کے لئے کسی کی ضرورت تو ہو گی۔" اس نے چہک کر ورک وائف کا مقصد یاد دلایا۔

"میں اکیلا زیادہ آرام دہ رہتا ہوں۔"

"مگر زیادہ خوش نہیں۔" فارس نے قدرے برہمی سے سر جھٹکا اور تیز تیز چلنے لگا۔

"تھینک یو۔ میرا دل رکھنے کے لیے۔" وہ اب ہنستی مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ فٹ پاتھ پہ چلتی جا رہی تھی، قریب سے گزرتے بچے کے ماتھے پہ ہاتھ پھیر کر اس کے بال بکھیرے۔ پھر ذرا آگے ایک ننھی بچی کی پونی پیچھے سے کھینچی اور اس سے پہلے کہ وہ مڑتی، آبی جلدی سے آگے نکل گئی۔

"آپ کو بچے اچھے لگتے ہیں، فارس؟" وہ پیچھے مڑ مڑ کر ایک شرارتی نظر اس بچی پہ ڈال کر کہہ رہی تھی۔ فارس نے ایک دم رک کر اس کو دیکھا۔ وہ بظاہر مگن سی کہہ رہی تھی۔

''آپ کا اپنی فیملی کے لیے دل نہیں چاہتا کیا؟ مگر...اوہ...مسز زمر تو...خیر....'' آبی نے سادگی اور معصومیت سے شانے اچکائے اور ایک کیب کو رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا جیسے اس کی بات کو سوچنے لگا ہو۔

''جب آپ کو معلوم ہے کہ میں اور مسز زمر الگ ہو جائیں گے تو ایسی بات کا مقصد؟''

''ان سے الگ ہونے کے بعد آپ کی زندگی ختم تو نہیں ہو جائے گی نا؟ کبھی تو آپ کو اپنی ذات کے لیے بھی کچھ سوچنا پڑے گا۔''

''آپ میرے ساتھ نہیں آ رہیں۔ واپس جایئے۔'' قدرے پست مگر ڈسٹرب آواز میں اسے ٹوکتا وہ رکی ہوئی کیب کی طرف بڑھا۔

کیب ڈرائیور اب گردن نکال کر اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ آگے کو جھکا اور مطلوبہ پارک کا نام لیا۔ ڈرائیور نے ایک نظر سر سے پیر تک اسے دیکھا' اور پھر اثبات کا اشارہ کرتے ہوئے کرایہ بتایا۔

''اتنے پیسوں میں تو ہم پورا کولمبو گھوم لیں۔ فارز جان کر لوٹو نہیں۔'' آبی چمک کر کہتی آگے آئی۔ ''تمہارا میٹر دیکھ سکتی ہوں میں اور اسٹینڈرڈ کرایہ بھی معلوم ہے مجھے۔'' پھر معصومیت سے فارس کو دیکھا۔ ''اب بھی ساتھ نہیں لے کر جائیں گے کیا؟'' اور کیب کا دروازہ کھول لیا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ تو ہارون عبید اور ہاشم کار دار کو آمنے سامنے لانا چاہ رہا تھا مگر یہ اچھی بلا پیچھے پڑ گئی تھی۔

وہ پارک کافی بڑا اور خوبصورت تھا۔ وہاں غیر ملکی سیاحوں کی بہتات تھی۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو فارس نے موبائل نکال کر اسکرین دیکھی۔ پارک کے وسط میں چپ کا سگنل آ رہا تھا۔

''اتنے بڑے پارک میں ہم کہاں ڈھونڈیں گے اس چپ کو؟'' آبی کو مایوسی ہوئی۔ وہ خاموشی سے ادھر ادھر دیکھتا آگے بڑھتا آیا' یہاں تک کہ اس کے قدم رک گئے۔ سگنل کی جگہ اس کے اپنے فون سے قریباً چند میٹر دور تھی۔ اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کر سامنے دیکھا۔

سبزہ زار پہ... چند میٹر دور ایک ٹکٹ کی کھڑکی تھی اور اندر ایک باوردی ملازم کھڑا لوگوں کو ٹکٹ دے رہا تھا۔

''وہ چپ اس ٹکٹ کیبن میں ہے۔ آؤ۔'' وہ اسے اشارہ کرتا گھاس پہ آگے آیا۔

کیبن کے اندر کھڑا ملازم سر جھکائے' کمپیوٹر پہ ٹائپ کر رہا تھا۔ سامنے قطار لگی تھی۔ وہ دونوں بھی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ آبی اس کے آگے تھی اور وہ پیچھے تھا۔ ان کی باری آئی تو آبی اس سے سنہالی میں ٹکٹ کا پوچھنے لگی۔ فارس نے گردن ذرا اٹھا کر اندر جھانکا۔ شیشے کی دیوار سے اندر کا منظر واضح تھا۔ بڑی سی ڈسٹ بن میں فاسٹ فوڈ کے چند خالی ڈبے رکھے تھے۔ ٹکٹ کلرک کے جوتوں پہ سوکھا ہوا کیچڑ لگا تھا اور وہ جمائی روکتا کمپیوٹر پہ کچھ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ ساتھ ہی سنہری قلم کاؤنٹر پہ رکھا تھا۔ چپ دیکھ کر آبی کی آنکھیں چمکیں۔ مگر....

''چلو۔ جلدی۔'' اس نے پیچھے سے آہستہ سے سرگوشی کی۔ آواز میں بے چینی تھی۔ آبی نے جلدی سے وہ ٹکٹ تھامے اور پھر متحیر' متعجب سی قطار سے نکلی۔

''پھینکو ان ٹکٹس کو اور یہاں سے نکلو۔'' وہ غیر محسوس انداز میں رفتار بڑھاتا کہہ رہا تھا۔

''مگر کیوں؟ وہ چپ اس کے پاس تھا اس سے پوچھتو سہی کہ....''

"کوئی فائدہ نہیں۔سعدی ادھر نہیں ہے۔" وہ بمشکل اس کی رفتار کا ساتھ دے پا رہی تھی۔جب وہ باہر آ گئے تو اس نے پھولی سانس کے ساتھ خفگی سے پوچھا۔

"وہ چین سامنے تھا' آپ نے...."

فارس اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔"پارک کی انٹری کے قریب جگہ کچی ہے' چند کھڈے ہیں' جہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔آخری دفعہ بارش کب ہوئی تھی؟ ماہ کامل کی رات سے اگلی صبح۔سعدی کے بھاگنے سے اگلی صبح۔اس صبح یہ ملازم یہاں آیا تھا۔وہ کیچڑ کے پاس سے گزرا تھا' اب وہ کیچڑ سوکھ چکا ہے مگر اس کے جوتے اب بھی میلے ہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ دو دن سے گھر نہیں گیا۔وہ صبح شام ادھر ہی بیٹھا رہتا ہے۔کھانا کھانے بھی نہیں جاتا۔فاسٹ فوڈ منگواتا ہے' وہی کھاتا ہے۔ایک ٹکٹ کلرک فاسٹ فوڈ وہ بھی اتنا سارا کیسے افورڈ کر سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ کوئی اس کو کھانا پہنچا دیتا ہے' تاکہ وہ یہاں بیٹھا رہے اور اگر کوئی سعدی کے چین کی تلاش میں آئے تو وہ اس کو پکڑ لے۔"

"مگر ہو سکتا ہے سعدی نے اسے یہاں بٹھایا ہو۔"

"سعدی اس ملک میں پہلی دفعہ آیا ہے' رہائی کی اگلی صبح ہی اس کے اتنے کانٹیکٹس کیسے بن سکتے ہیں؟" وہ نفی میں سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔"کسی کے پاس سعدی کا چین ہے اور وہ اس میں موجود جی پی ایس ٹریسر سے واقف ہے' اس لئے وہ اس کو bait کی طرح لگا کر اس شخص کا انتظار کر رہا ہے جس نے اسے وہ چین بھیجا تھا۔"

"اوہ واؤ!" وہ ایک دم چہکی' پھر شکل پہ مسکینیت طاری کی۔"کیا میں اتنے مزے کے ایڈوانچر پہ تھوڑا خوش ہو سکتی ہوں؟"

"نہیں۔آپ واپس جا رہی ہیں۔" وہ سڑک پہ آگے آیا اور اس کے لئے ایک ٹک ٹک روکنے لگا۔

"مگر...." وہ احتجاج کرنے لگی۔

"اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں بغیر بتائے آپ کا فلیٹ چھوڑ کر روپوش نہ ہو جاؤں تو خاموش رہیں۔"

وہ منہ بسورے کھڑی تھی۔ٹک ٹک ساتھ آ کر رکا تو فارس نے اشارہ کیا۔

"اب جائیے۔" پھر آواز میں نرمی پیدا کی۔"صبح ملیں گے۔"

اس بات پہ وہ ہلکا سا مسکرائی اور اندر بیٹھ گئی۔پھر اسے ہاتھ ہلایا۔"صبح! پکا!"

"پکا۔" اس کے انداز پہ وہ بمشکل مسکراہٹ روک پایا۔چلو' جو بھی تھا۔وہ ایک معصوم اور پیاری لڑکی تھی۔

وہ چلی گئی تو گویا ایک بوجھ سا اس کے کندھوں سے سرکا۔واپس پارک میں آیا اور ایک کونے میں آ بیٹھا۔درختوں کے جھرمٹ میں اس جگہ سے دور ٹکٹ کی کھڑکی صاف دکھائی دے رہی تھی۔نیلگوں شام بھی آہستہ آہستہ گہری ہونے لگی تھی۔

فارس غازی انتظار کرنے لگا۔ایک طویل اور کڑا انتظار۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ لفظ لفظ محبت کی یورشیں بھی فریب
یہ زخم زخم مسیحائیاں بھی جھوٹی ہیں

کینڈی پہاڑی شہر تھا جیسے مری۔سرسبز پہاڑیاں' نیلا سرمئی بادلوں سے ڈھکا آسمان۔خوبصورت موسم۔اور چائے کے باغات کی سوندھی سوندھی مہک۔سیاح دور دور سے کینڈی کو انجوائے کرنے آتے تھے۔وہ نہیں کر رہا تھا۔وہ سڑک کنارے بنے اوپن ایئر کیفے میں بیٹھا تھا۔عینک پہنے' برساتی کے کالر کھڑے کیے' وہ گردن گھما کر ادھر ادھر گہری نظر ڈالتا پھر کافی کا مگ لبوں سے لگا لیتا۔سیاہ بیگ اس کے قدموں کے ساتھ رکھا تھا۔

بائیں ہاتھ ریسٹورانٹس اور شاپس کی قطار تھی۔ابھی صبح تازہ تھی۔شاپس اور ریسٹورانٹ مالکان آکر اپنی اپنی دکانیں کھول رہے تھے۔ایسے میں وہ ہر کیفے کے مالک یا اسے کھولنے والے ورکر کو آنکھوں سے اسکین کرتا' پھر رد کر دیتا۔کوئی شاطر لگتا تھا' کوئی مکار۔کوئی خطرناک۔کوئی بے حد شریف۔

تھوڑی دیر بعد ایک درمیانی عمر کی سنہالی عورت ایک کافی شاپ کا لاک کھولتی نظر آئی۔ساتھ ایک ننھا لڑکا بھی تھا جو مسلسل اسے تنگ کر رہا تھا اور وہ روہانسی ہوئی اسے ڈانٹ رہی تھی۔سعدی کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔وہ وہاں سے اٹھ آیا۔اب وہ ذرا دور جا کر ایک اوپن کیفے کے باہر بیٹھ گیا۔چہرے کے آگے ایک میگزین پھیلا لیا۔اس کی نظریں اسی کافی شاپ پہ تھیں۔

کوئی گھنٹے بھر بعد وہ عورت شاپ سے باہر نکلی۔بچہ اس کے ساتھ تھا اور ہاتھ میں سامان کا تھیلا بھی تھا اور ایک لسٹ بھی۔وہ ابھی ہوئی سی' خریداری کرنے جا رہی تھی۔سعدی تیزی سے اٹھا اور فاصلہ رکھ کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔وہ رکتی تو وہ بھی رک کر مڑ جاتا' کہیں کسی اسٹال پہ کچھ دیکھنے لگ جاتا۔

دوپہر کینڈی کے پہاڑوں پہ پھیلنے لگی۔بادلوں کی اوٹ سے سنہری کرنیں جھانکنے لگیں۔اب وہ اس کا پیچھا کرتے مارکیٹ کے وسط میں آ چکا تھا۔یہاں سے وہ مڑ گیا اور دو گلیاں عبور کر کے ایک تیسری گلی میں آیا۔ادھر کونے میں ایک لڑکا کھڑا بہت رازداری سے اپنے مخصوص گاہکوں کو ایک طرف بلا کر انہیں منشیات کی پڑیاں بیچ رہا تھا۔وہ اسے گزشتہ شام ہی تاڑ چکا تھا۔

اب سیدھا اس کے قریب گیا جو ادھر ادھر دیکھتا کسی گاہک کا متلاشی تھا۔سعدی نے اسے آنکھوں سے اشارہ کیا اور دوسری گلی کی جانب قدم بڑھا دیے۔منشیات فروش لڑکا' ذرا فاصلہ رکھ کر پیچھے آنے لگا۔جیسے ہی وہ دوسری گلی میں مڑے' سعدی گھوم کر اس کی طرف آیا اور اسے کالر سے پکڑ کر دیوار سے لگایا۔پھر رکھ کر ایک مکا اس کے منہ پہ جڑا۔

"نکڑ پہ کھڑے پولیس والے کے حوالے کر دوں گا تمہیں اگر آواز نکالی تو۔" پستول اس کی پسلی میں چبھوتے وہ غرایا تھا۔خفگی سے لڑکے نے

گھبرا کر ہاتھ اٹھا دیے۔ وہ خود بھی نشے کا عادی لگتا تھا۔

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔" جلدی سے کہنے لگا۔

"پیسے میں تمہیں دوں گا' بدلے میں میرا ایک کام کرو گے۔ نہیں تو پولیس والے کو بلاتا ہوں میں۔" اس کو دیوار سے لگائے' وہ غرایا۔

چند منٹ بعد وہ واپس اسی گلی میں آ کھڑا ہوا تھا جہاں وہ عورت اب بھی ایک دکان سے چیزیں خرید رہی تھی۔ وہ قریبی دکان پہ کھڑا ہو کر اخبار یں کنگھالنے لگا۔ اسی لمحے وہ منشیات فروش سنہالی لڑکا اس گلی میں داخل ہوا۔ اب کے اس نے منہ پہ رومال باندھ رکھا تھا۔ وہ سیدھا اس عورت تک گیا' اور ساتھ سے گزرتے ہوئے اس کا پرس اچکا اور ایک دم بھاگ کھڑا ہوا۔ عورت پہلے لمحے تو شاک میں رہ گئی' پھر وہ چلائی۔

"میرا پرس...."

سعدی بجلی کی سی تیزی سے لڑکے کے پیچھے بھاگا۔ راستے میں اس نے جان بوجھ کر چند اسٹال بازو مار کر گرائے۔ گلی میں شور وغل برپا ہو گیا۔ کچھ اور لوگ بھی اٹھ کر بھاگے مگر سعدی نے گلی کے کونے میں اس لڑکے کو جا لیا اور دبوچ کر نیچے گرایا۔ پھر پرس واپس جھپٹا۔ لمحے بھر کو اپنی گرفت ڈھیلی کی اور لڑکے نے ہاتھ پکڑے ننھا چاقو اس کے بازو میں اتار دیا۔ سعدی بے اختیار نیچے کو جھکا۔ لڑکا دم دبا کر بھاگ چکا تھا۔

وہ عورت دوڑتی ہوئی اس تک آئی تھی' بچہ بھی پیچھے تھا۔ سعدی نے خون بہاتے بازو کو دوسرے ہاتھ سے پکڑے' اٹھتے ہوئے پرس اس کو تھمایا۔ عورت نے پرس پکڑتے ساتھ ہی بچے کو تھمایا' اور لپک کر اس کا خون سے سرخ ہوتا گیلا بازو پکڑا۔

"آپ کا پرس۔" سعدی نے نقاہت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے ہو کر کہا مگر وہ جیسے پرس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔ فکر مندی سے کچھ کہنے لگی۔ اس نے کھنکھار کر "انگلش پلیز" کہا۔

"اوہ... فارنر۔" پھر ادھر ادھر دیکھا۔ "چلو میں تمہیں ہاسپٹل لے چلوں۔"

"نہیں اٹس اوکے میں خود چلا جاؤں گا۔" ساتھ ہی ہلکا سا کراہا۔ اب مزید لوگ جمع ہونے لگے تھے۔

"یہیں رکو میں کار لاتی ہوں۔" عورت بھاگتی ہوئی آگے کو گئی۔ وہ قریب جمع ہوتے لوگوں سے بچنے کو چہرہ جھکائے' رخ موڑے کھڑا ہوا اور ایک طرف کو چلنے لگا جیسے دور جانا چاہ رہا ہو۔ لوگ کچھ کہہ رہے تھے مگر اتنی سنہالی وہ نہیں سمجھتا تھا۔

عورت جلد ہی ٹیکسی لے آئی مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ لوگوں سے پوچھتی اسے ڈھونڈتی دوسری گلی تک آئی جہاں وہ فرض شناس اور نیک دل انسان جو اس کا پرس بچانے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال بیٹھا تھا' سر جھکائے' بازو کے زخم پہ اوپری جیکٹ لپیٹے چلتا جا رہا تھا۔ اس عورت کا نام کامنی روپا سنگھی تھا اور اس کا دل اس طرح اس کو دیکھ کر بہت دکھا تھا۔ وہ تیزی سے کار سے نکلی اور اس کو جا لیا۔

"میں نے تمہیں رکنے کو کہا تھا فارنر۔ چلو میں تمہیں ہسپتال لے جاتی ہوں۔"

"میں خود چلا جاؤں گا' آپ کی ٹیکسی خراب ہو گی۔" وہ چھوٹے بالوں اور عینک والا لڑکا مسکرا کر بولا تھا مگر کامنی نے خفگی سے اسے ڈپٹا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو، تم زخمی ہو میری وجہ سے۔ بس ہسپتال قریب ہی ہے۔''

''مجھے ہسپتال نہیں جانا۔ میں زخم خود سی لوں گا۔''

اب کے کامنی چونکی۔ اس کے انداز میں منت سی تھی۔

''اچھا ٹیکسی میں بیٹھو۔ میں فرسٹ ایڈ کٹ لا کر تمہیں شاپ پہ لے جاتی ہوں۔'' اس نے اسے قائل کر لیا۔ وہ لڑکا بدقت ٹیکسی میں بیٹھا۔ ننھا بچہ اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پہ آ بیٹھا اور کامنی آگے۔

''پلیز....'' وہ پچھلی سیٹ کی پشت پہ سر گرائے، نقاہت سے آنکھیں موندے کہنے لگا تو کامنی نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔ ''مجھے ہسپتال کے اندر مت لے جایئے گا۔ پولیس میرے پیچھے ہے۔ میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ خود کو میری وجہ سے خطرے میں نہ ڈالیں۔''

سنہالی عورت ہکا بکا رہ گئی۔ اور سعدی یوسف کو انسانوں کی اتنی پہچان تو تھی کہ بند آنکھوں کے باوجود وہ جان گیا تھا کہ تیر نشانے پہ لگا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کون لوگ تھے ان کا پتہ تو کرنا تھا

مرے لہو میں نہا کر جنہیں نکھرنا تھا

بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں اس صبح حنین بیٹھی، لیپ ٹاپ لگائے، ہاشم کے کمپیوٹر کو ہیک کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی۔ اس کی زنبیل میں بہت سے طریقے تھے جن کو ایک ایک کر کے وہ استعمال کر رہی تھی....

ادھر زمر یوسف کورٹ سے نکل کر اپنی فائلز اور کاغذوں میں الجھی، پارکنگ ایریا کی طرف جا رہی تھی جب اس کے ارد گرد تین سوٹ میں ملبوس افراد آ کھڑے ہوئے تھے۔ زمر نے سن گلاسز اوپر کر کے بالوں پہ ٹکائیں اور دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر ان کو دیکھا۔

''جی؟''

''مسز زمر!'' ایک نے ادب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''ہارون عبید آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اپنے آفس کے کانفرنس ہال نمبر ٹو میں۔ آپ چاہیں تو ہم آپ کو لے جا سکتے ہیں۔'' ساتھ ہی ہارون کا آئی ڈی کارڈ اسکی طرف بڑھایا۔ یہ ایک طرح کی ضمانت تھی۔

''نو تھینک یو۔ میں خود آ جاؤں گی۔'' کارڈ پکڑ کر رکھائی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ البتہ دل... عجیب سے واہموں کا شکار ہو رہا تھا۔

جب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نہیں جائے گی، تب ہی خود بخود کار کا رخ ان کے آفس کی طرف موڑ دیا۔ پون گھنٹے بعد وہ ان کے کانفرنس روم کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ سفید لمبی قمیص اور سیاہ کوٹ پہنے، گھنگریالے بال جوڑے میں باندھے اور بھوری آنکھوں کو مشتبہ انداز میں سکوڑے اس نے سامنے کانفرنس ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھے ہارون کو دیکھا۔

''مجھے یوں طلب کیا جانا پسند نہیں ہے عبید صاحب!''

''مسز زمر! مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ آیئے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھے اور سفید سرمئی بال جیل سے پیچھے کیے۔ چہرے پہ مسکراہٹ طاری کیے انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دزدیدہ نگاہوں سے ان کو دیکھتی، سربراہی کرسی کے دائیں طرف دو کرسیاں چھوڑ کر بیٹھی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ واپس بیٹھے اور شفقت سے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں شکریہ۔ آپ بتایئے، میں کیا کر سکتی ہوں آپ کے لئے؟''

''آپ کا شوہر کہاں ہے مسز زمر، کیا آپ کو معلوم ہے؟''

زمر کے ابرو ناگواری سے بھینچے گئے۔ ''میں آپ کو کیوں بتاؤں اپنے شوہر کے بارے میں۔''

''میں نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کہاں ہے، یہ پوچھا ہے کہ کیا آپ جانتی ہیں وہ کہاں ہیں؟''

اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ مسکرا کر پوچھ رہے تھے۔ زمر کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا۔ ماہ کامل کی رات کی چاندنی برف کی سفیدی میں بدلنے لگی۔

''وہ کراچی گیا ہے، جاب کے....''

''وہ کولمبو میں ہے میری بیٹی کے ساتھ۔ کل وہ میرے پرائیوٹ جیٹ پہ کولمبو گیا ہے۔''

زمر نے ضبط سے گود میں رکھی مٹھیاں بھینچ لیں۔ مگر چہرے کو بدقت نارمل رکھنا چاہا مگر وہ جانتی تھی کہ اس کی رنگت زرد پڑنے لگی ہے۔

''تو اس نے آپ کو نہیں بتایا؟'' انہوں نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ بدقت کہہ پائی۔ دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

ہارون نے جواباً موبائل پہ چند بٹن دبائے، اور اسکرین اس کے سامنے کی۔ زمر نے موبائل کو نہیں چھوا، صرف نگاہ جھکا کر دیکھا۔ ائیر پورٹ میں وہ آبی کے سامنے کھڑا اس سے کوئی پیکٹ لے رہا تھا۔ کیپ کی وجہ سے شکل کم واضح تھی مگر وہ فارس تھا، وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ پیچھے ائیر پورٹ کا نام اور ارد گرد کا ماحول سب نظر آ رہا تھا۔

دل پہ ڈھیروں آنسو گرے۔ وہ جانتا تھا۔ وہ سب جانتا تھا۔ وہ اس کا گھر سے باہر رہنا.. وہ اس کا راتوں کو دیر سے واپس آنا.. وہ اس کی فون کالز... وہ جاب نہیں ڈھونڈ رہا تھا... وہ شروع سے ہاشم کے پیچھے تھا.....

''پھر؟'' بظاہر ابرو اچکائے۔ وہ بمشکل خود کو کمپوزڈ رکھے ہوئے تھی۔

''کیا آپ کو معلوم ہے وہ وہاں کیوں گیا ہے؟''

وہ ان کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے خاموش رہی۔

''ہمارا مہمان کچھ دن قبل ہماری میزبانی سے بھاگ گیا تھا۔ وہ اسی کو ڈھونڈنے گیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں میں ہاشم کو نہیں پتہ چلنے دوں گا۔''

''ہاشم درمیان میں کہاں سے آیا؟ وہ اس کا کزن ہے۔'' زمر کی آواز کانپی۔ نگاہیں اب بھی ہارون پہ جمی تھیں۔ انہوں نے مسکرا کر پیچھے ہوتے، دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''آپ کو معلوم ہے میں کیا بات کر رہا ہوں فارس کو بھی معلوم ہے۔'' زمر کی آنکھوں میں ایک دم ڈھیروں جذبات ایک ساتھ ابھرے۔ اور ان سارے جذبات نے اس کی آنکھوں کو سرخ گلابی سا کر دیا۔ وہ ذرا چونکے۔ ''آپ کو لگا تھا وہ نہیں جانتا؟''

زمر گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ بہت سے آنسو اندر اتارے۔

''خیر میں نے یہاں آپ کو یہ بتانے کے لئے نہیں بلایا کہ وہ اتنے عرصے سے میری بیٹی کے ذریعے ہمارے مہمان سے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ میری بیٹی کے ساتھ کیوں ہے؟''

زمر نے چہرہ ان کی طرف موڑا تو آنکھیں خشک تھیں مگر سرخی مائل سی۔ ''اپنے جاسوسوں سے پوچھ لیں۔'' اور پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب مزید بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا۔ انہوں نے محظوظ ہو کر گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تو مسز کاردار آپ کی شادی کے بارے میں درست کہتی ہیں۔ آپ دونوں واقعی الگ ہونے جا رہے ہیں۔ مگر کب؟''

''یہ بھی آپ مسز کاردار سے پوچھ لیں۔'' ایک پر تپش نظر ان پہ ڈال کر وہ مڑی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''میرے اندازے درست ثابت کرنے کا شکریہ مسز زمر۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جلد دوبارہ ملیں گے۔ آپ کے بہت سے کام ایسے ہیں جو صرف میں سیدھے کر سکتا ہوں۔''

مگر کانفرنس ہال سے نکلتے وقت، اپنے جذبات اور آنسوؤں پہ قابو پاتی زمر نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس مکروہ انسان سے دوبارہ کبھی نہیں ملے گی۔ وہ غلط تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنی گلی میں اپنا ہی گھر ڈھونڈتے ہیں لوگ

امجد یہ کون شہر کا نقشہ بدل گیا

وہ رات ان چاروں نے عجیب سی کیفیت میں بسر کی تھی۔

حنین ڈائننگ ہال میں لیپ ٹاپ کھولے، پیر اوپر کرسی پہ چڑھائے، ناخنوں کو دانتوں سے کترتی اسکرین کی طرف متوجہ تھی۔ ایک دفعہ پھر سے.... نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا.... وہ بار بار ہاشم کے کمپیوٹر پہ ''حملہ'' کرتی اور ہر دفعہ اس کے سسٹم کا مضبوط نظام اس کے حملوں کے خلاف بھرپور مدافعت کر کے ان کو ناکام بنا دیتا۔ پے در پے ناکامی اسے پاگل کر رہی تھی۔

زمر گویا خود کو گھسیٹتی ہوئی گھر کے اندر آئی اور اس کو دیکھے بنا.... سیدھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور پھر.... دروازے کے ساتھ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ سر پیچھے ٹکائے اس نے آنکھیں موندیں تو خود بخود گرم گرم پانی ٹپ ٹپ کے چہرے کو

بھگونے لگا۔

وہ جانتا تھا۔ وہ سب جانتا تھا' مگر اس نے مجھے نہیں بتایا۔ اس نے بھیگی آنکھیں کھولیں اور دکھ سے اپنے اردگرد خالی در و دیوار کو دیکھا۔ پھر اوپر نگاہیں اٹھائیں۔ ان میں شکوہ تھا۔ صدمہ تھا۔ اس کا دل بری طرح سے ٹوٹا تھا۔

کیا میں اتنی بری ہوں کہ وہ میرے ساتھ کچھ شیئر نہیں کر سکتا تھا؟ میں نے تو ہمیشہ سب شیئر کیا۔ جب نفرت تھی تب بھی۔ جب پیار ہوئی تب بھی۔ نہیں بتائی تو ایک یہی بات نہیں بتائی کہ کہیں وہ خود کو نقصان نہ پہنچالے مگر اس نے تو کچھ بھی نہیں بتایا۔ ایسا کیوں کرتا ہے وہ ہمیشہ؟ اسے ہر دفعہ نئے سرے سے پہچاننا اتنا کٹھن کیوں ہوتا جا رہا ہے؟

چہرہ جھکائے اس نے سختی سے آنکھیں رگڑیں مگر پانی ابل ابل رہا تھا۔

(شاید میں اسی قابل تھی۔ میں نے کتنی زیادتیاں کیں اس کے ساتھ۔ اسے مجھ پہ اعتبار ہی نہیں کرنا چاہیے اب تو۔ مجھ سے زیادہ اسے اس پلاسٹک کی گڑیا پہ بھروسہ ہے تو ٹھیک ہے۔ میں اسی کی مستحق تھی۔) اب کے اس نے سر گھٹنوں پر رکھ دیا اور چہرہ ایک طرف موڑے' خالی نظروں سے دیوار کو دیکھتی' آنسو بہائے گئی۔

(اور میں کس حیثیت سے اللہ سے شکوے کر رہی ہوں؟ جو لوگ اپنی ذاتی عبادات میں اچھے نہیں ہوتے' جو نماز کے بعد دعائیں نہیں مانگتے' اللہ سے اپنا رشتہ کھو چکے ہوتے ہیں' ان کو کیا حق ہے کہ وہ اللہ کو پھر سے مخاطب کر سکیں؟ ایک زمانہ تھا جب میری نمازیں بے جان' بے روح نہیں ہوتی تھیں۔ جب میں جائے نماز پہ بیٹھ کر' خوشی غمی کی بات اللہ تعالیٰ کو کہہ لیتی تھی۔) آنسو اب بہنا رک گئے تھے اور وہ یاد کرنے لگی تھی۔ (تب میں کتنی زندگی سے پر تھی۔ سعدی کو بھی یہی سکھایا تھا۔ وہ سیکھ گیا۔ میں بھول گئی۔ اتنی سخت دل' اتنی تلخ کلام' یہ میں کیا بنتی جا رہی تھی؟ اوہ زمر... اب تو تم خود کو بھی نہیں پہچان پا رہی۔)

فارس نے اس کو اعتبار کے قابل نہیں سمجھا' اس ایک بات نے اس کے اندر کے پراعتماد انسان کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ مگر اب وہ کیا کر سکتی تھی۔ وہ اتنی دور آ چکی تھی' اتنی کھو چکی تھی' کہ اب اس کا سخت دل پہلے کی طرح اللہ کے کلام پہ نہیں پگھلتا تھا' نہ اللہ سے کلام کرنے کا ڈھنگ یاد رہا تھا۔ وہ اب کیسے اس نرم مزاج' اچھی زمر کو واپس لائے جو انتقام اور تلخی بھرے دوسرے جذبات سے نا آشنا' صرف محبت اور قربانی کا پیکر تھی۔ وہ اس زمر کو کہاں سے ڈھونڈے؟

اور سمندروں پار... شاید سمندروں پار... فارس گویا تھک کر مگر چوکنا سا درختوں کے جھرمٹ کے بیچ بیٹھا تھا۔ اردگرد جگہ اب سنسان ہو چلی تھی۔ لوگ قریباً جا چکے تھے۔ ایسے میں اس کی چبھتی ہوئی نظریں اس ٹکٹ کیبن پہ جمی تھیں۔ پچھلی رات اور آج کا سارا دن وہ مختلف جگہوں پہ بیٹھا انتظار کرتا رہا تھا (آج آبی نے کسی سیمینار میں جانا تھا سو اس کے پاس نہیں آئی تھی۔) مگر ٹکٹ کلرک کے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔

اور جانے رات کتنی بیت چکی تھی جب وہ ایک دم چونک کر سیدھا ہوا۔

ایک آدمی برساتی اور ٹوپی اوڑھے کیبن کی طرف آ رہا تھا۔ کھڑکی کے پاس رک کر اس نے ٹکٹ چیکر سے کچھ پوچھا۔ وہ جواباً نفی میں سر

ہلاتے کچھ بتانے لگا۔فارس اس جگہ سے کافی دور تھا' اور اس آدمی کی اس جانب سے پشت تھی' مگر وہ اس کی جسامت' اس کی چال ڈھال کو...لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔

بات کرتے ہوئے دور کھڑے نوارد نے مڑ کر اطراف کا سرسری جائزہ لیا تو اس کا چہرہ واضح ہوا۔

وہ کرنل خاور تھا۔

فارس نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔

تو خاور نے سعدی کا پین چرا لیا تھا' اور اب وہ اس پین کے ذریعے سعدی تک پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ دونوں اکٹھے فرار ہوئے تھے مگر اب اکٹھے نہیں تھے۔ پھر کہاں گیا سعدی؟ خاور کے جانے تک وہ وہیں بیٹھا سوچتا رہا' پھر قریباً گھنٹے بعد وہ وہاں سے نکل آیا۔

اب وہ کیا کرے؟

ادھر کینڈی میں....وہ عورت سعدی کو اپنی کافی شاپ کی پچھلی طرف سے داخل کر کے کچن میں لے آئی تھی۔ فارمیسی سے ضروری سامان اس نے راستے میں خرید لیا تھا۔ سعدی کو وہاں بٹھا کر اس نے بچے کو شاپ کے لاؤنج میں بھیجا اور خود دوسرا اسٹول کھینچ کر بیٹھی۔

''میرے والد آرمی آفیسر ہیں۔'' (سعدی کا دل دھک سے رہ گیا۔ فورسز سے تعلق رکھنے والوں کی شاپ پہ وہ کیوں آ گیا؟ اوہ نو۔) ''ڈرو نہیں' وہ ریٹائرڈ ہیں۔ ڈاکٹر نہیں مگر چھوٹے موٹے ٹانکے لگا لیتے ہیں۔''

وہ ایک رومال اپنے خون سے سرخ ہوئے بازو پہ باندھے اور اسے ہاتھ سے زور سے دبائے' درد کو برداشت کرتا خاموشی سے سنتا گیا۔

''اب بتاؤ' پولیس سے کیوں چھپ رہے ہو؟''

''بتایا تو آپ مجھے نکال دیں گی۔''

''جانتی ہوں تم کچھ گڑبڑ ہو' مگر اتنی انسانوں کی پہچان تو مجھے بھی ہے کہ اچھے اور برے میں تمیز کر سکوں۔ بتا دو۔'' وہ سنجیدہ تھی۔ تبھی بچہ ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ واپس آیا جو گھور گھور کر سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ کامنی اور اس کا سنہالی میں ایک قدرے تلخ مکالمہ ہوا' پھر وہ بیٹھ کر خاموشی سے سعدی کا زخم صاف کرنے لگا۔

''میں....'' اس نے چہرے پہ دنیا جہاں کی سادگی اور معصومیت طاری کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔ مگر غریب ہوں۔ اس کا باپ مجھے پسند نہیں کرتا....میں نے سوچا اسے کچھ بن کر دکھاؤں' اس لئے انگلینڈ سے یہاں آ گیا۔''

''وہاں کدھر رہتے تھے....'' وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''لیڈز میں۔ پڑھائی بھی چھوڑ دی اس کے پیچھے....پیسے کمانے ادھر آیا۔ اس کے قریب رہنا چاہتا تھا' مگر اس کے باپ کو جب پتہ چلا تو اس نے....'' درد سے اس نے آنکھیں میچیں۔ بوڑھا اب اس کے ٹانکے لگا رہا تھا۔ ''اس نے مجھے نوکری سے نکلوایا' فلیٹ سے دربدر کیا' بندے میرے پیچھے لگا دیے' کاغذات غائب کرا دیے' اور پولیس میں لکھوا دیا کہ میں الیگل ہوں' اور چور ہوں۔ وہ چاہتا ہے میں ملک چھوڑ کر چلا

جاؤں، مگر میں اس لڑکی کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔" آدمی گا ہے بگا ہے اس پہ نظر ڈالتا چپ چاپ اپنا کام کرتا رہا۔

"نام کیا ہے اس لڑکی کا؟" کامنی نے جتنی ڈیٹیکٹو فلمیں دیکھ رکھی تھیں، ان کا نالج استعمال کرتے ہوئے اس نے ترنت سوال در سوال شروع کر دیے۔

"سونیا۔" جواب تیار تھا۔

"اور تمہارا؟"

"شفیع.... شفیع احمر۔" جواب تیار نہیں تھا، جو منہ میں آیا بول دیا۔

"اب کیا کرو گے۔" عورت نے ذرا ہمدردی سے پوچھا۔ اسے وہ بے ضرر لگا تھا۔

"پیسے کماؤں گا، بڑا آدمی بنوں گا۔ پھر دیکھتا ہوں وہ کیسے اس کی شادی مجھ سے نہیں کرتے۔" مسکرا کر بولا۔ عورت نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"تم آج کل کے نوجوان۔ تم لوگوں کی سوچ شادی سے آگے جاتی ہی نہیں۔" وہ افسوس کر رہی تھی۔ "اپنا ملک، اپنی فیملی، کسی بڑے مقصد کے لئے جینا، یہ باتیں تم کیوں نہیں سمجھتے۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔

"میں کیا کروں، مجھے سمجھ ہی نہیں آتیں یہ باتیں۔"

پٹی ہو چکی تھی۔ بوڑھا اس پہ ایک ناپسندیدہ نظر ڈال کر چیزیں سمیٹ کر خاموشی سے اٹھ گیا۔

"پاپا کے رویے کا برا نہ ماننا۔ وہ ایسے ہی ہیں۔ اجنبیوں پہ اعتبار نہیں کرتے۔ انہیں لگتا ہے کہ میں بے وقوف ہوں جو لوگوں پہ اعتبار کر کے انہیں گھر کے اندر لے آتی ہوں۔ مونچو کے باپ کو بھی ایسے ہی لائی تھی۔ پھر وہ ہمیں چھوڑ کر اپنی ایک اسٹوڈنٹ کے ساتھ بھاگ گیا۔" وہ اس تنگ سی پینٹری کی چیزیں درست کرتی کہہ رہی تھی۔ وہ درمیانی عمر کی عورت تھی، بال اسٹیپ کٹنگ میں کٹے تھے، کافی دبلی اور سانولی تھی مگر آنکھوں میں سکون تھا، چمک تھی۔ اور اداسی بھی۔

"مگر میں یہ سوچتی ہوں شفیع کہ اگر انسان انسانوں پہ اعتبار ہی نہ کر سکے تو اس دنیا کو ہی ختم ہو جانا چاہیے۔ اب ہر کوئی تو ہم سے جھوٹ نہیں بولتا نا۔"

سعدی ذوالفقار یوسف خان کے دل کو کسی نے الٹی چھری سے کاٹ دیا مگر بظاہر وہ جبراً مسکرا دیا۔ "ایسا ہی ہے۔"

"خیر، تم ابھی زخمی ہو، یہ دوا کھالو اور ادھر..." ایک پرانے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔ "سو جاؤ۔ ہماری کافی شاپ کے ورکرز ادھر ہی سوتے ہیں کبھی کبھار۔ صبح تک یہیں رہو پھر بے شک چلے جانا، پیسے کمانے۔" مسکرا کر وہ کاؤچ پہ کشن برابر کر رہی تھی۔ ایسی پھرتیلی اور تیز تیز کام کرنے والی عورت تھی وہ۔ محنتی سی۔

سعدی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "تھینک یو۔ میں صبح چلا جاؤں گا۔"

''اور سنو۔'' وہ جاتے جاتے مڑی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر گویا یاد دلایا۔ ''ایسا کچھ بھی مت کرنا۔ چوری وغیرہ.... کہ میرے پاپا دوبارہ میری ججمنٹ پہ اعتبار نہ کر سکیں۔ مجھے پتہ ہے تم ایسے نہیں ہو' مگر خیال رکھنا۔''

سعدی نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ''آپ کا نام؟''

''کامنی۔'' وہ مسکرا کر بولی اور بتی بجھا کر باہر چلی گئی۔ سعدی نے دوا کی گولیاں جوتے کی نوک سے مسل کر فرش پہ جھاڑ دیں' گویا ان کو عتاق کر دیا۔ اسے درد ہو رہا تھا مگر وہ ''بے ہوش'' ہو کر نہیں سو سکتا تھا۔ اسے الرٹ رہنا تھا۔ انہی خیالات میں گھرا وہ کاؤچ پہ لیٹ گیا اور آگے کا لائحہ عمل تیار کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم نے کہا نہ تھا کہ نہ بدمست ہو کے چل
مہنگی بہت پڑے گی یہ عزت ادھار کی

اس صبح سے سردی کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ جنوری کا آخری عشرہ چل رہا تھا' دھند میں ذرا کمی آگئی تھی۔ ایسے میں اس پرشکوہ اور بلند عمارت کے بالائی فلور کے کارنر آفس کی شیشے سے ڈھکی دیوار کے آگے سے بلائنڈز ہٹے تھے اور تیز روشنی اندر گر رہی تھی۔ ہاشم کوٹ' ویسٹ اور ٹائی میں ملبوس' کمر سیدھی رکھ کر کرسی پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پہ دونوں ہاتھوں سے تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔ اس کی سنجیدہ نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔ دفعتاً دروازہ کھلا تو اس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔

جواہرات چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ بند گلے کے سیاہ ٹاپ اور کانوں میں دمکتے ہوئے ہیرے پہنے' وہ مسکارے سے سجی آنکھوں کو اس پہ جمائے قدم قدم چلتی قریب آئی۔

''کہو۔ کیا بات تھی؟''

ہاشم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''میں نے آپ کو نہیں بلایا۔''

جواہرات کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ ''تو پھر تمہاری سیکرٹری نے مجھے فون کر کے کیوں کہا کہ کاردار صاحب میٹنگ کے لئے بلا رہے ہیں۔ تمہارا موبائل آف جا رہا تھا' سو میں فوراً چلی آئی۔'' ہاشم نے تیزی سے انٹرکام اٹھایا تھا۔

اگلے ہی لمحے حلیمہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

''میں نے غلط نہیں کہا' میم۔ نوشیرواں کاردار نے مجھے آپ کو کال کرنے کو کہا تھا۔''

ہاشم نے نوشیرواں کی ایکسٹینشن ملائی۔ اس کے ابرو تنے ہوئے تھے اور آنکھوں میں برہمی تھی۔ شیرو نے جان بوجھ کر ''مسٹر کاردار'' کہلوایا تھا تا کہ جواہرات غلط سمجھے' وہ جانتا تھا۔

''شاہ' نوشیرواں کو میرے آفس آنے کا کہو۔'' حکم جاری کر کے اس نے فون رکھا اور حلیمہ کو بھیج دیا۔

''کوئی بات نہیں ہاشم!'' وہ جو کرسی کی پشت پہ کہنی جمائے' ابھی تک کھڑی تھی' نرمی سے بولی۔ ہاشم نے صرف ایک خفا نگاہ اس پہ ڈالی۔

''رویہ کس کا خراب ہے آپ جانتی ہیں۔''

''وہ چھوٹا ہے' ناسمجھ ہے' تم برداشت کا مظاہرہ کر لو اور....''

''تاکہ وہ کبھی بڑا نہ ہو۔'' پہلے تلخی سے بولا' پھر سر جھٹکا اور گہری سانس لی۔ ''خیر میں پرانی باتوں کو بھلا کر موو آن کرنے کے لئے تیار ہوں اگر وہ بھی اپنا رویہ بدلے۔''

''وہ بدلے گا' آئی ایم شیور۔ اس نے اسی لئے ہمیں اکٹھا کیا ہے۔'' وہ اس کا دل نرمی سے صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہاشم خاموشی سے سنتا رہا۔

دروازہ بنا کسی دستک کے کھلا اور نوشیرواں نظر آیا۔ جواہرات نے مڑ کر دیکھا۔ ویسٹ میں ملبوس' کوٹ کے بغیر' آستین کہنیوں تک موڑے' بال جیل سے سیٹ کیے وہ سنجیدہ سا کھڑا تھا۔ جواہرات مسکرا کر ایک قدم آگے بڑھی' جب شیرو چوکھٹ کے سامنے سے ہٹا اور.... (جواہرات کی مسکراہٹ عنقا ہوئی)... اور پیچھے کھڑی زمر نظر آئی۔ سیاہ کوٹ' شانوں پہ سفید دوپٹہ' اور پونی میں بندھے گھنگریالے بال' چہرے پہ مسکراہٹ۔ (کل رات اپنے کمرے میں بیٹھ کر رونے والی زمر سے وہ مختلف لگ رہی تھی)۔

''گڈ مارننگ مسز کاردار'' پھر پیچھے بیٹھے ہاشم کو دیکھ کر سر کو خم دیا۔ ''مسٹر کاردار!''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماں کو دیکھا' جو بالکل ششدری نوشیرواں اور زمر کو اندر داخل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ شیرو تھری سیٹر صوفے پہ جا بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' جبکہ زمر ساتھ رکھے سنگل صوفے پہ گھٹنے ملا کر بیٹھی اور میز پہ فائلز رکھ کر کھولنے لگی۔

''گڈ مارننگ زمر!'' اب کے ہاشم مسکرا کر بولا اور واپس اپنی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھا۔ جواہرات ابھی تک کھڑی تھی۔ ''کہیے' کیسے آنا ہوا؟ فارس کی جاب کیسی جا رہی ہے؟ میں نے اپنے دوست سے کہہ کر لگوائی ہے' امید ہے کچھ عرصے تک کر کام کرلے گا۔''

زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''میں یہاں ذاتی نہیں' پروفیشنل حیثیت سے آئی ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' جواہرات ماتھے پہ بل لئے اسے گھور رہی تھی۔

''مسز زمر میری وکیل ہیں۔''

ہاشم کی مسکراہٹ برقرار رہی (جواہرات کی آنکھوں کی تپش بڑھتی گئی) اور وہ بولا۔

''شیرو' تمہیں کس سلسلے میں ضرورت پڑ گئی لائیر کی؟'' دوستانہ انداز اپنایا۔

''اپنی کمپنی میں اپنے شیئرز کی ملکیت کے سلسلے میں۔'' وہ رکھائی سے بولتے ہوئے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔

''تم میرے بیٹے کو بہکا کر اس کو جائیداد میں اپنا حصہ مانگنے پہ اکسا رہی ہو' ہے نا؟'' جواہرات خود پہ قابو نہ رکھ سکی۔ ''خوب سن لو کہ شیرو جو مانگے گا میں اس کو دوں گی۔ بولو نوشیرواں جو بھی چاہیے تمہیں' مگر اپنی وکیل کو یہاں سے بھیجو۔'' ہاشم کھنکھارا۔ گویا تھمنے کا اشارہ کیا۔

"مسز کاردار! مجھے آپ لوگوں کی ذاتی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میں صرف تب جاؤں گی جب نوشیرواں مجھے جانے کے لئے کہیں گے۔ کیوں نوشیرواں؟" سنجیدگی سے شیرو کو دیکھا۔

"یہ یہاں سے نہیں جائیں گی۔"

"تم مجھے بتاؤ، تمہیں مزید شیئرز چاہئیں شیرو!" جواہرات نے زمر کو نظر انداز کر کے پوچھا۔ اور پہلی دفعہ نوشیرواں کو احساس ہوا کہ زمر نے اس کا آئیڈیا کیوں مسترد کر دیا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے ممی!" وہ باری باری ان دونوں کو دیکھ کر بولا۔ صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، اٹھی گردن کے ساتھ اسے پہلی دفعہ اپنا آپ معتبر لگا تھا۔

ہاشم نے آنکھیں سکوڑ کر زمر کو دیکھا۔ "تو پھر؟" وہ بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

"نوشیرواں کاردار نے اپنے شیئرز کا آدھا حصہ....." وہ فائل کھولتے ہوئے خبرنامہ پڑھنے کے انداز میں بتانے لگی.... "یعنی کل شیئرز میں سے 25 فیصد شیئرز کی ملکیت کسی اور کو دے دی ہے۔"

ہاشم کرنٹ کھا کر سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ساری مسکراہٹیں غائب ہوئیں۔ آنکھوں میں حیرت اور غصہ در آیا۔ "تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ وہ صرف تمہاری کمپنی نہیں ہے۔"

"مسٹر کاردار! نوشیرواں نے صرف اپنے حصے کے شیئرز آگے دیے ہیں۔ سارا پیپر ورک ہو چکا ہے۔ آپ اس وقت سری لنکا میں تھے ورنہ ہم آپ سے کچھ پوچھ لیتے۔" بہت تہذیب اور نرمی سے وہ بولی تھی۔ ہاشم نے ناگواری سے شیرو کو دیکھا۔ جواہرات بھی اتنے ہی غصے میں کھڑی تھی۔

"میں دو دن میں اس انتقال کو ختم کروا سکتا ہوں نوشیرواں۔"

"کمپنی کے بائی لاز کے مطابق آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" زمر سادگی سے بولی تھی۔

"بائی لاز میں نے لکھے تھے، ان کے سارے جھول معلوم ہیں مجھے۔" غصے سے اس نے میز پہ ہاتھ مارا۔

نوشیرواں خاموش سرد نگاہوں سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔ اسے خوشی نہیں مل رہی تھی۔ انتقام خوشی نہیں دیتا، مگر سکون مل رہا تھا۔

"ہاشم! آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں، لیکن مجھے معلوم ہے کہ مسز کاردار آپ کو یہ نہیں کرنے دیں گی۔" زمر نے اسی سادگی سے خود کو گھورتی جواہرات کو دیکھا۔ "کیونکہ نوشیرواں آپ کے بھائی ہیں، اور ایک بھائی دوسرے کی خواہش کا احترام نہ کرے تو وہ اس کو کھو دیتا ہے۔ ایک وکیل کی حیثیت سے میں یہ چاہوں گی کہ معاملہ صلح صفائی سے نپٹ جائے۔ ہاشم! نوشیرواں آپ کا بھائی ہے اور وہ یہ سب اچھی نیت سے کر رہا ہے، صرف اتنے سالوں کے اپنے برے سلوک کے مداوے کے لئے۔"

اس آخری بات پہ ہاشم چونکا مگر جواہرات غصے میں بولنے لگی۔

''کیا تمہارے خاندان والوں کو دے دیے ہیں اس نے شیئرز؟ ہاں؟''

''میں نے اپنے خاندان والے کو دیے ہیں۔'' شیرو چبا چبا کر بولا۔ جواہرات کا سانس رک گیا۔ ''فارس؟'' مگر ہاشم آہستہ سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ایک دم سے سب اسے سمجھ میں آ گیا تھا۔

''نہیں۔'' شیرو اٹھا اور جا کر دروازہ کھولا' پھر کسی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

جواہرات اور ہاشم نے بے اختیار اس طرف گردن موڑی اور جب شیرو سامنے سے ہٹا... تو... انہوں نے دیکھا... قدم بقدم چلتی اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ بلیک کوٹ اور اسکرٹ میں ملبوس' با اعتماد انداز میں گردن اٹھائے۔

علیشا ربکا کاردار۔

زمر فائلز اٹھا کر کھڑی ہوئی اور مسکرا کر جواہرات کو دیکھا۔

''کتنی لکی ہیں آپ کہ اپنی اولاد کی خوشیاں دیکھ رہی ہیں۔ مگر آف کورس میں یہ کبھی نہیں سمجھ سکتی۔'' اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے نوشیرواں کو سر کے خم سے اشارہ کیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلی' شیرو ایک سرد نگاہ ان دونوں پہ ڈالتا مڑ گیا' اور علیشا... جو بالکل سپاٹ سی کھڑی تھی' کسی روبوٹ کی طرح شیرو کے ساتھ ہو لی۔

پیچھے کمرے میں محض ایک ہولناک سناٹا رہ گیا۔

باہر آ کر علیشا نے نوشیرواں کو روکا تھا۔

''شوڈاؤن ہو گیا؟ اب میرا کیا ہو گا؟''

''تم ابھی اسی اپارٹمنٹ میں رہو گی۔ ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا۔ جب تمہیں قصر میں لانے کا وقت ہو گا تو میں لے آؤں گا۔'' وہ معتبر انداز میں کہتا اس کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ زمر نے مسکرا کر ان دونوں کو جاتے دیکھا اور حلیمہ کی طرف مڑی۔

''حلیمہ... کیا مجھے آپ کا نمبر مل سکتا ہے؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عقل ہر بار دکھاتی تھی جلے ہاتھ اپنے
دل نے ہر بار کہا آگ پرائی لے لے

اس چھوٹی سی پینٹری کے باہر سے مکھیوں کے بھنبھنانے جیسی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک نسوانی اور ایک مردانہ آواز جیسے دبے دبے انداز میں جھگڑ رہی تھیں۔ سعدی ان آوازوں کا پیچھا کرتے' گردن ادھر ادھر گھماتا' پینٹری سے باہر آیا تو سامنے مستطیل لمبا سا کچن تھا۔ اندر ایپرن پہنے کھڑا بوڑھا تلخی سے کچھ کہہ رہا تھا اور اس کے سامنے اتنی ہی تلخی سے جواب دیتی کامی کی اس طرف پشت تھی۔ وہ سنہالی بہت کم سمجھتا تھا' مگر ان کے انداز کو سمجھنے کے لئے زبان جاننا ضروری نہ تھا۔ جانتا تھا کہ موضوع گفتگو وہی ہے۔ بوڑھا اس کو رکھنے کے لئے تیار نہیں

اور کامنی اس کے حق میں ہے۔

"گڈ مارننگ۔" ہلکا سا کھنکار کر بولا تو ان دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ بوڑھے نے فوراً ناگواری سے منہ پھیر لیا اور کام کرنے لگا' جبکہ کامنی شرمندہ سی اس تک آئی۔

"تمہارا زخم کیسا ہے؟" اس نے ہمدردی سے اس لڑکے کو دیکھا جس کے بال بہت چھوٹے چھوٹے سے اگے تھے' اور چہرے پہ ہلکی ہلکی شیو بڑھی تھی' تھوڑی کی ذرا گھنی فرنچ۔ گردن پہ زخم کا نشان۔ بازو پہ بندھی پٹی۔ وہ عینک کے پیچھے نقاہت سے مسکرایا۔

"اچھا ہوں۔ بس ذرا چکر آ رہے ہیں۔ سوچا تھا ابھی چلا جاؤں مگر...."

کامنی کے چہرے پہ شفقت اور ہمدردی ابھری۔ "تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتے ہو' بابا کی باتوں کا برا نہ مانو۔"

"آپ پہلے ہی میرے لئے بہت کر چکی ہیں' اب مجھے جانا ہوگا۔ مجھے پیسے کمانے ہیں۔" کامنی چپ ہو گئی۔ مڑ کر باپ کو دیکھا جو خفا خفا سا کام کر رہا تھا۔ سعدی نے بھی ایک گہری نظر سنہالی بوڑھے پہ ڈالی اور واپس مڑ گیا۔

پینٹری کے کاؤچ پہ واپس جب وہ بیٹھا تو سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ عورت اچھی تھی' مگر بوڑھا؟ اسے چند دن کے لئے ایک محفوظ چھت چاہیے تھی۔ پھر ہی وہ اس ملک سے نکلنے کا لائحہ عمل تیار کر سکتا تھا۔ اسے آج دوپہر میں واپس نہیں جانا تھا' اسے ہر صورت یہاں رکنا تھا۔ کیا کرے جو کامنی خود اس کو روک لے؟ کیا تھا سعدی یوسف کا بہترین ٹیلنٹ؟

وہ اٹھا اور باہر آیا۔ کامنی سے پوچھا کہ وہ ای میل چیک کر سکتا ہے کہیں؟ اس نے پوری فراخ دلی سے اپنا لیپ ٹاپ اس کے حوالے کر دیا۔ وہ کچن کے ہی ایک کونے میں' وائی فائی کے قریب بیٹھ گیا اور کام کرنے لگا۔

سنہالی بوڑھا وقفے وقفے سے پینٹری میں آ جا رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ زخمی مشکوک نوجوان لیپ ٹاپ میں منہمک ہے تو اب کے جب وہ پینٹری میں آیا تو تیزی سے اس کے کاؤچ کی طرف لپکا۔ کشن تلے دبا اس کا بیگ نکالا اور کھولا۔ وہ مختلف پاسپورٹ' نوٹوں کا بنڈل' پستول' مختلف سرنجز' ایسی مشکوک چیزیں' اور وہ پھٹا ہوا پوسٹر جو کہہ رہا تھا کہ وہ ایک تامل جاسوس ہے۔ وہ اسی کا تھا۔ وہ پہچان گیا تھا۔ زپ بند کرتے بوڑھے کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ وہ واپس آیا تو بالکل خاموشی سے کچن میں کام کرنے لگا۔ وہ لڑکے کو بالکل نہیں دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اتنی قبریں نہ بناؤ میرے اندر محسن

میں چراغوں کو جلاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

وہ صبح فارس کے لئے پہلے سے زیادہ پریشان کن اور مایوسی بھری تھی۔ وہ آبدار کی معلومات کے مطابق' ہارون عبید کے ہوٹل کے باہر... چند گلیاں چھوڑ کر... کھلنے والے مین ہول تک گیا جہاں سے وہ بھاگے تھے۔ وہ آگے پیچھے کی ایک ایک عمارت میں گیا۔ جہاں کے اسٹریٹ

کیمرز کے رخ وہاں تھے۔ چند گھنٹوں کی "محنت" کے بعد اس نے ایک کیمرے کی ٹیپ حاصل کر لی اور دوسری جگہ جب رشوت سے کام نہ چلا تو فائر الارم بجا دیا اور اسی بھگدڑ میں ان کا پورا ڈی وی آر اٹھا کر لے آیا۔

اپارٹمنٹ میں واپس آ کر اس نے فوٹیج دیکھی۔ اندھیرے میں وہ دونوں نکل کر بھاگتے ہوئے دوسری گلی میں گئے تھے۔ سعدی کا ایک ہیولہ سا تھا۔ وہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ اسے پہچان سکتا تھا۔ بے اختیار اسکرین کو ہاتھ سے چھوا۔ پھر سر جھٹکا۔ خاور کو دیکھ کر ماتھے پہ بل پڑ گئے مگر خود کو قابو کر لیا۔ اب وہ یہ جانتا تھا کہ وہ دونوں کس گلی میں مڑے تھے۔ دوپہر تک وہ واپس اس گلی میں پہنچ چکا تھا۔ اس دفعہ اسے چند نوٹ دینے پڑے اور وہیں آفس میں فوٹیج دکھا دی گئی۔ وہ دونوں ایک ٹنک ٹنک رکشے میں بیٹھے تھے۔ اس نے رکشے کا نمبر نوٹ کر لیا اور قریبی رکشہ اسٹینڈ تک آیا۔

وہاں کوئی بھی اس رکشے والے کی معلومات دینے پہ راضی نہ تھا۔ چند نوٹ مزید دیے تو شام تک وہ رکشہ ڈرائیور مل گیا۔ اس کو اکیلے کونے میں لے جا کر فارس نے اس سے پوچھنا چاہا کہ ان دونوں کو کہاں اتارا تھا۔ وہ بولنے کی بجائے بھاگنے لگا مگر فارس نے اسے گریبان سے پکڑ کر دیوار سے لگایا اور پہلے غصے سے پھر نرمی سے پوچھا۔ وہ کچھ بھی بتانے کو تیار نہ تھا۔ مگر پستول کی پہلی جھلک پہ وہ ٹوٹ پڑا۔

جس جگہ ٹنک ٹنک نے ان دونوں کو ماہ کامل کی اس رات پہ اتارا تھا وہاں پہنچتے پہنچتے رات بیت گئی۔ مگر معلوم پڑا کہ فوٹیجز غائب ہیں۔ یقیناً خاور نے اپنے قدموں کے نشان صاف کرا دیے تھے۔

رات کو جس وقت وہ واپس اپارٹمنٹ میں پہنچا تھکا ہوا لگتا تھا۔ شیو بھی بڑھی ہوئی تھی۔ چپ چاپ آ کر صوفے پہ بیٹھ گیا۔ سارے دن کی محنت کے بعد بھی وہ وہیں کھڑا تھا۔

"مجھے ساتھ کیوں نہیں لے کر گئے آج؟ میں صبح آئی تو آپ جا چکے تھے۔" وہ کچن کے دروازے پہ جانے کہاں سے نمودار ہوئی۔ فارس نے کرنٹ کھا کر سر اٹھایا۔ پہلے تعجب اور پھر ناگواری اس کی آنکھوں میں بھرنے لگی۔

"آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"میں دوپہر سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"کیوں؟" اس کا موڈ پہلے خراب تھا اوپر سے وہ بلا۔

آبی ایک دم بالکل چپ ہو گئی۔ پھر اٹھی پرس اٹھایا چابیاں سنبھالیں۔ "کھانا لائی تھی کچن میں پڑا ہے۔ کھا لیجئے گا۔ اب جب تک آپ کو ورک وائف کی ضرورت نہیں ہو گی نہیں آؤں گی۔" خفا سی کہتی دروازے تک گئی۔ لمحے بھر کو رکی۔ شاید وہ معذرت کر لے مگر اس نے اسی رکھائی سے آواز لگائی۔ "دروازہ لاک کر کے جانا۔ میں لاک کرنے کے لئے اٹھ کر نہیں آنے لگا۔"

آبی نے آہستہ سے دروازہ بند کیا لاک کیا اور چلی گئی۔ زمر ہوتی تو زور سے دے مارتی۔ اس ساری تھکن اور ذہنی دباؤ میں ایک دم اس کی یاد کسی تازہ ہوا کے جھونکے جیسی لگی تھی۔ وہ خود بخود ہلکا سا مسکرایا اور موبائل اٹھایا۔ پیچھے کو ٹیک لگائی اور پیر لمبے کر کے میز پہ رکھ لئے۔ کال ملا

کر فون کان سے لگایا۔

پاکستان میں.....زمر اپنے بیڈروم میں بیٹھی تھی اور فائلز سامنے پھیلائے' لیپ ٹاپ پہ کھٹا کھٹ ٹائپ کیے جا رہی تھی' یکدم مزوں زوں ہونے لگی۔ ساتھ میں موبائل کی غیر شناسا سا گھنٹی بھی۔ قدرے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اسٹڈی ٹیبل سے اٹھی اور بیڈ تک آئی۔ سائیڈ ٹیبل کا پہلا دراز کھولا۔ اندر ایک چھوٹا بھدا سا موبائل پڑا بج رہا تھا۔ اچنبھے سے اس نے اٹھا کر دیکھا۔ "بلاکڈ نمبر کالنگ۔"

"ہیلو؟" محتاط ہیلو کیا۔

"وعلیکم ہیلو۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔ یہ آواز... یہ لہجہ.....وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

"کیسی ہیں آپ؟" زمر کے دل میں ایک دم بہت سے جذبات امڈ آئے جن میں غصہ سر فہرست تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ رکھائی سے بولتے ہوئے بیڈ پہ بیٹھی۔ "کیسے فون کیا؟"

"سوری' پہلے نہیں کر سکا۔ مصروف رہا۔" وہ شائستگی سے معذرت کر رہا تھا۔ اس نے محض "اچھا" کہا۔ اور کیا کہتی۔ آنکھوں سے پٹی ہٹی تو جان گئی تھی کہ اس کی کیا مصروفیت تھی۔ مگر کیسے حالات تھے ایک سوال بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ فون کس کا ہے؟"

"میرا ہی ہے۔ انکرپٹڈ ہے۔ سیف لائن ہے۔ اس لئے اسے چھوڑ گیا تھا۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ فارس ذرا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ آنکھوں میں سوچ ابھری۔

"تم ٹھیک ہو۔"

"مجھے کیا ہونا ہے۔"

"ناراض ہو؟"

"نہیں۔" اس کے ابرو اسی طرح تنے تھے۔

"پھر ایسے کیوں بات کر رہی ہو؟ میں پہلے بہت پریشان ہوں' تم مجھے مزید پریشان کر رہی ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولا تو زمر کی ساری رکھائی ہوا ہوئی۔ مفاد مشترکہ پھر سے درمیان میں آ گیا۔

"تم کیوں پریشان ہو؟ کام.....کام ٹھیک سے نہیں ہو رہا؟" بے چینی سے بولی۔

وہ خاموش ہو گیا۔ ورک وائف سے زیادہ اصلی وائف سے بات کرنا مشکل تھا مگر زیادہ سکون بھی اسی میں تھا۔ اس نے سر مزید پیچھے گرا کر آنکھیں موند لیں۔ دل ایک دم بہت بھاری ہو گیا تھا۔

"فارس... بولو نا..." وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔ ہر دفعہ سعدی کے قریب پہنچتے پہنچتے وہ دور کیوں چلے جاتے تھے؟

"تم میرے لئے دعا کیا کرو۔" وہ آنکھیں بند کیے' پیشانی مسلتا کہہ رہا تھا۔

"کیا دعا کروں؟" وہ بیڈ کے قریب نیچے فرش پہ بیٹھتی گئی۔ آنکھوں میں اداسی در آئی تھی۔

"یہی کہ میں athiest نہ بن جاؤں۔" زمر کے دل کو دھکا سا لگا۔

"تم athiest کبھی نہیں بن سکتے۔ تم مسلمان ہو اور رہو گے۔"

"اب نہیں ہوں۔ زمر مجھے اب کسی چیز کا یقین نہیں رہا۔" اس نے آنکھیں کھول کر چھت کو دیکھا تو ان سنہری آنکھوں میں بے پناہ مایوسی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ ایسا کچھ ہے۔ تم اندر سے مسلمان ہی ہو۔ تم صرف اپنے دین سے ناراض ہو۔" وہ خاموش رہا۔ ساری ناراضی بھلا کر وہ نرمی سے، فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

"تم یہ سوچتے ہو کہ تمہارے دشمن سب کچھ کر کرا کے بھی وائٹ کالر اور شریف نظر آتے ہیں اور ہم جو اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں، ہم کرمنلو لگنے لگے ہیں۔"

"میں کرمنل بن چکا ہوں۔ تم بھی۔ شاید سعدی بھی۔"

"فارس۔" اس نے دھیرے سے پکارا۔ "شریعت سخت ہو سکتی ہے، مگر وہ قانون کی طرح اندھی نہیں ہوتی۔ اپنے دین سے اتنا ناراض نہ ہو۔ تم کل بھی بے گناہ تھے، اور کل بھی رہو گے۔"

"تم میرے لئے دعا کیا کرو۔" وہ پھر سے بولا تھا۔

"میں کروں گی۔ مگر پہلے تمہیں واپس انسان بننا پڑے گا۔ فارس تم خدا نہیں ہو۔ تم سارے کام ایک ساتھ نہیں کر سکتے۔ تم جو بھی کام ابھی کر رہے ہو، اگر تم نہ بھی کر سکے تو بھی ہم میں سے کوئی تمہیں الزام نہیں دے گا۔ تم انسان ہو۔ اپنی وسعت کے مطابق جتنا کر سکتے تھے کر لیا۔ وہ خدا ہوتا ہے جو سب ٹھیک کر سکتا ہے۔ انسان نہیں۔"

"اگر میں یہ نہ کر سکا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"تو پھر اپنے اندر کے مسلمان سے جنگ کرنا چھوڑ دو۔ میں یہ نہیں کہتی کہ نمازیں پڑھو، تہجد پڑھو، قرآن پڑھو۔ کچھ بھی نہ کرو۔ صرف خود کو اس مسلمان کے حوالے کر دو۔"

"کیا اس طرح مجھے سکون مل جائے گا؟"

"فارس ہم سکون کے لئے مسلمان نہیں بنتے۔ خود کو اپنی تسکین کے لئے نہیں جھکاتے۔ خود کو اللہ کے سپرد اپنی خوشی کے لئے نہیں کرتے۔ ہم اس لئے کرتے ہیں یہ کیونکہ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی آپشن نہیں ہے۔ اس دنیا میں... اور اس دنیا سے باہر کی دنیا میں اس خود سپردگی کے سوا کوئی راستہ ہے ہی نہیں، ہماری بقا کا۔"

"اچھا۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "کوشش کروں گا۔"

''گڈ۔'' وہ بھی مسکرائی۔ فارس نے الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھ دیا تو زمر کو بھول چکا تھا کہ وہ اس سے ناراض تھی۔ وہ مسکرا کر واپس فائلز کھولنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خوابوں کی ہوا راس تھی جب تک مجھے محسن

یوں جاگتے رہنا میری عادت نہ ہوئی تھی

زمر کے کمرے سے چند گز دور.. حنین ڈائننگ ہال میں اپنی مخصوص کرسی پہ پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ پہ اس کا پروگرام چل رہا تھا (ناکامی ورنا کامی) اور ساتھ وہ شیخ کی کتاب کھولے ہوئے تھی۔

روز فجر پڑھ لینے اور باقی نمازیں وقت پہ ادا کر لینے کے باعث مرض سے بننے والے زخم کسی حد تک مندمل ہوتے گئے تھے مگر کبھی جو خالی پن در آتا' وہ گھر کے ڈھیروں کاموں اور کمپیوٹر کے بکھیڑوں کے باوجود ختم نہ ہوتا۔ ایسے میں امام ابن قیم الجوزیہ کی کتاب ''ایک تسلی بخش جواب اس کے لئے جس نے سوال کیا تھا دوائے شافی کے بارے میں'' کھول لینا راحت اور سکون کا سبب بنتا تھا۔ اس کتاب کے کئی نام تھے۔ مرض اور دوا' الجواب کافی' دوائے شافی' مگر اسے اس کا اصل اور مکمل نام ہی سب سے زیادہ پسند تھا۔ پس منظر میں آتی امی کی پکار کو نظر انداز کر کے اس نے وہ قدیم' بھاری سا دروازہ دھکیلا تو آگے زرد سنہری دھوپ میں لپٹا منظر سا کھلتا گیا۔

وہ سونے کے ذرات جیسا تاحدِ نگاہ چمکتا ہوا صحرا تھا۔ دور قطار میں اونٹ سامان اٹھائے' خراماں خراماں چلتے دکھائی دے رہے تھے۔ حنین نے دھوپ سے بچنے کے لئے ماتھے پہ ہاتھ سے سایہ کیا اور پھر ادھر ادھر گردن گھمائی۔ دوسری طرف... کافی دور... کھجور کے دو درخت تھے۔ ایک بے حد اونچا اور گھنا' اور ایک اس سے کافی چھوٹا۔ بڑے شجر تلے بیٹھے بوڑھے استاد کو دیکھ کر وہ مسکرائی اور اسی طرف کو چلنے لگی۔ پیروں میں گرم ریت جلنے لگی مگر سائبان میں بیٹھ کر تو نخلستان نہیں اگائے جاتے۔ علم کے لئے محنت تو کرنی ہوتی ہے۔

ان کے سامنے جا کر وہ ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھی۔ وہ زمین پہ کپڑا بچھا کر بیٹھے' سر جھکائے' ہاتھ میں پکڑی تختی پہ قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھ رہے تھے۔

''لوگ محبت کی راہ میں کیوں بھٹکتے ہیں' اے شیخ؟''

انہوں نے بنا سر اٹھائے' اسی طرح لکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''صرف وہی بھٹکتے ہیں جو محبت کی قسموں کے درمیان فرق اور تمیز نہیں کر سکتے۔''

''محبت کے وہ سات درجے جو آپ نے بتائے تھے؟''

''نہیں۔ ہم محبت کی پانچ اقسام کی بابت گفتگو کر رہے ہیں۔ سنو گی؟''

''بالکل چپ ہو کر سنوں گی' کیونکہ میں نے یہ سیکھا ہے کہ دین پڑھانے والوں کا ادب کرنا چاہیے اور ان کے بارے میں احتیاط سے بات کرنی چاہیے۔ کیا پتہ اللہ کے نزدیک ان کا دل سونے کا اور ہمارا چارکول کا ہو۔'' وہ دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ گرائے بیٹھی توجہ سے سننے لگی۔

شیخ نے آخری فقرہ لکھا پھر تختی پرے رکھی اور سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ہلکا سا مسکرائے۔ "محبت کی پانچ قسمیں ہیں۔ پہلی ہے.. اللہ سے محبت کرنا۔ مگر یاد رکھنا صرف اللہ سے محبت کرنا انسان کو دونوں جہانوں میں کامیاب نہیں کرا سکتا' کیونکہ اللہ سے تو کافر مشرک یہود صلیب پرست' سب محبت کرتے ہیں۔"

حنین ذرا الجھ گئی' مگر خاموش ہو کر سننے لگی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"دوم۔ جو کچھ اللہ کو پسند ہے اس سے محبت کرنا۔ یہی محبت انسان کو اسلام میں داخل کرتی ہے' اور انسان کو اللہ کا دوست بناتی ہے۔

سوم۔ وہ محبت جو صرف اللہ کے لئے ہو' اور اللہ کی راہ میں ہو۔ یعنی جس سے اللہ محبت کرتا ہے' اس سے محبت رکھنا۔ دوسری محبت وہ تھی جو اللہ کے پسند کے کاموں سے کی جائے۔ یہ تیسری وہ ہے جو اللہ کو خوش کرنے کے لئے اسکی مخلوق سے بالعموم اور اس کے محبوب لوگوں سے بالخصوص رکھی جائے۔ یہ صرف تب صحیح ہے جب مقصد اللہ کی رضا ہو۔

چہارم۔ ایسی محبت جو اللہ کے ساتھ انسان کسی دوسرے سے بھی کرے اور یہ اللہ کے دین کے لئے نہ ہو' اسکی رضا کے لئے نہ ہو' اسکی مرضی کے مطابق نہ ہو تو یہ مشرکانہ محبت ہے۔ یعنی وہ اللہ کے برابر کسی دوسرے انسان کو لا کھڑا کر رہا ہے۔ مشرک لوگ ایسی ہی محبت کرتے ہیں اللہ سے۔"

حنہ نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ "اور بھلے یہ محبت کتنی ہی پاک صاف ہو' یہ انسان کو شرک کی طرف لے جاتی ہے۔"

"بالکل۔ اب دہی پانچویں محبت۔ تو اس سے ہمیں بحث نہیں۔" شیخ نے ملائمت سے کہتے ہوئے اپنی تختی دوبارہ اٹھالی اور اس پہ لکھتے ہوئے بولے۔

"اور یہ ہے طبعی محبت۔ انسان اپنی فطرت سے مجبور ہو کر جب محبت کرتا ہے۔ جیسے پیاسا پانی سے... بھوکا روٹی سے... انسان اپنی بیوی بچوں سے.. اپنے ماں باپ گھر والوں سے.. دوستوں سے محبت کرتا ہے.. کوئی اپنے کام سے محبت کرتا ہے.. اگر یہ محبت آپ کو اپنے اندر الجھا کر اللہ سے غافل نہیں کر رہی تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ یہ اچھی اور مثبت محبت ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے۔"

"حنین... حنین..." اور اسکے سارے ارتکاز کو امی کی آواز نے توڑ کر رکھ دیا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ وہ اسی صحرا کے... نخلستان میں بیٹھی رہے مگر سلگتی ریت کی تپش ختم ہونے لگی.... سائبان کی ٹھنڈ عنقا ہوئی.... شیخ کی آواز مدھم ہوئی اور....

اس نے جھلا کر ڈائننگ ٹیبل سے سر اٹھایا۔ "کیا ہے امی؟" اور تن فن کرتی باہر لاؤنج میں آئی۔

رات کے کھانے کے بعد کا معمول کا منظر سامنے تھا۔ ٹی وی چل رہا تھا۔ سیم اور ابا نیوز دیکھ رہے تھے۔ ملازم کام ختم کر کے جا چکے تھے۔ اور ندرت صوفے پہ بیٹھیں' عینک لگا کر موبائل دیکھتیں' کہہ رہی تھیں۔

"پہلے تو یہ آدھا کملا تھا ہی مگر جب سے اس کی بیٹی ہوئی ہے' مزید ٹھیا گیا ہے۔"

"کون امی!" حنہ نے بڑے ہی ضبط سے پوچھا۔ کون سی منحوس گھڑی تھی جب بھائی امی کو android پہ لایا تھا۔

''یہی فیس بک والا مارک ذکر برگ۔ عجیب عجیب میلز بھیجتا ہے مجھے کہ میرا اکاؤنٹ لاگ اِن ہو رہا ہے کہیں اور... تا پہلے اس نے فیس بک کے شیئرز آگے دے دیے... پھر....'' حنین کے تو پتنگے لگ گئے۔

''امی فیس بک ای میل وہ خود بیٹھ کر آپ کو نہیں بھیجتا' وہ آٹومیٹک ہوتی ہیں۔ ہزار دفعہ منع کیا ہے آپ کو کہ ہر دوسری آنٹی کے گھر جا کر وائی فائی سے فون نہ جوڑ لیا کریں' مگر آج کل کی مائیں سنتی کہاں ہیں۔'' وہ مڑ گئی۔

ندرت نے عینک کے پیچھے سے غصے سے اسے گھورا۔ ''تاں کس کے گھر جاتی ہوں میں؟ سارا دن ریسٹورانٹ میں خوار ہو کر گھر آتی ہوں۔ پہلے تمہاری بک بک سنو' پھر اس ڈھیٹ فیس بک کی' دو دن سے پاگل کر رہا ہے مجھے میلز کر کر کے' آیا وڈا کہ تمہارا اکاؤنٹ سری لنکا میں کھولا جا رہا ہے۔ نہ اس سے پوچھو وہاں میرے ابا کے....''

امی کو مارک ذکر برگ کی اپنی بیٹی کی پیدائش سے قبل کی ہر اپ ڈیٹ پہ سخت تاؤ چڑھتے تھے۔ (خود بھی بے غیرت' اس کا فیس بک بھی بے غیرت) اور وہ اس کی شان میں گھنٹوں گستاخی کر سکتی تھیں مگر حنین ذوالفقار یوسف خان کی ساری دنیا اس ایک لفظ پہ تھم سی گئی تھی۔

سری لنکا؟

سری لنکا! وہ بے یقینی سے پلٹی اور دوسرے ہی پل گویا چھلانگ لگا کر امی کی طرف لپکی۔ اور فون ان کے ہاتھ سے جھپٹا۔ راستے میں پانی کے جگ سے ٹکرائی جو لڑھک کر گرا اور سیم کو بھگو گیا۔ وہ الگ چیخنا شروع ہوا اور ندرت کا ہاتھ بے اختیار جوتے تک گیا مگر حنہ دیوانہ وار کھڑی ہوئی ان کا فون پکڑے پاگلوں کی طرح بٹن دبا رہی تھی۔ ابا بھی حیران پریشان اسے دیکھنے لگے۔ پھر وہ گرجے۔ ''کیا بدتمیزی ہے حنین؟'' ایک دم سے اتنا شور و غل مچ گیا کہ زمر کمرے سے نکل آئی۔ ''کیا ہوا؟''

''امی... امی....'' وہ ایک ای میل نیچے کرتی جا رہی تھی۔ آنکھیں گلابی سی نم پھیل رہی تھیں۔ ''بڑے ابا... زمر... یہ سعدی ہے.... یہ میرا بھائی ہے.. امی کا اکاؤنٹ بھائی کھول رہا ہے.... یہ میرا بھائی ہے امی!''

کیا تم نے کبھی سانس رکنے کی آواز سنی ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب سانس کا احساس بھی اک بارِ گراں ہے
خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہوئی تھی

کینڈی کے پہاڑوں پہ اترتی شام اپنے ساتھ ٹھنڈک کی نئی لہر لائی تھی۔ مگر کافی شاپ کے اندر ہیٹر کی گرمائش اور گرما گرم کافی کی مہک نے ماحول کو خوشگوار بنا رکھا تھا۔ سعدی کچن کے کونے میں اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ کامنی آتے جاتے اسے دیکھتی تو مسکرا دیتی' وہ بھی مسکرا دیتا۔ بوڑھا سنہالی جھنڈر اور پاسنگھی سعدی کو دیکھے بنا کام نمٹا رہا تھا۔ دفعتاً ایپرن پہنے کھڑی کامنی نے ایک ویٹر کو کچھ کہا تو سعدی کھڑا ہوا۔

''اس کے اوپر پہلے ہی بہت کام ہے۔ میں کر دیتا ہوں۔''

کامنی نے فوراً سے نفی میں سر ہلا کر اس کو روکنا چاہا۔ "نہیں، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم آرام کرو۔" مگر سعدی صرف مسکرا کر ویٹر کی طرف مڑا۔

"کس میز سے آرڈر لینا ہے؟ مجھے دکھا دو۔" ویٹر کو اور کیا چاہیے تھا، وہ اسے فوراً باہر لے آیا۔ بوڑھے سنہالی کی گہری نظروں نے دور تک دونوں کا پیچھا کیا تھا۔ ویٹر نے میز اسے دکھائی تو وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ کامنی بھی پیچھے چلی آئی۔

"وہ مینیو تو لے کر ہی نہیں گیا۔" اس نے اچنبھے سے پہلے ویٹر کو دیکھا، پھر سعدی کو جو اعتماد سے مسکراتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ پھر مینیو کارڈ اٹھایا اور پیچھے گئی۔

سعدی نے میز کے دہانے رک کر وہاں بیٹھے تینوں افراد کو دیکھا۔ ایک درمیانی عمر کے انکل اور دو گول مٹول سے بچے۔

"کیا آپ انگریزی بول سکتے ہیں، سر؟" اس نے شائستگی سے مخاطب کیا۔ کامنی گہری سانس لے کر رہ گئی۔ جانتی تھی لڑکے کو جاب چاہیے اور اب وہ اسے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ (مگر کارڈ تو میرے ہاتھ میں ہے۔) وہ بھی ہاتھ سینے پہ لپیٹ کر مزے سے تماشا دیکھنے کھڑی ہو گئی۔

سنہالی انکل نے مسکرا کر بتایا کہ وہ انگریزی بول سکتا ہے۔ (سری لنکا ایک انتہائی پڑھا لکھا ملک ہے۔ جہاں اس کی ایک کثیر تعداد انگریزی میں مہارت رکھتی ہے۔)

"آپ آئسکریم لیں گے، یقیناً؟" اس نے پوچھا۔ انکل نے سر ہلایا اور مینیو کارڈ مانگا۔

"مجھے آپ سے مینیو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، سر مجھے معلوم ہے کہ آپ کیا لیں گے۔"

مسکرا کر کہتا وہ مڑا، کامنی پہ ایک فاتحانہ نظر ڈالی اور کچن کی طرف آ گیا۔ مہمان انکل اور بچوں نے اچنبھے سے اسے دیکھا اور کامنی گڑبڑا کر پیچھے گئی۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" وہ قدرے حیران، قدرے خفا تھی۔ وہ چپ چاپ پیالوں میں مختلف فلیورز کے سکوپ بھرنے لگا۔ پھر ہر پیالے کو الگ الگ پلیٹ میں رکھ کر اوپر سے ڈھکا اور میز پہ لے گیا۔

"میں نے ابھی آرڈر کرنا تھا، جناب۔" ان صاحب نے فوراً ٹوکا۔ اس نے مسکرا کر ایک ڈھکا ہوا پیالہ نکال کر ان کے سامنے رکھا۔

"آپ کون سا فلیور پسند کریں گے، سر؟"

ان صاحب نے پہلے مینیو کو دیکھا، پھر قدرے غیر آرام دہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ونیلا مگر میں...."

سعدی نے ان کے پیالے کا کور اٹھایا۔ اندر ونیلا آئسکریم رکھی تھی۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا جو اب بچوں کی طرف متوجہ تھا۔ ایک ایک پیالہ دونوں کے سامنے رکھ کر پوچھا۔ "آپ کیا لیں گے؟"

متجسس اور پراشتیاق بچوں نے اپنے من پسند فلیور بتائے اور پھر اپنے پیالوں کے کور ہٹائے۔ دونوں کے وہی تھے جو وہ چاہتے تھے اور وہ دونوں مختلف تھے۔

''واؤ!'' انہوں نے حیرت اور ستائش سے اسے دیکھا۔ پیچھے کھڑی کامنی کا منہ کھل گیا۔ کاؤنٹر پہ کھڑے ویٹر ہکا بکا سے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے۔

''ہم یہاں پہلی دفعہ آئے ہیں، تمہیں کیسے پتہ کہ....؟'' وہ صاحب حیرت سے بولے تھے۔

''پہلی دفعہ آئے ہیں تو اب آتے رہیے گا اور....'' بچوں کو دیکھ کر کہا۔ ''یہ میجک آئس کریم ہے اور میں جادوگر ہوں۔ جب آپ اگلی دفعہ اپنے دوستوں کے ساتھ آئیں گے تو میں ان کے فلیور بھی بوجھ لوں گا۔'' اور سر کو خم دے کر مڑا، کامنی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے آنکھ دبائی اور آگے بڑھ گیا۔

''تم نے یہ کیسے کیا؟ ہاں؟'' کامنی حیران اور قدرے پریشان سی پیچھے آئی تھی۔

''میں تو ویٹر کا کام ہلکا کر رہا تھا۔ یونو، اب میں بہتر محسوس کر رہا ہوں، مجھے چلنا چاہیے۔'' پینٹری میں آ کر اس نے اپنا بیگ اٹھایا۔ (اس بات سے ناواقف کہ بوڑھا سنہالی اتنی دیر میں اس کے بیگ سے وہ پوسٹر نکال چکا ہے۔)

''ایک منٹ۔ تم بتاؤ۔ تمہیں کیسے پتہ تھے ان کے فلیورز؟''

''مجھے نہیں پتہ تھے۔ یہ صرف ایک ٹرک تھی۔''

''کیسی ٹرک؟'' سعدی گہری سانس لے کر اس کی طرف گھوما۔

''امریکہ کے ایک ریسٹورانٹ میں ایسے کرتے ہیں وہ۔ مجھے کسی نے ان کی ٹرک کا راز بتا دیا تھا۔'' کامنی کی آنکھیں چمکیں۔

''تو مجھے بھی بتاؤ نا۔''

''سوری۔ میں اس ٹرک کو خود استعمال کر کے اپنی کافی شاپ بناؤں گا۔'' وہ فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھتا مسکرایا۔ کامنی کچھ دیر سوچتی رہی۔

''میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں جتنی لگتی ہوں۔''

''اچھا!'' وہ پھر مسکرایا۔

''بیگ رکھ دو۔ اوپر ایک کمرہ ہے اسے صاف کر لو اور وہیں رہو۔ آج سے تم یہاں کام کرو گے۔ اور تمہاری اس ٹرک سے ہم دونوں پیسے کمائیں گے۔'' وہ جانتی تھی لڑکا نوکری چاہتا ہے، اور اب اس کے پاس اس کو اپنی دکان سے دور کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہی تھی۔ کافی شاپ میں ان صاحب اور ان کے بچوں کے چہرے کی خوشی... اور ایسے کتنے کسٹمر اب بار بار پلٹ کر ادھر آئیں گے۔ کامنی جب مڑی تو ذہن میں جمع تفریق کر رہی تھی اور وہ لڑکے کے لئے خوش بھی تھی۔

سعدی نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور وہیں کاؤچ پہ بیٹھ گیا۔ اس کو ایک قدرے مضبوط چھت مل گئی تھی۔

اور کافی شاپ سے باہر... سڑک کنارے مہندرا ہاتھ میں ایک کاغذ پکڑے اس پہ لکھے نمبرز دیکھ رہا تھا۔ پوسٹر کے ادھورے نمبر میں ایک ہندسہ تو موبائل کوڈ کا حصہ تھا جو اسے معلوم تھا کہ ایک ہی ہوتا ہے۔ دوسرے ہندسے کی جگہ اس نے صفر سے نو تک سب نمبر ملا کر لکھ لئے اور اب باری باری سب پہ کال کر رہا تھا۔

''آپ کا نمبر میں نے پوسٹر پہ پڑھا... اچھا سوری رانگ نمبر۔'' وہ بار بار معذرت کر کے فون بند کر دیتا۔ اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''کیا آپ نے وہ اشتہار دیا ہے؟ اچھا معذرت۔''

''کوئی آٹھواں نمبر تھا جب دوسری جانب سے فصیح نے کال اٹھائی۔

''کیا آپ نے وہ پوسٹر والا اشتہار دیا تھا؟'' وہ اب جھکنے لگا تھا۔

''ہاں' میں نے دیا تھا۔ تم نے دیکھا ہے کہیں اس کو؟'' وہ چونک کر بولا۔ مہندرا کا چہرہ چمک اٹھا۔

''اگر میں کہوں ہاں' تو؟ کیا مجھے انعام کی وہ رقم ملے گی؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اجڑے ہوئے اس دل کے ہر اک زخم سے پوچھو
اس شہر میں کس کس سے محبت نہ ہوئی تھی

''میں بتاتی ہوں۔'' زمر انگلیاں مروڑتی صوفے پہ ان کے سامنے بیٹھی۔ حنین تو ہر چیز سے بے نیاز لیپ ٹاپ آن کر کے دیوانہ وار امی کی میلز کھول کھول کر دیکھ رہی تھی اور سیم اس کے ساتھ آ بیٹھا تھا۔ ندرت نے گویا دل تھام لیا تھا اور ابا بہت امید سے زمر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سر جھکائے' انگلیاں مسلسل مروڑتی کہنے لگی۔

''ہاشم کاردار نے سعدی کو گولیاں مروائیں تھیں۔ اسی نے سعدی کو اغوا کروایا تھا۔ ہم سب یہ بات جانتے تھے' آپ سے چھپایا اس لئے کہ....'' نظریں اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا۔ ندرت صوفے پہ آگے کو ہو کر بیٹھیں' نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ابا البتہ تھکن سے زمر کو دیکھ کر بولے تھے۔

''اس لئے کہ تمہیں لگا ہم کسی کو بتا دیں گے؟'' زمر نے ندامت سے سر ہلایا۔

''جی۔ مگر ہم غلط تھے۔ ہمیں اپنے خاندان سے باتیں نہیں چھپانی چاہئیں۔''

''ہاشم!'' ابا نے چہرہ ایک ہاتھ میں گرا دیا۔ وہ افسوس' اور صدمے کا شکار تھے۔ ''میں اسے کبھی پسند نہیں کرتا تھا' مگر ہمیشہ لگتا تھا ایک دن وہ اچھا آدمی بن جائے گا۔ اس نے کیوں کیا ہمارے بچے کے ساتھ ایسا؟ ہم نے کیا بگاڑا تھا اس کا؟''

''وارث غازی کو اس نے قتل کروایا تھا' سعدی یہ بات جان گیا تھا تو اس نے....''

''زمر مجھے یہ بتاؤ سعدی کہاں ہے؟'' ندرت بے قراری سے بولی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ان کو کسی کا کردار' کسی مجرم' کسی وجہ قتل کی پرواہ نہ تھی۔ بس ایک ہی سوال تھا۔ وہ ہے کہاں؟

''وہ سری لنکا میں ہے۔ مجھے نہیں پتہ کیسے مگر وہ ان کی قید سے نکل گیا ہے۔ اب وہ کہاں ہے' ہمیں نہیں معلوم۔ اس نے ہمیں فون تک نہیں کیا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں فون بھی نہ کرے؟'' وہ الجھی تھی۔

''تم نے بھی تو چار سال اسے فون نہیں کیا تھا۔'' ابا کے شکوے پہ اس کا دل کٹ گیا۔ وہ چار سال کب آئے' کہاں گئے؟ اسے یاد ہی نہ تھے۔ مگر ندرت کو پرواہ نہ تھی۔ وہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

''وہ مل جائے گا نا؟'' آنسو ان کی آنکھوں سے نکل نکل کر چہرے پہ لڑھک رہے تھے۔

''فارس اس کو ڈھونڈنے گیا ہے۔ وہ کولمبو میں ہے۔''

''ماموں کولمبو میں ہیں؟'' حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ حنہ بالکل بے یقین رہ گئی۔

''تم سب اتنے جھوٹ کیوں بولتے ہو زمر؟ میں نے کس کو بتانا تھا؟ میں نے تو صرف دعا کرنی تھی۔'' ندرت نے آنسو صاف کرتے ہوئے دکھی دل سے شکوہ کیا۔ بڑے ابا ہنوز ماتھے کو ہتھیلی پہ گرائے آنکھیں موندے بیٹھے تھے۔

''تو ماموں کولمبو....'' اس کی آنکھیں چمکیں۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے مگر پھر وہ چونکی۔ ''مگر بھائی اب کولمبو نہیں ہے۔ پہلے اس نے اکاؤنٹ کولمبو سے کھولا تھا اب کینڈی سے کھولا ہے۔''

''جی' پھپھو۔ یہاں کینڈی لکھا آ رہا ہے۔'' سیم نے بے قراری سے حنہ کے کندھے کے پیچھے سے اسکرین کو دیکھ کر کہا۔ وہ بار بار سب کے چہرے دیکھتا تھا۔ رونا تھا یا خوش ہونا تھا' کون سا تاثر دینا تھا' وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

ندرت نے دوپٹہ سر پہ لیا' اور تسبیح اٹھا کر وہاں سے اٹھ گئیں۔ زمر نے یاسیت سے انہیں جاتے دیکھا۔ ''سوری بھابھی۔ مجھے آپ کو سب سے پہلے بتانا چاہیے تھا۔ آپ کا سب سے زیادہ حق تھا۔''

''فارس.... تم.... سعدی.... تم سب ایک جیسے ہو۔'' وہ گلے سے کہتیں' نم آنکھیں انگلی کی نوک سے صاف کرتیں وہاں سے نکل گئیں۔ سیم اس کے پاس آیا اور اس کا بازو ہلایا۔ ''پھپھو' ماموں کو کال کریں' ان کو بتائیں نا۔'' زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اس کو پتہ ہوگا سیم۔''

''تو پھر وہ کولمبو میں کیوں ہیں؟'' حنین نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''اور آپ نے مجھ سے بھی چھپایا۔''

''مجھ سے بھی اس نے چھپایا تھا۔'' وہ دکھی دل سے کہتی اٹھی اور کمرے میں جا کر وہ موبائل نکالا۔ اس میں ایک ہی کانٹیکٹ فیڈ تھا۔ زمر نے کال ملائی۔

برف ایسی کہ پگھلتی نہیں پانی بن کر

پیاس ایسی کہ بجھاتے ہوئے تھک جاتا ہوں

زمر سے بات کرنے کے بعد فارس کتنی ہی دیر صوفے پہ لیٹا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور لب ایک دوسرے میں پیوست کیے' کچھ سوچنے لگا جیسے کچھ ناپسندیدہ کرنے جا رہا ہو۔ چند منٹ جب وہ اپارٹمنٹ کا دروازہ باہر سے لاک کر رہا تھا تو اس کے چہرے پہ ایک عزم تھا اور ساری تھکن ہوا ہو چکی تھی۔

وہ مڑا تو ایک دم ٹھٹک کر رکا۔

باہر سیڑھیوں پہ وہ بیٹھی تھی۔ سرخ بلی۔ اداسی سے گھٹنوں پہ تھوڑی گرائے' وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ گہری سانس لے کر سر جھٹکتا اس سے ایک زینہ اوپر بیٹھا۔

''یہاں کیا کر رہی ہیں آپ؟''

''آپ کو تنگ تو نہیں کر رہی۔ اب کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' وہ اسی طرح چہرہ گھٹنوں پہ رکھے انگلی سیڑھی کے ماربل پہ پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

''آبدار' آپ بہت اچھی ہیں' آپ نے میری بہت مدد کی ہے' لیکن میں آپ کو اپنی وجہ سے مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔'' تبھی اس کا موبائل تھرتھرانے لگا۔ فارس نے نکال کر دیکھا۔ نمبر دیکھ کر مسکراہٹ خود بخود لبوں پہ بکھری۔

''ایک منٹ۔ میری بیوی ہے۔'' اس کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے فون اٹھایا۔ آبی کے ہاتھوں کی حرکت تھم گئی۔ دل بھی تھم گیا۔ آنکھوں میں چبھن سی ابھری۔ مگر چہرہ نہیں اٹھایا۔ اسی طرح بیٹھی رہی۔

''ہیلو؟'' وہ خوشگوار انداز میں بولا۔

زمر لاؤنج سے اٹھ کر گیلری میں آ کھڑی ہوئی۔ حقیقت کے سورج کی آگ برساتی روشنی میں کھڑے ہو کر اس کا سامنا کرنا آسان نہیں تھا۔ سر جھکائے انگلی سے ناخن رگڑتے اس نے کہنا شروع کیا۔

''وہ کولمبو میں نہیں ہے۔ کینڈی میں ہے۔'' آواز بدقت لبوں سے نکلی تھی۔

فارس ایک دم بالکل پتھرا گیا۔ اس کا سانس بھی رک گیا۔ بے اختیار وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے کی رنگت پھیکی پڑی۔ پھر ندامت سے پیشانی مسلتے اس نے نگاہیں جھکائے کہنا چاہا۔ ''زمر.... آئی ایم سوری میں نے تم سے جھوٹ....''

''مجھے بھوک لگ رہی ہے میں اپارٹمنٹ کے اندر جا رہی ہوں' آپ بات کر کے آ جانا۔'' آبدار زینے سے اٹھتے ہوئے کافی اونچی آواز میں بولی تھی۔ فارس بالکل سن رہ گیا۔ بے یقینی سے' سکتے سے اس نے آبی کو دیکھا جو کہہ کر زینے چڑھنے لگی تھی۔ ارد گرد سے بے نیاز جیسے اپنے خیال میں کھوئی ہو۔

زمر نے ایک ایک لفظ سنا تھا۔ اس نے بے اختیار سہارے کے لئے دیوار پہ ہاتھ رکھا۔ چہرے کی رنگت سفید پڑتی گئی اور آنکھیں سرخ۔

''تم کدھر ہو فارس؟ اتنی رات کو تم کس کے ساتھ ہو؟'' اس کی آواز کپکپائی تھی۔

''کچھ نہیں.... یہ.... سنو! ایسا کچھ نہیں ہے۔'' غصے سے گردن موڑ کر اوپر مطمئن اور مگن سی جاتی آبی کو دیکھ کر وہ بدقت کہہ پایا۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ اس کا ایک فقرہ کئی تقریروں پہ بھاری ہوتا تھا' آج سارے لفظ ہلکے ہو گئے تھے۔

''تم اس کے ساتھ ہو... اس کے اپارٹمنٹ میں؟ تم....'' صدمے اور غصے سے اس کی آواز کانپی۔ ''تم....'' ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔

''میری بات سنو۔ میں تمہیں سب بتاتا ہوں۔ شروع سے۔ پلیز میری بات سنو۔'' وہ پسینے سے تر ہوتے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

مگر سچ بولنے کا وقت اب گزر چکا تھا۔ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ زمر نے کال کاٹ دی تھی۔ وہ پریشانی سے بار بار اسے کال ملا رہا تھا مگر وہ نہیں اٹھا رہی تھی۔

اوپر آسمان پہ چمکتا چاند چار روز پہلے ماہِ کامل تھا۔

اب وہ کامل نہیں رہا تھا۔

چار دن کی چاندنی اس کے اندر سے گھٹ چکی تھی اور آگے اندھیری رات تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

" کافر ، ماکر، کاذب، قاتل " کا باب طوالت کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ، اسکا دوسرا حصہ آپ اگلے ماہ مئی کے خواتین ڈائجسٹ میں نمل کی بائیسویں قسط میں پڑھ سکیں گے. انشاءاللہ

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

نمل

(نمرہ احمد)

بائیسویں قسط:

''کافر' ماکر' کاذب' قاتل'' (حصہ دوم)

دریا کی اصل تیرتی لاشوں سے پوچھیے

ٹھہراؤ' ایک چال' روانی فریب ہے

فصیح فون کان سے لگائے' تیز تیز سڑک پہ چلتا جا رہا تھا۔ اس کی سیاہ پیشانی پہ سلوٹیں تھیں اور آنکھوں میں چبھتی ہوئی ناگواری تھی۔ وہ دوسری طرف بولتے انجان آدمی کو سن رہا تھا۔

''اگر میں کہوں ہاں تو کیا مجھے انعام کی رقم ملے گی؟''

''ہاں بالکل۔ کہاں ہے وہ تامل جاسوس؟'' وہ غیر دلچسپی سے بولا اور کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا۔

''پہلے مجھے انعام کی آدھی رقم بھیجو' پھر بتاؤں گا۔'' فصیح کی ناک مزید چڑھ گئی۔

''دیکھو مسٹر' مجھے تامل جاسوس کی لوکیشن بتاؤ' اگر اسے ہم پکڑ پائے' تب انعام ملے گا ورنہ ایک دھیلا بھی نہیں ملے گا۔'' وہ بلا مبالغہ کہہ رہا تھا۔

''ایسے تو میں نہیں بتاؤں گا۔'' بوڑھا سنہالی خفا ہو گیا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' اس نے کال کاٹ کر سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے اگنیشن میں چابی گھمائی۔ پھر دوسرے سیل پہ نمبر ملا کر اسپیکر آن کیا اور کار ریورس کرنے لگا۔

''بولو فصیح۔'' جواہرات تلخ لگ رہی تھی۔

''میم ابھی تک ان دونوں کا پتہ نہیں چل رہا۔ دونوں کے پوسٹرز الگ الگ بنوائے ہیں۔ سعدی کا تامل جاسوس کے نام سے اور خاور کا بگڑے ذہنی توازن والے لاپتہ فرد کے نام سے۔ مگر لوگ بوگس کالز کرتے ہیں۔ پھر اوور سمارٹ بن کر انعام کا ایڈوانس مانگ کر رفو چکر ہونا چاہتے ہیں۔ روز دس جگہوں پہ ان کی اطلاع ملتی ہے' میرے بندے بھاگ کر جاتے ہیں مگر سب فراڈ ہوتا ہے۔''

''مجھے اس تفصیل سے دلچسپی نہیں ہے۔ جب وہ مل جائیں تو جو تمہیں کرنا ہے' وہ کر گزرنا۔'' اور اس کا ''راجر' میم۔'' سننے سے قبل ہی جواہرات فون رکھ چکی تھی۔

وہ اس وقت اپنے بستر میں لیٹی تھی۔ سادہ نائٹ شرٹ میں ملبوس' بالوں کو گول مول باندھے' لحاف لپیٹے' وہ سست اور بدمزہ سی لگتی تھی۔ بیڈ کی پائینتی کی طرف اسٹول پہ بیٹھی فیونا اس کے پیروں کا مساج کر رہی تھی۔

''مسز کاردار۔ کیا میری انجیو ہمیشہ کے لئے واپس آ گئی ہے؟'' دفعتاً اس نے جھجکی نگاہوں کے ساتھ پوچھا۔

جواہرات نے آنکھیں کھول کر ناگواری سے اسے دیکھا۔ ''اپنے دماغ کو آرام دو فیونا۔ کون کدھر جائے گا' یہ میں طے کرتی ہوں۔ اب وہ تمہاری ہیڈ ہے' اس کو عزت دو۔'' پھر اپنا پیر درشتی سے پیچھے کو کھینچا۔ فیونا کے ہاتھ خالی رہ گئے۔

''دور ہٹو۔ میرا سارا موڈ خراب کر دیا۔ باتھ تیار کرو میرے لئے۔''

چند منٹ مزید سرکے اور پھر وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتی دکھائی دی۔ زمرد بنا آستین کے لمبا گاؤن پہنے' بال جوڑے میں باندھے۔ تازہ میک اپ' اور زمرد جڑے آویزے پہنے' وہ تازہ دم لگ رہی تھی۔ شیرو کا کمرہ اندھیر تھا۔ وہ اسٹڈی کی طرف چلتی آئی۔ اندر بتیاں جلی تھیں اور سامنے کمپیوٹر ٹیبل پہ ہاشم چند کتابیں کھولے بیٹھا' کام کرتا نظر آ رہا تھا۔ شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑے' وہ کتاب میں سے کچھ پڑھ کر نوٹ پیڈ پہ لکھتا جا رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی۔ اس کے کندھے پہ نرمی سے ایک ہاتھ رکھا اور دوسرا اس کی میز پر رکھے' وہیں کھڑی ہو گئی۔

''جی ممی؟'' وہ سر اٹھائے بنا منہمک سا بولا۔

''تمہارے اطمینان پہ حیرت ہے مجھے۔ تمہارا بھائی اس لڑکی کو لے آیا جس سے مجھے نفرت ہے' اس کو کمپنی کا ایک چوتھائی حصہ دے ڈالا' اس کو اپارٹمنٹ لے کر دے رکھا ہے اور دو دن سے وہ اسی شہر میں رہ رہی ہے مگر تم کچھ نہیں کر رہے۔''

''میں موو آن کر چکا ہوں' ممی۔'' وہ اب لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگا تھا۔ جواہرات کا دماغ گھوم گیا۔

''ہاشم... اس لڑکی سے مجھے چھٹکارا کون دلا کر دے گا؟''

''اس لڑکی کا نام علیشا ہے اور وہ فیملی ہے ممی!''

''ہاشم...''

''ممی!'' اس نے عینک اتار کر رکھی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں' چہرے کے نقوش' سب جواہرات کی کاپی تھے اور ان میں بھی اتنا ہی غصہ تھا۔

''میں اس کی فیس دے رہا تھا۔ وہ ایک سمسٹر ختم کر کے پڑھائی چھوڑ چکی ہے۔ وہ تنگ کر کے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میری اتنے سالوں کی فیس بچ گئی۔ اس کے بدلے شیرو نے اسے چند شیئرز دے دیے ہیں' اور اچھا مجھے بھی نہیں لگا مگر میں کیا کروں؟ وہ دونوں میرے اپنے ہیں۔ رہنے دیں اسے ادھر۔ کچھ دن بعد خود ہی اکتا کر چلی جائے گی۔ آپ کو کیا کہہ رہی ہے۔'' اور واپس کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جواہرات اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا چکی تھی اور اب افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ایک وقت تھا جب اس کے شہر میں ہونے کی اطلاع نہ دینے پہ تم مجھ سے گاڑی میں بیٹھے معذرت کرتے رہے تھے۔'' مگر ہاشم پہ کوئی اثر

نہیں ہوا۔

''وہ وقت میں گزار چکا۔ اب موو آن کر جائیں ممی۔ اب میں ایک اچھا آدمی بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔''

جواہرات غصے سے مڑی اور پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئی وہ بڑبڑا رہی تھی۔

''ان دو بیٹوں کے لیے اتنے سال قربانیاں دیں۔ کیا کیا نہیں کیا۔ مگر اب یہ دونوں اپنی زندگی میں آگے بڑھ چکے ہیں۔ تو ٹھیک ہے۔ رکوں گی میں بھی نہیں۔'' پرس سے سیل نکالتی وہ ہارون کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بولے تو سہی جھوٹ ہی بولے وہ بلا سے

ظالم کا لب و لہجہ دل آویز بہت ہے

کولمبو میں اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر اٹھارہویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا' اور اندر' سیڑھیوں پہ کھڑا فارس دیوانہ وار بار بار اسے کال ملا رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ پریشانی اور ماتھے پہ پسینہ تھا۔

''زمر کال اٹھاؤ' پلیز کال اٹھاؤ۔'' وہ موبائل کان سے لگائے بڑبڑا رہا تھا مگر دوسری طرف وہ فون آف کر چکی تھی۔ فارس نے فون کان سے ہٹایا' مڑ کر غصے سے اوپر فلیٹ کی طرف دیکھا جہاں آبی گم ہوئی تھی اور پھر... پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا' سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آیا اور فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ تیز قدموں سے راہداری عبور کی اور لاؤنج میں بیٹھی آبی کے سر پہ جا پہنچا جو میز پہ پڑے کھانے کے پیکٹ سمیٹ رہی تھی۔

''یہ کیا تھا؟'' وہ بلند آواز سے غرایا تھا۔ آبی نے سکون سے چہرہ اٹھایا' پھر اس کے برہم تاثرات دیکھ کر آنکھوں میں حیرت ابھری۔

''کیا ہوا؟''

''یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ آپ کو پتہ تھا کہ دوسری طرف میری بیوی ہے۔'' وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔ آبی اچنبھے سے اسے دیکھتی کھڑی ہوئی۔

''میں نے ایسا کیا کہا؟'' پھر جیسے یاد کیا۔ ''میں تو کھانے کا کہہ رہی تھی۔ میں سمجھی نہیں فارس' کچھ غلط ہو گیا ہے مجھ سے؟''

اب کے وہ کچھ نہیں بولا۔ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے' چبھتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ تنفس ابھی تک تیز تھا اور ماتھے کے بل ہنوز ویسے تھے۔

''آئی ایم سوری' اگر میری وجہ سے کچھ غلط ہوا ہے تو۔ کیا انہوں نے کچھ غلط سمجھا؟ مگر وہ آپ کی بیوی ہیں' آپ کو اتنا تو جانتی ہوں گی۔ انہیں آپ کو اتنی سی بات پہ غلط نہیں سمجھنا چاہیے تھا۔'' وہ تعجب سے کہہ رہی تھی پھر فکرمند تاثرات چہرے پہ سجائے آگے کو ہوئی۔ ''کیا میں کچھ کر سکتی ہوں آپ کے لئے؟ پریشان مت ہوں' میں فوراً ان سے بات کر لوں گی۔''

''میرے ساتھ یہ گیمز نہ کھیلیں آبدار بی بی۔'' وہ تیز تنفس پہ قابو پاتا اسے گھور کر بولا تھا۔

آبی نے اسے دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکیں تو ان میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔

"میں نے کیا کیا ہے، سوائے آپ کی مدد کرنے کے؟" وہ بے بسی سے بولی تھی تو فارس نے گہری سانس لی اور سر جھٹکتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھ گیا۔

"اچھا رو ئیں نہیں۔ میں سب ٹھیک کرلوں گا۔" وہ صوفے کے کنارے بیٹھا اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرائے کچھ سوچنے لگا۔ آبدار نے انگلی کی نوک سے آنکھ کا کنارہ پونچھا پھر سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"میں نے شام سے کچھ نہیں کھایا' یہ کھانا بھی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔"

فارس نے چہرہ اٹھا کر اسے تکان سے دیکھا۔ "اچھا سوری۔ مجھے آپ پہ غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

آبدار کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ نم آنکھیں رگڑتی سامنے والے صوفے کے کنارے پہ جا بیٹھی۔

"مجھے کھانا کھانا ہے۔" وہ اب بھی منہ بسورے ہوئے تھی۔

"چلیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس ٹینشن زدہ ماحول سے تو نکلیں۔" تلخی کو پی کر وہ زخمی سا مسکرایا تو بالآخر وہ مسکرا دی اور کھانے کے پیکٹ سمیٹنے لگی۔ "یہ راستے میں کسی کو دے دیں گے۔"

فارس نے رک کر اپنی شرٹ کو دیکھا۔ "میں کپڑے بدل لوں۔" اور اندر کمرے کی طرف چلا گیا۔ آبی نے مسکراتے ہوئے سارے پیکٹ سمیٹے۔ پھر موبائل پہ قریبی ریسٹورانٹس سرچ کرنے لگی۔ ساحل کنارے ایک خوبصورت ریسٹورانٹ میں بکنگ کروائی اور پھر مسکراتے ہوئے فون بند کر کے سوچنے لگی۔

گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتی رہیں' وقت سرکتا رہا۔ جب پندرہ منٹ گزر گئے تو آبدار قدرے چونکی۔ فارس ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ اٹھی اور اس کے کمرے کے باہر جا کر آواز دی۔ ایک آواز' دو آوازیں۔ جواب ندارد۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا' پھر ڈورناب گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

کمرہ خالی تھا۔ الماری کے پٹ کھلے تھے۔ اندر نہ فارس غازی کا مختصر سامان تھا' نہ وہ خود تھا۔ کمرے کی کھڑکی بھی کھلی تھی۔ آبی بھاگ کر گئی اور کھلی کھڑکی سے نیچے دیکھا۔ وہاں پائپ لگے تھے۔ اور جالیاں۔ وہ ان کے نیچے سڑک پہ جا اترا تھا اور کوئی ٹک ٹک یا ٹیکسی پکڑ کر کب کا کولمبو کے ہجوم میں گم ہو چکا تھا۔ وہ بالکل سن رہ گئی۔ پھر کھڑکی کی جالی میں اٹکے نوٹ پہ نظر پڑی تو اس نے لپک کر وہ کاغذ وہاں سے اتارا۔

"میں یہاں ریسٹورانٹس کے کھانے کھانے نہیں آیا تھا۔"

اور وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ محبت اور جنگ میں سب جائز ہو یا نہ ہو' محبت کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنا سراسر ناجائز ہوتا ہے۔

وہاں سے چند کلومیٹر دور وہ ٹیکسی سے اتر کر بیگ کندھے پہ ڈالے' دوسرے ہاتھ میں موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا۔ وہ اب ذمر کو فون نہیں کر رہا تھا۔ وہ اپنا ادھورا کام مکمل کر رہا تھا۔ فون کان سے لگایا تو ایک نسوانی آواز ابھری۔

"ہیلو۔"

"صباحت۔ میں بول رہا ہوں۔فا..."

"فارس؟" آواز میں خوشگوار حیرت ابھری۔ "کیسے ہو فارس؟ اتنے عرصے بعد؟"

"میں ٹھیک ہوں۔شاید...." وہ زخمی سا مسکرایا۔

"شاید؟ یعنی ٹھیک نہیں ہو؟ کیا میں کچھ کر سکتی ہوں؟" وہ چند لمحے خاموش رہا۔

"جب پہلی دفعہ جیل گیا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ آپ میرے لئے کچھ نہیں کر سکیں کیونکہ..."

"فارس آئی ایم سوسوری، میں کچھ نہیں کر سکی، میں نے بہت کوشش کی مگر یہ ممکن نہیں ہو سکا۔تم نے جو میرے لئے کیا تھا اس کا بدلہ میں ساری زندگی نہیں چکا سکتی۔" وہ شدید ممنونیت سے کہہ رہی تھی۔ "تم نے اپنی نوکری خطرے میں ڈال کر مجھے میرے اریسٹ وارنٹ کا بتایا تھا۔تم کتنے سال سندھ میں پوسٹڈ رہے میری وجہ سے اور...."

"میں یہ نہیں کہہ رہا تھا۔" اس نے نرمی سے بات کاٹی۔ "میں کہہ رہا تھا کہ پہلی دفعہ آپ نے میری مدد اس لئے نہیں کی کیونکہ آپ اس وقت انڈیا میں پوسٹڈ تھیں، لیکن دوسری دفعہ جب میں جیل گیا تھا تو آپ نے مجھے سری لنکا سے فون کیا تھا۔سری لنکا میں پوسٹڈ تھیں۔مجھے احسان کا بدلہ مانگنا..." کرب سے آنکھیں بند کیں۔ "بالکل اچھا نہیں لگ رہا، مگر مجبور ہوں۔جہاں اتنے جرائم کر چکا ہوں، وہاں ایک اور سہی۔"

"فارس!" وہ اداسی سے مسکرائی تھی۔ "تم نے جو میرے لئے کیا، وہ جرم بھی تھا، اپنی نوکری کے ساتھ خیانت بھی، دھوکہ بھی اور غیر قانونی بھی۔مگر وہ "غلط" نہیں تھا کیونکہ کچھ چیزیں قانون سے اوپر کی ہوتی ہیں۔تم کل بھی بے گناہ تھے اور کل بھی رہو گے۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "کیا آپ اب بھی کولمبو میں پوسٹڈ ہیں؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں تو مقتل میں بھی قسمت کا سکندر نکلا

قرعہ فال مرے نام کا اکثر نکلا

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں رات کے اس پہر مکمل خاموشی تھی۔زمر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور سیم کے سوالوں کا اس نے "اسے بتا دیا ہے" کہہ کر جواب دیا تھا۔آگے نہ سیم نے پوچھا نہ حنین نے۔حنہ تو وہیں لاؤنج میں نیچے بیٹھی لیپ ٹاپ میز پر رکھے اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔(امی اپنے کمرے میں اپنے وظیفوں اور دعاؤں میں مشغول تھیں۔) سیم حنہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔بڑے ابا بھی وہیل چیئر گھسیٹتے ان کے ساتھ آ رکے تھے اور اب فکرمندی سے بار بار حنہ سے پوچھتے تھے۔

"کیا تم سعدی کو ڈھونڈ سکتی ہو؟"

"نہیں ابا۔لیکن میں امی کا پاسورڈ بدل رہی ہوں، وہ پاسورڈ کے لئے امی کا ای میل کھولے گا تو میں ایک جعلی ای میل اندر محفوظ کر رہی ہوں۔وہ اسے کھول کر اس کے لنک پہ کلک کرے گا تو اس کی لوکیشن ہمارے پاس آ جائے گی۔" وہ ایک ہاتھ سے ٹائپ کرتی، دوسرے کے ناخن

مسلسل دانتوں کے بیچ کتر رہی تھی۔

''حنہ.... کیا بھائی ہمیں واپس مل جائے گا؟'' سیم اس کا بازو جھنجھوڑ کر بار بار پوچھتا تھا۔

''ہاں سیم۔ وہ واپس مل جائے گا اور پھر دیکھنا'ہم سب ہمیشہ خوش رہیں گے۔'' حسین کو یہ بہت آسان لگتا تھا۔

''کاش کہ ہمیں وہی سعدی ملے جسے ہم نے کھویا تھا حسین۔'' ابا کی آواز غمزدہ ہو گئی۔ حنہ نے مڑ کر استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چہرہ نیچے گرائے بس سر ہلا کر رہ گئے۔ وہ حسین کو مطلب نہیں سمجھا سکتے تھے۔

وہ سر جھٹک کر واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی اور پھر کچھ سوچ کر اس نے سیو سعدی یوسف پیج کھولا۔ اس کے ایڈمن میں سامنے احمر شفیع لکھا آ رہا تھا۔ حسین نے پیج کو پیغام لکھا۔

''ایڈمن.... میں سعدی کی بہن ہوں۔ پلیز مجھے اس پیج کا ایڈمن بنا دیں۔''

''تم اس کی ایڈمن کیوں بننا چاہتی ہو؟'' سیم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''سیم ہمارے فونز اور لینڈ لائن وہ لوگ ٹریس کر رہے ہوں گے' کیا پتہ ہمارے فیس بک اکاؤنٹس بھی دیکھ رہے ہوں۔ ہم کوئی بھی ایسی بات نہیں لکھ سکتے جو بھائی کے لئے خطرہ بن جائے۔ لیکن سیو سعدی یوسف والا پیج بھائی بھی دیکھتا ہو گا میں اس کے ذریعے بھائی کو کوئی پیغام بھیج سکتی ہوں۔'' وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ اس کے لئے یہ بہت آسان تھا۔

ان سے ذرا فاصلے پہ کمرے کے بند دروازے کے پیچھے جھانکو تو زمر اندھیرا کیے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ اس کی خشک آنکھیں چھت پہ جمی تھیں اور چہرے پہ ویرانی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا وہ موٹا بھدا فون آف تھا۔

جانے کتنے لمحے سرکے.... کتنی رات گہری ہوئی.. جب اس نے وہ فون آن کرتے ہوئے گردن سیدھی کی اور پھر اس میں سیو واحد نمبر ملایا اور اسے کان سے لگایا۔ آنکھیں ہنوز خشک اور چہرہ سپاٹ تھا۔

فارس نے چھوٹتے ہی فون اٹھا لیا تھا۔ وہ اس وقت ایک زبوں حال سے علاقے میں سڑک کنارے چل رہا تھا' ہاتھ میں پرچی تھی جس پہ لکھا پتہ وہ تلاش کر رہا تھا۔ فون کان سے لگاتے ہوئے اس نے پرچی مٹھی میں دبا لی اور بے چینی سے بولا۔

''اس طرح فون مت بند کیا کرو۔ میری بات تو سن لیا کرو۔''

''تم ہمیشہ مجھے مختلف روپ میں ملتے ہو۔''

''زمر میں تمہیں....''

''مجھے میری بات پوری کرنے دو۔'' وہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' سر جھکائے انگلیاں مروڑتی کہہ رہی تھی۔ ''پہلے تم میرے ایک بھولے بسرے رشتے دار تھے۔ پھر اسٹوڈنٹ بن گئے۔ پھر ایک ایسا اسٹوڈنٹ رہ گئے جو وقت پڑنے پہ مجھے فیورز دے دیا کرتا تھا۔ پھر تم میرے سامنے ایک قاتل کی حیثیت سے آئے' جس نے اپنی بیوی کو مارا' اپنے بھائی کو مارا' اور مجھے بھی مارنے کی کوشش کی۔ پھر تم صرف ایک قیدی

رہ گئے جو سفید کرتے شلوار میں ملبوس' بالوں کی پونی بنائے' مجھے کبھی کبھار کچہری میں نظر آ جاتا تھا۔ پھر تم مجھے ایک چالباز قیدی لگے جس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنے کی کوشش کی۔ پھر تم مجھے ایک ایسے رہا ہونے والے انسان جیسے لگے جو گناہگار ہوتے ہوئے بھی قانون کا مذاق اڑا کر جیل سے نکل آتا ہے۔ پھر مجھے لگا تم ایک منتقم مزاج انسان ہو۔ جس نے اپنا رشتہ ٹھکرائے جانے کا بدلہ مجھ سے لیا تھا۔ جب تم سے شادی کر لی تو تم ایک بے حس اور سرد آدمی لگتے تھے مجھے جسے جو کہہ لو اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ مجھے لگا تم وہ نہیں ہو جو لگتے ہو۔ جو ہمیشہ لگتے تھے۔ تم بے گناہ لگنے لگے مجھے۔ یہاں تک کہ مجھے یقین آ گیا کہ تم بے قصور ہو۔ مگر بے وقوف ہو' جو اپنے دشمن سے نا واقف ہو۔ پھر تم میرے شوہر بن گئے اور ایک محبت کرنے والے وفادار آدمی جیسے لگنے لگے مجھے.... مگر آج رات...." وہ رکی۔ تیز تیز بول کر اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ دوسری طرف وہ بالکل خاموشی سے سن رہا تھا۔

"آج رات لگا کہ تم ان میں سے کچھ بھی نہیں ہو۔ تم ایک اداکار ہو صرف مگر اب.... اب یہ نہیں لگ رہا۔"

"اب کیا لگ رہا ہوں میں تمہیں؟" وہ تحمل سے بولا تھا۔

"ایک انسان۔ صرف ایک انسان جو اگر زندگی سے اپنے حصے کی خوشیاں لینا چاہے تو اس میں کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ بس پھر تمہیں مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔" ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر چہرے پر لڑھک گیا۔

"کیا تم میری بات سنو گی؟"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہمیشہ کہتے ہو ہم نے الگ ہو جانا ہے' اور مجھے نہیں پتہ کہ کیوں' لیکن اگر الگ ہی ہو جانا ہے تو تم میری طرف سے آزاد ہو۔ جو کرنا ہے کرو۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ میں اور تم کبھی ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس لئے...." اس نے گیلی سانس کو ناک سکوڑ کر اندر کھینچا اور ہاتھ کی پشت سے گال رگڑے۔ "میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم میری طرف سے پریشان ہوئے بغیر تم جو بھی کرو' یہ تمہارا حق ہے۔ مجھے اعتراض نہیں۔"

وہ سڑک کنارے' ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا سنجیدگی سے دوسری طرف سے آتی زمر کی آواز سن رہا تھا۔ آخر میں تلخی سے مسکرایا۔

"عظیم ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر صاحبہ نے ہمیشہ کی طرح اپنی کہی' اپنی سنی اور فیصلہ سنا دیا۔ ٹھیک ہے' جو تم چاہو۔" اور اسی سنجیدگی سے موبائل نیچے کیا اور کال کاٹ دی' پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

زمر نے سر گھٹنوں میں دے دیا اور بازو ان کے گرد لپیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اب ہر طرف پھر سے اندھیرا ہو گیا تھا۔

اور اسی اندھیری رات میں احمر جب لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھا تو نئے پیغام نے اسے چونکایا۔ اسے پڑھ کر اس نے بلا کسی تردد کے حنین یوسف کو اپنے پیج کا ایڈمن بنا دیا۔ پھر یونہی.... اس کی پروفائل کھولی۔ کچھ خاص نہ تھا ادھر.... البتہ.... ایک چہرہ دیکھ کر وہ چونکا تھا....

اب اس کی انگلیاں تیز تیز کی بورڈ پہ حرکت کر رہی تھیں اور آنکھوں میں چمک سی تھی۔

ادھر کولمبو کے آسمان پہ سیاہ بادل اکٹھے ہونے لگے تھے' گویا پورے شہر کو نہلا دینے کے لئے بے چین ہوں۔ ہوٹل کی بلند و بالا عمارت سر

اونچا کیے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔ اندر..... گراؤنڈ فلور کے سیکیورٹی کنٹرول روم میں دو افراد کمپیوٹر مانیٹرز کے سامنے بیٹھے تھے۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور سیاہ فام فصیح اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔

''تمہیں ریسپشن پہ طلب کیا جا رہا ہے۔ کوئی ملنے آیا ہے تم سے۔'' ایک کو اکھڑ لہجے میں حکم دے کر وہ دوسرے کی طرف آیا' اور چند لمحے انتظار کیا' یہاں تک کہ پہلا نوجوان کمرے سے چلا گیا۔

''خیریت' سر؟'' دوسرے آفیسر نے کرسی اس کی طرف گھمائے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ فصیح نے جواباً اپنے اسمارٹ فون کی اسکرین اس کے سامنے کی۔

''مجھے شام میں ایک کال آئی تھی۔ پوسٹر والے لڑکے کے لئے۔'' اس بات پہ آفیسر نے اکتا کر سر جھٹکا۔

''نہیں سنو۔ بے شک وہ عام کالرز کی طرح بوگس ہی لگ رہا تھا' مگر.....'' اس نے اسکرین سامنے لہرائی۔ ''اس کا موبائل نمبر کینڈی کا ہے۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ اشتہار ہم نے کولمبو میں دیا ہے۔ پھر کینڈی سے کیوں کوئی کال کر رہا ہے ہمیں؟''

''ہو سکتا ہے نمبر کینڈی کا ہو مگر کالر کولمبو میں ہو۔ آدمی سم کسی بھی شہر سے لے سکتا ہے۔'' مگر فصیح نے نفی میں سر ہلایا۔

''مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سعدی یوسف کینڈی میں ہو؟''

''تو پھر اس کالر کے پاس پوسٹر کیسے آیا؟'' اس نے نکتہ اٹھایا۔ فصیح نے الجھ کر سر جھٹکا۔

''اس نمبر کو ٹریس کرو۔''

''راجر' سر!'' وہ فوراً سے مانیٹر کی طرف گھوما اور کچھ ٹائپ کرنے لگا۔ پانچ منٹ بھی نہیں لگے اور اس نے سر اٹھایا۔ ''نمبر آف ہے۔ سم موبائل میں نہیں ہے' ورنہ سگنل مل جاتا۔ میں اس نمبر پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔ جیسے ہی آن ہوتا ہے بتاتا ہوں۔''

فصیح کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ''یہ اس کی کوئی ایکسٹرا سم ہو گی۔ تم اس کا سارا کال ریکارڈ نکلواؤ۔ کس کے نام ہے' سم' سب کچھ۔'' پھر جوش سے اس کا کندھا تھپکا۔ ''ہری اپ۔''

انعام کی رقم کے صفر فصیح کو اپنی آنکھوں میں چمکتے دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ جواہرات کا اس سے وعدہ تھا۔ ہارون کا انعام الگ۔ خون اس کی رگوں میں بہت تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں ان میں بھٹکتے ہوئے جگنو کی طرح ہوں
اس شخص کی آنکھیں ہیں کسی رات کی مانند

یہ کولمبو کے ایک زبوں حال اور پسماندہ علاقے کی ایک فلیٹ بلڈنگ تھی۔ سامنے کچرے کا ڈھیر تھا۔ میلی دیواریں۔ فلیٹس کی بالکونیوں پہ

سوکھتے کپڑے۔ اندر فارس گول سیڑھیاں عبور کر کے ایک دروازے کے سامنے آن ٹھہرا تھا اور اب دستک دے رہا تھا۔ اپنے ہلکے سوئیٹر کے آستین موڑ رکھے تھے اور سر پہ پی کیپ لے رکھی تھی۔ دو دفعہ دوبارہ دستک دی۔ پھر بیل بجائی۔ دروازہ ہلکا سا کھلا۔ درز سے ایک نحیف اور سانولے لڑکے نے جھانکا۔

"مجھے صباحت نے بھیجا ہے۔ صباحت مرزا نے۔ کام ہے تم سے۔"

لڑکا درز سے چند لمحے اسے جھانکتا رہا۔ پھر دروازہ کھول دیا اور زنجیر گرا دی۔ وہ دروازہ پرے دھکیلتا اندر داخل ہوا۔ ساتھ ساتھ بولتا جا رہا تھا۔

"تعارف اور تمہید میں میرا وقت ضائع نہ کروانا۔ اپنا کمپیوٹر آن کرو۔ جو صلاحیتیں تم مختلف حکومتوں کو بیچتے رہتے ہو، مجھے ان کی ضرورت ہے۔ شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ چلو۔" اس کا موڈ پہلے خراب تھا، گھرک کر بولا تو لڑکا جلدی سے اندر چلا گیا۔ فارس ماتھے پہ بل لئے اس کے پیچھے آیا۔ اندر ایک چھوٹے سے کمرے میں تین کمپیوٹرز رکھے تھے۔ ایک آن تھا۔ وہ لڑکا اسی کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا اور مطلوبہ پروگرام کھول رہا تھا۔

"صباحت نے کہا تھا تمہیں گورنمنٹ کے فیشل recognation سافٹ ویئر تک access چاہیے۔ تصویر دو مطلوبہ لڑکے کی۔" کی بورڈ پہ ٹائپ کرتے اس نے ہاتھ بڑھایا۔ فارس نے ایک فلیش اس کی ہتھیلی پہ رکھی۔ اور ساتھ کھڑا اسے دیکھنے لگا۔

"اس میں سب تصاویر ہیں اس کی؟" وہ فلیش ڈرائیو لگا کر پوچھ رہا تھا۔

"نظر نہیں آ رہیں کیا؟" وہ درشتی سے بولا۔ نحیف لڑکے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جیسے بہت ضبط کیا ہو، پھر سر جھٹک کر کام کرنے لگا۔

"میں اسے سسٹم میں ڈال رہا ہوں۔ اس چہرے کا لڑکا پچھلے اڑتالیس گھنٹوں میں کولمبو کے کسی اسٹریٹ کیم، ایئرپورٹ بس، ٹرین اسٹیشن وغیرہ کے کسی بھی پبلک کیمرے کے سامنے اگر آیا ہو تو فوٹیج مل جائے گی۔"

"کولمبو میں نہیں، اسے کینڈی میں ڈھونڈو۔" وہ کمپیوٹر ٹیبل کے کنارے بیٹھ گیا۔

وہ لڑکا، جس کا نام پریرا تھا، گہری سانس لے کر مطلوبہ الفاظ ٹائپ کرنے لگا۔

"انگریزی فلموں کے برعکس فیشل ریکوگنیشن میں کئی گھنٹے لگتے ہیں۔" تھوڑی دیر بعد پریرا جمائی روکتے، بازوؤں کا تکیہ بنا کر پیچھے کو ٹیک لگاتے ہوئے بولا تھا۔ "اگر وہ نظر آیا تو اسکرین پہ سگنل بج جائے گا۔ تم دیکھتے رہو میں تب تک کھانا کھا لوں۔" کہہ کر وہ اٹھنے لگا تو میز کے کونے پہ بیٹھے فارس نے اپنا پیر لمبا کر کے راستے میں رکھ دیا۔ پریرا نے چونک کر اسے دیکھا۔ فارس نے جیب سے پستول نکال کر میز پہ رکھا، پھر دوسری جیب سے نسبتاً چھوٹا پستول نکال کر اس کے ساتھ ڈالا، پھر سخت نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ابرو سے واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جب تک وہ مل نہیں جاتا، تم کہیں نہیں جا رہے۔ واپس بیٹھو۔"

لڑکے نے ایک نظر اسے دیکھا، دوسری بے بس نظر ان دو پستولوں پہ ڈالی، پھر گہری سانس لے کر واپس بیٹھ گیا۔ پروگرام کے مسلسل چلنے کی

آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دونوں کی نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔ رات دھیرے دھیرے کٹنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مری زندگی کے چراغ کا یہ مزاج کوئی نیا نہیں

ابھی روشنی ابھی تیرگی' نہ جلا ہوا نہ بجھا ہوا

اگلی صبح دھوپ چھاؤں کا سا موسم اسلام آباد کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا۔ اس پرشکوہ عمارت کے بالائی فلور پہ وہ ایک کشادہ سا آفس تھا۔ بلائنڈز کھلے تھے اور سنہری روشنی آدھے آفس کو روشن کر رہی تھی۔

مرکزی کرسی پہ نوشیرواں ٹیک لگائے بیٹھا ایک کرسٹل بال ہاتھ میں گھما رہا تھا۔ سامنے کھڑکی کے آگے علیشا کھڑی تھی۔ سیاہ بالوں کو اونچی پونی میں باندھے اس کی بے حد گوری جلد اور سرمئی آنکھیں دھوپ کی حدت سے چمک رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے چہرہ موڑ کر چبھتی ہوئی نگاہوں سے شیرو کو دیکھا۔

''اب؟ اب کیا ہوگا؟''

''کیا ہونا ہے' تم یہاں کام کرو گی' آرام سے رہو گی۔''

علیشا کاردار کی آنکھوں میں خفگی اتری۔ ''تم نے مجھے یہ کہہ کر بلایا تھا کہ مجھے میرے باپ کی جائیداد سے حصہ دو گے۔''

''دے تو رہا ہوں۔'' وہ حیران ہوا اور قدرے ناراض بھی۔

''میں نے کیا کرنا ہے اس کمپنی کا؟ میں سوچ رہی ہوں ان شیئرز کو بیچ دوں۔''

نوشیرواں کے ماتھے پہ بل پڑے۔ ''اور ان کے بدلے رقم لے کر واپس چلی جاؤ؟''

''ہاں نوشیرواں' میں اس رقم سے نئی زندگی شروع کر سکتی ہوں۔''

نوشیرواں ناگواری سے ابھی کچھ کہتا مگر دروازہ دستک کے ساتھ کھلا تو چوکھٹ میں زمر کھڑی نظر آئی۔ سیاہ کوٹ اور سفید لباس میں ملبوس' گھنگھریالے بال آدھے باندھے' وہ مسکرا رہی تھی۔ بالکل پرسکون' پراعتماد اور اپنی ناک کی نتھ کی طرح تازہ دمکتی ہوئی۔ رات والے واقعے کا شائبہ تک چہرے پہ نہ ملتا تھا۔

''آیئے مسز زمر۔'' وہ اپنائیت سے کہتا اٹھا۔ اسے دیکھ کر ہمیشہ شیرو کو تقویت ملتی تھی۔

''تھینک یو نوشیرواں۔'' وہ مسکرا کر کہتی آگے آئی۔ ''ہیلو علیشا!'' ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ بس صبح بخیر کہہ کر رہ گئی' البتہ سینے پہ لپیٹے بازو کھول کر پہلو میں گرا دیے تھے' اور جو پہلے بے نیازی سے کھڑی تھی' اب الرٹ سی ہو گئی تھی۔

''میں صرف اطلاع دینے آئی تھی۔'' کرسی کھینچ کر بیٹھتی وہ نرمی سے گویا ہوئی۔ اور پرس میز پر رکھا۔ ''مجھے صبح ہاشم کا فون آیا تھا۔''

نوشیرواں کے چہرے پہ بے چینی سی پھیلی۔ وہ آگے کو ہو کر بیٹھا اور ہاتھ باہم پھنسا کر میز پر رکھے۔

"

"وہ کہہ رہا تھا کہ علیشا چاہے تو آفس میں کام کرے۔ چاہے تو اپنے شیئرز اسے بیچ دے۔ وہ ان کے بدلے ایک خطیر رقم دینے کو تیار ہے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" شیرو کے چہرے پہ پہلے ہاشم کے نام سے جو زخمی پن سا پھیلا تھا اب وہ غصہ ہو کر غصے میں ڈھل گیا۔

"مگر یہ اچھا سودا ہو گا۔" علیشا قدرے امید سے کہتی آگے آئی۔ شیرو نے بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھا۔

"میں نے تمہیں شیئرز اس لئے نہیں دیے تھے کہ تم انہیں ہاشم بھائی کو بیچ کر انہیں 50 فیصد کا مالک بنا دو اور میں بالکل معذور ہو جاؤں۔"

"اب وہ میرے شیئرز ہیں اگر تمہیں میرا خیال ہے تو....." وہ بھی تیزی سے کہنے لگی۔ مگر زمر نے میز کو انگلی کے ناخن سے زور سے کھٹکھٹایا۔

"ایک منٹ!" آفس میں خاموشی چھا گئی۔ پھر زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔ "نوشیرواں' کیا آپ کو میرے اوپر اعتماد ہے یا نہیں؟"

"مسز زمر اگر یہ دونوں مل گئے تو میں ان کا محکوم بن جاؤں گا اور....."

"نوشیرواں آپ کو میرے اوپر اعتماد ہے یا نہیں؟" وہ اب سنجیدگی سے بولی تو وہ ذرا چپ ہوا۔ "مجھے ہے مگر....."

"تو فکر کیسی؟ میں آپ کی وکیل ہوں' آپ کے مسئلے حل کرنا میرا مسئلہ ہے۔ کچھ بھی ایسا نہیں ہو گا جو آپ نہیں چاہیں گے۔"

نوشیرواں نے ناخوشی سے سر کو خم دیا مگر وہ آرام دہ نہیں لگ رہا تھا۔ زمر نے اب سرد نظروں سے علیشا کو دیکھا جو بے چین نظر آ رہی تھی۔

"مس علیشا کاردار۔ آپ نے اس روز دو کاغذات پہ دستخط کیے تھے۔ وہ دوسرا کاغذ جانتی ہیں کیا تھا؟"

"آپ نے کہا تھا کہ وہ میرے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے ہے تاکہ کوئی مجھ سے زبردستی شیئرز نہ چھین لے۔"

"ااا..... میں نے جھوٹ بولا تھا۔" زمر نے شانے اچکائے۔ "اس کاغذ کی رو سے آپ نوشیرواں کاردار کے علاوہ کسی بورڈ ممبر کو وہ شیئرز نہیں بیچ سکتیں۔ اور نوشیرواں کو بھی آپ ان کی مرضی کی قیمت پہ بیچیں گی۔ آپ اپنی مرضی سے وہ شیئرز نہیں فروخت کر سکتیں۔"

نوشیرواں نے چونک کر زمر کو دیکھا۔ خود علیشا بھی متحیر کھڑی رہ گئی۔

"اور یہ شرط کمپنی کے بائی لاز کے سیکشن 18 کی شق (B) کے عین مطابق ہے۔ آپ ہاشم کو وہ بیچ ہی نہیں سکتیں۔" ٹیک لگا کر بیٹھی وہ قلم دو انگلیوں میں گھماتی اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ نوشیرواں کے چہرے کی رنگت واپس آنے لگی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

علیشا نے سرمئی آنکھوں بے بسی بھرے سے زمر کو دیکھا۔ "آپ نے مجھے مس گائیڈ کیا۔ کیوں مسز زمر؟"

"کیونکہ میں آپ کی نہیں' نوشیرواں کاردار کی وکیل ہوں۔ آپ کو دولت کمانی ہے علیشا تو آپ کو کام کرنا ہو گا۔ دنیا کا کوئی کاروبار ایسا نہیں ہے جو انسان کو بٹھا کر کھلا سکے۔ آپ نوشیرواں کا گفٹ یوں اڑا نہیں سکتیں۔" پھر چہرہ گھما کر نوشیرواں کو دیکھا۔ "چونکہ ہاشم نے علیشا کو کام کرنے کی اجازت دے دی ہے تو آپ اپنے بھائی سے صلح کر لیں۔ وہ آپ سے سب سے زیادہ مخلص اور وفادار ہے۔"

نوشیرواں اب پہلے سے بہتر نظر آنے لگا تھا۔ گردن دوبارہ اکڑ گئی تھی۔ "میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ چھڑی ڈال کر پانی کی گہرائی دیکھ چکی تھی' سو علیشا سے مخاطب ہوئی۔ "نوشیرواں کے ساتھ کام کریں اور کمپنی کو ترقی دلائیں۔ یہ اس احسان کا بدلہ ہو گا جو اس نے آپ پہ کیا ہے۔"

مگر اس فیری ٹیل نصیحت سے وہ دونوں بےزار تھے۔ مخالف سمتوں میں رخ کئے' وہ ذہن میں اپنے تحفظ اور اپنی بقا کے تانے بانے بن رہے تھے۔ وہ جانے لگی تو علیشا کسی خیال سے جاگی۔

''مسز زمر' کیا میں حنین سے مل سکتی ہوں؟''

''نہیں۔'' وہ یک لفظی جواب دے کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ علیشا چپ رہ گئی۔ وہ مسلسل اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو ملے

مدعا ہم کو انتقام سے ہے

کولمبو پر سورج نے سنہری شربت انڈیل دیا تھا۔ سارا شہر سونے میں نہا گیا تھا۔

فصیح نے اپنے فلیٹ سے نکلتے وقت فون کان پہ لگائے فکرمندی سے پوچھا۔ ''اس کینڈی والے شخص کا فون آن ہوا یا نہیں؟ میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔ تم اس نمبر کو نظر میں رکھنا۔'' اور پھر فون بند کر کے کار کی طرف بڑھ گیا۔

کینڈی کی پہاڑیوں کے بیچ' سڑک کنارے بنی کافی شاپ کے اندر کا ماحول نرم گرم سا تھا۔ کچن میں سعدی ایپرن پہنے کھڑا برتن ترتیب سے رکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی ٹرک کو مزید سحر انگیز بنانے کے لئے خاص برتن بھی منگوائے تھے' خود باہر جانے کی غلطی وہ نہیں کر رہا تھا۔ اگر وہ کسی اسٹریٹ کیم کی زد میں آ گیا تو وہ لوگ اسے ڈھونڈ لیں گے' وہ جانتا تھا۔

کام ختم کر کے وہ کونے میں آیا اور کامنی کا لیپ ٹاپ کھولا اور اسٹول پہ بیٹھ گیا۔ کی بورڈ پہ دونوں ہاتھ رکھے وہ فیس بک اکاؤنٹ لاگ ان کرنے لگا۔ پھر آنکھیں حیرت سے سکڑیں۔ پاسورڈ نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کلک سا ہوا۔ پھرتی سے اس نے فیس بک بند کیا اور کمپیوٹر آف کر دیا۔ اسے مزید امی کے اکاؤنٹ کو نہیں کھولنا تھا۔ کسی کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ اکاؤنٹ کھول رہا ہے اور یقیناً اس کے لئے کوئی جال بچھا کر رکھا گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ حنین ہو۔ مگر وہ خطرہ نہیں لے سکتا تھا۔

واپس کولمبو میں آؤ تو کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھے' کھٹا کھٹ ٹائپ کرتے ہوئے شخص نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔''

وہ چیئر کے پیچھے آ کھڑا اور سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھا۔ ''کیا آف نمبر کو ٹریس نہیں کیا جا سکتا؟''

''نہیں۔ جب تک وہ نمبر آن نہیں ہوگا' ہم اس کو ٹریس نہیں کر سکتے۔ اب؟'' مڑ کر سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''وہ کینڈی میں ہے' مجھے اس کا یقین ہے۔ ایسا کرو' اس نمبر کو ابھی چھوڑو۔ تم ایک اور کام کرو۔'' وہ آگے پیچھے ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

''کیا کروں؟ اتنے بڑے کینڈی میں ایک شخص کو ڈھونڈنا ناممکن ہے۔''

''ڈارک نیٹ پہ اس کا پوسٹر دیکھا ہے نا تم نے؟ اس پہ موجود انعامی رقم کا نصف دوں گا اگر ہم نے اسے پکڑ لیا تو۔''

''مجھے یقین نہیں ہے۔تم اس کو ڈھونڈ کر اسے گولی مار دو گے' مجھے معلوم ہے۔'' کمپیوٹر اسکرین کی طرف واپس گھومتے اس نے خفگی سے کہا تھا۔''اب بتاؤ' کیسے ڈھونڈیں گے ہم اسے؟''

وہ سوچتے ہوئے بولنے لگا۔''وہ کہیں کسی محفوظ جگہ پناہ لئے ہوئے ہے۔وہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے ادھر۔اسی لئے باہر نہیں نکل رہا۔ہم اسے باہر نکالیں گے۔''

''مگر کیسے؟''اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔

''میرے اور تمہارے برعکس' وہ ایک اچھا انسان ہے۔رحم دل اور مہربان۔ہم اس کی رحم دلی کو اس کے خلاف استعمال کریں گے۔اگر وہ کچھ ایسا سنے' جو اس کے مہربان دل کو دہلا دے' تو وہ باہر نکل آئے گا اور میں اسے جا لوں گا۔''

''یعنی کہ ہم اس کے لئے جال بچھائیں۔گڈ۔لیکن ایسا کیا ہو سکتا ہے جسے سن کر وہ نکل آئے؟''اور مڑ کر دوبارہ اسکرین کو مایوسی سے دیکھا۔''وہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دھیمی دھیمی چال سے ہم کو راہ گزر طے کرنی ہے
ناز تھا جن کو تیز روی پر منزل تک وہ آئے کم

زمر گھر میں داخل ہوئی' چیزیں حسینہ کو پکڑائیں' اس کو مارکیٹ سے چند ادویات لانے کے لیے بھیجا اور خود ڈائننگ ہال میں چلی آئی۔حنہ کرسی پہ پیر اوپر کئے بیٹھی تھی۔چائے کے دو خالی مگ ساتھ رکھے تھے اور وہ لیپ ٹاپ پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

''بھائی نے ایک دفعہ فیس بک کھولا' پاسورڈ بدلا ہوا دیکھ کر ای میل نہیں کھولی۔وہ جیسے پیچھے ہٹ گیا ہے۔''وہ نم آنکھوں سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔سیم بھی رات والے کپڑوں اور بکھرے بالوں کے ساتھ قریب بیٹھا تھا۔چہرے پہ مایوسی تھی۔

''سیم اٹھو۔امی اور بڑے ابا کو بلاؤ۔''

''کیوں پھپھو؟''سیم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ ہمیں ایک فیملی میٹنگ کرنی ہے اسامہ یوسف۔''تحکم سے کہہ کر وہ سربراہی کرسی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔اسامہ ڈھیلا سا اٹھ گیا۔حنہ اسی طرح دل سوس کر بیٹھی رہی۔

ابھی دوپہر نہیں ہوئی تھی' سو ندرت گھر پہ ہی تھیں۔وہ آئیں اور فکرمندی سے باری باری ان سب کے چہرے دیکھتے پہلی کرسی پہ بیٹھیں۔سیم ابا کی وہیل چیئر بھی دھکیلتا لے آیا۔پھر سلائیڈنگ ڈور بند کر دیا۔

''مجھے آپ سب سے بات کرنی ہے۔''وہ کرسی کی پشت پہ دونوں ہتھیلیاں جمائے کہہ رہی تھی۔سب اسے ہی دیکھ رہے تھے' سوائے حنین کے۔زمر آگے آئی' لیپ ٹاپ کے پاور بٹن پہ انگلی رکھ کر اسے دبایا۔اسکرین آف ہو گئی۔حنہ نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

''زمر میں بھائی کے لاگ اِن کا انتظار.....''

''میں نے کہا ہم ایک فیملی میٹنگ کرنے جا رہے ہیں تو تمہیں متوجہ ہونا چاہیے۔ اگر تمہارا بھائی رابطہ نہیں کر رہا تو اس کی کوئی وجہ ہوگی۔'' وہ ڈپٹ کر بولی تو حنین بے دلی سے سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''کل رات آپ سب نے مجھے الزام دیا... نہیں بھابھی میری بات سنیں۔ یہ معاملے میں آپ لوگوں سے بہتر ڈیل کر سکتی ہوں اور چاہے آپ مجھ سے بڑے ہوں، آپ کو ان معاملات میں میری بات ماننی ہوگی۔'' ندرت کو لب کھولنے سے پہلے ہی اس نے خاموش کرا دیا۔

''فارس اور میں نے یہ سب چھپایا اس لئے نہیں کہ ہمیں راز رکھنے کا شوق ہے، بلکہ اس لئے کہ خطرناک راز بم کی طرح ہوتے ہیں، انہیں ہم اپنے ''اپنوں'' کے ہاتھوں میں اس لئے نہیں دیتے کہ ان کی ذرا سی لاپرواہی ان ہی پہ کوئی ٹریجڈی نہ لے آئے۔ مگر اب آپ لوگ جان ہی گئے ہیں تو سنیں۔'' باری باری سب کی طرف نظریں گھماتی وہ دوٹوک انداز میں کہہ رہی تھی اور سب دھیان سے اسے سن رہے تھے۔

''کاردارز عزت دار لوگ ہیں۔ وہ کرپٹ ہیں، سب جانتے ہیں، مگر وہ قاتل ہیں، یہ کوئی نہیں جانتا۔ ہم جانتے ہیں۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ ہم جانتے ہیں۔ جس دن وہ جان گئے، اس دن زمین ہمارے لئے تنگ ہو جائے گی، اس دن کو ابھی نہیں آنا چاہیے۔ کم از کم جب تک ہمارا سعدی ہمارے پاس نہیں ہے، تب تک نہیں۔ اس لئے آپ سب دوبارہ ان الفاظ کو نہیں دہرائیں گے۔'' اس کا لہجہ اب بھی بے لچک تھا۔ ''کوئی اب اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ کاردارز کیا کر چکے ہیں، آپ جیسے جانتے ہی نہیں۔ وہ لوگ ہمارے فونز ٹیپ کر رہے ہوں گے، ہماری کالز سن رہے ہوں گے۔ کوئی بھی فون پہ یا ایسے بھی کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کرے گا۔ بلکہ ہر کال میں آپ یوں مایوسی کا اظہار کریں گے کہ جیسے ہم ابھی تک سعدی کے بارے میں بے خبر ہیں۔ ابھی جنگ کا وقت نہیں آیا۔ ابھی ہم نے خود کو نارمل ظاہر کرنا ہے۔ اسامہ تم کل سے اسکول جاؤ گے بلاناغہ اور بھابھی آپ ایک گھنٹے کے لئے بھی ریسٹورانٹ سے غائب نہیں ہوں گی، کیونکہ ہماری ہر نقل و حرکت پہ وہ لوگ نظریں رکھے ہوں گے۔ ہمیں ان کو ''شک'' کا موقع نہیں دینا۔ ہمیں ان کو اپنی طرف سے پرسکون رکھنا ہے۔ سب نارمل ایکٹ کریں گے۔'' بالآخر خاموش ہو کر اس نے سامنے بیٹھے حاضرین کو دیکھا۔ سب متفق تھے یا غیر متفق، سب بات مان چکے تھے۔ صرف ندرت کے لبوں سے نکلا۔ ''اور سعدی؟ اس کا کیا؟'' ان کی آواز تک کانپ گئی۔

زمر نے میز سے اپنا پرس اور سیل فون اٹھاتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔ ''فارس سنبھال لے گا۔'' اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاید وفا کے کھیل سے اکتا گیا تھا وہ

منزل کے پاس آ کے جو رستہ بدل گیا

صبح ابھی پوری طرح دوپہر میں نہیں ڈھلی تھی مگر فاطمہ اختر کا آفس سورج کی کرنوں سے مکمل طور پہ روشن تھا۔ وہ فائل ریک کے سامنے کھڑی سوچ کر ایک ایک فولڈر نکالتی، پھر نفی میں سر ہلا کر واپس رکھتی۔ دفعتاً دستک پہ مڑی۔ چوکھٹ میں احمر کھڑا تھا۔ فینسی شرٹ اور کوٹ

میں ملبوس، وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔ فاطمہ نے بھی مسکراتے ہوئے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"اور صبح سویرے جناب احمر شفیع نے مجھے یہ اعزاز کیونکر بخشا؟" وہ اپنی سیٹ پہ تھکن سے گرتے ہوئے بولی۔

احمر تیزی سے آگے آیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"مجھے معلوم ہے میں آج کل کسی کو وقت نہیں دے پا رہا۔ میری جاب.... بہت ٹف ہوتی جا رہی ہے۔"

"تم کرنل خاور سے بہتر غلام بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر وہ بیسٹ تھا۔" احمر کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا، مگر پھر سر جھٹک کر آگے کو ہوا۔

"میں نے تمہیں حنین یوسف کو ریسرچ کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"وہ کلین ہے احمر۔ میں نے بہت ڈھونڈا، مجھے کچھ نہیں ملا۔" فاطمہ نے شانے اچکائے۔

"کوئی بھی کلین نہیں ہوتا فاطمہ۔" وہ زخمی سا مسکرایا، پھر اپنا ٹیب اس کے سامنے رکھا۔ "کل رات اس نے مجھے میسج کیا کہ میں اسے میو سعدی یوسف کا ایڈمن بنا دوں۔"

"تو بنا دو۔ اس کے بھائی کے نام کا پیج ہے وہ۔"

"بات یہ نہیں ہے۔" وہ دبے دبے جوش سے بول رہا تھا۔ "بات یہ ہے کہ میں نے پہلی دفعہ اس کی فیس بک پروفائل دیکھی ہے۔"

"میں کب کی دیکھ چکی ہوں اس میں کچھ نہیں ہے۔" وہ بےزار آ گئی تھی۔

"اس میں واقعی کچھ نہیں ہے۔ مگر اس میں "کوئی" ہے۔" کہہ کر اس نے اسکرین فاطمہ کے سامنے کھڑی کی۔ وہ اچنبھے سے آگے ہوئی۔

"یہ ایک لڑکی ہے حمیرا نام کی۔ اس نے اپنے باپ کی پکچر کو پروفائل پکچر کے طور پہ لگا رکھا ہے۔ ایف وائی آئی، یہ آدمی ایک بورڈ کا اوسی پی تھا، اور اس کو جسٹس سکندر نے قتل کر دیا تھا، اسی ویڈیو کو سعدی اور میں نے.... استعمال کیا تھا۔" فارس کا نام نہیں لے سکا۔ چپ ہو گیا۔

"اوکے تو؟"

"تو یہ کہ اس کی بیٹی اور حنین یوسف فرینڈز تھیں۔ سعدی نے مجھے کہا تھا، وہ ندامت لے کر اوسی پی کے گھر گیا تھا جب اس کو وہ پین کیمرہ ملا۔ وہ گلٹی تھا مگر کیوں؟ وہ تو کبھی اوسی پی سے نہیں ملا تھا۔ پہلی دفعہ ان کے گھر گیا تھا۔ جب یہ بات میں نے غازی اور مسز زمر کو بتائی تو وہ چھوٹی لڑکی بھی ساتھ بیٹھی تھی اور اس کی شکل عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ ایسا کیا تھا جس پہ سعدی گلٹی تھا۔"

فاطمہ بالآخر دلچسپی سے آگے کو ہوئی۔ "مگر کیا؟"

"یہی جاننے کے لئے میں نے اس لڑکی کا اکاؤنٹ ہیک کیا۔"

"حنین کا؟"

"نہیں۔ وہ خطرناک ہے۔ میں نے اس حمیرا کا اکاؤنٹ ہیک کیا اور حنین سے اس کی گفتگو پڑھی۔ دو سال پرانی گفتگو۔ اور جانتی ہو مجھے اس سے کیا معلوم ہوا؟"

''کیا؟'' فاطمہ سانس روکے سن رہی تھی۔

''اوسی پی کی بڑی بیٹی کی ویڈیو کسی کے پاس تھی' انہوں نے حسین سے مدد مانگی' حسین نے کہا کہ انکل خود آ کر مجھ سے کہیں۔ پھر گفتگو سے لگتا ہے کہ کام ہو گیا۔ چند ماہ بعد حسین نے اس سے اس کے ابو کا نمبر مانگا اور کہا کہ وہ ان سے بات کرنا چاہتی ہے۔ اس کے بعد حسین نے اس کو کوئی میسج نہیں کیا۔ سارے میسج اسی لڑکی کے ہیں۔ وہ گلہ کر رہی ہے کہ حسین ابو کی وفات پہ آئی بھی نہیں نہ تعزیت کا فون کیا۔ حسین نے جواب نہیں دیا۔ وہ گلٹی تھی۔''

''مگر کس چیز پہ؟''

''یہی میں نے سوچا۔ جس دن اس اوسی پی کو فون کیا گیا ہو گا اسی دن ان کی موت ہوئی۔ حسین موت کی اصل وجہ سے واقف نہیں تھی۔ اس نے سمجھا کہ.... کہ اس کی وجہ سے ہوا ہے یہ۔''

''تمہیں کیسے پتہ کہ یہ اس کی وجہ سے ہوا ہے؟''

''کیونکہ فاطمہ اس دن اس کا بورڈ کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا۔ حسین مجھ سے کس بات پہ چڑتی تھی؟ جب میں نے اس سے اس کے رزلٹ کا پوچھا۔ میں نے کہا تھا' آپ نے نقل مار کر تو ٹاپ نہیں کیا تھا کیا؟ فاطمہ.. فاطمہ.. اس نے نقل سے ہی ٹاپ کیا تھا۔ اس نے ویڈیو ہٹانے کے لئے اس لڑکی کے باپ سے کیا مانگا ہو گا؟ اس نے بعد میں انجینئرنگ میں کیوں داخلہ نہیں لیا؟ وہ میرے منہ سے کون سا ڈر سن کر میری طرف سے اِن سیکیور فیل کرنے لگی' اتنا کہ اس نے مجھے یہ تاثر دیا جیسے غازی کو میری شکایت لگا رہی ہو۔ وہ بھی راز چھپا رہی ہے۔'' اس نے ایکسائٹمنٹ سے میز پہ ہاتھ مارا۔

''اتنی جھوٹی اور چالاک لڑکی میں نے پہلی دفعہ دیکھی ہے۔'' فاطمہ نے جھرجھری لی۔ مسٹری حل ہو گئی تھی۔

''میں نے کہا تھا نا' کوئی بھی کلین نہیں ہوتا۔'' مسکرا کر قطعیت سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فاطمہ نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔

''لیکن تم ان کی فیملی کے دوست ہو۔ اس راز کا کیا کرو گے؟ یہ تو بے کار ہے تمہارے لئے۔'' وہ جو ایک پزل حل کر کے فاتح اور مطمئن سا اٹھ رہا تھا' جاتے جاتے رک کر اسے دیکھا اور پھر زخمی سا مسکرایا۔

''ہر راز کی قیمت ہوتی ہے فاطمہ۔ کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی طرح' وہ ہمارے کام آ سکتا ہے۔ ویک اینڈ پہ ملتے ہیں۔'' چابیوں والا ہاتھ ہلا کر وہ باہر نکل گیا اور فاطمہ سوچتی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے' دھوپ زیادہ سائے کم

لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

سعدی یوسف کو اس کافی شاپ میں کام کرتے چوتھا روز ہونے کو آیا تھا۔ بوڑھے سنہالی روپا سنگھی نے ابھی تک اپنا نمبر آن نہیں کیا تھا۔

وہ کچھ دن میں کولمبو جا کر خود سے اس معاملے کی تحقیق کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کامنی سعدی کے کام سے خوش تھی' اور چار دن میں اس نے دیکھا تھا کہ چار پانچ لوگ پلٹ کر آئے تھے اور اپنے ساتھ مزید مہمان بھی لائے تھے۔ کامنی کا بیٹا اسی طرح خاموش سا کونے میں بیٹھ کر سب کو دیکھتا رہتا تھا۔

اس صبح سعدی کچن میں کھڑا برتن ڈش واشر میں سیٹ کر رہا تھا جب اسے کامنی کی آواز سنائی دی۔

''یہ تو مونچھ جتنا ہے۔'' سعدی ہاتھ پونچھتا باہر آیا تو دیکھا' وہ گردن اونچی کئے' ایک ہاتھ کمر پہ رکھے کھڑی افسردگی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''کینڈی میں بم بلاسٹ ہوا ہے۔'' کامنی نے مڑے بغیر کہا۔ سعدی کی نظریں ٹی وی تک گئیں۔ ''تم نے نہیں دیکھا؟ صبح سے یہ خبر چینل پہ چل رہی ہے۔ غیر مصدقہ اطلاع ہے کہ ایک عورت جاں بحق ہو گئی ہے' اور اس کا بچہ زخمی ہے۔ ہسپتال والے اس کا علاج نہیں کر رہے کیونکہ وہ غیر قانونی ہے۔''

''غیر قانونی'' لفظ پہ سعدی نظریں چراتا اندر کو مڑا جب وہ بولی۔

''بے چاری غلیچو عورتیں۔ نوکری کے لئے کتنے دھکے کھاتی ہیں۔ اور اس کے بچے کو کینسر ہے۔'' وہ ایک دم ٹھہر گیا۔ بالکل شل۔ ساکت۔ پھر دھیرے سے مڑا۔ نگاہیں اٹھائیں۔ اسکرین پہ اس بچے کی زخمی تصویر نظر آ رہی تھی۔

تصویر دیکھ کر اس کا سانس تھم گیا۔ وہ میری انجیو کا بچہ تھا۔

کافی شاپ کی اوپری منزل پہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک پلنگ رکھا تھا۔ الماری کا دروازہ شیشے کا بنا تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا غسل خانہ تھا۔ کمرے میں کھڑکی نہ تھی۔ سعدی خاموش سا بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا۔ سوچیں دل و دماغ میں طوفان برپا کر رہی تھیں۔ شور ہی شور۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا اور الماری کے دروازے میں اپنا عکس دیکھا۔ ''استرا'' پھیرے سر اور بڑھی شیو والا سعدی پریشان نظر آتا تھا۔

''میری کا ہی بچہ ہے وہ۔ میں پہچانتا ہوں۔ مگر وہ تو امریکہ میں زیر علاج تھا نا۔ یہاں کیسے آ گیا؟''

آئینے میں اس کو اپنا عکس اسی طرح پلنگ کنارے بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے عقب میں... ایک اور عکس ابھرا۔ وہ ٹی شرٹ پہنے' کلین شیو اور گھنگریالے بالوں والا سعدی تھا۔ پرانا سعدی۔

''تمہیں کیسے پتہ کہ وہ امریکہ میں تھا؟''

''میری نے بتایا تھا۔'' بیڈ کنارے بیٹھے لڑکے نے احتجاج کیا۔

''میری نے تو یہ بھی کہا تھا کہ تم انڈیا میں ہو۔ میری کو خود بھی معلوم نہ ہو شاید کہ اس کا بیٹا ادھر ہی ہے۔ تم نے میری کو استعمال کر کے جیل توڑی' انہوں نے اس جرم کی پاداش میں میری اور اس کے بیٹے کو دھماکے میں حادثاتی موت کا شکار کرنا چاہا۔''

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''یہ ٹریپ ہے۔ وہ مجھے باہر نکالنا چاہتے ہیں۔ میری کا بچہ بالکل ٹھیک ہوگا اور خود میری بھی۔''

''اور اگر ایسا نہ ہوا؟ اگر تمہاری وجہ سے وہ مر گئی ہو اور اس کا بچہ آج بے یار و مددگار پڑا ہو تو پوچھ کس کی ہو گی شفیع احمر؟'' گھنگریالے بالوں والے لڑکے نے طنز اور ملامت سے پوچھا تھا۔

''میں اب تمہاری طرح نہیں رہا۔ میں بدل گیا ہوں۔ میں نہیں جاؤں گا۔ یہ فصیح کا کوئی پلان ہے۔'' وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔

''لوگ نہیں بدلا کرتے۔ تم بھی نہیں بدل سکتے۔''

''شفیع....'' دروازہ کھٹکا تو وہ چونکا۔ چوکھٹ میں کامنی کھڑی تھی۔

سعدی نے چونک کر آئینے میں دیکھا۔ وہ عکس اب غائب ہو چکا تھا۔ وہ وہاں تنہا تھا۔

''نیچے آجاؤ۔ گاہک آئے ہیں۔'' وہ پلٹنے لگی جب اس نے اٹھتے ہوئے پکارا۔

''کامنی جی۔'' وہ ٹھہر کر مڑی اور استفامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اگر.... یہ ممکن ہو.... ہو سکتا ہے کہ یہ ممکن ہو کہ کوئی دوسرا انسان مشکل میں ہو اور اس کو بچانے کے لئے آپ کو اپنی جان خطرے میں ڈالنی پڑے تو انسان کو کیا کرنا چاہیے؟''

''انسان کو وہ کرنا چاہیے جس کی وجہ سے وہ ''انسان'' کہلاتا ہے' کیونکہ اگر وہ انسانیت نہیں دکھائے گا خطرہ نہیں لے گا تو وہ کیسا انسان ہوا؟ میں نہیں جانتی تمہیں مگر تمہارے لئے خطرہ مول لیا نا۔ اب فائدہ ہی اٹھا رہی ہوں نا۔'' نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہہ کر وہ مڑ گئی اور سعدی یوسف کا دل ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ میری کے بیٹے کو ڈھونڈنے جائے گا۔ بھلے آگے کچھ بھی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیرے نغمے تیری باتیں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی
ہمیں یہ چاندنی راتیں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی

اس صبح سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں اپنے کمرے میں بیٹھی حنین' بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے' گھٹنوں پہ کمبل ڈالے' سست روی سے موبائل اسکرین پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ بال پونی میں بندھے تھے اور آنکھوں میں ویرانی تھی۔ ان دو دنوں میں نہ فارس کا کوئی فون آیا۔ نہ سعدی نے امی کا اکاؤنٹ لاگ ان کیا۔ اب وہ اسے کہاں ڈھونڈے؟ اس نے بھائی کا گروپ کھولا جہاں کی وہ خود بھی ممبر تھی' بلکہ امی کو تو بھائی نے ادھر کا ایڈمن بنا رکھا تھا اور خود وہ وہاں اپنی قرآن میں تدبر کی ویڈیوز پوسٹ کرتا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کی پرانی ویڈیوز دیکھتی رہی۔ پھر گروپ کی وال چیک کی۔ لوگ اب بھی قرآنی آیات' لیکچرز اور اپنے اپنے تدبر پوسٹ کرتے تھے مگر سعدی والی بات کہاں تھی؟ وہ بے دلی سے وال نیچے کرتی گئی۔ دفعتاً ٹھٹکی۔ آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''ندرت ذوالفقار یوسف نے Ronald Weasley کو گروپ ممبر بنانے کی درخواست قبول کر لی ہے۔'' یہ ایک خبر تھی۔ اطلاع تھی۔

یعنی ایک شخص جس نے اپنا نام رونلڈ رکھا ہوا تھا' اس نے اس گروپ میں داخلے کی درخواست بھیجی اور اسے ندرت نے بطور ایڈمن قبول کر کے اسے گروپ میں داخل کر لیا۔ حنین بالکل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ یہ پرسوں کی اطلاع تھی۔ پاسورڈ بدلنے سے بھی پہلے ندرت یوسف کی آئی ڈی یہ کام کر چکی تھی۔ سعدی ایک دفعہ زمر کے سوک نائزل میں رونلڈ ویزلی (ہیری پوٹر کا ایک کردار) بنا تھا۔ ندرت تو اس گروپ کو چیک بھی نہیں کرتی تھیں' کجا کہ داخلے کی درخواست قبول یا رد کرنا۔ دوسرے ایڈمنز یہ کام کرتے تھے۔

دو دن سے وہ رونلڈ ویزلی چند آیات پوسٹ کرتا تھا۔ سورۃ النمل کی اور ان کے بارے میں اپنے "ریفلیکشن" لکھتا تھا۔ اسے کسی نے خاص توجہ نہیں دی تھی۔ دو چار لائکس آ گئے اور دو تین "سبحان اللہ' جزاک اللہ" لکھ کر لوگ آگے بڑھ گئے' مگر حنین نہیں بڑھ سکی۔ وہ وہیں ٹھہر گئی۔ بالکل ساکت و جامد۔

وہ آئی ڈی گویا خالی تھی۔ کچھ بھی نہ تھا اس میں۔ وہ اسے صرف گروپ میں پوسٹ کرنے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ سورۃ النمل کی تقریباً آدھی آیات اس نے لکھ ڈالی تھیں' پھر رک گیا تھا۔ شاید اس کے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔ شاید وہ اب قرآن نہیں پڑھ پا رہا تھا۔ وہ اس کا ایک ایک انداز پہچانتی تھی۔ وہ اس کا بھائی تھا۔

حنین نے نم آنکھوں کے ساتھ اسکرین کو چھوا۔ اس نے پروفائل پکچر میں گلاب کا پھول لگا رکھا تھا جس کا سرخ خون بہہ رہا تھا۔ انسان جس بھی حالت میں ہو' قید ہو' یا آزاد ہو' وہ اپنی عادتیں نہیں چھوڑ سکتا تھا' وہ بھی خود کو بیان کرنے کے انوکھے طریقے نہیں چھوڑ سکا تھا۔

سرخ خون گراتا گلاب۔ اس ایک تصویر نے ہر شے کی عکاسی کر دی تھی۔ ایکدم اسکرین پہ ایک نمبر جلنے بجھنے لگا۔ میمونہ کی کال آ رہی تھی۔ حنین نے آنکھیں صاف کر کے فون کان سے لگایا۔ وہ اس کی "نگہبان" تھی۔ اس کو وہ روز رپورٹ کرتی تھی کہ آج اس نے کتنی نمازیں پڑھیں اور ماہ کامل کی صبح سے ان کی تعداد پانچ ہی ہوتی تھی۔ کل کی بھی پانچ تھیں۔ اس نے بہت ادب سے پچھلے دن کی رپورٹ پیش کی۔

"اللہ تمہیں اپنی نماز کی حفاظت کرنے والی اور ان پہ دوام اختیار کرنے والی بنائے۔ آمین۔" میمونہ نے فوراً سے دعا دی' پھر پوچھنے لگی۔ "اور تم اپنا قرآن کس وقت دہراتی ہو؟"

"جی؟" وہ بالکل دم بخود رہ گئی' پھر خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ "میں حافظِ قرآن نہیں ہوں' صرف چند سیپارے کئے تھے۔"

"حنین ہر مسلمان حافظِ قرآن ہوتا ہے اگر اس نے ایک آیت بھی حفظ کر رکھی ہو۔ چاہے صرف سورۃ فاتحہ' چاہے آخری چند سورتیں۔ کچھ بھی اگر اس نے یاد کیا ہے' تب بھی تو وہ اسے ساری زندگی "نبھانا" پڑے گا۔ تم "نبھا" رہی ہو؟"

وہ چپ ہو گئی۔ میمونہ چند لمحے اس کے سانسوں کی آواز سنتی رہی۔

"میں نے بہت سے مسلمان دیکھے ہیں جو قرآن یاد کر کے بھول جاتے ہیں۔ پھر ان کی زندگیاں جہنم بن جاتی ہیں۔ ذہنی توازن کھو دیتے ہیں' کچھ ذلیل و رسوا ہوتے ہیں' کچھ دوسروں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ جہنم میں بھی ان کے سر کچلے جائیں گے۔ بڑے بڑے پتھر مار کر۔ لیکن اکثر مسلمانوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ بھی حفاظ کی کیٹگری میں آ گئے ہیں اگر چہ انہوں نے صرف کبھی الناس اور الفلق ہی یاد کی ہو۔"

"تو پھر ایسے لوگ کیا کریں؟" وہ بے چینی سے بولی۔

"وہ دو باتیں ذہن میں پکی بٹھالیں۔ پہلی یہ کہ اگر انہیں لگتا ہے کہ قرآن کو دوبارہ یاد کیے بغیر ان کی نجات کی کوئی صورت ہے تو ایسا نہیں ہے۔ حرام ہے ان کے اوپر دنیا اور آخرت کا سارا سکون اور کامیابی جب تک وہ واپس اس قرآن کو یاد نہیں کریں گے۔ اور دوسری بات اگر انہیں لگتا ہے کہ عمر بڑھنے اور مصروفیات کی زیادتی کے باعث وہ اب اگر قرآن حفظ نہیں کر سکتے تو وہ غلط ہیں۔ قرآن ستر سال کی عمر میں بھی حفظ کیا جا سکتا ہے اگر بندے کے دل میں اللہ کی خشیت ہو۔"

"مجھ سے اب نہیں ہوگا۔" اس نے خود ہی طے کر لیا تھا۔

"ہوگا نہیں حنین، کرنا پڑے گا۔ آہستہ آہستہ شروع کرو۔ اللہ کہتا ہے نا، کہ "اس کو یاد کروانا ہمارے ذمے ہے۔" اور یہ کہ "ہم اسے آپ کو ایسے پڑھا دیں گے کہ پھر آپ نہیں بھولیں گے۔" تم شروع کرو گی دوبارہ حفظ کرنا اور اسے مکمل اللہ تعالیٰ کروائے گا۔" میمونہ بہت سلجھی ہوئی اچھی لڑکی تھی۔ سمجھداری کی باتیں کرتی تھی۔ مگر اتنی اچھی باتیں کر لیتی ہوگی، حنہ کو پہلی دفعہ پتہ چلا تھا۔ اس کے دل میں امید سی بندھی۔

"اوکے میں کوشش کروں گی۔"

"اور کس وقت کرو گی؟" وہ حیران ہوئی۔

"وقت ہی تو اہم ہے۔ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ "بے شک رات کا اٹھنا (تہجد میں اٹھنا) زیادہ شدید ہے نفس کو قابو کرنے کے لئے اور کلامِ پاک کو پڑھنے کے لئے۔ بے شک دن میں آپ کے لئے مصروفیات ہیں طویل۔"

"اسی لئے... قرآن فجر کے وقت ضرور پڑھنا چاہیے؟ منہ اندھیرے؟"

"حفظ کا تو وقت وہی ہوتا ہے۔ کیا تم نے وہ قول سنا ہے کہ حفظ کا بہترین وقت تہجد کا ہے، مطالعے کے لئے صبح کا وقت، لکھنے کے لئے دن کا وقت اور بحث و مباحثے کے لئے شام کا وقت۔"

"اچھا۔" وہ متعجب ہوئی۔ پھر بولی۔ "اوکے۔ میں روز صبح فجر کے وقت اپنا قرآن دہراؤں گی۔"

"اور تمہیں کس نے یہ کہا ہے کہ قرآن صرف صفحے پہ ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر کے دہرا لینے سے یاد ہو جاتا ہے؟" میمونہ نرمی سے سوال پوچھتی تھی، ٹوکتی کم تھی، مگر حنین چپ سی ہو جاتی تھی۔

"پھر کیسے یاد ہوتا ہے؟"

"قرآن یاد ہوتا ہے کسی انسان کو روز سنانے سے اور پکا ہوتا ہے نماز میں روز اللہ کو سنانے سے۔ خود سے خالی خولی دہرا لینے سے کچھ یاد نہیں ہو جاتا۔ تم یوں کرو روز کا سبق اور پچھلا سبق مجھے فجر پہ سنا دیا کرو۔" وہ دو چھوٹے بچوں کی ماں تھی، پھر بھی یوں کہہ رہی تھی گویا سبق سننا اس کے لئے مسئلہ ہی نہ ہو۔

"اوکے، میں نے آخری دس پارے کئے تھے یاد۔ پھر کل میں اکیسویں سپارے سے سناؤں گی۔" وہ بھی جانے کیوں پر جوش ہو گئی تھی۔

"اور حنین، جب حافظِ قرآن اپنا قرآن بھول جاتے ہیں تو وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ قرآن اول پارے سے نہیں یاد کیا جاتا' آخر سے کیا جاتا ہے۔ تم کل مجھے صرف الناس اور الفلق سناؤ گی۔" وہ سارے فیصلے خود ہی کر رہی تھی' مگر اچھی بات ہے۔ کچھ باتوں کے لئے ہمیں خود پہ سختی کروانی پڑتی ہے۔

"او کے، کل سے میں الناس سے شروع کروں گی۔" پھر ٹھہر کر بولی۔ "میمونہ باجی ہو سکتا ہے میں.... اصل میں میرا بھائی.... وہ نہیں ہے اور میں پریشان رہتی ہوں تو کبھی ہو سکتا ہے سبق نہ کر سکوں تو...."

"تمہیں پتہ ہے لوگ مجھ سے اکثر پوچھ لیتے ہیں.... میں سائیکولوجسٹ ہوں نا تو وہ اکثر پوچھتے ہیں کہ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں، قرآن بھی' پھر حاجتیں کیوں نہیں پوری ہوتیں؟ دولت' اولاد' اچھا رشتہ' اچھی نوکری' عزت' یہ سب کیوں نہیں ملتا۔ میں کہتی ہوں ان سب کے لئے قرآن اور نماز نہیں پڑھتے ہم۔ اور یہ سب نماز اور قرآن سے نہیں ملتا۔ یہ دعا سے ملتا ہے۔ دنیا کے سوا چھے ارب انسانوں کے پاس خواہشات کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے' مگر قرآن آپ کو وہ سب نہیں دے گا۔ قرآن آپ کو وہ دے گا جس کے لئے آپ یہ سب چاہتے ہیں۔ سکون اور برکت۔ میں لوگوں سے کہتی ہوں' قرآن حفظ کرنا شروع کر دیں' روز کی ایک آیت کریں' آپ سوچ نہیں سکتے آپ کی زندگی کتنی بابرکت ہو جائے گی۔ حنین تم حفظ شروع کرو' پہلے تو بڑوں کی زبردستی پہ کیا تھا تم نے حفظ' اب دل سے کرو گی تو دیکھو گی کہ تمہاری گھر میں وہ برکت اور وہ نور آگیا ہے جس کے لئے لوگ مال' اولاد' خوبصورتی' اسٹیٹس' طاقت سب ہو کر بھی ترستے ہیں۔ تمہاری زندگی "با برکت" ہو جائے گی۔ تم آنکھیں بند کر کے میری بات پہ یقین کر لو۔ میں تجربے سے کہہ رہی ہوں۔"

"اچھا۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔ "یعنی اب میں پریشان نہیں ہوا کروں گی۔"

"ہو گی بھی تو قرآن تمہیں دلاسا دے گا۔" اور یہ تسلی حنین کے لئے کافی تھی۔ ان گزرے چار دنوں میں پہلی دفعہ وہ خود کو پرسکون محسوس کرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خفا اگرچہ ہمیشہ ہوئے مگر اب کے
وہ برہمی ہے کہ ہم سے انہیں گلے بھی نہیں

وہ ہسپتال جہاں میری کا بچہ مبینہ طور پہ داخل تھا' کافی شاپ سے تیس پینتیس منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔ وہ اس سے ذرا دور تک ٹک سے اتر گیا تھا۔ نقشہ ذہن نشین کر کے نکلا تھا۔ سر پہ پی کیپ پہنے وہ محتاط نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتا چل رہا تھا۔ ہسپتال پہاڑی پہ اونچائی کی طرف تھا۔ وہ سڑک کی بجائے دوسری طرف سے پہاڑی پہ چڑھنے لگا تھا۔ گو کہ وہ میری اینجیو کے لئے فکر مند تھا مگر محتاط بھی تھا۔

وہ شام کا وقت تھا۔ دور چائے کے باغات سے آتی سوندھی مہک نے سرسبز پہاڑیوں کو مزید سحر انگیز بنا دیا تھا۔ کہیں کہیں بادل گرجتے اور بجلی چمکنے کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ ایسے میں وہ خاردار اور دشوار ڈھلان پہ اپنے جوگرز کی مدد سے چڑھتا جا رہا تھا۔ ذرا اونچائی پہ

کرا سے ہسپتال کی عمارت دور سے دکھائی دینے لگی تھی۔ وہاں کچھ بھی غیر متوقع نہ لگتا تھا۔ معمول کا رش تھا۔ سب ٹھیک تھا۔

لیکن سعدی نے سر جھٹک دیا۔ اسے کامنی کی بات پہ عمل کرنا تھا۔ انسان کو انسان کے لئے خطرے مول لینے ہوتے ہیں۔ اگر وہ آج نہیں گیا تو ساری عمر پچھتائے گا' اور پہلے زندگی میں پچھتاوے کم تھے جو مزید بوجھ اٹھاتا؟ کامنی نے بھی تو اس کے لئے خطرہ مول لیا تھا نا۔

اور یکدم کسی نے جیسے ٹھنڈی ٹھار برف سعدی کے اوپر گرا دی۔ ایک خیال نے اسے منجمد کر دیا۔ وہ بالکل ٹھہر گیا۔

لیکن کامنی تو غلط تھی! وہ کوئی ناکام عاشق تو نہیں تھا۔ وہ تو جھوٹی کہانی تھی۔ وہ ایک قاتل تھا اور ان کو دھوکہ دے رہا تھا۔ وہ ایک دم چونکا۔ کامنی نے غلط کیا تھا۔ وہ بھی غلط کر رہا تھا۔

ایک دم سے ساری تصویر اس کے اوپر واضح ہوگئی۔ کیبل نیٹ ورک میں سے کسی کو خرید کر ایک پٹی چلانا اور بار بار ایک تصویر دکھانا کیا مشکل تھا؟ فصیح جیسے لوگ تو ٹی وی چینلز کو خرید سکتے تھے' یہ سب تو بہت آسان تھا۔

وہ ایک دم تیزی سے پلٹا اور سبک قدموں سے ڈھلان اترنے لگا۔ تیز' مزید تیز۔ یہاں تک کہ اس کا سانس بے ترتیب ہونے لگا مگر رفتار بڑھتی گئی۔ یہ سب ایک پھندا تھا' وہ جان گیا تھا۔ اسے اب کوئی شک نہیں رہا تھا اور اب اسے جلد از جلد وہاں سے نکلنا تھا۔

وہ پہاڑی سے اتر کر سڑک پہ آ گیا اور سر جھکائے' تیز تیز چلنے لگا مگر جلد ہی اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔ مگر کوئی تھا۔ سعدی کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ وہ مزید تیز چلنے لگا۔ اس کی حساسیت اب پہلے سے کہیں تیز ہو چکی تھی۔ کوئی اس کے عقب میں تھا۔ فاصلے سے اس کا پیچھا کر رہا تھا مگر سعدی اس کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

جلد ہی بازار کا رش والا حصہ شروع ہو گیا۔ وہ اب تیزی سے لوگوں کے درمیان راستہ بناتا' قریباً بھاگنے لگا تھا۔ مگر کوئی مسلسل اس کے تعاقب میں تھا' سعدی یوسف کی چھٹی حس بار بار سرخ سگنل بجا رہی تھی اور اس کے سینے میں دھڑکتے دل کی رفتار بے قابو ہو رہی تھی۔

ایک گلی کا موڑ مڑ کر وہ ایک دم بھاگنے لگا۔ اندھا دھند۔ آگے پیچھے کے لوگوں کو ہاتھ سے پرے ہٹاتا' وہ بے قابو نفس' اور سفید پڑے چہرے کے ساتھ دوڑتا جا رہا تھا۔ وہ دیکھ لیا گیا ہے' وہ پکڑ لیا گیا ہے' یہ خیال جان لیوا تھا۔

بازار کی حدود سے وہ نکلا تو ایک کالونی شروع ہو گئی' جیسے مری میں ہوتی ہیں۔ اونچی نیچی ڈھلان والی سڑک۔ وہ بار بار مڑ کر پیچھے دیکھتا بھاگ رہا تھا' دفعتاً احساس ہوا کہ پیچھے اب کوئی نہیں ہے۔ وہ گلی میں تنہا تھا۔ شام ڈھلتی جا رہی تھی۔ مغرب کی نیلاہٹ گہری ہو رہی تھی۔ ایسے میں وہ رک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اسٹریٹ میں سکون تھا۔ سکوت۔ سب ٹھیک تھا۔ سرخ الارم بند ہو گیا تھا۔ اس کا تعاقب کار اب وہاں نہیں تھا۔

ایک گہری سانس لے کر وہ واپس مڑا تو کسی نے زور سے اس کے منہ پہ مکا دے مارا۔ سعدی دہرا ہو کر نیچے کو گرا۔ اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ پتھریلی سڑک پہ ہاتھ رکھ کر اس نے سر اٹھانا چاہا۔ تعاقب کار کے جوگرز اسے صاف نظر آ رہے تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اٹھ پاتا' اس شخص نے یکے بعد دیگرے بوٹ اور مکے سے دو تین ضربیں رسید کیں۔ چند لمحوں کے لئے سعدی یوسف کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔ ہر

شے' ہر احساس سن ہو کر رہ گیا جیسے ساری دنیا ختم ہو گئی تھی۔ جیسے موت آن پہنچی تھی.... اور وہ ایک بے حس و حرکت لاش بن چکا تھا۔

اسے اتنا احساس ہو رہا تھا کہ اس کی آنکھیں بند اور گردن ڈھلکی ہوئی ہے۔ اور کوئی اسے کندھوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک طرف لے کر جا رہا ہے۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ برس رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں پہ بادلوں سے برستی نمی پڑی تو ذہن کی تاریکی چھٹنے لگی۔ تعاقب کار نے سعدی کو درختوں کے ایک جھنڈ سے گزار کر کچی زمین اور گھاس پہ ایک طرف لا پھینکا تھا۔ سامنے ایک جھیل تھی' گھپ اندھیرے میں وہ جگہ کینڈی کی درجنوں جھیلوں کی طرح سنسان پڑی تھی۔ تکلیف کے باوجود سعدی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے تیزی سے اٹھنا چاہا۔ مگر.... جیب خالی تھی۔

''کیا تم اس پستول کو ڈھونڈ رہے ہو' سعدی یوسف؟'' وہ جو گھٹنوں کے بل زمین پہ ہتھیلیاں رکھے اٹھنے لگا تھا' اپنے سامنے اس کی پستول لہرانے پہ.... وہ بالکل ٹھہر گیا۔ منجمد ہو گیا۔ اور پھر اس نے شکست سے سر گرا دیا۔ اسی طرح زمین پہ گرے ہوئے' جھکے ہوئے گہرے گہرے سانس لیتا۔ وہ گویا ڈھے چکا تھا۔ وہ اس آواز کو پہچانتا تھا۔

''تو کیا لگا تھا تمہیں؟ میرے ساتھ یہ گیمز کھیل کر تم چھپ جاؤ گے؟ تمہیں لگا میں تمہیں نہیں ڈھونڈ سکوں گا۔'' غصے سے بولتے اس نے سعدی کے اس کندھے پہ بوٹ مارا جس پہ نوشیرواں نے گولی ماری تھی۔ درد کی ایک لہر اٹھی تھی جسے دبانے کو اس نے دانت پیستے ہوئے سر مزید نیہوا اڑ دیا۔

''تمہیں معلوم ہے میرے لئے کیبل نیٹ ورک پہ ایک خبر چلانا کتنا آسان تھا؟ تمہیں واقعی لگا میں تمہیں تمہارے ہول سے نہیں نکال سکتا؟'' وہ اس کے گرد طواف میں گھومتے ہوئے کہہ رہا تھا' اور بات ختم کر کے اس نے زور سے اس کی ٹانگ پہ بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ بالکل وہاں جہاں شیرو نے گولی ماری تھی۔ سعدی کراہ کر مزید دہرا ہو گیا۔ بارش اسی طرح ہلکی ہلکی برس رہی تھی۔

''پھر بھی مجھے لگا تم نہیں آؤ گے۔ مجھے اپنی تلاش میں مزید خوار کرو گے۔ مگر نہیں۔ میری انجیو اور اس کا بچہ تمہارے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ ان کے لئے تم آئے۔'' اور پھر اس کی کمر پہ بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا' اس ٹھوکر پہ درد سے مزید آگے کو جھک گیا' مگر اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ بس ہتھیلیوں سے زمین پہ رینگنے لگا۔ بمشکل چند قدم آگے بڑھ پایا کہ....

''میں کتنا خوار ہوا تمہاری تلاش میں اور تم۔ یہاں کینڈی میں چھپے بیٹھے ہو۔ تمہیں واقعی لگا کہ تم مجھ سے چھپ سکتے ہو؟'' اس نے سعدی کو گردن سے پکڑ کر آگے کھینچا اور جھیل کے پانی میں اس کا چہرہ ڈبو دیا۔ ساتھ ہی وہ غصے سے بولتا جا رہا تھا۔ ''تمہیں لگا میں تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا؟ تمہیں لگا تم یوں چھپ کر بیٹھ جاؤ گے اور سب صحیح ہو جائے گا؟ بزدل انسان۔''

اسے زور کی ڈبکی دے کر اس نے اس کا سر نکالا اور چھوڑ کر سامنے جا کھڑا ہوا۔ سعدی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ بس گیلا چہرہ اوپر کر کے' آنکھیں موندے' گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

''آٹھ ماہ۔ آٹھ ماہ میں نے.. قید میں سوچا..'' سعدی نے نیم غنودہ سی آنکھیں کھول کر نقاہت سے سامنے افق پہ ڈوبتے سورج کو دیکھ کر کہنا

چاہا۔ "کہ وہ لمحہ کیا ہوگا۔ جب ہم ملیں گے۔ مجھے لگا تھا۔۔۔آپ مجھے گلے سے لگائیں گے' مگر۔۔مگر آپ تو مجھے مار رہے ہیں' فارس ماموں!"

اور یہ کہنے کے ساتھ سعدی نے بھیگی آنکھوں کا رخ پھیرا اور اسے دیکھا۔ جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جھیل کی طرف پشت کئے۔۔اور سعدی کی طرف چہرہ کئے۔۔وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔۔جینز کے اوپر بھوری جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ بال اسی طرح چھوٹے تھے اور ماتھے پہ بل تھے ۔۔وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔۔دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ ڈھکے' وہ سنہری آنکھوں میں شدید غصہ لئے اسے گھور رہا تھا۔۔اندھیرے میں بھی اس کے چہرے کی برہمی صاف دکھائی دیتی تھی۔۔وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔۔ تڑتڑ برستی بارش اس کو بھگو رہی تھی۔۔اس کے خفا چہرے پہ پانی کے قطرے لڑھک رہے تھے۔

فارس غازی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیوں؟" اس نے تکان سے فارس کا چہرہ دیکھ کر دہرایا۔ "آپ کیوں مجھے مار رہے ہیں؟"

اس بات پہ فارس مڑ گیا' سعدی کی طرف کمر کر لی' اور پھر تیزی سے واپس گھوما اور زور دار مکا سعدی کے جبڑے پہ دے مارا۔ "کیونکہ تم اسی قابل ہو!"

یہ پہلی چوٹ تھی جو بری طرح سے لگی تھی۔ سعدی نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھے' چہرہ جھکا دیا۔ شدید درد سے آنکھیں میچ لیں۔ پانی کے قطرے اسکے چہرے پہ مسلسل گر رہے تھے اور لبوں سے خون رسنے لگا تھا۔ بہت سا پانی آنکھوں میں بھی جمع ہو رہا تھا مگر ہر آنسو۔۔۔اذیت کا آنسو نہیں ہوتا۔ نہ وہ خوشی کا ہوتا ہے' نہ دعاؤں کی قبولیت کا' نہ محبت کا' نہ شکوے کا۔ وہ بس آنسو ہوتا ہے اور اسے بہنا ہوتا ہے۔

"میں سمجھا۔۔۔" سعدی نے چہرہ جھکائے۔۔آستین سے منہ رگڑا۔ "یہ فصیح ہوگا۔"

"وہ تمہیں مجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔ جو اسے معلوم ہو' ہمارا یونیورسل رحم دل سعدی کس بات پہ نکلے گا اپنے ہول سے۔" طنزیہ سادہ غرایا تھا۔ "میری انجیو۔ اور اس کا بیٹا۔" دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے "بہت ہو گیا" والے انداز میں کہا۔ "بس یہی دو واہم لوگ رہ گئے تھے تمہاری زندگی میں جو ان کے لئے خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے۔ اور تمہارا خاندان؟ تمہاری ماں' تمہارے بہن بھائی' وہ سب جو تمہاری ایک کال کے لئے ترس رہے تھے ان کا کیا؟ ہاں؟" اور بات کے اختتام پہ فارس آگے آیا' اور اس کو گدی سے پکڑ کر سر کو نیچے جھکا کر گویا جھنجوڑا' پھر جھٹکے سے اسے چھوڑا۔ سعدی نے جھکا سر نہیں اٹھایا۔ آنسو اسکے چہرے پہ لڑھک رہے تھے۔ بارش کے قطروں جیسے آنسو۔

"بزدل انسان۔" وہ اب اس کی جانب پشت کر کے اور جھیل کی طرف چہرہ کئے دور جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ خفا تھا' وہ غصے میں تھا۔

"اگر کوئی چیز میں تمہیں بھیج سکتا ہوں تو کیا یہ نہیں جان سکتا کہ تم وہاں سے بھاگ گئے ہو؟ کیا ایک پیغام نہیں چھوڑ سکتے تھے تم میرے لئے؟ ہزار طریقے تھے پیغام دینے کے مگر نہیں۔" اس کی سنہری آنکھیں جو جھیل کے پانی پہ جمی تھیں' ان میں دکھ سا ابھرا۔ "تمہیں لگا فارس تمہارے لئے کبھی نہیں آئے گا۔"

سعدی نے گیلی آنکھیں اور گیلا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی طرف پشت کئے کھڑا تھا۔ پہلو میں گرے دائیں ہاتھ کی پشت پہ سعدی کا

خون لگا تھا۔

"تمہیں مجھ سے امید ہی نہیں تھی کہ میں آؤں گا۔ تمہیں لگا ہی نہیں کہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تم نے سوچا اگر وہ آٹھ ماہ نہیں آیا تو اب کیا آئے گا؟ مگر جنگ وہ جیتتا ہے سعدی یوسف جسے معلوم ہوتا ہے کہ کب لڑنا ہے اور کب نہیں لڑنا۔"

سعدی گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا۔ گیلے کیچڑ والی زمین پہ۔ اب آہستہ سے اٹھا۔ انگ انگ دکھ رہا تھا۔ مگر کراہ نہیں نکلی۔ ہر مار بری نہیں لگتی۔ کوئی اچھی بھی لگتی ہے۔ کوئی مارنے والا بھی اچھا لگتا ہے۔

"لیکن اگر تم میں اتنی عقل ہوتی تو میرے پاس آتے پہلے دن' مگر نہیں.. تم کاروارز کے پاس چلے گئے۔ ان کو کنفرنٹ کرنے۔ تمہیں مجھ سے امید ہی نہیں تھی سعدی۔" وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ سعدی قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے ہونٹ سے خون ہنوز رس رہا تھا۔ وہ فارس کو دیکھ رہا تھا اور فارس ابرو بھینچے' ماتھے پہ بل لئے' سامنے جھیل پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"پہلے بھی تم نے یہی کیا' ہر چیز اکیلے کرنی چاہی۔ اور اب بھی تمہیں لگا کہ تم یوں...."

سعدی آگے بڑھا اور اس کے گلے لگ کر' اسکے کندھے پہ اپنی آنکھیں رکھ کر.. رونے لگا۔ چھوٹے بچوں کی طرح.... آواز سے.... سسکیوں سے ہچکیوں سے....

فارس کے الفاظ خود بخود ٹوٹ گئے۔ اس کے ماتھے کے بل ڈھیلے ہوئے۔ نگاہوں میں نرمی سے ابھری۔ غصے کا ابال ٹھنڈا ہوا۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا' پھر ہلکا سا اس کے کندھے کو تھپکا۔ "اچھا بس ٹھیک ہے۔" آواز میں وہی سختی تھی۔ پھر چہرے کو دوبارہ برہم بنالیا' پیشانی کی سلوٹیں واپس لے آیا اور اسے شانوں سے پکڑ کر پرے کیا۔

"اچھا۔ اب دور ہٹو۔ میری بیوی پہلے ہی مجھ پہ شک کرتی ہے۔" اکتا کر کہتا وہ مڑ گیا' سعدی کو اس کی آواز گیلی لگی تھی' مگر اس نے فارس سے نظریں نہیں ملائیں۔ ملا نہیں سکا۔ بس چہرہ جھکائے' اپنی آنکھیں رگڑنے لگا۔ آنسو ابھی تک امڈ امڈ کر آ رہے تھے اور وہ کہیں دور.... سندر بن کے کسی گھنے جنگل میں.... بے خوف ہو کر.... کسی درخت تلے بیٹھ کر.... ڈھیر سارا رونا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آہ یہ ظالم تلخ حقیقت جتنے سفینے غرق ہوئے

اکثر اپنی موج میں ڈوبے' طوفان سے ٹکرائے کم

اس پر تعیش ریسٹورانٹ کے ماحول کو مدھم زرد بتیوں نے پر فسوں اور سحر انگیز بنا رکھا تھا۔ اس کارنر ٹیبل پہ رکھے اسٹینڈ میں کھڑی تینوں موم بتیاں روشن تھیں اور ان کے دونوں اطراف میں بیٹھے ہارون اور جواہرات ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کھانا ابھی تک نہیں آیا تھا مگر جواہرات یہاں کھانا کھانے نہیں آئی تھی۔

سلک کی سبز قمیص میں' بالوں کو سمیٹ کر چہرے کے دائیں طرف ڈالے' وہ گہرا میک اپ اور قیمتی نگینے پہنے ہوئے تھی۔ ہارون کا سوٹ

گہرا نیلا تھا اور سرمئی آنکھیں وہ کبھی جواہرات پہ ڈال لیتے کبھی اپنے فون پہ۔

''جو تمہاری مخالف کے ساتھ میں نے کروایا' اس پہ تم نے شکریہ نہیں کہا۔'' مسکارے سے لدی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ گلہ کرنے لگی۔

''میں نے تمہیں کچھ بھی کرنے کو نہیں کہا تھا۔'' جواہرات کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ آنکھوں میں بے چینی جھلکی۔ ''مگر میں نے تمہارا انتقام لیا اس سے۔ اس نے تمہاری....''

''جب میں نے تمہیں کہا ہی نہیں تو تم مجھے کیوں جتا رہی ہو؟ تم نے جو کیا اپنے لئے کیا۔'' شانے اچکا کر انہوں نے گلاس سے گھونٹ بھرا۔ جواہرات پیچھے ہو کر بیٹھی' اور سینے پہ بازو لپیٹے' تیکھی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ ''تمہارا رویہ بدلا بدلا سا ہے۔''

ہارون نے گلاس رکھ کر سنجیدہ چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''تمہارا بیٹا میرے گھر میں گھس کر.... مجھے ہی دھمکی دے کر جاتا ہے اور تم کہتی ہو کہ میرا رویہ بدل گیا ہے؟''

جواہرات کے تاثر نرم پڑے' وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''میں اس کے لئے معذرت کر چکی ہوں۔ میں نے ہاشم کا ساتھ صرف اس لئے دیا تا کہ اس کو شک نہ ہو کہ سعدی کو مارنے کے لئے گارڈ کو ہم نے بھیجا تھا۔''

''ہم نے نہیں' تم نے بھیجا تھا۔ میں ان معاملوں میں شریک نہیں ہوں' صرف تمہارے لئے اپنے بندے پیش کر دیتا ہوں۔'' انہوں نے سختی سے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''اچھا ٹھیک ہے' ہو گیا جو ہونا تھا۔'' اس کا انداز بہلانے کا سا تھا۔ نرمی سے ان کے ہاتھ کو دبا کر بولی۔ ''اب وہ سب ماضی میں رہ گیا۔ کیوں نا ہم اب مستقبل کی بات کریں۔'' ہارون نے ایک نظر اس کے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ کو دیکھا جو ان کے ہاتھ پہ بہت لجاجت سے رکھا گیا تھا۔ پھر گہری سانس لے کر چہرے کی سلوٹیں ذرا کم کیں۔

''مستقبل؟ تمہارے ساتھ مستقبل گزارنے کے لئے مجھے تمہارا اعتماد کمانا تھا جو تم بھیک میں بھی نہیں دیا کرتیں۔''

''کیا تمہیں لگتا ہے تم نے ابھی تک میرا اعتماد نہیں کمایا؟'' وہ مسکرا کر بولی تو ہارون ذرا سا مسکرائے۔ ''کیا میں نے کما لیا ہے؟''

''جس طرح تم نے اپنے بندے میرے لئے پیش کئے' میرا ساتھ دیا اس.... ورمر جیسے مسئلے سے نپٹنے کے لئے.... میرے دل میں تمہاری قدر مزید بڑھ گئی ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ ہم ماضی کی ساری تلخ یادیں بھلا کر اپنے مستقبل کو تعمیر کریں۔'' زرد روشنیوں سے مزین پر فسوں ماحول میں وہ آس پاس لگی محفل سے بے نیاز' بے خبر' آنکھیں ان کی آنکھوں پہ جمائے ہوئے تھی۔ ''میں چاہتی ہوں ہارون' کہ میں اورنگزیب کے دیے سارے زخموں کو اپنے دل سے کھرچ کر تمہارے ساتھ زندگی کا ایک نیا باب شروع کروں۔ ہم دونوں 'ایک' بن کر اپنے ambitions کے لئے جدوجہد کریں۔ دولت' طاقت' اپنی ہر شے کو اکٹھا کر لیں اور مل کر اپنے طبقے پہ حکمرانی کریں۔'' اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ ہارون نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اور تمہارے بیٹے؟''

''وہ کھلے ذہن کے ہیں۔ ان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہمیں اس مہینے کوئی اناؤنسمنٹ کر دینی چاہیے تاکہ ہمارے حلقہ احباب میں سب کو پتہ چل جائے کہ میں....'' وہ جوش سے کہہ رہی تھی جب....

''اور میرا اعتماد؟'' انہوں نے سکون سے اسے دیکھ کر پوچھا۔ ملکہ بولتے بولتے رکی۔ ہارون پہ جمی اس کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

''میرا اعتماد جواہرات؟ تم نے اسے کمایا ہے کیا؟''

وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔

''جو عورت اپنے محبوب بیٹے سے جھوٹ بولے' وہ قیدی جس کو اس نے اپنی امان میں لے رکھا تھا اس کو مروانے کی سازش کرے' جو اپنے شوہر سے شادی کے دوران بھی اپنے ایک کزن سے تعلق قائم رکھے' انکار مت کرنا کیونکہ بہت سے لوگ اس قصے سے بھی واقف ہیں۔ میں اس عورت پہ کیسے اعتبار کر سکتا ہوں؟''

وہ بالکل پتھر ہوئی' بنا پلک جھپکے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ گویا بت کا مجسمہ ہو۔ ہاتھ لگانے سے ڈھے جائے گی۔

''تمہیں لگا تھا میں تمہیں اپنا لوں گا؟'' وہ اس کے قریب جھکے اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''کیا تمہیں وہ وقت بھول گیا جب میں نے تمہیں پروپوز کیا تھا اور تم نے انکار کیا تھا؟ تم مجھے خود اس مقام تک لائی تھی جہاں آ کر میں تمہیں انگوٹھی پیش کر سکوں اور پھر جب میں نے یہ کیا تو تم نے مجھے دھتکار دیا۔'' اس کے کان کے قریب وہ دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے اور وہ بالکل پتھر ہوئی سن رہی تھی۔

''میں نے تمہارا ساتھ تمہارا اعتماد کمانے کے لئے نہیں دیا' تمہیں اس مقام تک لانے کے لئے دیا تھا جہاں تم مجھے انگوٹھی پیش کرو اور میں تمہیں دھتکار سکوں۔ اور تمہارا احسان لوٹا سکوں۔ میں خوش ہوں کہ تم نے مجھے انکار کیا۔ تمہارے جیسی ذہنی مریض عورت کے ساتھ زندگی گزارتا تو شاید میں بھی اورنگزیب کی طرح قبر میں پڑا ہوتا۔ تمہیں لگا ہم دوست ہیں مگر بیگم جواہرات کاردار....'' ان کی آواز سرگوشی سے بھی ہلکی تھی۔ ''میں تم سے نفرت کرتا ہوں' اور بہت جلد' بہت دلچسپی سے تمہاری اور تمہارے خاندان کی بربادی کا تماشا دیکھوں گا' کیونکہ تم نے میری سیاسی حریف کا اسکینڈل بنوا کر اسے اپنا دشمن تو بنایا ہی ہے' مگر اس کے علاوہ بھی تم اپنے ایسے دشمنوں سے ناواقف ہو جن میں تمہیں چت کرنے کا ٹیلنٹ موجود ہے۔ جلد ہم تماشا دیکھیں گے' لیڈی کاردار۔'' کہنے کے ساتھ اس کے ہاتھ کو جھٹک کر اپنا ہاتھ اٹھایا اور کوٹ کا بٹن بند کرتے اٹھ گئے۔ وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ' بے دم سی بیٹھی' ویران آنکھوں سے سامنے خلا میں دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاید خوشی کا دور بھی آ جائے اے عدم

غم بھی تو مل گئے ہیں تمنا کے بغیر

کینڈی میں بارش اب تھم چکی تھی۔ رات پوری طرح سیاہ ہو چکی تھی اور شہر کی بتیاں جل اٹھی تھیں گویا دور دور تک ٹمٹماتے سنہری دیے بکھرے ہوں۔ ایسے میں پہاڑی کے اوپر ایک مندر سا بنا تھا' جس کے باہر چوڑی اور طویل سیڑھیاں بنی تھیں۔ عبادت اور سیاحت کے

لئے آئے لوگ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا رہے تھے' کچھ کھڑے تصاویر بنوا رہے تھے' غرض ہر طرف گہما گہمی تھی۔ آخری سے اوپر سیڑھی پہ سعدی بیٹھا تھا اور ٹشو سے پونچھتا ہوا' جسے خون والا ہونٹ دبا رہا تھا۔ فارس چلتا ہوا آیا اور آئس پیک اور مرہم کا شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

''سوری اس کے لئے۔'' اپنے ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ کس چوٹ کی بات کر رہا تھا۔ سعدی نے جل کر اسے دیکھا اور رکھائی سے اس کے ہاتھ سے شاپر لیا۔

''ہاں صرف اس کے لئے سوری' باقی جو دو سو بہتر چوٹیں لگائیں' ان کی تو خیر ہے' وہ تو آپ کے لیے لہو گرم رکھنے کے بہانے ہیں۔''

''بکواس نہ کرو۔'' وہ خفگی سے سر جھٹک کر کہتا اس کے قریب سیڑھی پہ بیٹھا۔ سعدی بڑبڑا کر اپنے ہونٹوں پہ آئس پیک رکھنے لگا۔ گرم گرم زخم کو ٹھنڈک ملی۔ اف۔

''اور؟'' فارس گھٹنوں پہ بازو رکھے' آگے کو ہو کر بیٹھا تھا' ایسے میں جب بولا تو آواز میں سختی کم تھی۔ ''کیسے ہو؟''

سعدی کے زخم پہ زور سے برف لگی تھی' اندر تک کچھ پگھل کر جما تھا' جم کر پگھلا تھا۔ اس کی گردن کی گلٹی ڈوب کر ابھری۔ اس سوال کا جواب بہت طویل تھا' اور اس کا جواب' بہت مختصر تھا۔

''زخمی ہوں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے تلخی سے بولا تھا۔

''بالوں کو کیا کیا ہے؟''

''جو نظر آ رہا ہے۔''

''کہا نا سوری۔ مجھے غصہ تھا تم پہ' بہت۔''

سعدی نے بڑبڑا کر سر جھٹکا۔ فارس اسی طرح گردن موڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ سر سے پاؤں تک۔

''کہاں رہ رہے ہو؟''

''ایک کافی شاپ ہے۔ اس کی مالکن کا اعتماد جیتا تو اس نے رہنے دیا مجھے۔'' پھر نظروں کا زاویہ گھما کر فارس کو دیکھا۔

''آپ نے کیسے ڈھونڈا مجھے؟ کینڈی کا کیسے پتہ چلا؟''

''حنین نے بتایا تھا۔ ندرت آپا کا اکاؤنٹ کھولتے تھے تم تو ان کو ای میل آ گئی کہ کینڈی سے کھل رہا ہے اکاؤنٹ۔ میری ایک پرانی کولیگ تھی' جس کے اریسٹ وارنٹ کی مخبری کرنے پہ مجھے سزا ملی تھی۔ وہ ایمبیسی میں ہوتی ہے۔ اس کا جاننے والا ایک نمونہ تھا۔ اس کے پاس گیا میں۔ اس نے تمہیں بہت ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ مگر بے سود۔ پھر میں نے اسے بولا کہ انعامی رقم کا آدھا دوں گا اسے' تمہارا پوسٹر ڈارک سائیٹس پہ ہر جگہ گھوم رہا ہے' وہاں سے رقم وہ دیکھ چکا تھا۔ مگر اسے یقین تھا میں نے تمہیں ڈھونڈ کر گولی مار دینی ہے۔ اور واللہ دل میرا بھی یہی تھا' خیر۔'' اس نے سر جھٹکا اور بتانے لگا۔ ''میں نے اس کو کہا کہ تمہیں باہر نکالنے کے لئے تمہاری مہربان طبیعت کو استعمال کرتے ہیں۔ (سعدی خفگی سے کچھ بڑبڑایا تھا جو اگر فارس کے کانوں تک پہنچ جاتا تو اس کا دوسرا ہونٹ بھی پھٹ جانا تھا۔) ہم نے کیبل نیٹ ورک پہ

خبر چلوائی۔ ذرا سا کام تھا۔ جانتا تھا تم نیوز ضرور دیکھتے رہو گے۔ اگر نیٹ استعمال کر سکتے ہو تو نیوز بھی دیکھ سکتے ہو۔ اور بس' تم میری کے بیٹے کو بچانے فوراً آ گئے۔" ساتھ ہی برہمی سے اسے دیکھا۔ "کم عقل!"

سعدی خاموشی سے برف کا پیک گال پہ رکھ کر دبانے لگا۔ فارس نے گہری سانس لی۔ "پوچھا تو نہیں ہے تم نے مگر پھر بھی بتا دیتا ہوں کہ تمہارے گھر والے کیسے ہیں۔" فارس سامنے دیکھتے ہوئے ذرا نرمی سے کہنے لگا۔ "تمہاری امی ٹھیک ہیں' صحت بھی ٹھیک ہے' ریسٹورانٹ جاتی ہیں' پہلے ہم انیکسی میں رہتے تھے' پھر میں نے وہ اس بوڑھی جادوگرنی کو بیچ دی' اور ہم تمہارے پرانے گھر کے قریبی علاقے میں آ گئے۔ تمہارے بڑے ابا پہلے سے زیادہ نحیف لگتے ہیں مگر اندر سے پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں اور زمر...." سامنے ٹہلتے دیکھتے فارس کی سنہری آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں۔ "زمر ہمیشہ کی طرح "زمر" ہے' مگر تمہارے لئے وہ بہت..... بہت کام کرتی ہے۔ حنین... (سعدی نے اس نام پہ پہلو بدلا اور زور سے برف ہونٹ پہ دبائی۔) وقت کے ساتھ بہت مثبت ہوتی جا رہی ہے۔ زمر اور اس کی دوستی ہو گئی ہے۔ سیم بھی اب بہن سے نہیں لڑتا۔ دونوں اکثر ساتھ آتے جاتے ہیں۔ سیم کے اسکول میں...."

"آپ کیسے ہیں؟" اس نے سنجیدگی سے فارس کو دیکھ کر بات کاٹی تو وہ ٹھہر گیا۔ منجمد ہوا۔ لاجواب ہوا۔ چہرہ موڑ کر سعدی پہ نظریں جمائیں۔

"میں؟" ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "ٹھیک ہوں۔"

"اور میں سعدی ہوں!" وہ زخمی سا مسکرایا۔ پہلی بار وہ مسکرایا۔ "کل بھی اپنے گھر والوں کی آنکھوں سے ان کے دل کا حال پڑھ لیتا تھا' آج بھی پڑھ سکتا ہوں۔"

"مجھے کیا ہوا ہے سعدی؟"

"آپ بھی زخمی ہیں۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھتا' گویا پڑھ کر بتا رہا تھا۔ "اندر تک زخمی ہیں۔ فرسٹریٹڈ ہیں۔ کرب مسلسل میں ہیں۔ لوگوں سے خفا ہیں۔ دکھی ہیں۔ مگر جو اہداف آپ نے زندگی میں طے کر لئے ہیں' ان کی طرف جانے کی تگ و دو میں لگے ہیں۔ مجھ سے مل کر آپ کے چہرے پہ خوشی بھی ہے اور سکون بھی' مگر کاملیت نہیں ہے کسی احساس میں۔ جیسے یہ آپ کا صرف پہلا ہدف تھا' آپ مجھے واپس لے جانا چاہتے ہیں' اور پھر اپنے اگلے ہدف میں مصروف ہو جانا چاہتے ہیں۔ اب بھی آپ ذہن میں لائحہ عمل طے کر رہے ہیں مگر یہ سب کر کے آپ اندر سے تھک چکے ہیں... اور شاید..." اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے فارس کی آنکھوں کو غور سے پڑھا۔ "شاید مایوس بھی...."

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' اس کے چہرے پہ کوئی احساس نہ تھا اور اس کے چہرے پہ سارے احساس تھے۔ گردن کی گلٹی بھی ڈوب کر ابھری تھی۔ آنکھوں میں بے بسی کے سائے تھے اور ان میں کہیں دور ٹمٹماتے دیے بھی تھے۔ وہ امید' اور مایوسی کے درمیان کہیں معلق تھا' شاید اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کھو چکا ہے۔

"سعدی!" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دھیرے سے بولا۔ "ایک بات میں تمہیں نہیں بتا سکا۔ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے

گھر میں ایک حادثہ ہوا ہے۔"

سعدی ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور خوف لئے اس نے بے قراری سے پوچھا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"تمہیں اپنا دل بڑا کر کے سننا ہوگا۔ جو خبر میں تمہیں دینے جا رہا ہوں وہ تمہیں اندر تک ہلا دے گی۔ تمہارے گھر کے ایک فرد نے بہت فاش غلطی کر دی ہے۔ جس کا خمیازہ اسے ساری زندگی بھگتنا پڑے گا۔"

"مجھے بتائیں کیا ہوا ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔ دل لرز رہا تھا۔ (حنین؟) فارس نے ہمدردی سے اسے دیکھتے دھیرے سے کہا۔

"صداقت نے شادی کر لی ہے وہ بھی ایک حسینہ سے۔"

ایک لمحے کو سعدی بالکل ساکت سا اسے دیکھے گیا اور پھر... وہ ہنس پڑا۔ دل کھول کر۔ گردن پیچھے پھینک کر وہ ہنستا جا رہا تھا۔ فارس بھی سر جھکائے ہنسنے لگا تھا۔ اردگرد گزرتے لوگوں نے مڑ مڑ کر ان دونوں کو دیکھا تھا جو دونوں بارش کے باعث ابھی تک گیلے کپڑوں میں بیٹھے تھے کپڑوں پہ کیچڑ بھی لگا تھا اور پھر بھی وہ ہنستے جا رہے تھے۔

دفعتاً فارس کا فون بجا تو اس نے نکال کر دیکھا۔ پھر میسج پڑھ کر واپس جیب میں ڈال دیا۔

"کون ہے؟"

"اسی ٹمو نے کا میسج تھا۔ آبدار کا نمبر دے کر اسے کہا تھا کہ اس کی لوکیشن پتہ کرو وہ کہہ رہا ہے کہ نمبر ابھی تک آن نہیں ہوا۔ اور اپنے پیسے مانگ رہا ہے۔"

"تو پیسے دیں گے آپ؟" سعدی نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے باپ کی فیکٹریاں لگی ہیں جو میں پیسے دوں گا؟" وہ بگڑ کر بولا۔ سعدی مسکرا دیا۔

"تو اسے کیا کہا؟"

"یہی کہ نہیں دیتا بے شک پولیس کے پاس چلے جاؤ۔" اور وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے ہنس دیے۔ پھر فارس اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو آؤ سعدی میں تمہیں کھانا کھلاتا ہوں۔" اس کا کندھا تھپک کر وہ بولا تھا۔ (اف۔ اسی جگہ جہاں ٹھوکر ماری تھی۔)

"بہت شکریہ۔ جو پہلے کھلایا تھا اس سے میرا پیٹ بھر چکا ہے۔" وہ جل کر کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس نے ہنس کر سر جھٹکا اور زینے اترنے لگا۔

"اور یہ آبدار کا کیا قصہ ہے؟ پہلے اس کے ذریعے مجھے پیغام بھجواتے رہے اب اس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ کر کیا رہی ہے آپ کے ساتھ؟" مشکوک نظروں سے اسے دیکھتا وہ اس کے ساتھ زینے اتر رہا تھا۔

"زیادہ میرا دماغ خراب نہ کرو ایسے مجھے دیکھ کر بھتیجے تم اسی کے ہو آخر...."

وہ دونوں اب دور جا رہے تھے اور ان کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرے قاتل کو پکارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

پھر سے مقتل کو سنوارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

صبح اپنے ساتھ ڈھیروں سرد ہوائیں لئے نمودار ہوئی تھی۔ دھند بڑھ گئی تھی۔ سورج چھپ گیا تھا۔ سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو ایک سنگل بیڈ رکھا تھا اس پہ گلابی بیڈ کور بچھا تھا اور حنین اکڑوں بیٹھی سر پہ دوپٹہ لئے فون کان پہ لگائے سنا رہی تھی۔ "ویل لکل ھمزۃ لمزۃ ... آ... آ..." رک کر سوچا۔ آنکھیں میچ کر۔

"الذی جمع مالاً وعددہ۔" دوسری طرف میمونہ نے نرمی سے بتایا تھا۔ "یہ تمہاری کل بھی غلطی ہوئی تھی حنہ۔"

"حالانکہ جب میں نے یاد کیا تھا تب ٹھیک یاد تھا۔" وہ روہانسی ہوئی۔ ایک تو کچھ دن سے اس کی گردن (مسلسل موبائل اور کمپیوٹر اسکرین پہ چہرہ جھکانے کے باعث) شدید درد کرنے لگی تھی۔ زیتون کے تیل کی مالش، پٹھوں کی سوجن کم کرنے والی کریم اور گردن کی ایکسرسائز، سب کر کے دیکھ لیا مگر فرق ندارد۔ امی کی ایک کزن ڈاکٹر سے بھی پوچھا تو انہوں نے کہا کہ گردن میں کالر پہنا کرو۔ اور گردن کم جھکایا کرو۔ یہ حفظ سے پہلے کی بات ہے۔ اب حفظ شروع کرنے کے بعد گردن مزید جھکانی پڑتی قرآن پڑھتے وقت (یعنی گردن کے پٹھے اب مزید خراب ہوں گے) مگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے محسوس کیا تھا کہ بلا مبالغہ ہر روز اسے کوئی چھوٹی موٹی چوٹ لگ جاتی تھی۔ کبھی وہ بیڈ کے کنارے سے ٹکرا گئی، کبھی پاؤں رپٹ گیا اور گھٹنا چھلا گیا۔ کبھی بخار کبھی آدھے سر کا درد۔ اف، وہ کہاں جائے؟

ادھر میمونہ کہہ رہی تھی۔ "جو بھی حفظ کرنا ہو پہلے اسے دیکھ کر دس دفعہ پڑھا کرو۔ ہر آیت یاد کرنے کے بعد اسے پچھلی تمام آیات سے ملا کر دہراؤ۔ اور سنو، قرآن نیچے رکھ کر گردن جھکا کر نہ یاد کیا کرو۔ انسانی دماغ وہ الفاظ نہیں صحیح سے حفظ کر پاتا جن کے لئے گردن جھکائی جائے۔ صرف وہی یاد کرے گا جو اس کو آئی لیول پہ نظر آئیں، یعنی قرآن ہو یا کورس کی کتاب کا رٹا لگانا ہو، کتاب کو اٹھا کر چہرے کے برابر لا کر یاد کیا کرو۔"

میمونہ کے پاس ان گنت ٹپس ہوتی تھیں جو وہ وقتاً فوقتاً شیئر کرتی رہتی تھی۔ فون بند کرنے کے بعد حنہ نے سوچا۔ کیا حفظ سے کچھ بدلا تھا؟ سوائے صبح جلد اٹھنے کے (جس سے دل میں ہلکی سی خود پسندی بھی جاگ گئی تھی کہ اب تو میں اچھی ہو رہی ہوں۔) کوئی برکت، نور وغیرہ؟؟ مگر ابھی وہ کوئی خاص اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی۔ دفعتاً چوکھٹ میں زمر نظر آئی۔ گھنگریالے بالوں کی پونی باندھے، ناک میں سونے کی نتھ پہنے، وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"میں شیرو کے آفس جا رہی ہوں۔ اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔"

حنین چھلانگ مار کر نیچے اتری، اور بک شیلف پہ رکھی فلیش ڈرائیو اٹھا کر زمر کو دی۔ "یہ صرف ہاشم کے لیپ ٹاپ میں لگا دیں اور..." وہ جوش سے سمجھا رہی تھی اور زمر غور سے فلیش ڈرائیو کو دیکھتی سن رہی تھی۔

چند کلومیٹر کے فاصلے پہ واقع قصر کاردار کو بھی سرمئی دھند نے اپنے پروں تلے دبا رکھا۔ لاؤنج میں ملازموں کی گہما گہمی لگی تھی مگر ڈائننگ ہال

خالی تھا۔ عرصہ ہوا وہ تینوں اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کرنا چھوڑ چکے تھے۔

ہاشم صبح سویرے آفس میں جا چکا تھا۔ نوشیرواں اپنے کمرے میں تیار ہو رہا تھا اور جواہرات..اس کا کمرہ خالی تھا۔ بیڈ پہ بیڈ کور آدھا زمین پہ گرا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پہ پرفیومز کی ٹوٹی بوتلیں بکھری تھیں۔ کل رات کے پہنے جوتے ادھر ادھر پڑے دکھائی دیتے تھے۔ رات والا زیور بھی گویا نوچ کر اتار پھینکا پڑا تھا۔ ایک دیوار پرفیوم کی شیشی کے مارے جانے کا نشان بھی تھا اور کمرہ بے حد معطر تھا۔

باتھ روم کے آدھی دیوار پہ لگے آئینے کے سامنے کھڑی جواہرات سرخ بھیگی آنکھوں سے اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ سلیولیس نائٹی میں اس کے بازوؤں کے فریکلز نظر آ رہے تھے۔ بکھرے بال، رات کا آدھا مٹایا، آدھا موجود میک اپ۔ وہ بیمار اور بوڑھی لگنے لگی تھی۔ اس کا دل بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس نے ٹونٹی تلے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر رکھا۔ پانی کسی بھیک کی طرح کشکول میں گرنے لگا۔ چلو بھر کر اس نے منہ پہ پھینکا، اور پھر پھینکتی گئی۔ یہاں تک کہ چہرہ دھل گیا۔ پھر تولیے سے منہ خشک کر کے خود کو آئینے میں دیکھا۔ اب آنکھیں خشک تھیں۔

"میرا زوال کبھی نہیں آئے گا۔ میں آج بھی دولت مند، طاقتور، اور خوبصورت ہوں۔ کیا سمجھتا ہے وہ خود کو؟" شعلہ بار نظروں سے آئینے میں دیکھتی وہ کہہ رہی تھی۔ "میں ہار مان جاؤں گی؟ ہرگز نہیں۔ جب میں نے اورنگزیب کے آگے ہار نہیں مانی تو تمہارے سامنے کیوں؟"

آنکھیں رگڑ کر ایک عزم سے خود کو دیکھا۔ "میں دوبارہ کھڑی ہوں گی۔ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر!"

اور جب وہ باہر آئی تو اپنے ڈاکٹر کا نمبر ملا کر کہہ رہی تھی۔

"میری تھوڑی کے نیچے سے اسکن لٹکنے لگی ہے، اور میں سوچ رہی ہوں ہونٹوں کے گرد لاف لائینز میں فلر...."

دو گھنٹے بعد وہ بال کرل کر کے، براق سفید بلاؤز میں ملبوس، سرخ لپ اسٹک لگائے مسکرا کر پورے اعتماد سے آفس کی راہداری میں چلتی جا رہی تھی۔ ارد گرد لوگوں کے سلام کا مسکرا کر جواب دیتی۔ گردن کا سریہ واپس آ گیا تھا مگر دل بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس کی کوئی aging ٹریٹمنٹ نہ تھی اس کے پاس۔

نوشیرواں کے آفس کا دروازہ اس نے کھولا تو وہ آفس ٹیبل کے پیچھے اپنی کرسی پہ بیٹھا نظر آیا۔ جواہرات مسکرائی اور دروازہ پورا کھولا۔ پھر مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ شیرو کے سامنے کرسی پہ سیاہ کوٹ والی لڑکی کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ بھورے گھنگریالے بالوں کی اونچی پونی...

جواہرات اندر تک سلگ گئی۔ بے اختیار ہاتھ اپنے مصنوعی curls تک گیا۔

"ممی!" شیرو نے پکارا تو زمر نے گردن موڑ کر دیکھا اور مسکرائی۔ "گڈ مارننگ مسز کاردار۔" پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور شیرو سے بولی (جو تذبذب کا شکار لگتا تھا۔) "اپنی ممی کے ساتھ نرمی سے بات کیجیے گا نوشیرواں ورنہ آپ اپنے والد کے آگے جواب دہ ہوں گے۔" اور قدم قدم چلتی چوکھٹ میں کھڑی جواہرات تک آئی جو سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرے کلائنٹ کے ساتھ نرمی سے بات کیجیے گا ورنہ آپ میرے آگے جواب دہ ہوں گی۔" دھیرے سے کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔ اور جواہرات سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ تن فن کرتی آگے کو آئی۔

''تو اب تم دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہو؟''

''وہ میری وکیل ہیں۔ اور جیسے وقت پڑنے پہ آپ لوگ ہارون عبید کو دوست بنا لیتے ہیں حالانکہ ڈیڈ اسے کتنا ناپسند کرتے تھے' ایسے ہی میں مسز زمر کو اپنا وکیل بنا سکتا ہوں۔''

''میں تمہاری زبان دیکھ رہی ہوں نوشیرواں کاردار۔'' جواہرات نے غصے سے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔

''کیوں نا آپ صرف اپنی مصروفیات دیکھیں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور برہمی سے بولا تھا۔ جواہرات سن ہو گئی۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔

''میری مصروفیات صرف میرے بیٹے ہیں' شیرو!'' اس کا لہجہ کانپا۔

''بے کار باتیں مت کریں۔ جب آپ اپنے ایک بیٹے سے دوسرے کو پٹوانے میں مصروف نہیں ہوتیں تو ریسٹورانٹس میں ہارون عبید کے ساتھ ڈنر کر رہی ہوتی ہیں۔ میرے دوست نے دیکھا تھا آپ کو کل رات وہاں۔'' وہ کوفت سے بولا تھا۔

''اس سے آگے ایک لفظ نہ بولنا۔'' سرخ چہرے کے ساتھ اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ ''جس عورت کی باتوں میں آ کر تم اپنی ماں اور بھائی سے دور جا رہے ہو' اس کو یہ نہیں بتایا تم نے کہ اس کے بھتیجے کو تین گولیاں بھی تم نے ماری تھیں؟''

نوشیرواں کے چہرے پہ زلزلے کے آثار نمایاں ہوئے۔ بہت سے سایے اس کی آنکھوں میں آن گرے۔ وہ آگے ہوا اور غرایا۔ ''وہ اسی قابل تھا! سنا آپ نے؟ میں نے جو کیا' ٹھیک کیا۔ رہی مسز زمر تو ان سے میرا تعلق مختلف نوعیت کا ہے۔ وہ ایک اچھی خاتون ہیں۔''

جواہرات نے طیش سے ہاتھ مار کر میز پہ رکھے پین اسٹینڈ اور فائلز گرا دیں۔

''جو عورت کسی اولاد کو اس کی ماں سے دور رکھنے کی سازش کرے' وہ conspirator (ماکر) ہوتی ہے' اچھی نہیں۔''

''اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ میں نے تو سعدی کو مارا تھا' قید میں تو آپ لوگوں نے رکھا ہوا ہے اسے؟'' وہ تلخی سے بولا تھا۔

''اوہ!'' جواہرات کے ابرو اٹھے' پھر لبوں پہ تلخ مسکراہٹ در آئی' چند گہرے سانس لئے اس نے۔ ''نوشیرواں کاردار۔ خود کو اپ ڈیٹ کر لو۔ سعدی یوسف اب قید میں نہیں ہے۔ وہ بھاگ چکا ہے۔ اور بھاگنے سے پہلے وہ ایک گارڈ کو قتل بھی کر چکا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ بھی ہے اور دماغ بھی۔ وہ تمہارے خون کے لئے آئے گا اور تم تو وہ ہو جس سے ایک قتل بھی ٹھیک سے نہیں ہوا۔ سو اب بھی وقت ہے' اپنے بھائی اور ماں سے سنوار لو ورنہ سعدی کا مقابلہ اکیلے کرو۔''

اور ایک شعلہ بار نظر اس پہ ڈالتی پلٹ گئی۔ نوشیرواں بالکل سن' سفید چہرہ لئے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سیٹ پہ ڈھے سا گیا اور نم ہوتی پیشانی کو آستین سے رگڑ کر صاف کیا۔

سعدی قاتل بن گیا ہے۔ اس نے قتل کر دیا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ ہے۔ وہ بالکل گم صم سا بیٹھا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دیکھا تو ان میں سرخ پانی جمع تھا۔ بے اختیار اسے ابکائی آئی تھی۔ وہ تیزی سے ڈسٹ بن پہ جھکا تھا۔ دل میں بہت سے آنسو بھی گرے تھے۔ گلٹ زیادہ شدید تھا' یا صدمہ' ماپنے کا کوئی پیمانہ نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ تجھ کو مات ہوئی ہے نہ مجھ کو مات ہوئی

سو اب کے دونوں ہی چالیں بدل کے دیکھتے ہیں

جواہرات کو لفٹ کی طرف جاتے دیکھ کر زمر اٹھی اور ہاشم کے آفس کی طرف آئی۔ باہر بیٹھی سیکرٹری پریشانی کے عالم میں فون پہ لگی تھی' زمر نے اسے نظرانداز کر کے دروازہ کھولا۔ ہاشم اسی طرح بیٹھا کام کر رہا تھا۔ آہٹ پہ نظروں کا رخ پھیرا تو ذرا چونکا۔ چوکھٹ میں گھنگریالے بالوں کی اونچی پونی والی زمر کھڑی تھی۔ مسکرا کر اس نے دروازے پہ دستک دی۔

ہاشم عینک اتار کر اٹھ کھڑا ہوا اور مسکرا کر بولا۔ "مسز زمر! تو کیا نوشیرواں نے..."

"میں زمر کی حیثیت سے آئی ہوں' وکیل کی حیثیت سے نہیں۔" وہ قدم بقدم چلتی آگے آئی اور میز سے ذرا فاصلے پہ ٹھہر گئی۔

"ایک وقت تھا جب آپ میرے آفس آیا کرتے تھے' بنا پوچھے میری چائے لے لیتے تھے' انتہائی ناپسندیدہ باتیں کرنے کے بعد اٹھ کر کہتے تھے' ہم دونوں "ٹھیک" ہیں نا؟"

ہاشم ہلکا سا مسکرا دیا۔ نا سمجھی سے۔

"سو اب میں آپ سے پوچھنے آئی ہوں' کیا ہم ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک ہیں؟" اس پہ نگاہیں جمائے وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ ہاشم کرسی کی طرف اشارہ کرتا واپس بیٹھا اور مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"آپ کو میرے بھائی نے اپروچ کیا اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔"

"آپ کو میری بھتیجی نے کالج بلایا تھا اور آپ نے بھی مجھے نہیں بتایا تھا۔ جیسے وہ اٹارنی کلائنٹ پریویلج تھا' ویسے ہی یہ بھی پریویلج کا حصہ ہے۔"

وہ کرسی پہ بیٹھی اور پرس اپنے پہلو میں رکھ دیا۔ ہاتھ پرس کے قریب ہی تھا۔ زپ کے اندر سامنے ہی وہ فلیش رکھی تھی۔

"عذر قبول کیا۔ چائے لیں گی یا کافی؟"

"صرف یہ تسلی کہ آپ مجھے قصوروار نہیں ٹھہراتے شیرو اور اپنے معاملے پر۔"

"ہم بھائی ہیں مسز زمر! اور ہم کل کو پھر سے ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن یہ بات مجھ سے چھپا کر' علیشا کو بلا کر میری پیٹھ کے پیچھے یہ سب کر کے' آپ نے اپنی اچھائی کو داغدار کر دیا ہے۔ میں چھپا سکتا ہوں' کیونکہ میں برا ہوں' لیکن آپ تو اچھی تھیں۔ اور جب اچھے لوگ برے کام کریں' برے نہ سہی مشکوک کام کریں' grey کام کریں تو میرے جیسے برے لوگوں کا یقین بھی اچھائی سے اٹھ جاتا ہے۔ ہم اچھائی کے راستے پہ چلنے سے پہلے رک کر سوچنے لگتے ہیں۔" ٹیک لگا کر بیٹھا' مسکرا کر وہ کہہ رہا تھا۔ زمر نے گھٹنوں کے گرد دونوں ہاتھ ملا کر رکھے' اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

''اور برے لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ توبہ نہ کرنے اور اچھائی کی طرف نہ پلٹنے جیسی ''اپنی''... خالصتاً ''اپنی'' کمزوریوں کے لئے بھی دوسروں کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔''

ہاشم ہلکا سا ہنس دیا۔ اسے اس بات نے محظوظ کیا تھا۔ تائیدی انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔ ''او کے اب ہم ٹھیک ہیں۔''

اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور بوکھلائی ہوئی حلیمہ اندر داخل ہوئی۔

''سر آپ کا فون آف ہے اور دوسرا فون آپ نے سائلڈ کر رکھا ہے۔'' وہ پریشانی سے کہہ رہی تھی۔ زمر مڑ کر اسے دیکھنے لگی اور ہاشم ابرو بھینچ کر ذرا آگے کو ہوا۔

''آپ نے کالز فارورڈ کرنے سے بھی منع کیا تھا' مگر... بری خبر ہے۔'' کہنے کے ساتھ اس نے میز پہ پڑا ریموٹ اٹھایا اور مڑ کر دیوار پہ نصب ایل سی ڈی کی جانب اٹھا کر بٹن دبایا۔ اسکرین روشن ہوئی۔ حلیمہ نے دو چار مزید بٹن دبائے اور ایک نیوز چینل سامنے نظر آیا۔ اس پہ چلتی چلتی پٹی دیکھ کر ہاشم بے اختیار اٹھا۔ چہرہ سفید پڑا۔ سہارے کے لئے میز کے کنارے کو مضبوطی سے تھاما۔

''سر' کالز پہ کالز آ رہی ہیں نیوز میں بھی آ گیا ہے۔ ہمارے پاور پلانٹ کی مرکزی مشینری میں بلاسٹ ہوا ہے۔ بڑے پیمانے پہ explosives استعمال کئے گئے ہیں۔ تیل کو آگ لگ گئی ہے اور اب یہ آگ تب ہی بجھے گی جب ہمارا پلانٹ ناکارہ ہو چکا ہو گا۔''

(پاور پلانٹس میں بڑے بڑے فیول ٹینکس ہوتے ہیں۔ ان ٹینکس میں کئی ملین گیلن تیل محفوظ ہوتا ہے۔ اگر ایک ٹینک میں بھی دھماکہ ہو جائے تو اس سے پیدا ہونے والے fumes اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ پورا پلانٹ تباہ ہو سکتا ہے۔)

زمر بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔ وہ بار بار ہاشم کا چہرہ دیکھتی' پھر حلیمہ کو کہتی ''بس کریں' خاموش ہو جائیں۔''

''پلانٹ اب نئے سرے سے اسٹارٹ کرنا ہو گا۔ ایک بند ہوئے پلانٹ کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے... اربوں روپے مالیت کی ضرورت ہوتی ہے' اوہ سر' میں تو...''

''حلیمہ!'' زمر غصے سے اس کی طرف مڑی۔ ''شٹ اپ!''

حلیمہ دم بخود اسے دیکھنے لگی۔ اب وہ ہاشم کی طرف گھومی۔ وہ ابھی تک ششدر کھڑا اسکرین پہ چلتے مناظر دیکھ رہا تھا۔ صرف ایک گھنٹے کے لئے وہ دنیا سے کٹ کر بیٹھا تھا اور یہ سب ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا' ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ وہ میز کے کنارے کو پکڑے دو قدم آگے بڑھا' پھر فون اٹھایا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

''فون رکھیں ہاشم۔'' زمر نے اس سے ریسیور لے کر واپس رکھا۔ ''اور پلیز آرام سے بیٹھ جائیں۔'' وہ فکر مندی سے بولی تھی۔

وارث غازی کی جھومتی ہوئی لاش... وہ اور زرتاشہ ایک ریسٹورانٹ میں کھڑی تھیں... سعدی کی زخمی چہرے والے چہرے والی تصاویر... ہر شے پس منظر میں چلی گئی۔ اگر کچھ رہ گیا تو صرف ایک احساس۔

انسانیت۔

ہاشم نہیں بیٹھا۔ وہ شل سا کھڑا رہا۔ چہرہ جھکائے' وقفے وقفے سے نفی میں سر ہلاتا۔

''ہاشم آپ بیٹھ جائیں۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ہاشم نے سرخ ہوتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''گیٹ آؤٹ۔'' دروازے کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ ''جائیں یہاں سے۔'' حلیمہ جلدی سے باہر بھاگ گئی۔ زمر نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے' پھر بند کر دیے۔ پرس اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ باہر نکل کر وہ چند قدم آگے گئی۔ پھر رکی۔ نفی میں سر ہلایا۔ اور واپس ہاشم کے آفس کی طرف آئی۔

آفس خالی تھا۔ میز کے پیچھے اب ہاشم نہیں کھڑا تھا۔ زمر کی آنکھوں میں تحیر ابھرا اور پھر وہ تیزی سے آگے آئی تو دیکھا....

وہ اپنی کرسی کے قریب فرش پہ گرا ہوا تھا اس کا ہاتھ سینے کو مسل رہا تھا اور اسکی آنکھیں غنودہ سی بند ہو رہی تھیں۔ وہ تکلیف میں تھا اس کا تنفس رک رہا تھا۔

''ایمبولینس بلاؤ.... گاڑی نکلواؤ....'' وہ چلا کر حلیمہ سے بولی تھی جو باہر کھڑی تھی۔ ''ہاشم کو ہارٹ اٹیک ہو رہا ہے۔ جلدی کرو۔ جاؤ۔'' اور پرس پھینکتی وہ اس کی طرف بڑھی تھی جس کی سانس اکھڑ رہی تھی اور سینہ جکڑ رہا تھا.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منزلیں تیرے علاوہ بھی ہیں لیکن

زندگی اور کسی راہ پر چلنا ہی نہیں چاہتی

کولمبو میں واقع اس بلند بالا ہوٹل کی ریسیپشن دن کے وقت بھی روشنیوں سے منور تھی۔ ایک کونے میں صوفے پہ آفتاب بیٹھا تھا اور فون کان سے لگائے دوسری طرف ہارون کو سن رہا تھا جو پوچھ رہے تھے۔

''آبدار کیسی ہے؟'' وہ جواباً بتانے لگا۔

''جب سے وہ مس آبدار کے اپارٹمنٹ سے گیا ہے' مس واپس ہوٹل آ گئی ہیں اور یہاں سے نہیں نکلیں۔''

چند منزلیں اوپر.... ایک کشادہ اور پرتعیش بیڈروم کے پردے گرے تھے اور اندر اندھیرا سا تھا۔ وہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ سرخ بال کمر پہ پھسل رہے تھے اور چہرہ تھوڑی پہ گرائے گم صم نظر آتی تھی۔

''وہ کھانا بھی اندر منگواتی ہیں۔ اداس ہیں اور غمزدہ بھی۔''

آبدار نے سائیڈ ٹیبل سے نیل پالش کی شیشی اٹھائی اور اپنا پیر میز کے کنارے رکھا' پھر برش کو پالش میں ڈبو ڈبو کر ناخنوں پہ لگانے لگی۔

''وہ بار بار ریسیپشن پہ کال کر کے پوچھتی ہیں کہ کوئی ان سے ملنے تو نہیں آیا' یا ان کے لئے کوئی فون تو نہیں آیا۔ مگر اپنا سیل فون انہوں نے آف کر رکھا ہے۔''

انگوٹھے اور دو انگلیوں پہ سرخ نیل پالش لگا کر وہ رکی' اور پھر ایک دم شیشی اٹھا کر دیوار پہ دے ماری۔ شیشی دیوار کو دانحدار کر کے ٹوٹ گئی۔ اب وہ سرخ رومال سے ناخن رگڑ رہی تھی۔ گیلی سوکھی پالش خلط ملط ہو گئی' کچھ مٹی' کچھ انگلیوں پہ لگ گئی۔

"مجھے وہ بیمار لگنے لگی ہیں' سر۔ میرا خیال ہے آپ کو ان کے پاس ہونا چاہیے۔"

وہ اب گھٹنوں پہ سر رکھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"مشورہ نہیں مانگا' رپورٹ مانگی ہے' دیتے رہو۔" ہارون نے کوفت سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ ادھر وہ ابھی تک روئے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاکھ موجوں میں گھرا ہوں مگر ڈوبا تو نہیں

مجھ کو ساحل سے پکارو کہ میں زندہ ہوں ابھی

کینڈی کی سرسبز پہاڑیوں نے روئی کے گالوں جیسے بادلوں کا تاج پہن رکھا تھا۔ صبح کی تازہ ہوا درختوں کے پتوں کے درمیان سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی اور پہاڑی کو کاٹ کر بنے اس اوپن ئیر کیفے کے فوارے کے پانی سے کھیل رہی تھی۔ حوض میں گرتے پانی کی دھاروں میں دھنک کے ساتوں رنگ دکھائی دیتے تھے۔ فوارے سے نظر دائیں جانب کرو تو کونے کی ایک میز پہ فارس بیٹھا تھا۔ جھک کر' کہنیاں میز پہ رکھے' وہ کافی کے مگ میں چمچ ہلا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے نگاہ اٹھائی اور سامنے والی کرسی سنبھالتے سعدی کو دیکھا۔ وہ ابھی ابھی آیا تھا۔ جینز پہ سوئیٹر پہن رکھا تھا جس کی ہڈ گردن کے پیچھے گری تھی۔

"مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔ جہاں کام کرتا ہوں' وہاں کی مالکن کو کل پوری شام غائب رہنے کی لمبی کہانی سنائی تھی' اب صبح دوبارہ جانے سے پہلے اسے مطمئن کرنا ضروری تھا۔" وہ فارس کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ ہونٹ کا زخم پہلے سے بہتر تھا البتہ سوجن زیادہ تھی۔ فارس نے آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھتے مگ لبوں سے لگایا۔

"کیا کہا ہے اسے' کہاں جا رہے ہو؟"

"یہی کہ میری محبوبہ کینڈی میں آئی ہوئی ہے' اس سے "چھپ" کر ملنے جاتا ہوں۔" مسکرا کر تپانے والے انداز میں بولا۔ فارس نے سر جھٹکا۔ "استغفراللہ۔"

سعدی اپنے لئے ناشتہ آرڈر کرنے لگا۔ پھر فارس کی طرف خوشگوار انداز میں گھوما۔ "آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

فارس نے سنجیدگی سے مگ رکھا۔ "یہ اہم نہیں ہے۔ اہم یہ ہے کہ میں اور تم آج واپس جا رہے ہیں۔"

سعدی کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔ مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ "کیا یہ اتنا آسان ہے؟"

"ابھی تک تمہارا دماغ درست نہیں ہوا؟ دو ہاتھ اور لگاؤں؟"

"اچھا آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"میرے ساتھ واپس چلو' ہاشم سے کہو کہ تم اس کا راز راز رکھو گے۔ ہم سب نارمل ایکٹ کریں گے۔ تم اپنے گھر والوں کے ساتھ رہو۔ اپنی جاب دوبارہ شروع کرو۔ اور مجھے ہاشم سے تمہارا اور اپنا انتقام لینے دو۔"

"میرا مجرم ہاشم نہیں نوشیرواں ہے۔ مجھے گولیاں نوشیرواں نے ماری تھیں۔ ہاشم نے مجھے غائب کروایا تھا' مگر مجھے.... گولیاں... نوشیرواں نے ماری تھیں۔" وہ ایک دم میز پہ ہاتھ مار کر تیزی سے بولا۔ فارس پہ گڑی آنکھیں سرخ ہوئیں۔ "آٹھ ماہ.... پورے آٹھ ماہ انہوں نے مجھے بند رکھا' ایک ایسی جگہ جہاں میں سورج سے بھی محروم تھا... آٹھ ماہ میں نے ہر صبح انتظار کیا کہ آپ آئیں گے مگر' آپ نہیں آئے میں نے اپنے خاندان والوں کا انتظار کیا' مگر کوئی نہیں آیا۔ آپ سب ہاشم کاردار کے ساتھ ایک میز پہ بیٹھ کر عید کا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ کوئی نہیں آیا میرے لئے۔" بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔ تو فارس نے گہری سانس لی۔

"مجھے جیل میں ڈھائی سال ہو گئے تھے جب تم نے مجھ سے معافی مانگی تھی کہ تم میرے لئے پہلے اس طرح نہیں آئے جیسے اب آئے۔ کیا تمہیں الزام دیا تھا میں نے؟ نہیں۔ صرف اسلئے کہ تم نے مجھے قید میں نہیں ڈالا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو قید میں ڈالا تھا۔"

"اوہ واؤ۔ او کے۔ سو اب میں گلٹی پارٹی ہوں۔ ٹھیک ہے۔ فائن۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تلخی سے کہا۔ "میں نے اپنے آپ کو خود قید میں ڈالا تھا' مجھے پہلے آپ کے پاس آنا چاہیے تھا مگر میں نہیں آیا میں اکیلے سب کچھ کرنا چاہ رہا تھا' میں غلط تھا۔ فائن۔ مگر آپ.... آپ تو سب جانتے تھے۔ یہ بھی کہ میں کہاں ہوں' کس کے پاس ہوں تو آپ کیوں نہیں آئے میرے لئے۔ آٹھ ماہ پہلے کیوں نہیں آئے؟"

"کیونکہ تمہارے برعکس میں ایک بات جانتا ہوں کہ انسان اکیلا ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" وہ بھی اتنی ہی درشتی سے بولا تھا۔ "میں بالفرض کو لیو آ بھی جاتا تو میرے پاس یہاں اتنے بندے' اتنا اسلحہ اور اتنے وسائل نہیں تھے کہ میں ان کے ہوٹل پہ حملہ کرتا اور تمہیں وہاں سے نکال لیتا۔ اگر میں ایسی کوئی کوشش کرتا بھی تو میرا... ایک.... خاندان.... ہے۔ سعدی یوسف! وہ کسی کو نہ چھوڑتے۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے اسے جیتنا ہوتا ہے' اور ہم یہ جنگ جیتنے کے قریب ہیں۔ ہم اسے جیت کر ہی شروع کریں گے۔ وہاں سے تمہیں صرف تم خود نکال سکتے تھے اور میں نے تمہیں نکلنے کا طریقہ بتایا تھا اور وہ طریقہ کارگر رہا۔"

سعدی چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ صدمے سے اسے دیکھتا رہا۔ "کارگر؟ ہر گزرتا دن میری گردن میں پھندا کستا رہا میں اندر سے مرتا گیا اور اب آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہو پایا' اور آپ کہتے ہیں کہ وہ کارگر رہا۔"

"مجھے ہاشم کو شک نہیں دلوانا تھا۔ ہاشم کو اپنی طرف سے مطمئن رکھنا تھا۔"

"مگر کیوں؟ کیا کر لیتا ہاشم کاردار؟ زیادہ سے زیادہ کیا ہو جاتا؟"

فارس نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ جب اسے پتہ چلے گا تو وہ کیا کرے گا۔"

"وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا اس کو ڈاج کرنے کے دو ہزار طریقے میں جانتا ہوں۔ بہر حال میں واپس نہیں جا رہا۔ ابھی نہیں۔" اور وہ رخ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فارس نے طویل سانس لبوں سے خارج کی۔

"مگر کیوں؟ کیا تم اپنے گھر والوں سے ملنا نہیں چاہتے؟" سعدی نے نظریں چرائیں۔

"مجھے تیاری کرنی ہے' ابھی میں تیار نہیں ہوں۔"

فارس ایک دم بالکل ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ "کس چیز کی تیاری؟ میں نے کہا نا تمہارا انتقام میں لوں گا۔"

سعدی نے نظروں کا رخ اس کی طرف موڑا' ان میں اب صرف سنجیدگی تھی۔

"مجھے انتقام نہیں چاہیے ماموں۔ یہی فرق ہے آپ میں اور مجھ میں۔ مجھے..... انصاف..... چاہیے۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" فارس ایک دم الرٹ سا ہو کر بیٹھا۔ سعدی نے نظریں جھکائیں' پھر آنکھیں بند کیں۔ اس کے بعد اس نے گردن کڑائی.... آنکھیں کھولیں اور ان میں سرد سا تاثر لئے فارس کو دیکھا۔

"سرکار بنام نوشیرواں کاردار!"

فارس کی ساری دنیا ایک دم سناٹے میں آگئی۔ وہ بالکل شل سا سعدی کو دیکھے گیا۔ پھر اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "نہیں' کبھی نہیں سعدی۔" وہ تیزی سے آگے ہوا۔ "تم ایسا کچھ نہیں کرو گے تمہیں انتقام چاہیے تو ہم لیں گے انتقام مگر....."

"مجھے انتقام نہیں چاہیے۔" وہ جواباً غرایا تھا۔ "مجھے..... انصاف..... چاہیے۔"

"تمہیں انصاف کا مطلب بھی پتہ ہے؟ سعدی وہ ہمارے خاندان کی عورتوں اور بوڑھوں کو کورٹ میں گھسیٹیں گے۔ ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ زمر' حنین' تم خود۔ پاکستان میں انصاف نام کی کوئی چیز نہیں ہے سعدی اور اب ہم میں سے کوئی معصوم نہیں رہا۔"

"ہاں ہم میں سے کوئی معصوم نہیں رہا مگر ہر مجرم گناہگار نہیں ہوتا۔ اور یہ جج کرنا میرا یا آپ کا کام نہیں ہے۔ یہ ایک آفیسر آف لاء جج کرے گا۔ یہ فیصلہ ایک جج کرے گا کہ کون قاتل ہے' کون دھوکے باز ہے' کون جھوٹا ہے اور کون گناہگار۔ میں ہر رات اپنی ٹوٹی امید کو اس ایک خیال سے جوڑتا تھا۔ لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے۔ سرکار..... بنام..... نوشیرواں کاردار!" اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں مگر ان میں برف ہوئے پہاڑوں جیسی سختی تھی۔ فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"سعدی' میں ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ رہوں گا' لیکن ایک بات مجھے پورے یقین سے بتاؤ۔ کیا تم اس فیصلے پہ قائم رہو گے؟ کیا تم کاردارز سے کورٹ میں جنگ کرنا چاہتے ہو؟"

"میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ سعدی یوسف کی کہانی ایک کورٹ ٹرائل کے بغیر ختم نہیں ہو گی۔ میں جانتا ہوں ٹرائل لمبا ہو گا' ٹرائل تکلیف دہ ہو گا' مجھے سے اور کاردارز سے جڑے ہر شخص کو عدالت کے کٹہرے میں آ کر قرآن پہ ہاتھ رکھ کر سچ بولنے کا حلف اٹھانا ہو گا' میرے خاندان کی عورتوں پہ بھری کچہری میں کیچڑ اچھالا جائے گا' ہمیں ذلیل اور رسوا کیا جائے گا' میں سب جانتا ہوں' مگر..... میں..... فیصلہ کر چکا ہوں۔ مجھے "سرکار بنام نوشیرواں کاردار" چاہیے ہے!"

فارس نے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا' وہ والٹ سے چند نوٹ نکالتا اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو گلاس تلے رکھا۔

"تمہارا نیا پاسپورٹ تمہیں دو دن کے اندر مل جائے گا۔ یہ تمہارے آف شور بینک اکاؤنٹ کی ساری تفصیلات ہیں۔" جیکٹ کے اندرونی جیب سے چند کاغذ نکال کر سامنے رکھے۔ "مجھ سے کیسے کانٹیکٹ کرنا ہے تمہیں معلوم ہے' پیسے چاہیے ہوں تو بتانا۔ میں آج رات تک واپس

چلا جاؤں گا۔"

سعدی کا دل ایک دم ویران سا ہو گیا۔ اس نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

"بس آپ جا رہے ہیں؟"

"اب رکنے کا فائدہ نہیں ہے۔ تم نے ایک غلط فیصلہ کیا ہے سعدی' اور میں اس میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ لیکن تمہیں ابھی تک اندازہ نہیں ہے کہ ہاشم کیا کرے گا جب اس پہ حقیقت کھلے گی۔ مجھے اندازہ ہے' اور مجھے.... تیاری کرنی ہے۔ مجھے اپنے خاندان کی حفاظت کرنی ہے۔"

سعدی اٹھ کھڑا ہوا۔ کاغذات کو اس نے چھوا تک نہیں۔ آگے بڑھا اور فارس سے گلے ملا۔ حلق میں بہت سے آنسو پھنس گئے۔

"ہاں ٹھیک ہے' اب دور ہٹو۔" سنجیدگی سے کہہ کر اسے پرے ہٹایا۔ سعدی نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ زمر نے ابھی تک آپ کو زہر نہیں دیا۔ ویسے وہ آپ کے ساتھ ٹھیک ہیں اب؟"

"Its Complicated" وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

"اور یہ آبدار کا کیا چکر ہے؟ اس کے نمبر کی اتنی فکر کیوں ہے آپ کو؟" یوسف خاندان کے لڑکے نے آنکھوں میں شک بھرے فارس غازی کو دیکھا تھا۔

"اس نے احسان کیے ہیں مجھ پہ اور میں اس کو ڈاج کر کے گیا تھا۔ وہ جذباتی سی لڑکی ہے' مجھے فکر ہے کہ کچھ کر نہ دے۔ اسی لیے اس کی طرف دھیان لگا رہتا ہے۔ خبر تو رکھنی پڑتی ہے۔ خیر تم ایک دو دن میں واپس آ جانا۔ زیادہ مت ٹھہرنا۔ میں اب چلتا ہوں۔"

اس کا کندھا ہلکے سے تھپک کر وہ کہہ رہا تھا۔ اب کے وہ جلدی میں لگتا تھا۔ اسے واپس جانا تھا۔ جلد از جلد۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اے دل تجھے دشمن کی بھی پہچان کہاں ہے

تو حلقہ یاراں میں بھی محتاط رہا کر!

ہسپتال کے پرائیوٹ وارڈ کا وہ پر تعیش کمرہ پھولوں کی مہک سے معطر تھا۔ اندر بیڈ پہ ہاشم تکیوں کے سہارے لیٹا نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور ہسپتال والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ زمر نے دروازے پہ دستک دی تو اس نے آنکھیں کھولیں' پھر نقاہت سے مسکرایا۔ ساتھ کھڑے ڈاکٹر نے بھی اسے دیکھا۔

"آیئے۔" وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی اور قریبی کاؤچ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"تھینک یو... میرے آپ کو نکال دینے کے باوجود دوبارہ واپس آنے کے لئے۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔

"نو پرابلم میں نہ بھی آتی تو کوئی اور آ جاتا۔ یہ ہارٹ اٹیک نہیں تھا صرف anxiety اٹیک تھا۔ چونکہ اس کے symptoms دل کے دورے جیسے ہوتے ہیں تو میں سمجھی.... خیر.... مبارک ہو' آپ کا دل بالکل محفوظ اور توانا ہے۔"

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ پھر خاموش ہو گیا۔ ماحول میں عجیب سا تناؤ در آیا۔ ڈاکٹر باہر گیا تو ہاشم نے کہا۔

''زمر... کیا آپ میرا ایک کام کریں گی۔''

زمر نے گہری سانس لی۔ ''جی کہیے۔''

''ایک ڈرافٹ تیار کروانا ہے اگر آپ نوٹ پیڈ پہ لکھتی جائیں تو... اور پلیز مجھے کام سے باز رہنے کو نہ کہیے گا۔''

''شیور آپ بتائیں۔'' وہ اس کو کام سے باز رہنے کی نصیحت کر بھی نہیں سکی۔ مصروف رہے گا تو ذہنی دباؤ کم ہو گا۔ اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور پین کھولا۔ ہاشم تکیے پہ سر رکھے' آنکھیں موندے ڈکٹیٹ کرنے لگا۔ بار بار رکتا' اڑتا' پھر نفی میں سر ہلا کر دوبارہ سے شروع کرتا۔ وہ بنا کسی کوفت کے لکھتی گئی۔

اس دوران اس سے ملنے کوئی نہیں آیا۔ شام میں جب وہ تھک کر' کاغذوں کا پلندہ اس کے سرہانے رکھ کر اٹھنے لگی تو ازراہ ہمدردی بولی۔

''اب اس بات کا دھچکا مت لیجیے گا کہ دوستوں میں سے کوئی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے ان کو معلوم نہ ہو۔''

ہاشم تلخی سے مسکرایا۔ ''باس کی بیماری کی خبر آفس میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا کرتی ہے۔ سب کو معلوم ہے مسز زمر!''

''میں... اپنے ڈاکٹر سے مل لوں۔'' وہ پرس اٹھا کر جانے لگی۔

ہاشم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''آپ کا ڈاکٹر بھی اسی ہسپتال میں ہے؟''

''یہ آپ کا پسندیدہ ہسپتال ہے ہاشم اور میری سرجری کے وقت مسز کاردار نے ہی یہ ہسپتال ریکمنڈ کیا تھا۔ کیا آپ بھول گئے۔'' ہاشم نے محض سر ہلا دیا۔ وہ یہ معاملات ممی کے لئے چھوڑ دیا کرتا تھا' سو اس کو ان کی خبر نہ تھی۔

زمر چند منٹ کی مسافت پہ واقع اپنے ڈاکٹر کے کمرے تک آئی تو وہ اندر نہیں تھے۔ اس دن کے بعد سے بس ان سے فون پہ بات ہوئی تھی' انہوں نے اسے نئی رپورٹ کے حوصلہ افزا ہونے کا بتایا تھا۔ مزید کچھ نہیں۔ اس نے باہر ریسپشن والے لڑکے سے پوچھا۔

''ڈاکٹر قاسم کہاں ہیں؟''

وہ بے اختیار تعجب سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ ''آپ کو نہیں معلوم؟''

''نہیں۔ کیا ہوا؟'' زندگی میں اتنے حادثے دیکھے تھے کہ بغیر کسی فکرمندی کے سکون سے بولی۔

''ان کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ بہت چوٹیں آئی ہیں۔ وہ ایک دوسرے ہاسپٹل میں داخل ہیں۔ پسلیاں ٹوٹی ہیں۔ جبڑے کی ہڈی بھی اور...'' وہ ہمدردی سے سنتی گئی' پھر آگے بڑھ گئی۔ اب دوسروں کے غم کوئی ایسا اثر نہیں کرتے تھے۔

''تو آپ نے فائلز کاپی نہیں کیں؟'' حنین کے سامنے جب رات گئے وہ آ کر بیٹھی تو ساری کتھا سن کر اس نے خفگی سے پوچھا تھا۔

''حنین' تمہارے خیال میں میں اتنی چالباز عورت ہوں کہ وہ آدمی زمین پہ گرا ہو گا' اپنے سینے کو تکلیف سے مسل رہا ہو گا اور مجھے فائلز کی فکر ہو گی؟'' اس نے سکون سے پوچھا تھا۔

"anxiety ٹھیک ہی تھا۔ مرتو نہیں گیا وہ۔ آپ نے اتنا اچھا موقع ضائع کر دیا۔"

"میرے اس موقعے کا فائدہ اٹھانے کے بعد مجھ میں اور اس میں کیا فرق رہ جائے گا؟"

"ہاں بالکل ہم تباہ ہو جائیں گے مگر چلو ہم ان سے بہتر تو ہوں گے۔" حنین طنز سے بولی تھی۔ زمر چپ رہی۔

"خیر... آپ کو پتہ ہے... سعدی بھائی اپنے قرآن والے گروپ میں دوبارہ سے آ گیا ہے۔" وہ بوجھل ماحول کو ہلکا بناتے ہوئے ٹیب کھول کر اس کے سامنے کر کے دکھانے لگی۔ زمر کے تاثرات بدلے۔ وہ تیزی سے آگے ہوئی۔ پھر اسکرین پہ ہاتھ رکھا۔ آنکھوں کے کنارے نم ہوئے۔

"وہ سورۃ النمل پہ تدبر کرتا ہے۔ مگر کرتے کرتے اب رک گیا ہے۔ آدھی سورۃ کے بیچ۔" احتیاط سے اس کے تاثرات دیکھ کر کہنے لگی۔

"آپ بھی اچھا بولتی ہیں بھائی کی طرح۔ آپ کو چاہیے... کہ اس کی ادھوری سورۃ مکمل کر دیں۔ کچھ لکھ دیں۔ شاید اسے ضرورت ہو۔"

زمر سر جھٹک کر اٹھ گئی۔ "مجھے کام ہیں بہت۔" اس سے نظریں ملائے بغیر وہ باہر نکل گئی اور حنین گہری سانس لے کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لے جائیں مجھ کو مال غنیمت کے ساتھ عدو

تم نے تو ڈال دی ہے سپر تم کو اس سے کیا

اس رات کولمبو میں واقع پاکستانی سفارت خانے میں خاموشی اور اندھیرا چھایا تھا۔ آفس مقفل تھے سب چھٹی کر کے جا چکے تھے۔ ایسے میں ایک اندھیرے کمرے میں جہاں بہت سے کمپیوٹرز پڑے تھے ایک کی اسکرین روشن تھی اور اس کے سامنے بیٹھی عورت کھٹا کھٹ کی بورڈ پہ ٹائپ کر رہی تھی۔ بار بار احتیاط سے دروازے کی طرف بھی دیکھتی۔ اس کی گود میں رکھے پاس پہ کسی مرد کی تصویر بنی تھی۔ (یہ وہ پاس تھا جس کو استعمال کر کے وہ اس جگہ داخل ہوئی تھی۔)

دفعتاً پرنٹر سے زوں زوں کی آوازیں آنے لگیں۔ صباحت پرنٹر پہ رکھی شے کو احتیاط سے درست کرنے لگی۔ ساتھ ہی وہ کیز بھی دبا رہی تھی۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ پرنٹ شدہ کاغذوں کو جوڑ رہی تھی۔ ان کا کور گہرا سبز تھا اور ان پہ اسلامک ری پبلک آف پاکستان لکھا تھا.....

فصیح ہوٹل کی لابی میں تیز قدموں سے چلتا جا رہا تھا۔ جب اس کا فون بجا۔ اس نے سرعت سے اسے کان سے لگایا۔

"سر وہ نمبر آن ہو گیا ہے۔ ابھی دو منٹ پہلے۔"

"اچھا تم یوں کرو...." فصیح ہدایت دینے لگا کہ ٹوں ٹوں سنائی دینے لگی۔ درمیان میں کسی اور کی کال آ رہی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر فون کان سے ہٹایا تو ایک دم منجمد ہو گیا۔ اسی نمبر سے کال آ رہی تھی۔

"وہ مجھے کال کر رہا ہے۔ تم اس کی لوکیشن ٹریس کرو۔" تیزی سے کہہ کر اس نے دوسری کال اٹھائی۔ "کہیے۔"

"میں پوسٹر والے لڑکے کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" دوسری طرف بوڑھا سنبھالی بدقت کہہ رہا تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ اس دن آپ کو ڈپٹ دیا۔ میں انعام کی رقم ایڈوانس میں دینے کو تیار ہوں۔" اب وہ سجاؤ سے بات کر رہا تھا۔

اسلام آباد کے اس ہسپتال کے کمرے میں اس رات اداسی اور تنہائی تھی۔ ویران موسم' ویران دل۔ وہ گھر جا سکتا تھا مگر خود ہی نہیں گیا۔ تنہا کمرے میں لیٹا رہا۔ نگاہیں چھت پہ جمی تھیں۔ وجیہہ چہرہ زرد سا تھا۔

اس سے ملنے کوئی نہیں آیا تھا۔ جواہرات کو اس نے ہوش میں آتے ہی کال کی تھی اور اس پہ چیخا چلایا تھا۔ جواب میں جواہرات اتنے ہی ہذیانی انداز میں اس پہ غرائی تھی۔ "مجھے کسی چیز کا الزام نہ دو۔ میں کس کرب سے گزر رہی ہوں تمہیں احساس ہی نہیں۔"

نوشیرواں کو اس نے کال نہیں کی تھی' مگر دل سے وہ چاہتا تھا کہ کاش وہ آجاتا۔ ایک دفعہ۔ باقی کسی سے بھی ملنے سے اس نے خود انکار کر دیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ کوئی آیا ہی نہیں تھا۔ نہ آفس سے' نہ دوستوں میں سے۔ پتہ نہیں کیوں؟

اور جب سعدی یوسف ہسپتال سے کھو گیا تھا... تو کتنے ہی دن اس کے دوست اور قرابت دار اسی ہسپتال کے باہر پھولوں کے گلدستے رکھتے رہے تھے۔ فرق کہاں سے آیا تھا؟ کس نے ڈالا تھا؟

دفعتاً اس نے تکیے کے ساتھ رکھا موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملا کر اسے کان سے لگایا۔ "ادریس..." بولا تو آواز میں ذرا نقاہت تھی۔ "کراچی میں سب ٹھیک ہے؟"

"جی کاردار صاحب' آپ کے بارے میں سنا تھا اب طبیعت کیسی...."

"فارس کا بتاؤ۔" اس نے درشتی سے بات کاٹی۔ اپنی "کمزوری" کے عیاں ہونے کا احساس بہت تکلیف دہ تھا۔

"غازی؟ وہ ٹھیک ہے' کام کرتا ہے۔ مزاج برہم رہتا ہے' مگر وہ بندہ برا نہیں ہے۔"

ادریس اب اسے فارس کی "رپورٹ" دے رہا تھا۔ ہاشم نے مطمئن ہو کر فون رکھا اور ایک دفعہ پھر اپنے گرد پھیلی تنہائی کو دیکھا۔

جو فیصلہ وہ شہرین سے طلاق کے ان دو سالوں میں نہیں کر سکا تھا' وہ چند ساعتوں میں ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ٹیکسٹ لکھا (ہم کب مل سکتے ہیں زیڈ؟) اور آبدار کے نمبر پہ بھیج دیا۔ پھر قدرے سکون سے تکیے پہ سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنا یہ حال کہ جی ہار چکے' لٹ بھی چکے
اور محبت وہی انداز پرانے مانگے

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں رات کے اس پہر سناٹا چھایا تھا۔ کسی کسی کمرے میں کوئی لیمپ جل رہا تھا۔ ندرت اپنے کمرے میں بیڈ پہ جائے نماز بچھائے بیٹھیں' تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ (گھٹنوں کی وجہ سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھتی تھیں۔) ساتھ والے کمرے میں جھانکو تو حنین دوپٹہ اوڑھ کر قرآن اٹھائے بیٹھی' سبق یاد کر رہی تھی۔ کل کے سبق میں سورۃ البینہ سنانی تھی اسے اور وہ مسلسل آیات کو خلط ملط کر رہی تھی۔

"اف حنین غو کس کرو' کیوں تم بار بار ایمان والوں کو "نار جہنم" میں پہنچا رہی ہو۔ اور مشرکین کو باغات میں؟ اف۔" اس کے اپنے مسئلے تھے اور یہ مسئلے اس کو اب اپنے مرض مستمر کو سوچنے ہی نہیں دیتے تھے۔

سیم بڑے ابا کے کمرے میں سو رہا تھا۔ (گو کہ اس کا اپنا کمرہ بھی تھا مگر رات کو وہ ادھر ہی سوتا تھا۔) زمر کے کمرے میں بھی لیمپ جل رہا تھا۔ وہ کارپٹ پہ جائے نماز ڈالے چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے بیٹھی تھی۔ وہ کب کا سلام پھیر چکی تھی مگر یونہی بیٹھی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ بیڈ کی دوسری طرف کو اٹھ جاتیں۔ بس ایک رات ہی رہا تھا وہ اس کمرے میں۔ پھر چلا گیا۔ اب وہ کب آئے گا؟

"اللہ تعالیٰ! میں بہت بری ہوں۔" وہ گہری سانس لے کر کہنے لگی۔ زرد لیمپ میں مدھم روشنی میں بھی اس کا چہرہ اور ناک کی نتھ دمک رہی تھی۔ "میں بہت سخت دل ہو گئی تھی میں نے فارس کے ساتھ بہت زیادتی کی' مگر اس سے معافی نہیں مانگی۔ اس کے لئے انصاف حاصل کیا مگر اس سے معافی نہیں مانگی۔ میرا دل اس جتنا بڑا نہیں ہے۔ میں اس سے غلط باتوں پہ لڑتی ہوں۔" وہ پاسیت سے کہہ رہی تھی۔ "جب مجھے پتہ تھا کہ وہ سعدی کے لئے ادھر گیا تھا' اور اسے آبدار کی... ضرورت تھی' اور ذرا سوچنے پہ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ آبدار نے جان بوجھ کر ایسی بات کہی تھی' ان کے درمیان ایسا کچھ نہیں ہے تو پھر... اب میں بات کیوں نہیں کر لیتی اس سے؟ مگر نہیں... میری انا!" پھر اس نے چہرہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ "مگر آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے یہ سمجھایا کہ دل کی نرمی تب ملتی ہے جب ہم قرآن کی باتیں کرتے ہیں۔ جب ہم دل سے قرآن کی باتیں کرتے ہیں۔ اور کیا ہوا جو وہ اپنی سورہ مکمل نہیں کر سکا۔ اس سے پہلے بھی تو میں نے سعدی کے بہت سے کام کیے ہیں نا' آج ایک اور سہی۔"

فارس اور اپنی معلق قسم کی ازدواجی زندگی کی ساری کلفت اور بددلی عنقا سی ہو گئی۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرائی اور اٹھ گئی۔ پھر اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھی اور لیپ ٹاپ کی اسکرین کھولی۔

وہ گروپ میں مزید کچھ نہیں پوسٹ کر سکا تھا۔ وہ سورہ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ کوئی بات نہیں۔ وہ کر لے گی۔

پہلے وہ اس کی لکھی تدبر اور تفکر کی باتیں غور سے پڑھنے لگی۔ اس نے النمل کی 58 آیات لکھی تھیں۔ کل آیات 93 تھیں۔ وہ آدھی سے زیادہ سورۃ کر چکا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ... چیونٹیوں کی ملکہ کا قصہ... سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا قصہ... صالحؑ کا قصہ... لوط علیہ السلام کا قصہ... اور بس! ابھی 35 آیات رہتی تھیں۔ ابھی النمل کا ایک بڑا حصہ رہتا تھا۔ ابھی داستان کی تکمیل کی راہ میں چند بڑے واقعات کا ہونا حائل تھا۔

زمر نے اگلی چند آیات وہاں لکھیں اور پھر... جی کڑا کر کے ایک نئے عزم کے ساتھ... وہ ہر آیت کے نیچے اپنے الفاظ... اپنے دل سے کہے گئے الفاظ لکھنے لگی......

میں پناہ چاہتی ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔

"آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے... اور سلام ہے اس کے بندوں پر... وہ لوگ جن کو اس نے "چن" لیا ہے... کیا اللہ

بہتر ہے یا وہ جنھیں یہ لوگ (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں؟''

''اوہ اللہ!'' اس نے آنکھیں بند کرلیں' پھر سر جھٹک کر کی بورڈ پہ انگلیاں رکھے ٹائپ کرنے لگی۔ الفاظ جانے کہاں سے آکر انگلیوں سے کیز میں منتقل ہونے لگے۔

''میں ان آیات کے بارے میں کچھ کہنے سے قبل یہ سوچ رہی تھی کہ میں انہیں کسی اور کی تشفی کے لئے لکھ رہی ہوں' مگر نہیں۔ قرآن جب آپ سے مخاطب ہو تو وہ صرف آپ کے لئے ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمام حمد اللہ کے لئے ہے.... بلکہ یہ فرمایا کہ ''آپ کہہ دیں' کہ تمام حمد اللہ کے لئے ہے۔'' لکھتے لکھتے اس کی انگلیوں میں روانی آرہی تھی۔ ''حمد کہتے ہیں کسی کی پرفیکشن کی تعریف کو۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ اللہ ہی پرفیکٹ ہے' پرفیکٹ تعریف بھی اسی کی ہو سکتی ہے' مگر یہ بات ہمیں دوسروں کو بار بار بتاتے رہنا چاہیے کہ اللہ بہترین ہے۔ بہترین دوست' بہترین مددگار۔ ورنہ جب لوگ کافر ہونے لگتے ہیں' athiest بنتے جاتے ہیں تو وہ اس لئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ انہیں لگتا ہے اللہ ان کے لئے بہترین مددگار نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ کل بھی آپ کا تھا' آج بھی ہے۔ ہمیں یہ گلٹ اور ڈپریشن رہتا ہے کہ ہم اس کے اب بہترین بندے نہیں رہے' مگر ہم تو اس کے بہترین بندے کبھی بھی نہیں تھے۔ ساری تعریف' ساری حمد' ساری پرفیکشن ''ہمارے لئے'' تو کل بھی نہیں تھی۔ جس گلٹ کو ہم دیوار بنا کر اللہ اور اپنے درمیان لے آتے ہیں' وہ تو ہمیشہ ساتھ رہے گا۔ آج اس غلطی پہ شرمندہ ہیں' کل کسی اور پہ نادم تھے۔ ہم پرفیکٹ نہیں ہو سکتے تو پھر اللہ سے بات کرنے سے جھجکتے کیوں ہیں؟ غلطی ہوئی ہے تو معافی مانگو اور نئے سرے سے اللہ کے بندے بن جاؤ۔ یہ اتنا آسان ہے۔ کیونکہ کچھ لوگوں کو اللہ نے اپنے دین کے لئے چن لیا ہوتا ہے۔ ان کو قرآن پہ تدبر کرتے رہنا چاہیے' اپنے لئے نہ سہی تو دوسروں کے لئے۔ خوشی سے نہیں کریں گے تو قدرت آپ کو کھینچ کر' گھسیٹ کر اس طرف لے آئے گی' مگر یہ آپ کو کرنا ہے۔ آپ chosen one ہیں' پرفیکٹ نہیں ہیں تو اپنی خامیاں اور گناہ دیکھ کر پریشان نہ ہوا کریں۔ توبہ کریں' اور پھر سے شروع کریں۔ صرف اللہ ہی کے ساتھ تو انسان ہمیشہ ہر چیز نئے سرے سے شروع کر سکتا ہے!''

ٹھہر کر اس نے اگلی آیت دیکھی۔

''بھلا بتاؤ تو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟

کس نے آسمان سے بارش برسائی؟

پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیے۔ تم تو ہرگز نہیں اگا سکتے تھے ان باغوں کے درختوں کو۔ کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی معبود ہے؟ بلکہ یہ لوگ تو وہ ہیں جو حق سے انحراف کرتے ہیں۔''

''مجھے بہت اچھے لگتے ہیں قرآن میں پوچھے گئے سوال۔'' وہ چہرہ جھکائے بورڈ پہ تیز تیز ٹائپ کر رہی تھی۔ ''ہر دفعہ اپنا دفاع کرنا' اپنے حق میں دلائل دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔ کوئی اللہ کے وجود کو ماننے سے انکاری ہو تو اس کی طرف سوال ڈالا کریں' اسے سوچنے پہ مجبور کریں۔ کوئی تو ہے نا جس نے اتنے انصاف سے زمین اور آسمان بنائے۔ تو کیا وہ ہمیں انصاف نہیں دلائے گا؟ کوئی تو ہے نا جو آسمانوں سے بارش برساتا

ہے' کبھی زمین پہ' کبھی دل پہ' اور اس بارش سے اگنے والے باغات انسان خود نہیں اگا سکتا۔ مردہ زمین اور مردہ دلوں کو صرف اللہ زندہ کر سکتا ہے۔ صرف اللہ کا قرآن کر سکتا ہے۔ تو بجائے اپنے مردہ دل کا ڈپریشن لینے کے' کیوں نا اللہ سے کہہ دیا جائے کہ آپ مدد کریں' مجھ سے تو نہیں ہو رہا۔ تو کیا وہ نہیں کرے گا مدد؟ میں ایک بہت پریکٹیکل انسان ہوں۔ میں اس بات پہ یقین رکھتی ہوں کہ اللہ انسان کو سارے وسائل دے دیتا ہے مگر انسانوں کو اس سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ خود زمین پہ آ کر ہمارے کام جادوئی طاقت سے سنوار دے گا۔ اس نے آپ کو یہ عقل دی ہے سو یہ اس کی بہترین مخلوق کی توہین ہے کہ اس کو ہر شے پلیٹ میں دی جائے۔ جیسے رزق کمانے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ ویسے ہی اپنے دل کو زندہ کرنے کے لئے بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ یوں گلٹ اور ڈپریشن لے کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہو گا۔"

لکھ لکھ کر وہ اب تھک چکی تھی مگر جوش اور عزم ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ اس نے اگلی آیت آن لائن قرآن سے کاپی پیسٹ کی اور پھر اس کو زیرِ لب پڑھا۔

"بھلا کس نے بنایا زمین کو قرار گاہ

اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں

اور اس کے لئے پہاڑ بنائے

اور بنائی دو سمندروں کے درمیان آڑ

کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے بلکہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں۔"

"اچھا لگتا ہے آپ کی بیان کی گئی مثالیں پڑھنا اللہ تعالیٰ۔" وہ زیرِ لب مسکراتی ہوئی ٹائپ کئے جا رہی تھی۔ بھوری آنکھیں کی بورڈ پہ جھکی تھیں۔ "کبھی تو یہ زمین' آسمان' پہاڑوں اور سمندروں کی مثالیں لگتی ہیں' اور کبھی انسانوں کی۔ کچھ انسان زمین جیسے ہوتے ہیں۔ اتنا بوجھ اٹھا کر بھی قرار و سکون میں ہوتے ہیں۔ ہلتے نہیں' ٹوٹتے نہیں۔ کچھ نہروں جیسے ہوتے ہیں' سب کو سیراب کرتے ہیں' فائدہ پہنچاتے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ کچھ پہاڑوں جیسے ہوتے ہیں۔ مضبوطی سے اکڑ کر سر اٹھائے کھڑے ہوتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اپنا بوجھ تو کسی اور پہ... ایک پرسکون زمین پہ... ڈالے ہوئے ہیں۔ خود تو قرآن کا بوجھ بھی نہ اٹھا سکتے تھے۔ اور کچھ سمندر کے پانی جیسے ہوتے ہیں۔ کڑوا اور میٹھا پانی سمندر میں کتنی ہی جگہوں پہ ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے مگر دونوں کے درمیان آڑ ہوتی ہے۔ گوگل کرو تو کتنی ہی تصویریں نکل آتی ہیں جہاں پانی بھی پانی سے مل نہیں سکتا۔ دونوں کا رنگ فرق ہے' ذائقہ فرق ہے مگر ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ایک اچھا ہے ایک برا' دونوں دشمن ہیں مگر ایک سمندر میں رہتے ہوئے ان کو ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ جس دن یہ آڑ ٹوٹی' سمندر میں طوفان برپا ہو جائے گا۔ ہر طرح کے لوگ دیکھ کر جاننے والے واقعی کہہ اٹھتے ہیں کہ اللہ کے سوال کون ان کو بنا سکتا تھا؟ اور اللہ کے سوا کس کے سامنے ان سب کو جھکنا چاہیے؟"

اب کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے مسکرا کر اپنے لکھے الفاظ کو دیکھا۔ اگر وہ پڑھے گا تو وہ بھی اچھا محسوس کرے گا کیونکہ قرآن کا

پڑھنا پڑھانا تو عطر بیچنے والے جیسا ہوتا ہے۔ دوسروں کو عطر کی شیشیاں تھماتے تھماتے چند قطرے دکاندار کے اپنے ہاتھوں پہ بھی لگ جاتے ہیں اور وہ خود بھی معطر ہو جاتا ہے' چاہے آخر میں اس کے پاس ایک شیشی بھی نہ بچے۔

اور زمر کو اتنے سال بعد اپنے کمرے سے خوشبو آنے لگی تھی۔ آج وہ واقعی میں خوش تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کل تاریخ یقیناً خود کو دہرائے گی

آج کے اک اک منظر کو پہچان میں رکھنا

وہ صبح جب قصر کاردار پہ اتری تو آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مغرور انسانوں کی طرح وہ صرف دیکھنے میں وزنی لگتے تھے' اندر سے کھوکھلے تھے۔ گرج رہے تھے مگر خیر و برکت کے قطرے برسانے والے نہیں لگتے تھے۔

اونچے ستونوں والے برآمدے کے سامنے سبزہ زار پہ کار آرکی اور ڈرائیور نے جھٹ سے دروازہ کھولا۔ پچھلی سیٹ سے علیشا باہر نکلی۔ اس کے سیاہ بال کندھوں تک آتے تھے' گرے ٹاپ کے گریبان پہ سن گلاسز اٹکی تھیں' اور ماتھے کے اوپر ہیئر بینڈ سے بال پیچھے کر رکھے تھے۔ سرمئی آنکھیں اٹھا کر اس نے برآمدے میں کھڑی جواہرات کو دیکھا جو نک سک سے تیار' چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

علیشا نے تھوک نگلا اور جی کڑا کر کے برآمدے کے زینے پہ چڑھنے لگی' یہاں تک کہ وہ جواہرات سے دو زینے نیچے رہ گئی۔

''آپ نے مجھے بلوایا؟ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟''

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ تحکم سے کہتی مڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ علیشا نے ایک نظر آس پاس ہاتھ باندھے کھڑے ملازموں پہ ڈالی پھر اس کے پیچھے ہولی۔

''یہ میرے والد کی تصویر ہے۔'' لاؤنج کی ایک دیوار کے قریب رک کر جواہرات نے چتون سے اشارہ کیا۔ وہ ہنوز سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے تھی اور بھورے بال ڈھیلے جوڑے میں بندھے' گردن کی پشت پہ پڑے تھے۔ ''اور یہ میرے دادا کی۔ یہ میرے کزنز ہیں۔ یہ میری والدہ کی فیملی ہے۔'' وہ مختلف تصاویر کے اوپر نگاہ دوڑاتے کہہ رہی تھی۔

''یہ سب خاندانی تھے۔ اپنے علاقوں کے رئیس تھے۔ سیاسی اکابرین تھے۔ عزت دار لوگ تھے۔ مگر اورنگزیب ....'' اب کے وہ پلٹ کر علیشا کو دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں وہی سرد مہری تھی۔ علیشا خاموشی سے سنے گئی۔ ''اورنگزیب ان کی طرح رئیس تھا نہ دولت مند' مگر وہ خاندانی تھا۔ عزت دار تھا۔ اسی لئے اس کو میں نے اپنے لئے منتخب کیا۔ اس کو دو بیٹے دیے۔ خاندانی اور با اثر بیٹے۔ ہمارے سارے خاندان میں... سات نسلوں میں....'' انگلی گھما کر اشارہ کیا۔ ''کوئی اتنا نجس' غیر خاندانی اور غلیظ نہیں ہے جتنی کہ تم!''

''مسز کاردار!'' علیشا کی آنکھوں میں سرخ لکیریں ابھریں۔ آواز کانپی۔

''آواز نیچی رکھو۔'' وہ جواباً اتنے زور سے غرائی کہ علیشا بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹی۔ ''تم میرے سامنے کھڑی ہو اور میں.... میں.... یہاں

کی... ملکہ ہوں! اگر تمہیں رہنا ہے اس گھر میں تو تم میرے متعین کیے طریقے سے رہو گی۔ یہ مت سمجھنا کہ میرا بے وقوف بیٹا تمہاری مدد کو آئے گا۔ ہاشم کی پیشکش پہ حامی بھرنے کا ارادہ ظاہر کر کے تم نے نوشیرواں کی حمایت کھو دی ہے۔ وہ تمہارے اپارٹمنٹ کا مزید کرایہ نہیں بھرے گا۔ اور ایسی شکل نہ بناؤ۔ میں نے آفس میں رپورٹ کرنے والے بہت سے پرندے پال رکھے ہیں۔"

علیشا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تم نیچے والے سرونٹ رومز میں سے ایک میں رہو گی۔ ان شیئرز کو تم بیچ نہیں سکتی اس لیے تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر اس شہر میں رہنا ہے اور ان شیئرز کا منافع وصول کرتے رہنا ہے تو...." ابرو سے دور کھڑی میری کو اشارہ کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی۔ "تو میری کے ساتھ جاؤ اور اپنا کمرہ دیکھ لو۔"

علیشا نے ایک بے بس نگاہ میری کے اوپر ڈالی' اور پھر اس کے ساتھ خاموشی سے چل دی۔

"ملکہ سے ٹکر نہیں لینی چاہیے علیشا!" جواہرات نے پیچھے سے پکارا تھا۔ میری اینجیو نے اس بات پہ گردن ذرا موڑ کر لاؤنج کے پودوں پہ اسپرے کرتی فیونا کو دیکھا جو اندر تک کلس گئی تھی۔ "کیونکہ شطرنج کی بساط پہ صرف ملکہ ہوتی ہے جو جب چاہے' جتنی چاہے چالیں چل سکتی ہے۔" علیشا مڑی اور ایک نظر اسے دیکھا۔

"مگر شہہ مات صرف بادشاہ کر سکتا ہے مسز کاردار' اور ملکہ سب سے بڑی چالباز تو بن سکتی ہے' مگر وہ بادشاہ نہیں بن سکتی۔" اور مڑ گئی۔

"میں اپارٹمنٹ سے اپنا سامان لے آؤں۔" میری کے ساتھ جانے کی بجائے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جواہرات کی چبھتی ہوئی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد' اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی وہ موبائل پہ ایک نمبر ملا کر فون کان سے لگائے' اپنا سامان اکٹھا کر رہی تھی۔

"ہیلو... مسز ندرت... میں علیشا بات کر رہی ہوں۔ جی میں ٹھیک ہوں۔ میں نے مسز زمر سے بات کی تھی مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا' میں حنین سے ملنا چاہتی ہوں مگر وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی۔ کیا آپ میرے اور اپنے درمیان یہ بات رکھیں گی اگر میں آپ سے کہوں مجھے آپ کی مدد چاہیے۔" ذرا دیر کو ٹھہر کر بات سنتے وہ اپنے کپڑے بیگ میں اڑس رہی تھی۔

"مجھے اپنا Ants everafter والا کی چین واپس چاہیے۔ کیا حنین اور زمر کے علم میں لائے بغیر آپ مجھے وہ دے سکتی ہیں؟ میں وعدہ کرتی ہوں دوبارہ آپ کو یا آپ کی بیٹی کو تنگ نہیں کروں گی۔" وہ بہت منت سے کہہ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگر پڑ جائے عادت آپ اپنے ساتھ رہنے کی

یہ ساتھ ایسا ہے کہ انسان کو تنہا نہیں کرتا

کینڈی کی اس کافی شاپ کے کچن میں سعدی کھڑے کھڑے کاؤنٹر پہ جھکا لیپ ٹاپ کی اسکرین دیکھ رہا تھا۔ جو وہ پڑھ رہا تھا وہ خوش کن

بھی تھا اور ادا س کرنے والا بھی۔ اس نے سورۃ شروع کی تھی' کوئی اور اسے مکمل کر رہا تھا۔ قرآن انسانوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ انسان محتاج ہوتے ہیں۔ آپ نہیں کریں گے تو کوئی اور آ جائے گا۔ دین کا کام ہوتا رہے گا۔ اس کا جیسے دل زخمی ہو گیا تھا مگر مسکرانے کا دل چاہ رہا تھا۔

پھر اسکرین فولڈ کر کے وہ اٹھا تو مونچو کے رونے کی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑا اور مستطیل کچن سے باہر آیا۔

باہر بوڑھا روپا سنگھی کیش کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا اپنے موبائل پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ایڈوانس کی رقم ابھی تک اسے موصول نہیں ہوئی تھی۔ وہ ناخوش اور بے چین لگ رہا تھا۔ نگاہ اٹھا کر سعدی کو دیکھا جو باہر آ رہا تھا' جہاں کامنی کھڑی غصے سے مونچو کو جھڑک رہی تھی اور وہ مٹھی سے آنسو پونچھتا' ہچکچا رہا تھا۔ ساتھ ہی دو خوبصورت کانچ کے پیالے نیچے چکنا چور ہوئے بکھرے تھے۔ کامنی غصے سے اسے سنہالی میں کچھ ایسا کہہ رہی تھی جو ندرت برتن ٹوٹنے پہ اسے کہا کرتی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' سعدی رسان سے پوچھتا آگے آیا۔ کامنی خفگی سے اس کی طرف مڑی۔

''یہ لڑکا کبھی نہیں دیکھ کر چلتا۔ میرے نئے پیالے توڑ دیے۔'' وہ صدمے میں تھی۔

''پیالے مونچو سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھے کامنی۔'' وہ نرمی سے کہتا آگے آیا اور پنجوں کے بل مونچو کے سامنے بیٹھا' اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔ بوڑھا روپا سنگھی آگے ہو کر دیکھنے لگا۔ کچھ تشویش' کچھ اچنبھے سے۔

''صرف ان دو پیالوں کے لئے تم اتنے پیارے مونچو کو ڈانٹ رہی ہو؟'' مونچو اب اپنے ہاتھ چھڑاتا' سر جھکائے زور زور سے سسکنے لگا تھا' مگر سعدی نے اس کے ہاتھ نہیں چھوڑے۔

''کیا تھا جو یہ دیکھ کر چل لیتا۔''

''کامنی!'' اس نے نظریں اٹھا کر سنہالی عورت کو دیکھا۔ ''یہ برتن اسی وقت' اسی لمحے ٹوٹنے ہی تھے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ یہ میری قسمت تھی کہ.....''

''نہیں' یہ ان برتنوں کی 'عمر' تھی جو ختم ہو گئی تھی۔'' پھر مونچو کی طرف مڑا۔ ''ہر چیز کی عمر ہوتی ہے' جب وہ عمر ختم ہو جاتی ہے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ سو برتن ٹوٹنے کا غم نہیں کرتے مونچو۔ یقین کرو اگر تم سے نہ ٹوٹتا یہ پیالہ تو تمہاری اس چڑیل جیسی ماں سے ٹوٹ جاتا۔''

مونچو آنسوؤں کے درمیان ہنس پڑا۔ روپا سنگھی بھی آگے ہو کر یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ کامنی کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ مسکرا دی۔ تب سعدی کھڑا ہوا۔ مونچو ننھی ننھی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتا باہر کو بھاگ گیا تب وہ کامنی سے بولا۔ ''میرا بھی باپ نہیں تھا۔ ہم بغیر باپ کے بڑے ہوئے تھے۔ بن باپ کے بچے کو سب کے سامنے نہ ڈانٹا کرو۔ وہ دلاسے کے لیے کس کے پاس جائے گا؟ اپنے بچوں کو شروع سے ہی اتنا تنہا نہیں کرنا چاہیے!'' وہ نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔ روپا سنگھی کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکنے لگا۔ وہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ پھر کتنی ہی دیر بعد وہ کچن میں آیا۔

''سنو!'' سعدی دوبارہ لیپ ٹاپ اسکرین کھول کر بیٹھا تھا جب مضطرب اور بے چین سا روپا سنگھی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''تم چلے

جاؤ۔" سعدی نے گہری سانس لی۔

"سر میں بہت جلد چلا جاؤں گا' آپ لوگوں کے لئے مسئلہ نہیں...."

"میں نے پوسٹر والے نمبر پہ کال کر دی تھی۔ وہ آ جائیں گے۔ انہوں نے میری لوکیشن بھی ٹریس کر لی ہوگی۔ پیسے نہیں بھیجیں گے وہ۔ تم... تم بھاگ جاؤ۔" وہ آنسو ضبط کیے جلدی جلدی بول رہا تھا اور سعدی یوسف کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زمین پیروں سے کتنی بار دن میں نکلتی ہے

میں ایسے حادثوں پہ دل مگر چھوٹا نہیں کرتا

قصرِ کاردار کے لاؤنج میں علیشا اپنا ٹرالی بیگ خود گھسیٹتی خاموشی سے میری کے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔ ڈائننگ ہال میں سربراہی کرسی پہ بیٹھی جوس کے گھونٹ بھرتی جواہرات نے ایک نظر اسے دیکھا' اور پھر سر جھٹک کر مصروف ہو گئی۔ احمر اس کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا اسے ایک پریزینٹیشن دکھا رہا تھا۔ علیشا کو دیکھ کر اس نے ہولے سے سرگوشی کی۔

"اس لڑکی کو یہاں کیوں رہنے دیا آپ نے؟"

"تاکہ میرے دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اس وقت اس کو اپنی نگرانی میں رکھنا ضروری ہے۔" احمر سر ہلا کر رہ گیا۔

اسی لمحے لاؤنج کا مرکزی دروازہ کھلا اور ہاشم نمودار ہوا۔ آستین کہنیوں تک موڑے' گریبان کا ایک بٹن کھلا تھا' کوٹ بازو پہ ڈالا ہوا تھا' چہرے پہ قدرے نقاہت تھی۔ ملازم ساتھ آ رہے تھے' اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو گویا واپس پلٹنے کا کہا۔ چند قدم آگے آیا تو جواہرات تیزی سے ڈائننگ ہال سے ادھر آتی دکھائی دی۔ چہرے پہ تشویش تھی۔ احمر وہیں بیٹھا رہا۔

"ہاشم' تمہیں ابھی ہاسپٹل میں رہنا چاہیے تھا۔ تم نے منع کر دیا ورنہ میں آ جاتی۔" اس نے ہاشم کا بازو تھامنا چاہا مگر اس نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور ایک برہم نظر اس پہ ڈالی۔ "میرے کاروبار کو اتنا بڑا دھچکا دینے کے بعد مجھ سے مخاطب بھی کیسے ہو سکتی ہیں آپ۔ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔"

جواہرات نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ آنکھوں میں خفگی اتری۔ "یہ ہم سب کا کاروبار ہے۔"

"نہیں ہے یہ ہم سب کا کاروبار۔" وہ غرایا تھا۔ "جب میرے باپ کو اپنی سیاست اور آپ کو اپنی بیوٹی ٹریٹمنٹس سے فرصت نہیں تھی تو میں تھا جو اپنا خون جلا کر اس کاروبار کو پھیلا رہا تھا۔ یہ سب... میرا کمایا ہوا ہے۔" سینے پہ انگلی سے دستک دے کر سختی سے بولا تھا۔ "میں نہ ہوں تو آپ دونوں سڑک پہ آ جائیں۔ مگر آپ... آپ نے میرا سوچے بغیر صرف اس بے غیرت آدمی کے لئے غلط لوگوں سے دشمنی مول لی۔ اس وقت میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"اوہ ڈونٹ یو ڈیئر!" وہ سرخ چہرے کے ساتھ غرائی تھی۔ "تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں کس کرب سے گزر رہی ہوں۔ تم دونوں کے

لئے... تم دونوں کے لئے کیا کیا کر چکی ہوں میں، تم احساس بھی نہیں کر سکتے۔"

"واٹ ایور!" وہ ہوا میں ہاتھ کو جھٹک کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات پیر پٹختی واپس مڑ گئی۔ احمر نے سر جھکا دیا۔ اس نے ساری باتیں سن تھیں۔

نوشیرواں اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا تیار ہو رہا تھا جب ہاشم اس کے دروازے کے باہر رکا۔ شیرو نے ذرا کی ذرا اسے دیکھا، پھر برش اٹھا کر بال سنوارنے لگا۔ ماتھے پہ خواہ مخواہ کے بل بھی ڈال لیے۔

"میں رات ہسپتال میں تھا۔" وہ سرد لہجے میں گویا ہوا، مگر اس میں بھی آنچ تھی۔ شیرو کا برش کرتا ہاتھ رکا، پھر دوبارہ چلنے لگا۔

"معلوم ہے۔ جب آپ کی سیکرٹری نے بتایا کہ آپ کو ہارٹ اٹیک ہو رہا ہے تو جانتا تھا میں، یہ بھی کوئی نیا جھوٹ ہوگا۔ اور وہ کیا نکلا؟ صرف anxiety attack۔ آپ لوگ تو بیماری میں بھی اپنا "سچ" نہیں چھوڑتے۔" تلخی سے وہ بولا تھا۔ "جب مجھے پٹوایا تھا اس لڑکے سے تو میں بھی ہسپتال داخل رہا تھا۔ آپ مجھے تب دیکھنے آئے ہوتے تو میں بھی کل آ جاتا شاید۔"

"وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔ کبھی بھی نہیں۔ میں نے اسے روح پہ زخم دیے تھے۔ اس کے اپنوں کو قتل کروایا تھا، مگر وہ میرے پیچھے نہیں آئے گا۔" اس کی بات کا اثر لئے بغیر ہاشم سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔ شیرو بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"وہ... نوشیرواں... تمہارے پیچھے آئے گا۔"

نوشیرواں کا خون اس کی رگوں میں جم گیا۔ وہ یک ٹک ہاشم کو دیکھے گیا۔

"اور اب تم جتنا پچھتا لو... اور میں جانتا ہوں کہ تم پچھتاتے ہو... مگر اب اس کا فائدہ نہیں ہے۔ وہ ایک دن تمہارے پیچھے آئے گا۔ وہ تمہیں گھسیٹے گا... یا انتقام کے لئے یا انصاف کے لئے... اور اس دن نوشیرواں..." انگلی اٹھا کر اس نے تنبیہہ کی۔ "اس دن تمہیں میری قدر ہو گی۔ اس دن تم جانو گے کہ جب میں کہتا ہوں، ہاشم سنبھال لے گا تو ہاشم کیسے سنبھالتا ہے۔ اور اس دن تم چاہو گے کہ میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں اور میں...." وہ سانس لینے کو رکا۔ نوشیرواں کا بھی سانس رکا۔ اسے لگا اب ہاشم کبھی اس کا ساتھ نہیں دے گا۔

"اور میں اس دن تمہارے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ کیونکہ میں تمہارا بھائی ہوں۔"

وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا اور نوشیرواں پہ کسی نے ٹھنڈا پانی ڈال دیا تھا۔ وہ زرد چہرے کے ساتھ ساکت و جامد کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بہت ہوشیار ہوں اپنی لڑائی آپ لڑتا ہوں

میں دل کی بات مگر دیوار پہ لکھا نہیں کرتا

وہ کافی شاپ کے اوپر "شفیع احمر" کے لئے مختص کمرے میں روپا سنگھی کے سامنے کھڑا تھا اور بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہا تھا۔ "اگر مجھ سے اتنی شکایت تھی تو مجھے کہا ہوتا، میں چلا جاتا۔ مگر ان لوگوں کو بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر انہوں نے مجھے جان سے مار دیا تو میرا خون

آپ کے ہاتھ پہ ہوگا۔"

"تم ہو کون جس پہ میں اعتبار کرتا؟ اس پوسٹر کے مطابق تم تامل جاسوس ہو۔ یہ میرا فرض تھا ایک فوجی ہونے کے ناطے کہ میں تمہاری رپورٹ کرتا۔" وہ کچھ پشیمان' کچھ بپھرا ہوا تھا۔

"بس کرو مسٹر روپا سنگھی۔" سعدی نے اکتا کر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ "تم نے یہ صرف انعام کی رقم لے لئے کیا ہے۔" بوڑھا مزید طیش کے عالم میں کچھ اور بھی کہتا مگر دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا اور کامنی استفہامیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھتی اندر داخل ہوئی۔

"باہر کوئی تم سے ملنے آیا ہے شفیع۔ وہ تمہاری تصویر دکھا کر پوچھ رہا ہے تمہارا۔" پھر باپ کو دیکھا۔ "آپ کیوں لڑ رہے ہیں اس سے؟"

سعدی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ "پلیز اس کو میرا نہ بتانا۔ وہ مجھے ڈھونڈنے آنے والوں میں سے ہے....."

کامنی مطمئن نہیں تھی مگر وہ واپس نیچے اتر گئی۔ کافی شاپ کے ہال میں آئی تو دیکھا' وہ کاؤنٹر کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سیاہ رنگت' حبشی صورت اور سفید چمکتے دانت۔

"جی؟" وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"میں اس نئے لڑکے سے ملنا چاہتا ہوں جو سنا ہے جادوئی کرتب دکھاتا ہے۔"

"ہاں وہ بہت امیزنگ ہے۔ آپ اس سے مل کر بہت محظوظ ہوں گے۔ ابھی وہ باہر گیا ہے' کراکری شاپ تک۔ یہ تین بلاک چھوڑ کر۔ جیسے ہی آتا ہے میں آپ کو ملواتی ہوں۔ کچھ آرڈر کریں گے آپ؟" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"نہیں۔" فصیح کھڑا ہو گیا۔ "کس شاپ تک گیا ہے وہ؟ پتہ سمجھا دیں گی آپ مجھے؟" اس کو پتہ سمجھا کر وہاں سے بھیج کر کامنی اوپر آئی تو وہ دونوں ابھی تک لڑ رہے تھے۔ سعدی کا بیگ اس کے کندھے پہ تھا۔

"وہ چلا گیا ہے۔ اب مجھے بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"میں بتاتا ہوں۔" روپا سنگھی ڈانٹ اور مایوسی سے بپھر کر بولا۔ "یہ لڑکا فراڈ ہے۔ تامل جاسوس ہے۔ کولمبو میں اس کی شکل کے most wanted پوسٹر لگے ہیں۔ یہ ہمیں بھی دھوکہ دے رہا تھا۔"

کامنی نے ناسمجھی سے سعدی کو دیکھا۔ وہ بالکل چپ ہو گیا تھا۔

"نہیں پاپا' اس کی گرل فرینڈ کی فیملی امیر ہے تو وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں اور....."

"کوئی لڑکی نہیں ہے کامنی۔ اس کی کوئی لو اسٹوری نہیں ہے۔ یہ دہشت گرد ہے۔"

"میں دہشت گرد نہیں ہوں۔" وہ تیزی سے بولا۔

"مگر تم ایک قاتل ہو۔ میرے ایسوسی ایٹ کو زہریلے چین سے ہلاک کر کے بھاگنے والے قاتل ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں' سعدی یوسف؟"

بوٹ کی ٹھوکر سے دروازہ کھول کر..... فصیح کا سیاہ چہرہ چوکھٹ میں نمودار ہوا۔ کامنی ایک دم ڈر کر پیچھے ہٹی۔ روپا سنگھی کا رنگ اڑ گیا۔ سعدی نے پتھرائے ہوئے سنجیدہ چہرے کے ساتھ ایک دم پستول نکال کر دونوں بازو لمبے کئے اس پہ تان لیا۔

''کیا اس نے آپ لوگوں کو اپنا صحیح نام بھی نہیں بتایا؟'' فصیح نے چوکھٹ میں کھڑے مسکرا کر پوچھا تھا۔ کامنی نے ایک نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نظر میں سب کچھ تھا۔ صدمہ، بے اعتباری یقین ٹوٹنے کا دکھ۔ مگر سعدی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ پستول تانے، نظریں فصیح پہ گاڑھے ہوئے تھا۔

''پیچھے ہٹ جاؤ فصیح' ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔''

''نہیں' تم اگلے ہی لمحے پستول نیچے کر دو گے جب تم یہ دیکھو گے۔'' کہنے کے ساتھ فصیح' جو چوکھٹ سے لگ کر کھڑا تھا' ذرا بائیں طرف کو ہوا اور.... اپنے دائیں ہاتھ سے کسی کو کھینچ کر اپنی ٹانگ کے ساتھ لا کھڑا کیا۔ ذرا سہما سا مونچو۔ جس کے منہ پہ ڈکٹ ٹیپ بندھی تھی اور ہاتھ بھی کمر پہ ٹیپ سے بندھے تھے۔ آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر گال پہ لڑھک رہے تھے۔ کامنی کی بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ روپا سنگھی بھی چلایا تھا۔ ''وہ بچہ ہے' اس کو چھوڑ دو۔ یہ میرا انوا سا ہے۔ تمہیں خبر دینے والا میں تھا۔''

فصیح نے کچھ نہیں کہا۔ اس کا پستول بچے کے سر پہ تھا۔ سعدی نے ایک لفظ کہے بنا پستول زمین پہ ڈال دیا۔

''بچے کو چھوڑ دو۔''

''پہلے تم یہ پہنو۔'' اس نے ہتھکڑی کے دو باہم جڑے کڑے میز پہ ڈالے۔ ادھر روپا سنگھی مسلسل اسے بچے کو چھوڑنے کا کہہ رہا تھا۔ کامنی کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر چہرے پہ لڑھکتے گئے۔ وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''اوکے!'' سعدی چند قدم آگے آیا' کامنی کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ ''تمہارے بچے کو کچھ نہیں ہوگا۔'' مگر اس نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تو اس نے خاموشی سے ہتھکڑی اٹھائی' اور اپنے ہاتھ کو پیچھے کو باندھ کر ہتھکڑی پہن کر کلک کی آواز سے بند کر دی۔

''اب میرے آگے چلو۔'' فصیح نے کہتے ہوئے اپنا کوٹ اتارا اور سعدی کے کندھوں پہ ڈال دیا۔ اب اسے دیکھنے پہ یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ اس کے ہاتھ پیچھے کو بندھے ہیں۔

فصیح بچے کو اپنے ساتھ گھسیٹے' سعدی کو آگے چلائے' سیڑھیاں اتر کر شاپ کی پچھلی سمت سے باہر نکلا۔ بچے کو اس نے سیڑھیوں کے دہانے پہ چھوڑ دیا اور خود سعدی کے پیچھے چلتے ہوئے اسے مسلسل ''سیدھا چلو' اب دائیں مڑو'' کہتا آگے چلاتا گیا۔ سعدی کندھوں پہ لمبا کوٹ ڈالے' سنجیدہ چہرے کے ساتھ چلتا گیا۔

صبح کے وقت گلیوں میں رش تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ہر شخص اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔ کسی دوسرے کی فکر نہیں۔ ایسے میں وہ خاموشی سے فصیح کے آگے چلتا جا رہا تھا۔ وہ بھاگتا تو فصیح سائلنسر لگے پستول سے اسے گولی مار دیتا وہ جانتا تھا۔

ایک جگہ سڑک کنارے چلتے چلتے فصیح نے اسے پہاڑی سے اتر جانے کی ہدایت دی۔

"تم مجھے کسی ویران جگہ پہ لے جانا چاہتے ہو تا کہ مجھے مار سکو۔ اوکے۔" وہ سر کو خم دیتا' جوگرز ڈھلان پہ رکھتا نیچے اترنے لگا۔

"بکواس نہیں کرو۔ چپ چاپ اترو۔" وہ گرج کر بولا۔

"سزائے موت کے مجرم سے بھی اس کی آخری خواہش پوچھی جاتی ہے۔ مجھ سے نہیں پوچھو گے۔ میں جانتا ہوں ابھی واپس جا کر تم کامنی کے خاندان کو بھی مار دو گے۔"

"اس کا انتظام میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔" سعدی چونکا مگر فصیح نے پیچھے سے پستول کا ٹہوکا دیا تو وہ آگے چلنے لگا۔

وہ دونوں چلتے چلتے ایک پہاڑی گھاٹی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چائے کے باغات کی سوندھی مہک یہاں بھی محسوس ہوتی تھی۔ اوپر آسمان پہ مطلع صاف تھا۔ پھر بھی چھایا سی تھی۔ سورج کسی اوٹ میں تھا۔ اس پہاڑی گھاٹی میں ایک جگہ فصیح نے اسے رک جانے کو کہا۔

"یہاں گھٹنوں کے بل بیٹھو۔"

"تا کہ تم میری گردن اتار سکو۔ صحیح!" وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھ گیا۔ کندھوں پہ کوٹ ڈالا تھا' ہاتھ پیچھے کو بندھے تھے۔ گردن موڑ کر اس نے فصیح کو دیکھا تو چہرے پہ سکون تھا۔ "میں موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر کامنی کے خاندان کے لیے کیا انتظام کیا ہے تم نے؟ بتا دو!"

فصیح اب پستول اس پہ تانے' اس کی پیشانی کا نشانہ لئے' سامنے آ کھڑا ہوا۔

"وہ میرا اور تمہارا چہرہ دیکھ چکے ہیں۔ اس کافی شاپ کے ہر شخص کی موت کے ذمہ دار تم ہو۔"

"کیا کیا ہے تم نے؟" سعدی کا دل زور سے دھڑکا۔ "کیا تم نے ان کی شاپ میں کوئی بم وغیرہ فٹ کیا ہے؟"

"میں اتنے پیچیدہ چکروں میں نہیں پڑا کرتا۔ کچن میں داخل ہو کر میں نے دودھ کے ابلتے دیگچے میں دو گھونٹ جتنا بے ذائقہ زہر ملایا تھا۔" پھر اس نے جیسے سوچنے کی اداکاری کی۔ "اسی دودھ سے ابھی سب کی کافی بنے گی' چائے بنے گی' بچہ بھی وہی دودھ پئے گا۔ چچ چچ بے چارے۔" سعدی نے لب بھینچ لیے۔

"دیکھو تمہیں مجھے مارنا ہے تو مار دو مگر مجھے ایک دفعہ ان کو کال کر کے بتانے دو کہ دودھ زہریلا ہے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔ ان کے ساتھ ایسا نہ کرو۔"

"سوری.... یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ پستول پھر سے اس پہ تان کر ایک آنکھ بند کیے نشانہ لیے ہوئے تھا۔ "اگر کسی صورت میں انہوں نے دودھ ضائع کر دیا تب بھی میں جا کر ایک ایک کو حادثاتی موت کا شکار کر ہی دوں گا کیونکہ وہ سب میرا چہرہ دیکھ چکے ہیں۔"

سعدی نے سر جھکایا اور گہری سانس لی "یعنی فصیح' مجھے تمہیں روکنے کا مستقل انتظام کرنا ہو گا؟"

"تم مجھے باتوں میں الجھانا چاہتے ہو؟" اس نے کہنے کے ساتھ پستول سعدی کی پیشانی پہ رکھا۔ ٹھنڈی نال اس کی جلد سے جیسے ہی ٹکرائی' اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

"کلمہ پڑھ لو۔" فصیح نے غرا کر کہا۔ سعدی نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم بھی!'' اور اگلے ہی لمحے سعدی نے کوٹ سے ہاتھ نکال کر اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ کر مروڑا... ایک سیکنڈ کا عمل تھا اور وہ بجلی کی رفتار سے اٹھ کر فصیح کو گردن سے دبوچ چکا تھا۔

فصیح تڑا تڑ ٹریگر دباتا گیا' گولیاں سامنے فضا میں گم ہوتی گئیں مگر سعدی اس کی پشت پہ آ کھڑا ہوا تھا اور اپنے بازو کے شکنجے میں اس کی گردن لے لی تھی۔ فصیح اس کے بازوؤں کے نرغے میں پھڑ پھڑاتا' مسلسل زور لگاتا پستول کا رخ پیچھے کو موڑنے لگا' مگر اس سے پہلے کہ وہ پیچھے کی طرف گولی چلا سکتا' سعدی یوسف نے اپنی آنکھیں بند کئے' زور سے اس کی گردن کو جھٹکا دیا۔

فصیح کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ زندگی کی ڈور بھی ٹوٹ گئی۔ اس نے ہچکی کی سی صورت آخری سانس لی۔ اور پھر... گردن ڈھلک گئی۔

سعدی نے اپنے بازو ہٹا دیے۔ فصیح کی لاش زمین پہ جا گری۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' اور ان میں کوئی تاثر نہ تھا۔ تاثر تو سعدی کی آنکھوں میں بھی نہ تھا۔ وہ سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ پیر کی ٹھوکر سے اس کی لاش کو پرے کرتا گیا یہاں تک کہ لاش پہاڑی کے دہانے پہ آ رکی۔ سعدی نے ایک اور ٹھوکر ماری' اور لاش نیچے لڑھک گئی۔ خاردار جھاڑیوں بھری ڈھلان سے لاش نیچے گرتی چلی گئی۔ دور نیچے... اندھی کھائی میں۔

اس نے فصیح کا کوٹ بھی اچھال کر نیچے پھینکا' پھر اس کا موبائل اٹھا کر جیب میں ڈالا۔ اور دونوں ہاتھ جھاڑتا وہ اوپر ڈھلان پہ چڑھنے لگا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔ بے تاثر اور سرد۔ دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔

معرکے کی اس جگہ پہ کھلی ہوئی ہتھکڑی اور اس کے لاک میں ٹھسی سیاہ ہیئر پن زمین پہ گری پڑی تھی۔ یہ کامنی کی ہیئر پن تھی جو اس نے جاتے سمے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے وقت اتاری تھی۔ اور اس کو سارا راستہ کوٹ کے اندر چھپے ہاتھوں کی ہتھکڑی میں گھساتے وقت اس کے ذہن میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔ ''لاک کی چھ پنیں... ون... ٹو... تھری... فور... فائیو... سکس... اور کلک...''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یارب یہ کس نے ٹکڑے کیے روزِ حشر کے

مجھ کو تو گام گام پہ محشر نیا ملا

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ زمر تیاری کمرے سے باہر نکل رہی تھی' اور دوسرے ہاتھ سے گیلے گھنگریالے بال کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی جب ندرت نے اسے پکارا۔ وہ ہاتھ میں کفگیر لئے سامنے کھڑی تھیں۔ قدرے متفکر' قدرے متحیر۔

''مجھے علیشا کا فون آیا تھا۔ وہ جو حنین کی امریکی سہیلی ہے۔'' اور یہ تو طے تھا کہ یوسفز اب باتیں نہیں چھپائیں گے' سو وہ اسے تفصیل سے بتا رہی تھیں۔ وہ قدرے حیرت سے سنتی گئی۔

''آپ اسے کہیے گا وہ کی چین سعدی کے ساتھ کھو گیا تھا۔ باقی معاملہ میں دیکھ لوں گی۔'' اس کا فون بجنے لگا تو وہ اسے کان سے لگاتی اسی رفتار سے بولتی آگے آئی۔

"جی میں کل انہیں کسی ایک عزیز کی عیادت کے لئے چلی گئی تھی تو پھر آج..." زُک کراس نے کچھ سنا۔ پہلے آنکھوں میں حیرت ابھری' پھر شاک۔ "کیا مطلب انہوں نے ڈیل سائن کرلی؟ وہ میرے کلائنٹس تھے۔ ان کو کیسے پتہ تھا کہ میں نہیں آؤں گی؟ اوہ...." اور احساس انکشاف جیسا تھا۔ اس نے کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ "میں سمجھ گئی۔ انہیں ہاشم کاردار نے کہا ہوگا کہ زمر یوسف کو میں نے بے کار ڈاکومنٹس لکھوانے اپنے پاس روک رکھا ہے سو تم لوگ اس کے کلائنٹس کو خراب کردو۔ واؤ۔ اس آدمی کا دماغ ہسپتال کے بیڈ پہ بھی نہیں تخریب کاری سے خود کو باز نہیں رکھ سکتا' اور میں اس کی تیمارداری کررہی تھی۔" فون بند کرکے وہ خود کو کوس رہی تھی۔ چہرہ غصے میں سرخ ہورہا تھا۔

سامنے بیٹھی چائے کے مگ سے گھونٹ بھرتی حنین نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "اور آپ نے ہاشم سے انسانی ہمدردی کے تحت اتنا اچھا موقع گنوا دیا اس کی فائلز کاپی کرنے کا۔"

زمر چند لمحے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی' پھر تیزی سے اندر گئی اور ۔ واپس آئی تو حنہ کی فلیش ڈرائیو اس کے سامنے پٹخی۔

"میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اگر میں اس وقت ہاشم کی فائلز کاپی کرتی تو مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہوتا؟ اور یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا تمہیں اتنی چالباز لگتی ہوں کہ وہ زمین پہ گرا کراہ رہا ہوگا اور مجھے فائلز کی فکر ہوگی۔"

"تو؟" حنین نے کندھے جھٹکے۔

"تو یہ کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے فائلز کاپی نہیں کیں' میں نے تو صرف ایک سوال پوچھا تھا۔" حنین نے بے اختیار مگ والا ہاتھ نیچے کیا۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ زمر دونوں ہاتھ میز پہ رکھ کر اس کی طرف جھکی۔ "اور جواب یہ ہے کہ میں اتنی ہی چالباز ہوں' اور اگر اب میرے اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تو نہ سہی! مگر.... ہاشم کی ساری فائلز اس میں ہیں۔"

حنین نے بے یقینی سے فلیش کو دیکھا اور پھر اسے۔

"اس کا لیپ ٹاپ آن تھا' پاسورڈ کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس کے آفس میں کوئی سی سی ٹی وی بھی نہیں ہے جو کوئی مجھے اس ساری افراتفری میں یہ کرتے دیکھ سکتا۔ ساری فائلز بھی رات کو کھول کر دیکھ چکی ہوں۔ وارث غازی والی فائلز وہ کب کی ڈیلیٹ کرچکا ہے مگر.... اس کے علاوہ بھی بہت کچھ... سینکڑوں ڈاکومنٹس ہیں اس میں جو ہمارے کام آسکتے ہیں۔ انسانی ہمدردی ایک طرف حنین' میں... اتنی جلدی.... سب بھلانے والی نہیں ہوں۔" اور میز پہ ہاتھ مارا تھا۔ حسینہ نے ناشتہ بناتے مڑ کر اسے دیکھا۔ (یہ غصہ ہورہی ہے اور آگے سے حنین باجی خوش ہو رہی ہے۔ پاگل ہیں دونوں!)

حنین فرطِ مسرت سے اٹھی اور زمر کے دونوں ہاتھ تھام کر دبائے۔ "آپ.... آپ میری ملکہ ہیں۔" اور جھپٹ کر وہ فلیش اٹھا کر اندر بھاگی۔ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' مسکرا کر سر جھٹکتی وہ پرس اٹھائے' بال ٹھیک کرتی' بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

حنین اگلے دو گھنٹے ان فائلز میں محو ہوکر بیٹھی رہی۔ لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز (حسینہ سے بنوائے) آلو کے چپس کھاتی' وہ صفحات پہ صفحات آگے کرتی جارہی تھی۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ تبھی گھنٹی بجی۔

اس وقت گھر پہ ابا اور حنین کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ سیم اسکول، ندرت ریسٹورانٹ، زمر کورٹ۔ ملازم اپنے کوارٹر میں۔ وہ بادل نخواستہ اٹھی اور باہر آئی۔ پورچ سے ہی اسے گیٹ کے باہر کھڑا عمر نظر آ گیا تھا۔ وہ چہرے پہ نخوت لائے، چند قدم آگے آئی۔ "آ... السلام علیکم... پھپھو گھر پہ نہیں ہیں۔"

وہ اس کی طرف گھوما۔ گیٹ چھوٹا تھا۔ کندھوں سے اوپر وہ دکھائی دیتا تھا۔ ذرا سا مسکرایا۔ "میں آپ سے بات کرنے آیا تھا۔"

"جی!" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتی تھوڑا مزید آگے چل کر آئی، پھر رک گئی۔ گیٹ درمیان میں حائل تھا۔

"وہ کیا ہے، مس یوسف کہ کچھ دن سے کوئی مسلسل ہمارے یعنی کاردار کے سسٹم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا، یا پھر مجھے کہنا چاہیے، کر رہی تھی؟ (حنین کی رنگت سفید پڑی) تو میں نے سوچا کہ بنفس نفیس جا کر آپ کو.... حنین یوسف آپ کو ایک مہذب اور شائستہ سی وارننگ دے دوں کہ ایسی بچگانہ حرکتیں نہ کیا کریں۔ ہمارے سسٹم کی حفاظتی دیواروں کو آپ نہیں توڑ سکتیں، لیکن اگر آپ نے دوبارہ کوئی ایسی حرکت کی تو میں مجبور ہو جاؤں گا 'آپ کے بارے میں آپ کے گھر والوں کو بتانے پہ۔"

حنین بالکل شل سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔

"کیا آپ کی امی جانتی ہیں؟ اور آپ کے دادا؟ کہ آپ کی زندگی ایک جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ کا بورڈ میں ٹاپ کرنا بھی تو ایک جھوٹ تھا نا۔ آپ نے اوسی پی کو بلیک میل کیا تھا، میرے پاس آپ کی اور اوسی پی کی بیٹی کے پیغامات کے پرنٹ آؤٹ پڑے ہیں۔ تو اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے جھوٹوں سے پردہ نہ اٹھاؤں تو آئندہ میری ورک پلیس پہ مسئلے نہ کھڑے کیجیے گا۔ سنا آپ نے؟" رسان مگر تلخی سے کہہ کر اس نے گریبان میں اٹکی برانڈڈ گلاسز نکال کر آنکھوں پہ لگائیں اور کار کی چابی کے ریموٹ کا بٹن دباتا مڑ گیا۔ حنین کے حلق میں بہت سے آنسو پھنسے تھے مگر آنکھیں خشک تھیں.... وہ یک ٹک، ساکت پتھر بنی وہیں کھڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محسن ہمیں یہ سوچ کے کرنی پڑی پہل
شاید وہ شخص آج بھی قیدِ انا میں ہو

فوڈلی اینڈ آفنز کی بالائی منزل کے خالی ہال میں دھوپ اونچی کھڑکیوں سے چھن کر اندر گر رہی تھی۔ کونے والی میز پہ زمر بیٹھی، لیپ ٹاپ پہ انگلیاں رکھے، ٹائپ کرتی، وقفے وقفے سے گردن کو دائیں بائیں حرکت دیتی۔ تھکاوٹ سے پٹھے گویا اکڑنے لگے تھے۔ تبھی انٹرکام بجا۔ اس نے اٹھا کر مصروفیت سے پوچھا۔ "جی؟"

"مسز زمر!" نیچے ریسپشن والی لڑکی تھی۔ "ایک کلائنٹ ہیں آپ کے لیے۔" وہ ذرا رکی۔ "کہہ رہے ہیں کہ بیوی سے جھگڑا ہوا ہے، لیگل ایڈوائس لینی ہے۔"

"میں فیملی کورٹ میں پیش نہیں ہوتی۔" وہ بےزاری سے بولی، پھر سر جھٹکا۔ "اچھا بھیج دو۔" اور نظریں کی بورڈ پہ جھکائے ٹائپ کرنے لگی۔

چند ثانیے.... لمبے سرکے.... اور مدھم آہٹ سے دروازہ کھلا۔ زمر نے سر نہیں اٹھایا۔ اس کی انگلیاں ساکت ہوئیں۔ وہ اس کا پرفیوم پہچانتی تھی۔ اس سے سر نہیں اٹھایا گیا۔ وہ براؤن جوگرز فرش پہ رکھتا... قدم بقدم چلتا قریب آتا گیا۔ زمر کی جھکی آنکھیں جھکی رہیں، البتہ چہرے پہ بہت سے رنگ آکر غائب ہوئے۔ دل زور کا دھڑکا۔ وہ میز کے دہانے آرکا۔

''فیملی کورٹ میں پیش ہوں یا نہ ہوں، کسی بھی وقت فیملی کورٹ ضرور لگا لیتی ہیں آپ۔ جج جیوری اور جلاد بھی خود ہی بن جاتی ہیں۔'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھکا تو اس نے پلکیں اٹھائیں۔ نظریں ملیں۔ وہ ویسا ہی تھا۔ ویسے ہی بال، وہی گرے سوئیٹر، وہی مسکراتی سنہری آنکھیں۔ البتہ اس کو دیکھنا... اتنے دن بعد... کتنا اچھا لگا تھا۔ لمحے بھر کو اسے بھول گیا کہ ان کی آخری لڑائی کس بات پہ ہوئی تھی۔ بدقت اس نے چہرے پہ چھائی سنجیدگی برقرار رکھی۔ بدقت۔

''ادھر بیٹھ جاؤں یا یہ کرسی بھی آپ کی طرح کاٹتی ہے؟'' اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرا کر بولا تھا۔

''بیٹھئے۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔ کون سا لفظ لکھنا تھا، کون سا مٹانا تھا اب کہاں یاد رہنا تھا؟

وہ سامنے کرسی پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی، اور ٹیک لگا کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ زمر کو یاد آ ہی گیا کہ وہ کیوں ناراض تھی؟

''اکیلے ہی واپس آگئے؟ اپنی دوسری بیوی کو ساتھ نہیں لائے۔''

''تیسری!'' اس نے تصحیح کی۔

''اوہ ہاں تیسری!'' وہ ضبط سے بولی۔ ''مجھے بھول گیا تھا کہ تمہیں شادیاں کرنے اور بیویوں کو مارنے کا کتنا شوق ہے۔''

''شوق کا پھر کوئی مول تو نہیں ہوتا نا۔'' (وہ اندر تک جل گئی۔)

فارس سنجیدہ ہوا، اور خفگی سے اسے دیکھا۔ ''ایسا لگتا ہوں میں تمہیں کہ اسے یہاں لے آؤں گا؟'' زمر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کا مان بھرا انداز... دل چاہا ناراضی ختم کر دے کہ

''کیوں لاؤں گا اسے میں یہاں؟ تیسری بیوی کو تو الگ گھر لے کر دینا چاہیے نا۔''

چلو جی! اس کا سارا موڈ غارت ہو گیا۔ زور سے لیپ ٹاپ پرے کیا اور اس کو غصے سے دیکھا۔ ''یہاں کیوں آئے ہو؟''

''یہ دیکھنے کہ تمہیں واقعی پرواہ نہیں ہے کیا۔'' اب کہ وہ سنجیدہ تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''تم اس کے اپارٹمنٹ میں تھے۔ اس کے ساتھ۔'' اس کی آواز کانپی۔

''اتنے دن میں اتنا تو سوچ بچار کر کے ہی آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس نے وہ الفاظ آپ کو سنانے کے لئے جان کر کہے تھے۔''

وہ لمحے بھر کو رکا۔ زمر اسی طرح اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھے گئی۔

''تم اس بات پہ ناراض نہیں ہو زمر، بلکہ اس لیے ہو کہ میں نے تم سے سچائی چھپائی۔''

''ہاں میں اسی لئے ناراض ہوں۔'' اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ ''تم نے مجھ سے ہمیشہ جھوٹ بولا جبکہ میں نے تمہیں ہمیشہ سچ بتایا۔''

''ہاں مگر جب تمہیں ہاشم کی حقیقت پتہ چلی تو تم نے مجھے نہیں بتائی۔''

''میں تمہارے لئے فکرمند تھی' تمہارا بچاؤ کر رہی تھی۔''

''میں بھی یہی کر رہا تھا۔''

''تم انتہائی دو نمبر انسان ہو اور نہ صرف دو نمبر بلکہ....''

''سوری۔ آئندہ ہمیشہ سچ بولوں گا۔'' اس نے چھے لفظوں میں سارا معاملہ ہی ختم کر دیا۔ اب وہ کیسے اس سے اس بات پہ لڑے جس پہ وہ ناراض تھی ہی نہیں؟ چند لمحے کے لئے بالکل چپ ہو گئی۔

''او کے۔ آئندہ سچ بولنا مجھ سے۔ بھلے کسی کے بھی اپارٹمنٹ میں کسی کے بھی ساتھ ہو' سچ بتا دینا۔'' پھر سے رکھائی سے بول کر کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگی۔

وہ بے اختیار ہنس دیا۔ ''جب تم جلتی ہو نا تو سارے کمرے میں دھواں بھر جاتا ہے۔ مت جلا کرو اس سے۔ تم میری محبت ہو۔ مانا کہ وہ تم سے زیادہ خوبصورت' زیادہ پیاری' زیادہ سلجھی ہوئی' شائستہ اور نرم مزاج کی ہے' مگر تم....''

اب بہت ہو گیا تھا۔ زمر نے جھٹکے سے لیپ ٹاپ کی اسکرین فولڈ کی۔

''ہاں مجھے پرواہ ہے۔ سنا تم نے۔'' وہ غرائی تھی۔ ''مجھے پرواہ ہے اور اگر آئندہ تم مجھے اس کے بیس فٹ قریب بھی نظر آئے تو میں تمہارے ساتھ اتنی بے رحمانہ انداز میں پیش آؤں گی کہ....''

''جو آٹھ سال کرتی رہی ہو' زمر تو وہ بھی نہیں تھا۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ زمر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ چند گہرے سانس لئے۔

''خیر اگر تم نے کوئی اور بات نہیں کرنی تو تم جا سکتے ہو۔'' وہ روکھے روٹھے انداز میں کہہ کر کام کرنے لگی کہ....

''میں سعدی سے ملا۔''

زمر نے اتنی تیزی سے گردن اٹھائی کہ ہڈی چٹخنے کی آواز آئی۔ آنکھوں میں بے یقینی سی بے یقینی در آئی تھی۔ ''کب؟ کہاں؟ وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟'' وہ ایک دم اٹھی اور گھوم کر اس کے ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھی۔ بے چین' بے قرار سی۔

''وہ کچھ دن تک آ جائے گا۔ وہ ٹھیک تھا۔ ڈونٹ وری۔'' وہ نرمی سے کہنے لگا مگر وہ اب اس طرح سکون میں نہیں آ سکتی تھی۔

''پلیز مجھے بتاؤ' تم اس سے کیسے ملے۔ کہاں ملے۔ وہ کیسا ہے۔'' اسکی آنکھیں نم تھیں اور اس نے بے اختیار فارس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے تھے۔ بے تابی سی بے تابی تھی۔

''یہ دیکھو۔'' اس نے نرمی سے ایک ہاتھ چھڑایا اور سیل فون نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''میں نے تمہارے لئے اس کی ایک تصویر لی تھی۔ ورنہ میں تو ہوں ہی جھوٹا۔ تم کہاں مانتیں کہ میں اس سے ملا تھا۔''

زمر نے بے تابی سے فون پکڑا۔ اسکرین پہ وہ دونوں نظر آ رہے تھے۔ رات کے وقت ریسٹورانٹ کا منظر۔ اور وہ کھانا کھا رہے تھے۔

"اس کے بال دیکھو۔اس نے کٹوا دیے اور...."

"سعدی کے منہ پہ چوٹ کیسی ہے؟" وہ تصویر زوم کر کے ایک دم بولی تھی۔سعدی کے ہونٹوں کا زخم اور گال کی سوجن صاف نظر آ رہی تھی۔

فارس غازی کی بولتی بند ہوئی۔بے اختیار بال کھجائے۔

"آ.....یہ چوٹ؟" اس نے تھوک نگلا۔"شاید کسی نے مارا تھا اسے۔" (اب کسی کی تفصیل میں وہ نہیں جا سکتا تھا۔)

"کس نے؟" وہ غصے سے بولی تھی۔اسکرین پہ انگلی پھیرتی تصویر کو چھو کر محسوس کرتی' وہ بہت مضطرب نظر آنے لگی تھی۔

"پتہ نہیں۔اس نے.....بتایا نہیں۔" فارس نے بات بدلنی چاہی۔"تم نے اس کے بال دیکھے؟ بالکل...."

"اللہ غارت کرے ایسے لوگوں کو۔ہاتھ کیوں نہیں ٹوٹ جاتے ان کے۔قہر نازل ہو ان پہ اللہ کا...." وہ بولتی جا رہی تھی اور فارس نے بہت سے بے چین پہلو بدلے تھے۔"اچھا ٹھیک ہے' بس کرو۔"

"نہیں' کس نے حق دیا ہے ان لوگوں کو کہ وہ اس کے ساتھ یہ سب کریں۔وہ کتنی مشکل میں ہوگا۔وہ کتنا پریشان ہوگا۔پلیز اسے واپس لے آؤ" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔اتنے ماہ بعد.....سعدی کی تصویر دیکھنا.....جذبات ابل ابل رہے تھے۔نم آنکھوں سے اس نے فارس کو دیکھا۔

"وہ تم سے ملا تو کیسا تھا؟ تم اس سے کیسے ملے؟ تم نے اسے گلے لگایا؟ اسے پیار کیا؟"

اور فارس غازی نے ایک نظر میز پہ ڈالی جہاں خونخوار نوکیلی نوک والے قلم رکھے تھے۔ایک تیز دھار پیپر نائف بھی پڑی تھی۔اور چند بھاری' وزنی پیپر ویٹ بھی جو کسی بھی انسان کو قتل کرنے کے لئے کافی تھے۔اس نے گہری سانس لی اور جبراً مسکرایا۔

"میں.....میں اس سے بہت اچھے سے ملا۔ایک ریسٹورانٹ کا پتہ دیا تھا اسے۔وہ وہاں آ گیا میں اس سے گلے ملا اس کا ماتھا چوما' اسے تسلی دی کہ اب وہ میرے ساتھ ہے' اس کو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔اس کے زخم.....منہ والے زخم کے لئے اسے آئس پیک لا کر دیا....اور...." وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔(بیڑہ غرق ہو سچائی کا۔) اور زمر بہت ممنونیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کتنے اچھے' لونگ' کیئرنگ ہو تم۔سوری میں تم سے اتنے دن ناراض رہی۔میرا کیا ہے۔میں تو ایک زمانے میں سمجھا کرتی تھی کہ تمہیں لوگوں کو مارنے پیٹنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔کتنی غلط تھی میں تمہارے بارے میں۔"

اور فارس جبراً مسکرا کر کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زود پشیمان کا پشیماں ہونا!

اس سکس اسٹار ہوٹل کا وہ ہال مہمانوں کی گول میزوں سے بھرا تھا۔پہلے صف میں ایک طرف کیمرہ مین اور رپورٹرز کی واضح اکثریت کھڑی نظر آتی تھی جو دھڑا دھڑ ڈائس پہ کھڑے شخص کی تصاویر اتار رہے تھے' ویڈیو بنا رہے تھے۔اور ایش گرے سوٹ میں ملبوس وہ وجیہہ سا

ہاشم کاردار ہال جتنی سے پیچھے کیے' ڈائس پہ نصب آدھ درجن مائیکس میں کہہ رہا تھا اور سب دم سادھے اسے سن رہے تھے۔۔۔

''مجھے آج اس فورم پہ کھڑے ہو کر چند دن قبل ہونے والے اپنے سب سے بڑے پلانٹ کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے کسی بھی قسم کا افسوس نہیں ہو رہا۔''

فضاؤں میں کوئی اداس سا نغمہ گنگنایا جا رہا تھا۔ ہولے ہولے.... دھیرے دھیرے سے۔ ایک سکوت سا تھا... جیسے ہر کوئی انتظار میں ہو.... جیسے ہر کوئی تیار کر رہا ہو....

''افسوس ہے تو صرف اس بات کا کہ اگر میں اس anxiety اٹیک سے مر بھی جاتا' گو کہ میں بہت ڈھیٹ ہوں' (ہال میں قہقہہ بلند ہوا) تو میں اس پچھتاوے کو لے کر دنیا سے جاتا کہ میں لوگوں کی خیر کے لیے جتنا کر سکتا تھا' اتنا نہیں کر سکا۔''

کولمبو کے ساحل سے دور ایک لانچ سمندر کے نیلے پانی پہ تیر رہی تھی۔ اس کے اندرونی کیبن میں کرنل خاور بیٹھا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی' آنکھوں پہ عینک تھی' اور وہ بار بار گھڑی دیکھتا تھا۔ سعدی یوسف کی تلاش ترک کر کے وہ اپنے مالک کو منانے واپس جا رہا تھا۔

''اور میرے ان سب دوستوں' وفادار ساتھیوں کا شکریہ جنہوں نے مجھے احساس دلایا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب میں اپنی زندگی لوگوں کی بھلائی کے لیے وقف کر دوں۔''

کینڈی میں اس کافی شاپ کے کچن میں کھڑے سعدی یوسف کا چھوٹا بھدا سا موبائل بجا تھا۔ اس نے پیغام پڑھا اور چپ چاپ باہر نکل آیا۔ چند گلیاں پیدل چلتا گیا' یہاں تک کہ سڑک کنارے نصب ایک کوڑے دان کے ساتھ رکا۔ احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا پھر ڈھکن کھولا۔ چند بدبودار شاپر ہٹائے تو اسے وہ نظر آ گیا۔ سیاہ پلاسٹک ریپر میں لپٹا پیکیج۔ اس نے اسے نکال کر کھولا۔ اندر سبز پاسپورٹ تھا اور اس پہ اسی کی تصویر لگی تھی۔ چھوٹے بال' داڑھی' سبز آنکھوں کے ساتھ۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور اسے جیب میں ڈال لیا۔

''کیونکہ جب تک انسان اپنی ذات سے باہر نکل کر دوسروں کی بھلائی کے لیے نہیں سوچتا' وہ کفر کرتا ہے' سازشیں کرتا ہے' جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ایسے لوگ تو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔''

حنین بالکل نارمل سی' پتھرائے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ کمپیوٹر پرنٹر زوں زوں کی آواز کے ساتھ ایک کاغذ باہر اگلا' جسے اس نے اٹھا کر سیدھا کیا۔ اس پہ احمر کی تصویر بنی تھی۔ اس نے وہ کاغذ لے جا کر دیوار پہ لگی مختلف کارداروں کی تصاویر کے ساتھ چپکا دیا۔ اور سیاہ مارکر سے اس کے اوپر سوالیہ نشان لگا دیا۔

(کون ہے احمر شفیع؟)

''اور میں یہ جان گیا ہوں کہ ایک بہتر انسان بننے کے لیے انسان کو اپنے بارے میں سوچنا بند کر کے دوسروں کو ترجیح دینی ہوتی ہے۔''

فارس بینک کے کیش کاؤنٹر پہ کھڑا چیک بک پہ کچھ لکھ کر دستخط کر رہا تھا۔ پھر اس نے چیک کھڑکی کے اندر بڑھا دیا۔ اب اندر بیٹھی لڑکی اسے نوٹوں کی گڈیاں تھما رہی تھی۔

"میں یہ بھی جان گیا ہوں کہ انسان چیریٹی اپنے گھر سے شروع کرتا ہے ورنہ وہ چیریٹی کا حق نہیں ادا کر سکتا۔"

سعدی اپنے اوپری چھوٹے کمرے میں کھڑا بیگ میں سامان ڈال رہا تھا۔ نوٹوں کی ایک گڈی اس نے تکیے کے اندر چھوڑ دی تھی۔ باہر کامنی ہاتھ باندھے کھڑی غصے اور صدمے سے اس کے دروازے کو بار بار دیکھتی تھی۔ پھر کبھی چلا کر کہتی۔ "یہ مجھ سے سچ بھی بول سکتا تھا۔ میں آئندہ کبھی انسانوں کا اعتبار نہیں کروں گی۔"

"مگر اس ملک کے سارے مسائل لاکھوں اور کروڑوں کی چیریٹی دے دینے سے حل نہیں ہو سکتے۔ اس ملک کے مسئلے تب حل ہوں گے جب ہم لوگوں کو انصاف فراہم کریں گے.... انصاف کا مطلب ہوتا ہے فوری انصاف کیونکہ

Justice delayed is justice denied!"

زمر ریسٹورانٹ کی بالائی منزل والے ہال میں بیٹھی.... پرنٹر سے نکلتے کاغذوں کو مختلف فائلز میں لگا رہی تھی۔ اس کے بال جوڑے میں بندھے تھے اور آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ فائلز پہ فائلز تیار کر رہی تھی۔ ثبوت در ثبوت۔ ہاشم کاردار اور اس کے قرابت داروں کی کمزوریاں۔ بلیک میلنگ کا مواد۔ زبردست۔

"اور اگر مجھ جیسے وکلا انصاف کی فراہمی کے لیے واقعتاً کوششیں نہیں کریں گے تو معاشرے کے ناسور بڑھتے جائیں گے۔"

احمر شفیع قصر کاردار کے کنٹرول روم میں بیٹھا' کی بورڈ پہ کھٹا کھٹ ٹائپ کرتا' بار بار نفی میں سر ہلاتا۔ افسوس سا چہرے پہ در آتا جسے وہ جھٹک کر کام کرنے لگ جاتا۔

"مگر آج ہم جیسے لوگ اپنا پیسہ اور اپنی طاقت استعمال نہیں کریں گے تو ہماری نسلیں تباہ ہو جائیں گی۔"

علیشا ٹارچ لئے انیکسی کی بیسمنٹ میں موجود تھی اور مسلسل تیزی سے ہاتھ چلاتی سامان الٹ پلٹ کرتی کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

"پاور پلانٹ کا نقصان کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس تخریب کاری کی میں مذمت کرتا ہوں اور اس کا بدلہ میں اس طرح سے لوں گا کہ جو لوگ اس قسم کی وارداتیں کرتے ہیں' ہم ان دہشت گردوں کے بچوں کو تعلیم دیں گے۔ یہی ان کی سب سے بڑی شکست ہے۔"

فیونا اپنے باتھ روم میں کھڑی اپنے بٹوے میں موجود رقم گن رہی تھی۔ آنکھوں میں حسرت بھری نمی تھی۔ باہر میری برآمدے میں کھڑی ملازموں پہ حکم چلا رہی تھی۔

"میں اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر کے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

جواہرات سیلون نما کلینک کی آرام دہ چیئر پہ بیٹھی تھی اور چند ورکرز اسے کاسمیٹک سرجری کے لئے تیار کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل آئینے میں اپنی ناک کو مختلف زاویوں سے دیکھ رہی تھی۔

"زندگی نے جو مجھے ایک دوسرا موقع دیا ہے میں اسے ایک بہتر انسان کے طور پہ گزارنا چاہتا ہوں۔ میں اچھے کام کر کے فخر سے اس دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔"

فارس ایک اسٹور ہیچ لا کر کے اندر کھڑا تھا۔ لوہے کا اوپر سے نیچے گرنے والا دروازہ اس نے گرا رکھا تھا' اور وہ مختلف شیلف اور خانوں میں سے سیاہ چمکتا اسلحہ نکال نکال کر بیگ میں بھرتا جا رہا تھا۔ دوسرے بیگ میں چند دوسری اشیاء رکھی تھیں۔ وہ تیاری کر رہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد جب میری بیٹی میرا نام لے' میرا بھائی میرا ذکر کرے تو وہ مجھے صرف ایک فلینتھراپسٹ کے طور پہ نہ جانیں بلکہ انصاف کے لیے جدوجہد کرنے والے ایک فرض شناس شہری کے طور پہ یاد کریں۔"

نوشیرواں اپنے کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھا' کریڈٹ کارڈ سے سفید دانے دار شے کو زور زور سے پیس رہا تھا۔ چہرے پہ مردنی اور آنکھوں میں گہرا گلٹ چھایا تھا۔ بار بار ان میں نمی در آتی جسے وہ کف سے رگڑ کر صاف کر لیتا۔

"لیکن..." کیمروں اور فلیش لائٹس کی چکا چوند روشنی میں ہاشم کاردار کہہ رہا تھا۔ "ہم زندگی میں آگے بڑھتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کو بھول جاتے ہیں مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میرا دوست میرا رشتہ دار... ایک پیارا نوجوان سعدی یوسف جو آٹھ ماہ پہلے ہم سے بچھڑ گیا... آج میں اس کے اور اس جیسے لاپتہ افراد کے لئے "سعدی یوسف فاؤنڈیشن" بنانے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ فاؤنڈیشن سعدی یوسف جیسے لاپتہ افراد کے کیس پھر سے کھلوائے گی اور ان کے خاندان کو انصاف کی فراہمی یقینی بنائے گی۔ اس میں ملک کے نامور اور ماہر وکلاء کا پینل ہوگا جو اس بات کو یقینی بنائے گا کہ..." وہ کہہ رہا تھا۔ کیمرے کھٹا کھٹ کلک کلک کر رہے تھے۔ لوگ اپنی نشستوں سے اٹھ کر اس ذہین اور شاندار' ہمدرد اور رحمدل شخص کے لئے تالیاں بجا رہے تھے جو موت کے قریب جا کر واپس آیا تھا اور لوگوں کے لئے مزید بھلائی کے کام کرنا چاہتا تھا۔ بے داغ دامن اور سفید کالر والا شخص ابھی تک بول رہا تھا...

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرے خدا مجھے طارق کا حوصلہ ہو عطا

ضرورت آن پڑی ہے مجھے کشتیاں جلانے کی

ہاشم کاردار کے آفس کی ساری بتیاں جلی ہوئی تھیں' اور وہ پاور سیٹ پہ ٹیک لگائے بیٹھا مسکرا کر فون پہ کہہ رہا تھا۔

"تھینک یو۔ جی ایسا ہی ہے۔ گالف پہ ملتے ہیں پھر۔" اس نے ریسیور کریڈل پہ رکھا۔ سامنے کھڑے رئیس نے چند کاغذ اس کے سامنے رکھے۔ ہاشم نے پین ہولڈر سے قلم نکالا اور عینک ناک پہ لگاتے' کاغذوں پہ مطلوبہ جگہوں پہ دستخط کرنے لگا۔ دفعتاً ٹھہر کر اس نے موبائل اٹھایا اور نمبر ملا کر اسپیکر آن کر دیا۔

"جی کاردار صاحب۔ کیسے ہیں آپ؟" ہاشم کاغذات کا سرسری معائنہ کرتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہوں اور لیس۔ تم سناؤ' فارس ٹھیک کام کر رہا ہے۔"

"جی۔ آج کل چھٹی پہ گھر گیا ہے۔ پورا ہفتہ اچھا کام کیا۔ چھٹی وغیرہ نہیں کرتا تھا۔ شام میں کبھی نکلا تو نکلا' ورنہ ادھر ہی کام کرتا تھا' یہیں رہتا تھا۔ اور..." اور لیس رپورٹ دے رہا تھا۔ وہ سنتا گیا۔ کاغذ مکمل ہو گئے تو اس نے کال کاٹی اور عینک اتار کر پرے رکھی۔

''یہ لے جاؤ اور یوں کرو' آج شام کے لئے....'' کچھ بولتے بولتے ہاشم ٹھہرا۔ ابرو پرسوچ انداز میں اکٹھے ہوئے۔

''یہیں رہتا تھا؟'' اس نے غائب دماغ سے دہرایا۔

''جی سر؟'' رئیس نے نا سمجھی سے پوچھا۔ ہاشم ایک دم کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

''ادریس نے کہا وہ یہیں رہتا ہے۔ یعنی کہ کمپنی کے کوارٹرز میں۔ مگر....'' وہ چونک گیا تھا۔ ''پچھلے سال ایک اسکینڈل کے بعد ان کی کمپنی نے بہت سخت اصول بنائے تھے۔ اکیلے مردوں کو کوارٹر نہیں ملتا۔ صرف ان کو ملتا ہے جن کی بیوی بچے ساتھ ہوں۔''

''آپ نے بھی سفارش نہیں کی تو ادریس نے غازی کو کوارٹر میں کیوں رہنے دیا؟'' رئیس بھی الجھا۔ ہاشم کاردار نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہ کوارٹر میں نہیں رہ رہا۔ کوئی بھی بغیر فیملی کے ادھر نہیں رہ سکتا۔ ادریس جھوٹ بول رہا ہے۔'' اور کہتے کہتے وہ خود بھی چونکا تھا۔ ''تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے رئیس۔ مجھے پتہ کر کے دو کہ فارس غازی کراچی گیا بھی تھا یا نہیں۔ اور اگر وہ نہیں گیا تھا تو وہ کہاں تھا؟''

وہ سخت لہجے میں بولا تھا اور رئیس بھی الارمڈ سا 'یس سر' کہتا باہر کو بھاگا تھا۔ ایک گھنٹہ....صرف ایک گھنٹہ تھا....حقیقت کو عیاں کرنے کے لئے.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نمل (نمرہ احمد)

تیئسویں قسط:

Mera Naam Saadi Yousuf Hai!

"مورچال"

:)

آج تم جس دکھ کے مقام پہ ہو'

میں اس جگہ سے گزر چکا ہوں۔

یقین کرو'میں اس سے گزر چکا ہوں۔

تمہیں اس سے جست لگا کر نکلنا ہو گا۔

تمہیں اس سے نکالے گا صرف ایک فقرہ۔

ایک سطر۔ایک دلیل۔

ایک کہانی جو تم خود کو سنا سکو۔

وہ کیا ہے'اس سے فرق نہیں پڑتا۔

اور ضروری نہیں ہے کہ وہ سچ بھی ہو۔

جب تک تم اس فقرے پہ یقین کرتی رہو!

جب تک اس کے ذریعے تم خود کو معاف کرتی رہو۔

تم ڈھونڈ و وہ سطر۔وہ فقرہ۔

وہ مقصد۔

تم اسے ڈھونڈ و'تم یہ کر سکتی ہو۔

میں جانتا ہوں کہ تم یہ کر سکتی ہو۔

وہ ایک فقرہ خود کو سنانے کے لیے ڈھونڈو۔

پھر اس لائن کو مضبوطی سے تھام لو۔

اور پھر اس کی مدد سے خود کو

تاریک اندھیروں سے

باہر کھینچ نکالو۔

(شونڈا رائمز۔ بکل اپ)

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کو وہ رات اپنے داغدار، سیاہ دامن میں چھپاتی جا رہی تھی جب ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔ زمر اپنے کمرے میں تھی، سیم ہوم ورک پھیلائے لاؤنج میں بیٹھا تھا۔ ابا بھی وہیں موجود کسی کتاب کے مطالعے میں گم تھے۔ ندرت کچن میں کھڑی، با آواز بلند غیر موجود حسینہ کو کوس رہی تھیں۔ (ہزار دفعہ کہا ہے، کوارٹر میں جانے سے پہلے چائے کی کیتلی مانجھ کر جایا کرو، مگر اسی طرح چھوڑ جائے گی۔ اور یہ دیکھو... صابن ختم... ایک تو بندہ میکس باران ملازموں کے حوالے نہ کرے۔ گھول گھول کر ختم کر دیتے ہیں....)

جب کوئی نہ ہلا تو حنہ کمرے سے باہر نکلی اور دروازے کی طرف آئی۔ اتنے میں پورچ سے اندر کھلتے دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ چونکی۔ (ایسا کون ہے جو باہر گیٹ سے اندر آ بھی گیا اور صداقت نہیں جاگا؟)

''کون؟'' اس نے پوچھا۔ جواب میں خاموشی۔ حنین نے جی کڑا کر کے آواز بلند کی۔ ''کون؟''

''تو اب میں کون ہو گیا ہوں؟'' فارس کی آواز پہ حنین کا دل ڈوب کر ابھرا۔ آنکھوں میں خوشگوار حیرت ابھری، اور لبوں پہ مسکراہٹ۔ پہلے لپک کر کھولنے لگی، پھر رکی۔ (میں تو ناراض تھی۔) چہرے کے تاثرات سخت کیے، ماتھے پہ بل ڈالے اور دروازہ کھولا۔ پھر بازو سینے پہ لپیٹے، تندہی سے سامنے دیکھا جہاں وہ دو اسٹیپ نیچے کھڑا تھا۔ ہاتھ سیاہ جیکٹ کی جیبوں میں ڈالے، اپنی سنہری آنکھیں اس پہ جمائے، وہ سادگی سے مسکرا رہا تھا۔ چھوٹے کٹے بال ویسے ہی تھے، البتہ رنگت ذرا کملائی ہوئی لگ رہی تھی۔ ''ہیلو حنہ۔''

''وعلیکم ہیلو۔ آپ کو پہچانا نہیں۔ کیا آپ یہیں رہتے ہیں؟ کیا آپ اس فیملی کا حصہ ہیں؟ اوہ مگر نہیں۔ یہاں جو لوگ رہتے ہیں وہ ایک دوسرے سے باتیں نہیں چھپاتے، کراچی کا کہہ کر کولمبو نہیں چلے جاتے، اور جب واپس آ جاتے ہیں تو اسی روز ریسٹورانٹ میں اپنی بیوی کو وزٹ کرنے کے دو دن تک اپنے گھر والوں کو بھولے نہیں رہتے۔ یہاں جو لوگ رہتے ہیں نا، وہ....'' خفگی سے وہ تیز تیز بولے جا رہی تھی اور وہ جو سکون سے، مسکراہٹ دبائے سن رہا تھا، آگے بڑھا، دو قدم اوپر چڑھا اور اس کے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ کر جھک کر اس کا ماتھا چوما۔ ''بلیک کافی، ہلکی چینی اور ذرا سی کریم کے ساتھ۔ ایک بڑا مگ۔ لاؤنج میں لے آؤ۔'' اور وہ ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گیا اور حنین کی زبان، جذبات اور غصے کو بریک سی لگ گئی۔ چند لمحے تو سمجھ نہیں آئی کہ دو دن سے تیار شدہ، بار بار ریہرسل کردہ تقریر مکمل کیوں نہ کر سکی۔ پھر اس کے پیچھے لپکی۔ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

''میرا بھائی کہاں ہے؟'' ساری ناراضی اڑنچھو ہو گئی تھی، اور آواز میں بے قراری آ گئی تھی۔

''میری کافی کہاں ہے؟'' اور اندر چلتا گیا۔ حنین اس سے زیادہ تیزی سے اندر بھاگی۔ اس کا رخ کچن کی جانب تھا۔ پیچھے سے اس نے

چیخ چہکارسنی۔ سیم نے اسے دیکھ کر کوئی نعرہ لگایا تھا' ندرت بے تابی سے اس کی طرف بڑھی تھیں' ابا خوشی سے کچھ کہہ رہے تھے۔حنہ نے کچھ نہیں سنا۔ کچن میں آتے ہی چیزیں الٹ پلٹ کیں۔جلدی جلدی کافی بنائی۔ٹرے میں سجائی اور اسے لئے باہر لاؤنج میں آئی۔

اب وہ صوفے پہ بیٹھا تھا' آگے ہو کر' اور ساتھ بیٹھی ندرت کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا نا' کہ اسے لے آؤں گا۔ وہ میرے ساتھ آیا نہیں ہے' مگر وہ ٹھیک ہے۔ وہ اپنا خیال خود رکھ سکتا ہے۔''

ندرت کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ''اگر وہ ٹھیک ہے تو فون کیوں نہیں کرتا۔گھر کیوں نہیں آتا؟'' حنہ نے ٹرے سامنے رکھی اور خاموشی سے اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

''فارس' کیا تمہیں یقین ہے کہ ہاشم نے ہی یہ سب کروایا ہے؟''

ابا سنجیدگی بھری فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔ کارپٹ پہ فارس کے قدموں کے قریب بیٹھا سیم فوراً بول اٹھا۔ ''یہ بات ڈسکس کرنے سے منع کیا تھا زمر نے۔''

حنین نے رکھ کر اس کے سر کی پشت پہ تھپڑ لگایا۔ ''زمر' پھپھو نے۔''

''کیا ہے؟ اب تو مجھے بھی سارے راز پتہ ہیں۔'' سیم کا خیال تھا زمر کو اس کے نام سے پکارنے کا بھی کرائے ٹیریا تھا۔

''جی ہاں۔'' وہ اسی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں شرمندہ ہوں کہ پہلے نہیں بتا سکا' مگر یہ سچ ہے۔ وہی ہمارے دشمن ہیں۔''

''میرا بھائی کہاں ہے۔'' حنہ نے اب کے چڑ کر پوچھا۔ فارس نے اسے دیکھا تو وہ گلہ آمیز نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

''وہ کچھ دن تک آئے گا۔ میرے ساتھ نہیں آیا۔'' فارس کہہ کر چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر ہلکا سا بولا۔ ''آئی ایم سوری حنہ' مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔'' اور اگر حنین کی کوئی خفگی رہی بھی تھی تو اب دور ہو گئی۔ وہ کھل کر مسکرا دی۔

''میں زمر کو بتاتی ہوں کہ آپ آ گئے ہیں۔ خود سے تو ملکہ عالیہ آئیں گی نہیں۔'' آخری فقرہ دبی سرگوشی میں کہہ کر وہ جلدی سے اٹھ آئی۔

زمر اپنی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی اور چند صفحات اسٹیپل کر رہی تھی۔ بال آدھے باندھے' آدھے کھلے تھے' اور نظریں کاغذ پہ جھکی تھیں۔ حنہ میز کے کنارے پہ آ ٹکی اور سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''جب میں پندرہ منٹ پہلے یہاں کھڑی آپ کو احمر شفیع کے وزٹ کے بارے میں بتا رہی تھی تو آپ نے اتنی پیاری لپ اسٹک نہیں لگائی ہوئی تھی۔ اور آپ نے یہ ٹاپس بھی نہیں پہن رکھے تھے' اور کاجل بھی نہیں ڈالا ہوا تھا۔'' ابھی وہ کپڑوں کے بارے میں بھی کچھ کہتی جب زمر نے بھوری آنکھیں اٹھا کر ایک ''نظر'' اس پہ ڈالی اور حنہ جلدی سے گڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ ''میرا مطلب ہے' وہ احمر والی بات....''

''میں احمر سے بات کروں گی۔''

''اب جو کروں گی' میں خود کروں گی۔ جب مجھے علیشا کی سچائی معلوم ہوئی تھی تو میں نے فوراً اگلے دن مسز جواہرات کو بتا دیا تھا سب۔ جب مجھے اور آپ کو ہاشم کی سچائی معلوم ہوئی تھی تو میں آپ کی طرح رونے نہیں لگی تھی۔ خاور کے پاس چلی گئی تھی۔ آپ صرف شدید حالات

میں روتی ہیں۔ میں شدید حالات میں آگے کا سوچتی ہوں۔ احمر شفیع کے یہاں آنے سے میں ڈپریشن لے کر کونے میں نہیں پڑ جاؤں گی بلکہ یہ جاننے کی کوشش کروں گی کہ احمر شفیع کون ہے؟ اس کے پاس میرا راز ہے' ہمارے پاس اس کے راز ہونے چاہئیں۔ خیر' آپ باہر آ جائیں۔ فارس ماموں آئے ہیں۔ یقیناً ان کی آواز تو نہیں سنی ہو گی آپ نے۔'' آخری فقرہ معصومیت سے ادا کیا تھا۔

زمر پھر بھی کچھ وقت لگا کر باہر آئی تھی۔ ندرت اور ابا اسی پوزیشن میں بیٹھے فارس سے سعدی کی باتیں کر رہے تھے' سیم اس کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ بار بار زوم اِن زوم آؤٹ کر کے۔

''مگر وہ آیا کیوں نہیں؟'' ابا نے اب کے اکتا کر پوچھا تھا۔

''کیونکہ اسے انصاف چاہیے۔'' زمر سنجیدگی سے کہتی آگے آئی اور فارس کے مقابل صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' اور سر کو اثبات میں خم دے کر بولا۔ ''وعلیکم السلام۔''

''تم دو دن سے ہوش میں' میں مل چکی ہوں تم سے پہلے بھی۔'' بے نیازی سے کہہ کر نظروں کا رخ ابا کی طرف پھیرا۔ ''سعدی نے کہا ہے فارس سے کہ اسے انصاف چاہیے۔ اسے ہاشم کاردار کے خلاف کورٹ میں کیس کرنا ہے (فارس تصحیح کرتے کرتے رک گیا۔) اور مجھ سے پوچھیں تو یہی درست راستہ ہے۔ ہمیں عدالت میں جانا چاہیے۔''

''عدالت میں؟'' ابا دھک سے رہ گئے۔ ندرت نے ناسمجھی سے ان دونوں کو دیکھا۔ ''ہاں تو کرنے دو کیس۔ فارس کا کیس بھی تو اتنے سال بھگتایا تھا' یہ بھی بھگتا لیں گے۔''

''نہیں آپا' وہ کیس سرکار پاکستان لڑ رہی تھی فارس غازی کے خلاف۔ میں اس کیس میں ''دفاع'' تھا' استغاثہ نہیں۔ کسی کو بے گناہ ثابت کرنا آسان ہوتا ہے' بہ نسبت مجرم ثابت کرنے کے۔ یہ کیس ایسا نہیں ہو گا۔ اس میں ہمارے مقابلے پر کاردارز ہوں گے۔ ہمارا سارا پیسہ خرچ ہو جائے گا' ہم عدالتوں کے دھکے کھائیں گے اور آخر میں ہم کیس ہار جائیں گے کیونکہ اس ملک میں انصاف نہیں ہے۔ نہ انصاف ملے گا۔ میں سعدی کا ساتھ اس لئے دے رہا ہوں کیونکہ ہم ایک خاندان ہیں۔ مگر میں اس سے متفق نہیں ہوں۔'' سنجیدگی سے اس نے دو ٹوک بات کی تھی۔ وہ قطعاً خوش نہیں تھا۔

''کیا کیس کرنا ضرور ہے؟'' حنین الجھ کر بولی۔ ''بھائی واپس آ جائے' ہم لوگ پھر سے ہنسی خوشی رہیں' اور بظاہر ہم خود کو نارمل ظاہر کریں اور وقت آنے پہ اپنا بدلہ لے لیں' اتنا بہت ہے نا۔'' حنین کے لئے جو بہت آسان تھا' اب وہ ذرا کم آسان لگ رہا تھا۔

''تم ایک انسان کو قید میں ڈالنے کے بعد اس سے یہ توقع نہیں کر سکتی کہ وہ فوراً ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ وقت تو لگے گا'' وہ اسے اب سمجھا رہا تھا اور زمر سعدی کے فیصلے کے حق میں ابا کو دلائل دے رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب اپنے بھی سائے کا بھروسہ نہیں یارو

۵

نزدیک جو آئے ہے وہی وار کرے ہے

وہ داغدار رات کاردارز کے آفس پہ بھی اسی طرح پر پھیلائے ہوئے تھی۔ رئیس کو ملے گھنٹے کے مکمل ہونے میں ابھی چند منٹ باقی تھے جب وہ ہاشم کے آفس میں دوبارہ داخل ہوا۔ چوکھٹ پہ ذرا دیر کو ٹھٹکا۔ ہاشم تنہا نہیں بیٹھا تھا۔ گو کہ وہ جس طرح انگوٹھے کے ناخن سے تھوڑی کو رگڑتے، سوچتی نظروں سے خلا میں دیکھ رہا تھا، یوں لگتا تھا جیسے واقعی تنہا بیٹھا ہو، مگر سامنے جواہرات براجمان تھی، اور چائے کی پیالی سے گھونٹ بھرتی اس کی فراغت کی منتظر نظر آتی تھی۔

رئیس آگے آیا اور جواہرات کی پشت پہ آ کھڑا ہوا۔ ہاشم نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ ''کیا پتہ چلا؟''

''فارس غازی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس نے واقعی غازی کے نام کا کمرہ الاٹ کر رکھا ہے۔ غازی نے بیوی کو بلانے کا وعدہ کیا تھا، علاج وغیرہ کروانا ہے۔ شاید اس کی بیوی کا گردے کا مسئلہ پھر سے شروع ہو گیا ہے۔''

جواہرات کی انگلیاں بے اختیار اضطراری انداز میں گردن میں پڑے لاکٹ کو مروڑنے لگیں۔ چہرے پہ بدقت مسکراہٹ برقرار رکھی۔

''وہ اسی کمرے میں رہ رہا ہے یا نہیں؟'' ہاشم مطمئن نہیں تھا۔ علاج والی بات پہ دھیان نہیں دیا۔

''ریکی کرنے کسی کو کراچی بھیج رہا ہوں۔ ایک دو دن میں سب پتہ چل جائے گا۔ فارس غازی کے گھر والوں کے فونز ہنوز ٹیپ کر رہا ہوں۔ ابھی تک سعدی یوسف نے ان سے رابطہ نہیں کیا نہ ان کی باتوں سے ایسا لگتا ہے۔'' ہاشم نے اکتا کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔

''زمر نے علاج کروانا ہے؟ کیوں اسے کیا ہوا؟'' جواہرات نے سرسری سا لہجہ اختیار کیا۔

''یہ ناممکن نہیں ہے۔'' ہاشم اپنے دھیان میں تھا۔ ''اس نے مجھ سے الیاس فاطمی کا ذکر کیا تھا کہ فاطمی نے اسے سب بتایا ہے، مگر ہو سکتا ہے وہ پہلے سے جانتا ہو اور مجھے اور فاطمی کو الگ کرنا چاہتا ہو۔ میں اس دن سے فاطمی کی نگرانی کروا رہا ہوں، اگر اسے معلوم ہو گیا تو وہ میرا دشمن بن جائے گا۔'' ہاشم بار بار نفی میں سر جھٹکتا تھا۔

''فارس واقعی زمر کا علاج کروانا چاہتا ہے، اس میں ناممکن کیا ہے؟ ان لوگوں کو کچھ نہیں پتہ۔ بے کار مت سوچا کرو۔'' بدمزہ سی ہو کر اس نے پہلو بدلا۔ ''اب اپنا موڈ بہتر کرو۔ جو ہوا، سو ہوا۔ ہم ایک فیملی ہیں، اور فیملی سے زیادہ دن ناراض نہیں رہتے۔'' آگے بازو بڑھا کر اس کا ہاتھ دبا کر مسکرائی۔ ہاشم نے ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

''میں ناراض نہیں ہوں۔ کوفت کا شکار ہوں۔ آپ کے ہر اس عمل پہ جو آپ ہارون کے لئے کرتی ہیں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہماری فیملی کے درمیان دراڑیں نہ پڑیں تو ہارون کو سنجیدہ لینا چھوڑ دیں۔ جب سے وہ شہر میں واپس آیا ہے، میں یہ سب دیکھ رہا ہوں اور برداشت بھی کر رہا ہوں، اب نہیں کروں گا۔'' اس کی آنکھوں میں گہری کاٹ تھی۔ جواہرات اندر تک دہل گئی مگر بظاہر سکون سے مسکراتی رہی۔

''برداشت تو تمہیں اسے ساری زندگی کرنا ہو گا اور میں جو اس کے ساتھ اتنے اچھے سے پیش آتی رہی۔ وہ اپنے لئے نہیں تھا۔ تمہارے اور آبی کے لئے تھا۔''

ہاشم کے تاثرات بدلے' آنکھوں کی سختی کم ہوئی۔

''تم آبی کی طرف نہیں بڑھتے تھے' کیونکہ تمہارا باپ تمہاری شادی نہیں ٹوٹنے دینا چاہتا تھا اور اس کا باپ تمہیں اس کو اپنانے نہیں دے گا۔ مگر شادی بھی ٹوٹ گئی' اورنگزیب بھی اسی صدمے کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا' اور اب.... میرے اتنے احسانوں کے بعد ہارون بھی کوئی پس وپیش نہیں کرے گا۔ اب تمہیں آبی سے بات کرنی چاہیے۔ اور سنو' صرف آبی سے۔ ہارون سے مت کہنا کچھ۔ ابھی سے اس کو اتنا سر چڑھاؤ گے تو آگے مشکل ہوگی۔'' بے نیازی سے کہہ کر وہ پرس اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔ ہاشم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے' اس نے آہستہ سے سوچ میں گم اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یاس وغم' رنج وتعب میرے ہوئے دشمنِ جاں

اے ظفر شب انہی دو چار نے سونے نہ دیا

قصرِ کاردار رات کی تاریکی میں بھی جگمگا رہا تھا۔ اس کے ورے بنی انیکسی کے دروازے کو علیشا لاک کر رہی تھی جب....

''ہیلو!''

وہ ڈر کر اچھلی۔ مڑ کر دیکھا تو سنجیدہ سا نوشیرواں وہاں کھڑا تھا۔ علیشا کی رنگت پھیکی پڑی۔ ''میں یہاں صرف....'' خشک لبوں پہ زبان پھیرتے اس نے بات بنانے کی کوشش کی تو شیرو نے ہاتھ اٹھایا۔

''سن چکا ہوں فیونا سے۔ تم انیکسی دیکھنا چاہتی تھیں' اس لئے یہاں آئی۔ یہ بھی ایک جھوٹ ہوگا' مگر چونکہ تمہارا تعلق ایک جھوٹے خاندان سے ہے تو ٹھیک ہے۔ تم جو بھی کرو' بس اس کاغذ پہ سائن کر دو۔'' آنکھوں میں ناگواری لئے' اکھڑے لہجے میں کہتے ہوئے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔ ''اس کے بعد میرے شیئرز میرے پاس واپس آجائیں گے اور تم ایک خطیر رقم لے کر واپس چلی جاؤ گی۔''

''تم سب ایک ہی جیسے ہو۔'' علیشا نے بے بسی بھرے غصے سے کہتے ہوئے فائل کھینچی اور دھپ دھپ کرتی آگے بڑھ گئی۔

نوشیرواں برآمدے کے زینے پہ آ بیٹھا اور اداس نظروں سے سامنے نظر آتے قصر کو دیکھنے لگا۔ سامنے اس کے اپنے کمرے کی بالکونی تھی جس میں.... یونہی.... ایک پرانا منظر سا ابھرا.... بالکونی کے دروازے سے لگا.... نوشیرواں کاردار.... آٹھ سال پہلے ڈرگز کی اوور ڈوز سے مر رہا تھا اور ایک گھنگریالے بالوں والا لڑکا اسے بچانے آیا تھا۔ شیرو نے سر جھٹکا۔ پیروں پہ نمی محسوس ہوئی تو دیکھا۔ اس کا لیبراڈار اس کے پیر چاٹ رہا تھا۔

''جیکی.... میں نے تمہاری جان نہیں بچائی کبھی۔ صرف کھانا دیا ہے' پھر بھی تم احسان مانتے ہو' تو میں کیوں بھول گیا؟'' وہ کتے سے مخاطب ہوا تھا۔ ''میں نے یہ کیا کر دیا؟'' دکھ اور پشیمانی کی لہر نے اسے لپیٹ میں لے لیا۔ ''میں اس رات سے کبھی بے خواب نیند نہیں سو سکا' مجھے ہر مائع شے کا رنگ سرخ لگتا ہے' لقمہ منہ تک لے کر جاؤ تو وہ خون آلود نظر آنے لگ جاتا ہے' میں کیا کروں' جیکی؟'' اس نے سر اٹھا کر

وحشت سے اوپر چھائے آسمان کو دیکھا۔ ''میرا ایک حصہ کٹ کر اس رات گر گیا تھا' وہیں اس زیرِ تعمیر مکان کی خون آلود مٹی میں ...اور ''اس'' کا ایک حصہ میرے اندر آبسا تھا۔ وہ حصہ ہر پل میرے ساتھ سانس لیتا ہے' ہر دن کے ساتھ بڑا ہوتا جاتا ہے' جیسے میں اپنے پہلو میں کسی وحشی جانور کے بچے کو جوان ہوتے دیکھ رہا ہوں۔'' پھر اس نے نفی میں سر جھٹکا اور فون نکالا۔

''جی نوشیرواں! سائن کر دیئے علیشا نے؟'' زمر نے دوسری گھنٹی پہ فون اٹھا لیا تھا۔

''مسز زمر' حسد کیا ہوتا ہے؟'' وہ ایک ہاتھ سے فون کان سے لگائے' دوسرے سے آنکھیں ملتا پوچھنے لگا۔ زمر نے گہری سانس لی تھی۔

''حسد وہ ہوتا ہے جو سب کو محسوس ہوتا ہے' کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی سے۔ مگر احمق لوگ اس کا کھل کر اظہار کر دیتے ہیں' اور عزت دار لوگ اس کو چھپا لیتے ہیں۔''

''ضروری تو نہیں کہ ہمیں کسی سے حسد ہی ہو' ہم ایسے بھی تو کسی کو ناپسند کر سکتے ہیں نا۔'' وہ مزید بے چین ہو گیا تھا۔

''حاسد تین درجوں سے گزرتا ہے نوشیرواں۔ سب سے پہلے اس کا دل تنگ ہوتا ہے ہر اپنے سے بہتر شخص کی تعریف سننے پر۔ پھر وہ اس کو اپنے دل میں بھی کمتر جاننے لگتا ہے اور دوسروں کے سامنے بھی اس کا قد گھٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور آخر میں وہ اس شخص کو نقصان پہنچاتا ہے' جسمانی اذیت سے قتل تک۔ دنیا کا پہلا قتل حسد پہ ہوا تھا' اور آخری قتل تک یہ جذبہ انسان سے انسان کو مرواتا رہے گا۔ مگر آپ کو کیوں خیال آیا؟'' نوشیرواں میں مزید سننے کی تاب نہ تھی' اس نے فون بند کر دیا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ اس کے گرد بہتے اندھیر بھنور بڑھتے جا رہے تھے....گویا اس کو نگلنے کے لئے بے تاب ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اک عمر سنائیں تو حکایت نہ ہو پوری

دو روز میں ہم پر جو یہاں بیت گئی ہے

فروری کی تیسری صبح دھند آلودی تھی۔ سارے مناظر دل کے آئینے کی طرح دھندلائے ہوئے تھے۔ تھوڑی دور تک 'بصارت' جاتی' اس کے آگے 'بصیرت' ختم ہو جاتی۔ ایسے میں اپنے بیڈروم میں بیڈ پہ کمبل گردن تک تانے' ماتھے پہ بازو رکھے سوتی ہوئی زمر دکھائی دیتی تھی۔ فارس کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ نگاہیں باہر جمی تھیں۔ دفعتاً وہ کچھ دیکھ کر چونکا' پھر باہر نکل گیا۔

سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کا لان فجر کے اندھیرے اور دھند میں نہایا ہوا لگتا تھا۔ فارس نے جیسے ہی باہر پورچ کی طرف کھلتا دروازہ کھولا' باہر کھڑی حنین کا ہتھوڑا اسی طرف آیا۔ وہ بروقت پیچھے ہوا اور حنہ نے بھی ''اوہ'' کر کے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ وہ اسی دروازے پہ کچھ ٹھونک رہی تھی جس کو فارس نے کھولا تھا۔

''کیا کر رہی ہو اتنی صبح؟'' آنکھوں میں حیرت لئے وہ باہر نکلا اور سر سے پیر تک حنین کو دیکھا۔ وہ ہڈ والا سوئیٹر پہنے ہڈ سر پہ گرائے ہوئے تھی۔ ایک ہاتھ میں ہتھوڑا تھا اور دوسرے کو کمر کے پیچھے چھپا لیا تھا۔ نگاہیں بھی موڑ لیں۔

''تو آپ مجھ سے ناراض ہیں، حنین بی بی؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے، چوکھٹ سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ حنین نے پلکیں اٹھائیں اور خفا آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''آپ کے خیال میں سوری کر لینے سے وہ سب ٹھیک ہو جائے گا؟''

''میں نے رات کو جھوٹ بولا تھا جب میں نے تم سے معذرت کی۔ میں یہ سب چھپانے پہ بالکل بھی شرمندہ نہیں ہوں حنین۔ میں یوں تم لوگوں کی حفاظت کر رہا تھا۔''

''زمر ٹھیک کہتی ہیں۔ آپ انتہائی دو نمبر انسان ہیں۔'' خفا سی مڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''مگر آئی ایم سوری، اگر میں نے دل دکھایا ہے تو۔'' اب کے نرمی سے بولا تو حنہ کا دل پگھل گیا۔ بغیر مڑے، وہ پشت کیے کھڑی آہستہ سے بولی۔ ''ہم اس رات وارث ماموں کے ساتھ تھے.... ہم دونوں نے ایک ساتھ ان کو آخری دفعہ دیکھا تھا۔ ہم اس سب میں ساتھ تھے، آپ کو مجھے ساتھ رکھنا چاہیے تھا۔''

''میں پہلے ہی ڈوبی ہوئی کشتی ہوں حنین، اپنے ساتھ دوسروں کو نہیں ڈبو سکتا۔ یہ کر کیا رہی ہو؟'' اس نے کمر کے پیچھے سے ہاتھ نکال لیے تو وہ پوچھنے لگا۔ حنہ نے جواب دیے بنا وہ شے دروازے پہ رکھی اور کیل جما کر ٹھونکنے لگی۔ فارس نے آگے ہو کر دیکھا۔ وہ ایک نیم پلیٹ تھی۔ لوہے کی تختی۔ اس پہ اُردو میں لکھا تھا۔ ''مورچال۔''

''مورچال؟ کیا مطلب ہوا اس کا؟''

''مورچال... یعنی چیونٹی کا گھر... یہ پرانی اُردو کا لفظ ہے۔ اسی سے ماڈرن اُردو کا لفظ ''مورچہ'' نکلا ہے۔ چیونٹی کا گھر بھی کسی مورچے سے کم نہیں ہوتا نا۔''

''اچھا۔'' وہ مسکرایا۔ ''یہ اس طرح نہیں ٹھونکا جائے گا۔ ڈرل استعمال کرو۔''

''میں کوئی مستری یا ترکھان نہیں ہوں جو ڈرل استعمال کروں۔'' اس صبح تک حنین یہی سمجھتی تھی سو کہہ گئی۔ فارس چپ ہو گیا۔

''بھائی گھر آ جائے گا نا۔'' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

فارس جواب دیے بنا سوچتی نگاہوں سے دور دھند آلود آسمان کو دیکھنے لگا.... ہر گزرتے لمحے وہ دور جا رہا تھا... اس مورچال سے دور.... اس زمان و مکاں کی حد سے دور....

زرتاشہ کا ولیمے کا جوڑا فیروزی رنگ کا تھا۔ ساتھ میں نازک سی ڈائمنڈ جیولری پہن رکھی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے، اور دوپٹہ جوڑے کے اوپر ٹکا تھا۔ وہ کچھ فکرمند، کچھ پر جوش، ہر زاویے سے خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے صوفے پہ بیٹھا اس کو۔

وہ دونوں برائیڈل روم میں تنہا تھے۔ ندرت آپا ابھی ابھی گئی تھیں اور زرتاشہ جو اتنی دیر سے ضبط کر کے سو بر بنی بیٹھی تھی، اب جلدی سے اٹھ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''تم کیوں پریشان ہو زرتاشہ؟'' وہ تحمل سے بولا تھا۔ زرتاشہ نے مڑ کر اسے دیکھا تو کاجل بھری آنکھوں میں ملے جلے جذبات تھے۔

''میرا میک اپ اوور تو نہیں لگ رہا؟ تین مہینے سے اپائمنٹ لے رکھا تھا' کہہ کہہ کر تھک گئی مگر کچھ گڑبڑ کر دی اس نے۔ بیس زیادہ لگ گئی ہے شاید۔ میں اسٹیج پہ جا کر بری تو نہیں لگوں گی؟ اوہ میں بہت نروس ہوں فارس' میں کیا کروں؟'' اس کے انداز میں کچھ بچوں جیسا تھا جو فارس کو اپنی زندگی کی ساری نارسائیاں بھلا دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایش گرے سوٹ پہن رکھا تھا اور بال ہمیشہ کی طرح بہت چھوٹے نہیں تھے' ذرا بڑے تھے۔ قد میں وہ اس سے قدرے لمبا تھا۔ چلتا ہوا آیا اور اس کے کندھوں کو نرمی سے تھاما۔

''تم بہت پیاری لڑکی ہو' تم اسٹیج پہ جاؤ گی تو کوئی تمہیں برا نہیں کہے گا۔ اگر کوئی تعریف نہ کرے تو وہ جلتا ہوگا تم سے۔'' اور اس نے دیکھا' زرتاشہ کے تنے اعصاب واقعتاً ڈھیلے پڑے' چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔ ''میں اچھی لگ رہی ہوں؟''

وہ پھر سے مسکرایا۔ ''ہاں۔'' تبھی دروازہ کھلا۔ فارس نے گردن موڑی' اور چوکھٹ میں کھڑی لڑکی کو دیکھ کر اس نے بے اختیار گردن واپس پھیر لی۔ چہرے کی رنگت بدلی تھی۔ زرتاشہ کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا دیے۔ زرتاشہ نے چوکھٹ کو دیکھا' پھر مسکرا کر سلام کیا۔

''سوری' میں سمجھی سعدی ادھر ہے.... کہاں گیا؟'' زمر کہہ کر اپنے موبائل پہ نمبر ڈائل کرتی الجھ کر واپس مڑ گئی تھی۔ زرتاشہ نے فارس کو دیکھا۔ ''یہ آپ کے بھانجوں کی پھپھو ہے نا؟'' نئے نئے رشتے یاد کرنے میں وہ ہلکان ہو رہی تھی۔

''ہوں۔'' وہ اپنا موبائل نکالتا مڑ گیا اور خواہ مخواہ بٹن دبانے لگا۔ چند لمحوں میں ماحول میں کوئی نادیدہ سا کھنچاؤ در آیا تھا۔ دل میں کچھ زور سے ٹوٹا تھا۔ وہ اس کی ایک جھلک ہی دیکھ سکا تھا۔ گھنگریالے بال' ناک کی لونگ....لباس کا رنگ شاید نیلا تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور باہر نکل گیا۔ زرتاشہ شادی کے پہلے ''تھری ڈے فیز'' سے باہر نہیں نکلی تھی' اور یہ وہ تین دن تھے جن میں کچھ معلوم نہیں پڑتا کہ کون آ رہا ہے۔ کون جا رہا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔ وہ ہواؤں میں تھی' سو محسوس نہ کر سکی۔

اسٹیج پہ جب وہ فوٹو شوٹ کے وقت زرتاشہ کے ساتھ کھڑا تھا تو اپنے اندر کے کھچاؤ پہ قابو پا چکا تھا۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا اور نیلے کپڑوں کی جھلک کو نکھیوں سے دیکھ کر بھی اس نے کوشش کی کہ وہ مسکراتا رہے مگر تب وہ اچھا اداکار نہیں تھا' سو مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ اس کی بیوی کے ساتھ آ کر کھڑی ہوئی تھی اور مسکرا کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ فوٹو شوٹ ختم ہوتے ہی وہاں سے اتر آیا۔ اس نے دیکھا تھا کہ ہاشم اور شہرین اسٹیج پہ چڑھ رہے ہیں مگر وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد۔ جب وہ دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا' وارث وہاں آ رکا۔ اس کے دوستوں کے ادھر ادھر مصروف ہونے کے بعد اس نے سنجیدگی سے فارس کو مخاطب کیا۔ ''تم اپنی فیملی کو ہاشم سے دور رکھو۔ وہ تمہارے اترتے ہی زرتاشہ سے تمہارا ذکر نامناسب الفاظ میں کر رہا تھا۔ زمر وہاں کھڑی تھیں۔ انہوں نے تمہیں ڈیفینڈ کیا تو ہاشم مسکرا کر چپ ہو گیا۔ اس کی مسکراہٹ سے لگتا ہے وہ کل کو تمہاری بیوی کے سامنے زمر کا نام لے کر اسے بدگمان کرنے کی کوشش کرے گا۔''

فارس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ ''وہ کچھ نہیں جانتا۔''

''وہ ہاشم کا ردار ہے۔ وہ سب جانتا ہوتا ہے۔'' فارس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ اپنے راز کا عیاں ہو جانا..... بہت غیر آرام دہ کر دینے والا خیال تھا۔ وہ بری طرح ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ مگر اس واقعے نے اس کو محتاط کر دیا تھا۔ بے حد محتاط.....

مورچال کی تختی دروازے پہ نصب ہو چکی تھی۔ جس کی مسلسل ٹھک ٹھک کی آواز بند ہو چکی تھی۔ سناٹے نے اسے چونکایا۔ وہ پورچ میں رکھے جھولے پہ بیٹھا تھا' اور اس سے فاصلے پہ دروازے کے ساتھ وہ دونوں کھڑی تھیں۔ زمر بال کان کے پیچھے اڑستی' خوابیدہ آنکھوں کے ساتھ شال کندھوں کے گرد لپیٹے' باہر آ کھڑی ہوئی تھی اور حنین اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ فارس سر جھٹک کر اٹھا اور ان کے قریب چلا آیا۔ اسے دیکھ کر دونوں چپ ہو گئیں۔ وہ بھی خاموشی سے ساتھ سے گزرنے لگا تو زمر بولی۔ ''ہم علیشا کی بات کر رہے تھے۔''

فارس سنجیدگی سے ان دونوں کی طرف گھوما۔ ''اچھا میں سمجھا صرف میں باتیں چھپاتا ہوں' میں راز رکھتا ہوں' میں جھوٹ بولتا ہوں۔''

حنین ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اور زمر کی رنگت ذرا خجالت سے پھیکی پڑی۔ ''وہ میں.....''

''میں سن چکا ہوں۔ آپ کو لگتا ہے کہ تین گز دور بیٹھے آدمی کو آواز نہیں آتی۔ وہ بھی نسوانی آواز جو مردانہ آواز سے زیادہ دور تک جاتی ہے۔ یہ جو آپ دونوں اسٹڈی میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرتی ہیں' اور ادھر بیسمنٹ میں رات کو بیٹھ کر باتیں کرتی تھیں' مجھے سب سنائی دیتی تھیں۔ وہ ویڈیو بھی دیکھ چکا ہوں جو آپ کے (زمر کو مخاطب کر کے) بغیر پاسورڈ لگے لیپ ٹاپ میں پڑی ہے۔ جو سعدی نے ہاشم کے آفس میں بنائی تھی۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے (حنین کو گھور کر) پاس فروزن فلم پڑی ہے جو ہاشم کی فلیش سے نکلی ہے' اور وہ جوڈا کومنٹس آپ پرنٹ کر رہی ہوتی ہیں آج کل' زمر بی بی' وہ بھی دیکھ چکا ہوں۔ علیشا اپنے کی چین میں کیوں انٹرسٹڈ ہے' یہ بھی پتہ کر لوں گا۔ اگر مزید کچھ کہنا ہے آپ نے تو بتائیں۔''

ہر وقت کے گلے شکوؤں کا رخ الٹا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں کبھی ایک دوسرے کو دیکھتیں' کبھی فارس کو۔ پھر زمر نے (بظاہر) بے نیازی سے شانے جھٹکے۔ ''ہاں ٹھیک ہے' ہم کافی عرصے سے واقف تھے کہ سعدی پہ حملہ ہاشم نے کروایا اور.....''

''نوشیرواں!'' وہ بے اختیار بولا۔ زمر رک گئی۔ فارس پہ جمی آنکھوں میں استعجاب سا نمایاں ہوا۔

''سعدی کو..... گولیاں نوشیرواں نے ماری تھیں۔''

زمر بالکل پتھر کا بت بن گئی تھی۔ سفید۔ شل۔ حنین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''وہ لوزر؟ اس کی یہ ہمت؟'' وہ غصے میں آ گئی تھی۔

''اس نے کیوں کیا یہ؟''

''حسد میں!'' زمر شل سے انداز میں بولی تھی۔ پھر ایک دم وہ مڑی اور اندر چلی گئی۔ حنین تیز تیز فارس سے کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

آبنوسی لکڑی کے دروازے پہ سجا ''مورچال'' دن کی پھیلتی روشنی میں چمکنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۱

کچھ اس طرح سے سودا کیا مجھ سے وقت نے
تجربہ دے کر وہ میری ساری معصومیت لے گیا

کینڈی کی سرسبز پہاڑیاں دھند میں لپٹی تھیں۔ کافی شاپ کی سیڑھیاں اترتا سعدی یوسف نیچے آ رہا تھا۔ سفری بیگ کندھے پہ تھا اور سر پہ پی کیپ تھی۔ سیڑھیوں کے دہانے پر کامنی کھڑی فون پہ بات کر رہی تھی۔ اسے آتے دیکھا تو چہرے پہ سختی آ گئی۔ ایک سرد مہر نظر اس پہ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔

کچن میں بوڑھا روپا سنگھی ایپرن پہنے کھڑا کام کر رہا تھا۔ اس پہ محض ایک نظر ڈالی۔ بولا کچھ نہیں۔ سعدی بے مقصد وہاں کھڑا رہا۔ مونچو بھی ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر سر جھکائے ناشتہ کرنے لگا۔ کافی شاپ کے مکین کافی کے دانوں جیسے سخت اور کڑوے ہو گئے تھے۔

''میں جا رہا ہوں۔'' اس نے بوڑھے کو اطلاع دی۔ وہ چپ چاپ کام کرتا رہا۔

''تو جاؤ۔ روکا کس نے ہے؟'' وہ درشتی سے کہتی پیچھے سے آئی اور غصے بھری نظروں سے اسے گھورا۔ ''مگر جانے سے پہلے اتنا بتا کر جاؤ کہ اس بندے کا کیا بنا؟''

سعدی چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ بولا کچھ نہیں۔

''تمہاری وجہ سے ایک غنڈہ میری شاپ پہ آیا۔ میرے بچے کے سر پہ پستول رکھا۔ ہمیں یرغمال بنایا۔ پھر تم اس کے ساتھ باہر گئے۔ وہاں سے تم نے فوڈ اتھارٹی والوں کو کال کیا اور میری شاپ پہ محکمے کے لوگ آ کر سارا کھانا الٹ کے چلے گئے۔ دو دن سے ایک گاہک یہاں داخل نہیں ہوا۔ ہمارے کھانے میں زہریلا مواد نکلا جو تم نے ہی ڈالا ہو گا تا کہ تم بابا سے بدلہ لے سکو۔ اور پھر شام کو تم آ جاتے ہو اور وہ بھی صحیح سلامت۔ اور وہ بندہ اب بھی لاپتہ ہے۔'' بولتے بولتے وہ ہانپنے لگی تھی۔ ''تم مجھ سے سچ بھی بول سکتے تھے مگر تم نے نہیں بولا۔ کم از کم یہ بتا دو اس بندے کے ساتھ تم نے کیا کیا؟''

''میں نے اس کی گردن توڑ دی اور اس کی لاش پہاڑی سے نیچے پھینک دی۔ میں جتنی مکاری اور چالبازی سے اس جگہ کو اپنا سیف ہاؤس بنانے میں کامیاب ہوا تھا' اس پہ اس نے پانی پھیر دیا تھا۔ اب میں جا رہا ہوں' اور ایک جعلی پاسپورٹ کے ذریعے اس ملک سے بھاگ جاؤں گا۔ میں ایک تامل جاسوس ہوں' اور جاسوس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ انہیں فرق نہیں پڑتا کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔''

''نکل جاؤ میرے گھر سے۔'' وہ چلائی تھی۔ سرخ آنکھوں میں بہت سے آنسو لئے۔ سعدی خاموشی سے مڑا۔ مونچو نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ بوڑھا چپ چاپ کام کرتا رہا۔ سعدی یوسف بے تاثر چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ سر جھکائے' باہر اسٹریٹ میں چلتا دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ گلے رہے نہ گماں رہے نہ گزارشیں ہیں نہ گفتگو

وہ نشاطِ وعدہ وصل کیا ہمیں اعتبار بھی اب نہیں

دھند دوپہر تک کافی ہلکی ہوگئی تھی۔ سورج نے چہرہ دکھایا تھا۔ ہاسپٹل کی لابی مکمل طور پہ روشن تھی۔ چمکتے فرش پہ باریک ہیل سے چلتی، سفید لباس پہ سیاہ کوٹ پہنے اور بال ہاف باندھے زمر یوسف چلی آرہی تھی۔ کاؤنٹر پہ رک کر اس نے ریشپسنٹ نوجوان کو سلام کیا تو بھوری آنکھوں میں سادگی سی دکھائی دیتی تھی۔

''ڈاکٹر قاسم نے کہا تھا کہ.....''

''جی میم، آپ کی نئی دوا تیار ہے۔ انہوں نے بھجوادی تھی۔'' دراز سے پیکٹ نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ڈاکٹر قاسم اب کیسے ہیں؟''

''اسی طرح ہیں۔ آپ ان کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔ انہیں اس شخص کو پولیس کے حوالے کرنا چاہیے تھا۔ سی سی ٹی وی میں اس کی فوٹیج بھی تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے وہ بھی ڈیلیٹ کروادی۔'' وہ ناخوش اور فکرمند لگ رہا تھا۔

''کس شخص کو؟'' اس نے اچنبھے سے نوجوان کو دیکھا۔ پچھلی دفعہ یہاں کوئی دوسرا لڑکا تھا جس نے اسے ڈاکٹر قاسم کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع دی تھی۔

''وہ مریض جس نے ان پہ تشدد کیا تھا۔ آپ کو کسی نے نہیں بتایا؟'' وہ اس نوجوان کو گزرے برسوں سے دیکھ رہی تھی۔ ایک دفعہ اس کے پاس ایک کام لے کر بھی آیا تھا جب وہ اے ڈی پی تھی۔ تبھی قدرے آگے ہو کر کہنے لگا۔ ''ایک آدمی مریض بن کر آیا تھا ایک روز۔ وہ نکل گیا تو کافی دیر بعد جب میں اندر گیا کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے اگلے مریض کو بلایا نہیں تھا تو دیکھا کہ وہ زمین پہ گرے پڑے ہیں اور زخمی حالت میں ہیں۔''

''کب کی بات ہے یہ؟'' وہ متحیر رہ گئی۔

''ٹھہریں میں آپ کو تاریخ بتاتا ہوں۔ اسی تاریخ کی فوٹیج ہم نے مٹائی تھی نا۔'' وہ اس کے دلچسپی لینے پہ ذرا پرجوش سا دراز سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔ پھر ایک کاغذ نکالا اور تاریخ پڑھ کر سنائی۔ یہ ماہِ کامل کی رات سے اگلے دن کی تاریخ تھی۔ زمر کے حلق میں کچھ اٹکا۔

''اور اس تاریخ کو ڈاکٹر صاحب سے ملنے آنے والے مریض نے ان کو مارا پیٹا؟''

''دراصل وہ مریض نہیں تھا۔ رجسٹر میں نام بھی نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سے فون پہ بات ہوگئی تھی اور اندر چلا گیا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے اعتراض نہیں کیا تو میں سمجھا کہ.....''

''کیسا..... کیسا دکھتا تھا شکل میں؟'' بدقت لہجہ متوازن رکھا۔

''فوٹیج تو ہم نے مٹادی۔ شکل اتنی اچھی نہیں یاد مگر لمبا سا تھا۔ گرے سا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ چھوٹے کٹے بال تھے، بہت چھوٹے اور.....'' وہ یاد کر کے ایک ایک شے بتا رہا تھا اور زمر بار بار خشک لبوں پہ زبان پھیرتی تھی۔

''آپ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اس حالت میں پایا؟ آئی ایم سوری مگر آپ کے ساتھ ایک پرانی علیک سلیک ہے اس لیے آپ کو بتا رہی ہوں کہ اگر یہ کہانی آپ نے کسی اور کو سنائی تو سارا الزام آپ کے سر پہ آئے گا۔ فوٹیج بھی آپ نے مٹائی' ڈاکٹر صاحب کو اس طرح گرے بھی آپ نے دیکھا اور اس مریض کو جاتے ہوئے بھی آپ ہی نے دیکھا۔ عدالت سمجھے گی کہ آپ اپنے جرم کو کور کرنا چاہ رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی اگر اس بندے کو کور کر رہے ہیں تو پولیس کے سامنے اس کا نام نہیں لیں گے' مگر آپ کی غیر حاضریوں سے اکثر نالاں رہتے ہیں۔ اگر آپ کا نام لے دیا تو؟ میری مانیں تو اس قصے میں نہ پڑیں۔'' ایک ہی سانس میں اسے مفت مشورے سے نوازتی وہ اس کے ہکا بکا چہرے کو نظر انداز کرتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

پھر وہ کن قدموں سے وہاں سے نکلی' اس کو معلوم نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ کار میں بیٹھ کر کافی دیر اس نے خود کو گہرے گہرے سانس لے کر ریلیکس کیا۔

''اس نے میرے ڈاکٹر کو مارا پیٹا۔ اور اس کے بعد ڈاکٹر نے اچانک سے کڈنی ٹرانسپلانٹ کی بات ختم کر دی' وہ اب مجھے امید دلانے لگے ہیں کہ نئی دوا سے میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ کچھ غلط ہے اس سب میں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی خود سے بڑبڑائے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضبطِ غم اس قدر آسان نہیں فراز

آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیئے جاتے ہیں

سبز بیلوں سے ڈھکے مورچال میں دوپہر کے وقت سناٹا چھایا تھا۔ حنین ڈائننگ ہال میں بیٹھی' انگلیوں میں وہ کی چین الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے علیشا سے کوئی بات نہیں کی تھی' نہ اسے کرنی تھی۔ مگر..... وہ سوچنے لگی..... یہ کی چین علیشا کیوں مانگ رہی ہے واپس؟ اس میں کیا بات ہے ایسی؟ Anst Ever After۔ کیا یہ کسی قسم کا کوڈ ہے؟ کچھ تو ہے۔

شہر کے دوسرے حصے میں واقع ایک ریسٹورانٹ کے اندر دوپہر کی روشنی بھری تھی۔ فارس غازی کونے والی میز پہ بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بازو سینے پہ لپیٹے' منتظر نظر آ رہا تھا۔ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا' پھر سنہری آنکھیں دروازے پہ مرکوز کر دیتا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ جیسے کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

اور اس انتظار کی گھڑی میں یونہی ذہن کی رو بھٹکنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکو تو ان میں یادوں کے اوراق کھلتے نظر آ رہے تھے.....

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ آفس میں بیٹھا تھا' اور سر جھکائے فائل میں لگے کاغذ باری باری نکال رہا تھا جب سامنے کوئی کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھا۔ فارس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ وارث تھا' اور اب مسکرا کر اس سے خیریت پوچھ رہا تھا۔

''ہاں۔ مجھے کیا ہونا ہے؟'' بے نیازی سے کندھے جھٹکتے فارس نے فائل بند کر کے پرے ڈالی۔

''تھوڑی مزید چھٹی لے لیتے۔ شادی ایک ہی دفعہ ہوتی ہے۔ کچھ دن اور لگا لیتے ناردرن ایریاز میں۔''

''نہیں' بہت چھٹی ہوگئی پہلے ہی۔اب کام پہ واپس آنا ہی تھا۔'' وہ بہت تازہ دم نہیں لگ رہا تھا۔ چائے آنے کے بعد وارث نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

''تم خوش ہو زرتاشہ کے ساتھ؟''

''ہاں۔'' وہ بازوؤں کا تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھے' اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ سوچ کر کہنے لگا۔ ''اچھی ہے۔ شکایتیں زیادہ کرتی ہے' ذرا بچگانہ بھی ہے' مگر اتنی چالاک نہیں ہے۔''

''اس کو موازنے اور مقابلے کے پیمانے سے ہٹا دو فارس۔''

فارس ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''میں اس کا موازنہ کسی سے نہیں کرتا۔'' پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''اگر تم اور ندرت آپا بار بار مجھے وہ باتیں یاد نہ دلاؤ تو مجھے وہ یاد بھی نہیں آتی۔''

''او کے آئی ایم سوری۔'' وارث نے متانت سے کہتے کپ میز پہ رکھا۔ ''مجھے لگتا تھا کہ تم گلٹی ہو کہ....''

''میں گلٹی نہیں ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ زرتاشہ سے اتنی محبت کروں جتنا اس کا حق ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ.... یہ میں نہیں کر پا رہا ابھی۔''

''فارس میاں بیوی کو ایک دوسرے سے لازمی محبت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے درمیان مودت اور مرحمت ہونی چاہیے۔ مودت کہتے ہیں الفت کو' اٹیچ ہونے کو' دوستی ہو جانے کو۔ اور مرحمت ہوتی ہے ایک دوسرے سے ہمدردی' compassion' خیال رکھنا' احساس کرنا دوسرے کا۔ محبت ضروری نہیں ہوتی۔ اور جانتے ہو' بیوی اپنے شوہر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ تم اس کو کہو وہ خوبصورت ہے' وہ ہر روز نکھرتی جائے گی' اسے کہو وہ خدمت گزار ہے' وہ مزید خدمت کرے گی' اس کو سراہو گے تو اس کا اعتماد بڑھے گا' لیکن اگر ہر وقت اس کے اندر نقص نکالو گے تو اس کو کھوکھلا کر دو گے' وہ ٹیڑھی پسلی سے نکلی ہے' اس کو سیدھا کرنے کی کوشش میں تم اسے توڑ دو گے۔ اس لئے اس کے ساتھ دوستی اور رحم کا رشتہ رکھو۔ میں چاہتا ہوں تم اس کے ساتھ خوش رہو' اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ خوش رہے۔ کوئی بھائی نہیں چاہتا کہ اس کے بھائی کی بیوی تکلیف میں رہے۔'' الفاظ وارث کے لبوں سے نکل کر ہوا میں ٹھہرتے گئے۔ کہتے ہیں تمام الفاظ فضا میں معلق ہو جاتے ہیں' ازل سے ابد تک کے لئے ٹھہر جاتے ہیں' اسی لئے ہم جب چاہیں انہیں یاد کر لیتے ہیں.... محسوس کر لیتے ہیں.... وہ الفاظ کی اس بازگشت سے تب نکلا جب سامنے والی کرسی کھینچی گئی۔ فارس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور فوراً کھڑا ہو گیا۔

''سارہ!'' احتراماً سر کو خم دیا۔ سارہ ملائمت سے مسکراتی سامنے بیٹھی۔

''خیریت تھی نا فارس؟ تم نے اتنی ایمرجنسی میں مجھے بلوایا۔''

''کوئی بھائی نہیں چاہتا کہ اس کے بھائی کی بیوی تکلیف میں رہے۔'' وہ کہتے ہوئے واپس بیٹھا۔ سارہ نے اپنی سبز آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھا۔ وہ بال جوڑے میں باندھے' ہاتھ میں فولڈر اور پرس اٹھائے ہوئے تھی۔ آفس سے لنچ بریک میں آئی تھی۔ وہ پہلے اس سے

بچیوں کا حال پوچھنے لگا۔ پھر ذرا دیر بعد بولا۔

''دو آپشن ہیں آپ کے پاس۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ ''یا تو آپ انگلینڈ چلی جائیں' کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو جائیں' میں ہر چیز ارینج کروا دوں گا۔ یا پھر آپ اگر گواہی دینا چاہیں تو میں آپ کی حفاظت کروں گا۔''

''گواہی؟'' سارہ کے حلق میں کچھ اٹکا۔ رنگت سفید پڑی۔ ''تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''سعدی مل گیا ہے سارہ۔ اور جب وہ واپس آئے گا تو وہ عدالت میں جائے گا۔ آپ سعدی کے ساتھ تھیں اس رات' میں جانتا ہوں' عدالت آپ کو بلائے گی.... واپس بیٹھ جائیں۔'' آخری الفاظ سختی سے کہے اور وہ جو اٹھنے لگی تھی' بے بسی اور غصے سے اسے دیکھتی واپس بیٹھی۔ ''تو آپ گواہی دیں یا نہیں' فیصلہ آپ نے کرنا ہے' لیکن میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ زمر اور سعدی چاہیں گے کہ آپ عدالت میں پیش ہوں' مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ اگر آپ نہیں پیش ہونا چاہتیں تو ان کے علم میں لائے بغیر میں آپ کو یہاں سے بھجوا دوں گا کسی محفوظ مقام کی طرف۔ فیصلہ آپ کا ہے۔'' سنجیدگی سے کہہ کر واپس ٹیک لگا کر بیٹھا۔ سارہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھے گئی' بولی کچھ نہیں۔ کتنے ہی پل خاموشی سے بیت گئے۔ پھر وہ ذرا نرمی سے بولا۔

''ابھی کسی کو آپ کا نہیں پتہ' اس لئے ابھی تک فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

''کرنل خاور کو پتہ ہے۔'' اس کے لب پھڑپھڑائے۔ فارس کا اطمینان غائب ہوا' ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''کیا؟ وہ کب ملا آپ کو؟''

''سعدی کے اس.... اس حادثے کے تین دن بعد.... میں رات کو اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب....'' وہ نظریں جھکائے' ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتانے لگی۔

رات کے اس پہر..... کمرہ تاریک تھا۔ سوائے مدھم نائٹ بلب کی زمرد روشنی کے' جو منظر کو دیکھنے قابل بنا رہی تھی۔ بیڈ پہ سارہ لحاف تانے سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ سوکھے آنسوؤں کے نشان واضح نظر آتے تھے۔ دائیں بائیں امل اور نور بے خبر سو رہی تھیں۔ تبھی کوئی کھٹکا سا ہوا۔ سارہ کی آنکھیں ایک دم کھلیں۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ لاؤنج سے کسی شے کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے بستر سے نکلی' پیروں میں سلیپرز ڈالے اور باہر آئی۔

''امی؟'' محتاط انداز میں پکارتے ہوئے وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو دیکھا' سامنے ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا ہے۔ سارہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا' مگر اس سے پہلے کہ وہ ریموٹ اٹھاتی' کسی نے گردن سے دبوچ کر اسے دیوار سے لگایا اور منہ پہ سختی سے ہاتھ جما دیا۔ ساری چیخیں اس کے حلق میں دم توڑ گئیں۔

ٹی وی کی روشنی کے باعث' وہ خوفزدہ آنکھوں سے اتنا تو دیکھ سکتی تھی کہ پستول کی نال اس کی گردن پہ رکھنے والا کرنل خاور ہے۔

''آواز نکالی تو گولی مار دوں گا۔'' وہ دبی آواز میں غرایا۔ سارہ نے بے بسی سے اثبات میں سر ہلایا۔ دونوں ہاتھ دیوار پہ جمائے' وہ کانپنے لگی تھی۔

''تم سعدی کے ساتھ تھیں' تم نے سب دیکھا ہے' میں نے ہاشم کو نہیں بتایا' کیونکہ وہ کہے گا تمہیں مار دوں' لیکن اگر تم نے کسی کو بتایا تو میں تمہاری بچیوں کو غائب کرا دوں گا۔ سن رہی ہو یا نہیں؟'' سارہ جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگی۔ آنسو آنکھوں سے ابل ابل کر چہرے پہ لڑھک رہے تھے....

''وہ دس منٹ کھڑا رہا' مجھے ڈراتا رہا' دھمکاتا رہا اور میں ڈر گئی۔ اس کی آمد کے بارے میں نے امی تک کو نہیں بتایا۔''

''مجھے تو بتا دیتیں سارہ۔ میں تو تھا نا آپ کے پاس۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ کر بولا تھا۔ سارہ نفی میں سر ہلاتی پرس اٹھاتے ہوئے اٹھی۔

''میرے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے فارس۔ مجھے جو بھی فیصلہ کرنا ہے' خود کرنا ہے۔'' وہ اس سے اپنی بھیگی نظریں ملائے بغیر چلی گئی اور وہ لب بھینچے بیٹھا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبھی گریباں کے تار گنتے' کبھی صلیبوں پہ جان دیتے

گزر گئی زندگی ہماری.........سدا یہی امتحان دیتے

فوڈلی ایور آفٹر کے بالائی ہال کا دروازہ فارس نے دھکیلا تو روشن سے ہال میں زمر سر جھکائے میز پہ جھکی کچھ لکھتی نظر آئی۔ آہٹ کے باوجود سر نہیں اٹھایا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ ہشاش بشاش سا کہتا کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ زمر نے آنکھیں اٹھائیں تو ان میں اندر تک اترنے والی چبھن تھی۔

''اسی جگہ بیٹھ کر تم نے کہا تھا کہ اب مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گے۔'' اس کے الفاظ اتنا صدمہ لئے ہوئے تھے کہ فارس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ چونک کر (ٹانگ سے ٹانگ ہٹاتا) سیدھا ہوا۔ ''کیا ہوا؟''

زمر قلم پرے رکھ کر پیچھے کو ہوئی۔ ''کتنے مان سے میں کہہ رہی تھی کہ تمہیں کتنا غلط سمجھتی رہی مگر تم فارس.....تم کبھی نہیں بدلو گے۔''

''اب کیا کیا ہے میں نے؟'' اس کی تیوری چڑھی۔

''تم نے کچھ نہیں کیا۔ تم صرف کسی سے ملنے گئے تھے اور وہاں جا کر تم نے مار مار کر اس کا حشر برا کر ڈالا۔ یاد ہے کس کی بات کر رہی ہوں یا میں یاد کرواؤں؟'' وہ غصے بھری بے بسی سے بولی تو فارس نے گہری سانس لی اور ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' مجھے غصہ آ گیا تھا۔ لیکن زمر بی بی' مار پیٹ کے بھی مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ ایک مار ایسی ہوتی ہے جس میں درد ہوتا ہے مگر زخم نہیں بنتا اور ایسے ہی مارا تھا میں نے اسے' ورنہ مار مار کر اپاہج کیسے کیا جاتا ہے یا جان کیسے لی جاتی ہے' معلوم ہے مجھے۔'' وہ سرد مہری سے خفا خفا سا کہہ رہا تھا۔ ''دو ہاتھ لگا دینے سے اس کا کچھ نہیں بگڑا۔ ہاں جو منہ پہ اسے مارا' اس کے لئے معذرت کر لی تھی میں نے۔ اب کیا پاؤں پڑتا؟ اور سعدی کو دیکھو۔ دو دن صبر نہیں ہوا۔ پیاری پھپھو کو کال کر کے سب بتا دیا۔ اور کون سی شکایتیں لگائی ہیں میری؟'' وہ برہم تھا اور خفا بھی۔ (اس لیے تو اسے نہیں دیا تھا زمر کا پرائیوٹ نمبر کہ وہ اس کی شکایتیں لگاتا پھرے!)

زمر یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ اسے چند لمحے لگے یہ سمجھنے میں کہ وہ دونوں دو مختلف لوگوں کی بات کر رہے تھے اور جب اس نے فارس کے الفاظ کو از سرِ نو سوچا تو.....

''تم نے سعدی کو مارا؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح غراتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''تو اور کیا پیار کرتا؟ جتنا خوار اس نے مجھے کیا' اس کے بعد وہ ہاتھ نہ جڑتا تو وہ اب بھی واپس نہ آتا۔''

''تم نے سعدی کو.... مارا؟'' وہ بے یقین تھی۔ کون ڈاکٹر' کیا ڈاکٹر' اسے سب بھول گیا تھا۔

''میرا خیال ہے آپ سوگ مناتی رہیں' جب تک میں کچھ کام کر لوں۔'' تلخی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زمر ابھی تک شل کھڑی تھی۔ وہ غصے میں بھی تھی مگر اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر پاتی' وہ باہر نکل گیا تھا دروازہ زوردار آواز سے بند کر کے۔

وہ بے دم سی واپس کرسی پہ گری۔ سعدی..... ڈاکٹر قاسم..... فارس غازی کے بارے میں اسے سچ نہ ہی پتہ چلا کرے تو زیادہ بہتر تھا۔ اسکا دماغ سخت الجھ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہمارے لفظوں سے نطق چھینا ہے اپنی محرومیوں نے ورنہ
سخن ورو ! ہم بھی اپنی بستی کے پتھروں کو زباں دیتے

ہوٹل کا ڈائننگ ہال برقی قمقموں اور جھلملاتے فانوس سے روشن تھا۔ آبدار عبید نے اس وسیع و عریض ڈائننگ ایریا کی دہلیز پہ رک کر موبائل کی اسکرین روشن کی' اور پھر میسج لکھا۔ ''میں واپس آ گئی ہوں' فارس۔ کیا ہم مل سکتے ہیں اب؟'' اور بھیج دیا۔ وہ سر پہ سرخ رومال کشمیری لڑکیوں کے انداز میں باندھ کر پیچھے کو ڈالے' سفید منی کوٹ پہنے' لیڈیز ٹو پیس سوٹ میں ملبوس تھی۔ پاؤں میں اونچی سلور ہیل تھی' اور کہنی پہ اٹکا ڈیزائنر بیگ جو سورج مکھی کے پھول جیسا زرد تھا۔

دور سے اس نے ہاشم کو دیکھ لیا تھا سو نزاکت سے قدم قدم چلتی وہ آگے آئی۔ وہ دیوار کے ساتھ ایک میز پہ موجود تھا۔ ٹو پیس سیاہ سوٹ' اوپری جیب سے جھلکتا سفید کارڈ' بال جیل سے پیچھے کیے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ سکون تھا' اور لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ۔ آبی کو آتے اس نے دیکھ لیا تھا تبھی آنکھوں میں نرم سا تاثر ابھرا' اور مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

آبدار اس کے سامنے آ رکی۔ ہاشم آگے بڑھا' اس کے لئے کرسی کھینچی' پھر واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھا۔

''ہیلو گریم ریپر!'' وہ مسکرا کر بیٹھی اور بیگ میز پہ رکھا۔

''ہیلو ریڈ!''

''میں کھانا کھانے نہیں آئی' تیمارداری کرنے آئی ہوں۔ تمہاری تیمارداریاں نہیں بھولتی میں۔ کیسے ہو؟'' وہ محظوظ انداز میں بولی تھی۔

وہ ہلکا سا ہنس کر سر جھٹکتے' ویٹر کو بلانے لگا۔ کھانا آنے تک وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ مؤدب بیرے دائیں بائیں سے آ کر

میز پہ اشیائے طعام سجاتے گئے۔ گلاب کی پتیوں کے درمیان رکھی موم بتی کا شعلہ بھی روشن تھا۔ آبدار چہرے پہ مدھم مسکراہٹ سجائے بیٹھی رہی، البتہ گزرتے وقت کے ساتھ وہ مزید بے چین ہوتی جا رہی تھی۔

''آج کل میں عجیب عجیب باتیں سوچنے لگا ہوں۔'' وہ آگے کو ہو کر بیٹھا، نگاہیں کبھی موم بتی پہ جھکاتا، کبھی اٹھا کر اسے دیکھ کر بولتا۔

''فارس کے بارے میں (آبدار کی رنگت فق ہوئی، اس نے پہلو بدلا) مجھے لگتا ہے وہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ جیسے وہ سعدی کے بارے میں سب جانتا ہے۔ جیسے سب لوگ مجھے دھوکہ دے رہے ہیں۔ لیکن اب مجھے پرواہ نہیں ہے۔'' وہ دھیمے یاسیت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''جب میں موو آن کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں تو یہ باتیں میرے لئے بے معنی ہیں۔''

''یہ صرف تمہارا وہم ہے ہاشم!'' وہ مضطرب سی بولی تھی۔ گود میں رکھے ہاتھ کانپے تھے۔

''سچ بھی ہو تو مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ یہ دشمنیاں، یہ سیاستیں، یہ سب پیچھے چھوڑنا چاہتا ہوں۔'' وہ واقعی تکان سے کہہ رہا تھا۔ ''کیا تم میری مدد کرو گی؟''

''میں.....کیا کر سکتی ہوں؟'' وہ جبراً مسکرائی۔

''تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کر سکتی ہو۔'' وہ آزردگی سے مسکرایا۔ نگاہیں آبی پہ جمی تھیں۔ ''تم جانتی ہو کہ تم میرے لئے کیا ہو۔ تم مجھے بہت عزیز ہو اور میں ایسی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا جس میں تم نہ ہو۔ کہتے ہیں جب کوئی کسی کی جان بچاتا ہے تو اس کی زندگی اس مسیحا کی امانت بن جاتی ہے، تمہاری زندگی جتنی تمہاری ہے اتنی میری بھی ہے۔''

پسِ منظر میں بجتی دھیمے سروں کی موسیقی.....موم بتی کا ٹمٹماتا شعلہ.....خوابناک زرد روشنیاں.....ہر شے سے بے نیاز وہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''آئی.....ایم.....اِن لو.....وِد.....یو۔'' اس نے یہ الفاظ توڑ توڑ کر ادا کیے تھے۔ آنکھیں آبی کی آنکھوں پہ ہنوز جمی تھیں۔ ''اور میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنی زندگی ایک ساتھ گزاریں۔ کسی دوسرے ملک چلے جائیں، جہاں تم کہو۔ اور ایک نئی دنیا بنائیں۔ اب یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تمہیں اسپرنگ ویڈنگ چاہیے یا سمر ویڈنگ؟ مگر موسمِ گرما سے زیادہ تاخیر میں نہیں کر سکتا۔''

چند لمحوں کی بوجھل خاموشی دونوں کے درمیان حائل ہوئی۔ آبدار ذرا آگے کو ہوئی، خشک لب گیلے کر کے آپس میں مس کیے۔ ''ہاشم، میں تمہاری بہت عزت کرتی ہوں، اور تمہیں بہت پسند کرتی ہوں، تم نے میری جان بچائی تھی، مگر یہ سوال.....یہ پروپوزل.....یہ بہت غیر متوقع ہے میرے لئے۔''

''مجھے کوئی جلدی نہیں، ریڈ۔ تم سوچ لو۔'' وہ نرمی اور رسان سے کہہ رہا تھا۔ آنکھیں پل بھر کے لئے بھی آبی کی آنکھوں سے ہٹ نہیں پا رہی تھیں۔ ''سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو، کچھ دن لے لو.....''

''ہاشم.....'' وہ بے چینی سے بولی۔ ''میں نے سوچ لیا ہے۔ میں تمہاری بہت اچھی دوست ہوں، اور دوست ہی رہنا چاہتی ہوں، مگر یہ

سب....شادی....رشتہ....نئی زندگی....یہ نہیں ہو سکتا۔میں....."

"آبدار!" آنکھیں اس کی آنکھوں پہ مرکوز کیے اس نے ٹھنڈے لہجے میں کہتے نرمی سے آبی کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔آبدار کا ہاتھ جتنا گرم تھا' اتنا اس کا ٹھنڈا تھا۔"میں نے کہا نا' تم سوچ لو' کچھ دن لے لو' آرام سے فیصلہ کرو....اور پھر مجھے بتاؤ کہ تمہیں اسپرنگ ویڈنگ چاہیے یا سمر ویڈنگ....ہوں!" اور ہلکا سا مسکرایا۔اس کے لہجے کی ٹھنڈ آبی کے اندر تک سرایت کرتی اس کے خون کو جما گئی۔اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔وہ اب نیپکین کھولتا اس سے ہارون کا حال پوچھ رہا تھا۔آبدار کی ساری بھوک مر گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مرا یہ خون مرے دشمنوں کے سر ہو گا
میں دوستوں کی حراست میں مارا جاؤں گا

صبح کے اس پہر ائیر پورٹ کی ساری بتیاں دور سے جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔اندر لوگوں کا بے نیاز ہجوم اپنی اپنی سمت میں گامزن تھا۔ایک کاؤنٹر کے سامنے ٹوپی' اور بڑھی شیو والا لڑکا کھڑا تھا جس کی آنکھوں پہ چشمہ لگا تھا۔سامنے بیٹھا آفیسر اس سے معمول کے سوالات پوچھنے کے بعد استفسار کر رہا تھا۔"سو آپ افغانستان سے آ رہے ہیں؟"

"جی' میں سری لنکا سے افغانستان گیا تھا' چند گھنٹے وہاں قیام کیا' ایک دو دوستوں سے ملا اور پھر یہاں آ گیا۔" اس نے رٹا رٹایا بیان دہرایا۔

"حیدر ہمایوں خان۔ویلکم ٹو پاکستان۔" اس نے پاسپورٹ پہ مہر لگاتے ہوئے کہا۔عینک کے پیچھے اس کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا۔

کچھ دیر بعد وہ کندھے پہ بیگ اٹھائے' قدم قدم چلتا ائیر پورٹ کے احاطے سے باہر آ رہا تھا۔جیکٹ کی زپ بند کر لی تھی اور ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے تھے۔

شہر ویسا ہی تھا' ویسی ہی ٹھنڈ' ویسے ہی لوگ۔سعدی نے چلتے چلتے چہرہ اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔تارے تھوڑے بہت دکھائی دیتے تھے' ماحولیاتی آلودگی کی دبیز تہہ نے ستاروں کو بڑے شہروں کے آسمان سے عرصے ہوا چرا لیا تھا۔مگر چلو....آسمان تو اپنا ہی تھا۔اس نے آنکھیں بند کر کے ہوا کو محسوس کرنا چاہا۔

چند گھنٹوں کا یہ سفر بے حد اذیت ناک تھا۔ہدایت کے مطابق وہ ڈائیریکٹ آنے کی بجائے لمبا روٹ لے کر آیا تھا۔ہر پل اسے لگتا تھا کہ وہ پکڑا جائے گا' مار دیا جائے گا....مگر پاسپورٹ گورنمنٹ ایشوڈ تھا' نقلی نہیں تھا' سو سفر آرام سے طے ہو گیا۔اور اب پاک سرزمین اس کے قدموں میں بچھ چکی تھی۔فارس نے فون کر کے اسے چند دن کی مہلت دی تھی اور گو کہ وہ ابھی کچھ دن مزید تنہائی میں اپنا دماغ "خالی" کرنا چاہتا تھا' لیکن اب وہ مزید نہیں بھاگ سکتا تھا۔چیونٹی کو اپنے گھر واپس جانا ہی تھا۔

ٹیکسیاں اس کے قریب آ کر رکتیں' ہارن دیتیں' سوال کرتیں' مگر وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھتا گیا۔دفعتاً سڑک کنارے ایک کوڑا دان کے ساتھ ٹھہرا' جیب سے پاسپورٹ نکالا اور اس کے چار ٹکڑے کیے۔ایک ٹکڑا کوڑا دان میں پھینکا اور پھر آگے چلتا گیا۔دو ٹکڑے سڑک

کنارے مروڑ کر اچھال دیے اور آخری ٹکڑا چند کوس دور ایک دوسرے کوڑا دان میں ڈال دیا۔ پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

چند لمحے گزرے....اور اس پہلے کوڑا دان کے ساتھ ایک شخص آ کر رکا۔ رات کی تاریکی میں اس کا چہرہ اتنا واضح نہ تھا۔ کوٹ کے کالر اس نے کھڑے کر رکھے تھے۔ آنکھوں پہ سیاہ چشمہ تھا' کانوں کے گرد مفلر....اس نے جھک کر کوڑا دان میں ہاتھ ڈالا' پاسپورٹ نکال کر ایک پلاسٹک پیکٹ میں ڈالا۔ پھر آگے بڑھا۔ سڑک کنارے لگی باڑ پھلانگی۔ اس طرف سے مڑے تڑے دونوں ٹکڑے اٹھا کر پلاسٹک بیگ میں ڈالے۔ پھر واپس سڑک تک آیا۔ سامنے سعدی یوسف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرنے لگا اور جس لمحے سعدی نے آخری ٹکڑا ایک کوڑے دان میں اچھالا' وہ شخص ٹھہر گیا' یہاں تک کہ سعدی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تب وہ دبے قدموں آگے آیا' یہ ٹکڑا بھی اٹھایا اور اپنی زنبیل میں ڈالا۔

''یہ پاسپورٹ ذرا سی گوند سے واپس جوڑ کر عدالت میں سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کروانے کے لیے کافی ہے۔'' اس نے پلاسٹک کی زنبیل کو اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے خود سے کہا۔ چند لحموں بعد سرخ مفلر سے منہ ڈھانپے' شخص دوسری سمت جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان سے کہو ہم طوفانوں سے ڈرنے والے لوگ نہیں

قاتل کو مرتے دم تک قاتل ہی بولا جائے گا

جمعے کی دوپہر اس ہاؤسنگ سوسائٹی کے خوبصورت بنگلے قطار میں کھڑے دھوپ نرم گرم سینکتے دکھائی دیتے تھے۔ ایسے میں سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے کے برآمدے کے دروازے پہ مور چال کی تختی نصب تھی۔ اندر جاؤ تو لاؤنج میں گہما گہمی تھی۔ آج جمعہ تھا اور جمعہ ویسے بھی پاکستان کی ساری ندرت بہنوں کا یوم بریانی ہوتا ہے سو اس وقت کچن میں رونق لگی تھی۔ ندرت ایک طرف سیم کو برتن لگانے کا کہہ رہی تھیں' تو دوسری طرف رائتہ پھینٹتی حنین کو تیز ہاتھ چلانے کا۔ زمر کھڑی سلاد کاٹ رہی تھی۔ فارس لاؤنج میں بیٹھا اپنے فون پہ لگا تھا' اور بڑے ابا ٹی وی پہ خبریں دیکھ رہے تھے۔ ایسے میں ڈور بیل بجی۔ ایک دفعہ ذرا سی گھنٹی۔ باوقار انداز۔

دہی پھینٹتی حنہ کے ہاتھ تھمے۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔ جمعہ....بریانی....ساری فیملی کا اکٹھا ہونا اور پھر ڈور بیل....کس کی کمی تھی؟ کس نے آنا تھا؟ حنین کے سارے وجود میں خوشگوار لہر دوڑ گئی۔ وہ ایک دم سب چھوڑ کر بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ فارس دروازہ کھولنے اٹھ گیا تھا مگر وہ تیزی سے اس کے سامنے آئی۔

''پلیز مجھے کھولنے دیں۔'' اس کی آنکھیں نم تھیں۔ فرط جذبات سے چہرہ تمتما رہا تھا۔ فارس مسکرا کر رک گیا۔ ''اس نے آج ہی آنا تھا۔'' حنین بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ پورچ کا دروازہ کھولا اور پھر گیٹ کی طرف لپکی۔ کوئی گیٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔ حنہ نے دھڑکتے دل اور مسکراتے چہرے کے ساتھ گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا اور.....

حنین کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ساری دنیا ہی منجمد ہوگئی گویا برف کا اجڑ اویران صحرا بن گئی ہو۔

''ہیلو حنین!'' باہر کھڑے ہاشم نے مسکرا کر کہا۔ تھری پیس گہرے سیاہ سوٹ میں ملبوس' وجیہہ چہرے والا ہاشم وہاں تنہا تھا۔ حنین کی نظریں اس کے عقب میں دوڑیں۔ پیچھے اس کی کار کھڑی تھی اور باہر چند گارڈ۔ حنین کا چہرہ بجھ گیا۔ وہ سامنے سے ہٹ گئی۔ ''ہاشم بھائی' آیئے۔''

''تم اب مجھے ٹیکسٹ نہیں کرتی۔ کوئی ناراضی ہے کیا؟'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتا اندر داخل ہوا۔ وہ ملے جلے جذبات میں گھری اس کے ساتھ چلتی آئی۔

''اب مصروف ہوتی ہوں بہت۔ آپ اس دنیا میں موجود ہیں' یہ تک بھول جاتا ہے۔'' برآمدے کے اسٹیپس چڑھتے ہوئے ہاشم نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''میری موجودگی کسی کو نہیں بھولتی۔'' پھر اسٹیپ پہ چڑھا۔ آگے بند دروازہ تھا' اور اس پہ نصب تختی۔

''مور چال؟'' اس نے زیر لب پڑھا۔

''چیونٹی کا گھر!'' حنین بولی۔ ہاشم نے انگلی سے تختی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ ڈھیلی ہے' مضبوطی سے جمی نہیں ہوئی' ذرا سی ٹھوکر سے گر جائے گی۔ اندر بتا دو میں آیا ہوں۔'' شائستگی سے کہتا وہ وہیں کھڑا ہوگیا۔ حنین تیزی سے اندر آئی۔ (دروازہ اس کے منہ پہ بند کر دیا۔)

''ہاشم.... ہاشم بھائی آئے ہیں۔'' لاؤنج میں پہنچ کر اس نے پھولے سانس کے ساتھ اطلاع دی۔ لمحے بھر میں تمام حرکات رک گئیں' آوازیں بند ہوگئیں۔ زمر اور ندرت کچن سے نکل آئیں۔ ابا' فارس اسے دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے زمر کو ہوش آیا۔

''ٹھیک ہے' وہ ہمارا مہمان ہے۔ فارس' تم اسے اندر لاؤ' ڈائننگ ہال میں۔ ہم کھانا لگاتے ہیں۔'' وہ تیز تیز ہدایات دیتے ہوئے بولی۔

''حنہ' سیم' بھابھی' ابا' سب سن لیں' کوئی کچھ ظاہر نہیں کرے گا۔ پہلے کی طرح نارمل رہیں گے سب۔ اوکے؟'' آنکھیں دکھا کر سختی سے وارن کیا۔ سب متفق تھے۔ فارس منہ میں کچھ چباتا بے نیازی سے اٹھا (گویا کچھ سنا ہی نہ ہو) اور باہر چلا گیا۔

چند لمحوں بعد تمام گھر والے طویل ڈائننگ ٹیبل کے گرد کرسیاں سنبھال رہے تھے جب فارس ہاشم کو لئے چلتا ہوا اس طرف آرہا تھا۔ ہاشم مسکرا کر سب سے ملا۔ حال احوال دریافت کرتے ہوئے کرسی کھینچی۔ ابا کی سربراہی کرسی کے بائیں طرف۔ اس کے مقابل فارس بیٹھا تھا۔ ہاشم کے برعکس وہ رف سے سوئیٹر اور جینز میں ملبوس تھا۔ کرسی کھینچتے ہوئے بھی موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

''میں غلط وقت پہ آگیا شاید۔'' وہ سب کو دیکھتے ہوئے بولا۔ سب خاموش رہے۔ ندرت اس کو دیکھنا نہیں چاہتی تھیں' سو برتن درست کرتی رہیں۔ حنین سر جھکائے نیپکین جوڑتی رہی۔ زمر لبوں پہ مسکراہٹ سجائے بیٹھی رہی۔ ابا کے تاثرات بھی تنے ہوئے تھے۔

''نہیں' ایسا کس نے کہا؟'' فارس نے کندھے اچکائے اور بریانی کی بھاپ اڑاتی اشتہا انگیز مہک والی ڈش اٹھا کر سامنے رکھی۔ وہ چہرے سے سنجیدہ اور قدرے بے نیاز لگتا تھا۔

''بہت دن سے آنا چاہ رہا تھا.... آج ہی وقت نکال پایا۔'' ہاشم چمچ کانٹا سنبھالتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا۔ ''آپ لوگ ٹینس لگ رہے ہیں۔ خیریت ہے؟'' زمر کا دل زور کا دھڑکا۔ جلدی سے مسکرا کر کہنے لگی۔ ''نہیں۔ دراصل آپ کی طبیعت کا سنا تھا تو....'' مگر فارس اس سے

پہلے ہی بول اٹھا۔

''ڈیٹینس کوئی نہیں ہے۔بس سب کو علم ہو گیا ہے کہ تم نے میری بیوی اور بھائی کو مارا تھا' اور آف کورس سعدی کو بھی زخمی' اغوا' واٹ ایور' وہ سب کروایا تھا۔رائتہ؟'' کہتے ہوئے اس نے رائتے کا ڈونگا ہاشم کے سامنے رکھا۔سب ایک دم بے یقینی سے فارس کو دیکھنے لگے۔زمر تو بالکل شل رہ گئی۔

صرف ایک شخص نے جیسے کوئی اثر ہی نہیں لیا اور وہ ہاشم تھا۔اس کا چہرہ ویسے ہی مسکراتا رہا اور نظریں فارس پہ جمی رہیں۔پھر اس نے سر کو ذرا سا خم دیا۔

''ظاہر ہے۔'' اور چاول پلیٹ میں نکالے' ذرا سا رائتہ اوپر ڈالا۔سب کے سانس رکے ہوئے تھے۔پھر ہاشم نے چہرہ اٹھایا تو اس پہ مغموم سا تاثر تھا۔آنکھوں میں سادگی تھی۔

''میں جانتا ہوں میں نے اچھا نہیں کیا۔'' آواز میں افسوس تھا۔

''سب جانتے ہیں۔'' فارس نے اسی بے نیازی سے کندھے اچکائے' موبائل ایک طرف دھرا اور اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔

''انسان بہت سے کام کرتا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہئیں۔میں نے بھی غلطیاں کی ہیں' گناہ کیے ہیں۔وارث کو....'' رک کر سلاد کے باؤل سے چند کھیرے اپنے پلیٹر میں نکالے۔''میں نہیں مارنا چاہتا تھا' مگر خاور مجبور ہو گیا تھا۔آئی ایم سوری فار دیٹ۔'' چاولوں کا چمچ منہ میں رکھا' چند لمحے چبایا' پھر ندرت کو دیکھا جو اسے گلابی پڑتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔''آپ واقعی بہترین شیف ہیں۔خیر۔'' فارس کی طرف نظریں پھیریں'' پور زرتاشہ....وہ کولیٹرل ڈیمج بن گئی' اس نے ہماری باتیں سن لی تھیں' اور مسز زمر کے لئے مجھے واقعی افسوس ہے.....''

زمر سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔

فارس نے چاولوں میں چمچ چلاتے ہوئے کندھے جھٹکے۔''یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔!''

''رہا سعدی تو مجھے اس پہ حملے کا علم نہیں تھا' ہاں جب پتہ چلا تو میں نے اس کو محفوظ جگہ بھجوا دیا' اس کا خیال رکھا' وہ بھی اتنا ہی ناراض ہے جتنا کہ آپ لوگ مگر یہ آپ سب کا حق ہے۔وہ بہت جلد واپس آجائے گا اور پھر ظاہر ہے وہ میرے خلاف کورٹ میں جانا چاہے گا۔''

''حالانکہ میں نے اسے منع کیا تھا' ابھی جب میں کینڈی میں اس سے ملا تھا۔'' فارس نے پلیٹ میں چمچ چلاتے ہوئے نظریں اٹھا کر ہاشم کو دیکھتے بتایا۔''مگر وہ اپنی بات پہ اڑا ہوا تھا' سو میرا خیال ہے' ہاں' وہ کورٹ جائے گا۔''

''اس کا حق ہے!'' ہاشم نے گہری سانس لی۔وہ دونوں یوں گفتگو کر رہے تھے جیسے دوسرا کوئی وہاں موجود ہی نہ ہو۔''مگر میں اپنے کسی گناہ کو جسٹی فائی نہیں کروں گا۔آپ مجھے کورٹ میں لے جانا چاہیں' لے جائیں' میں سزا بھگتنے کے لئے بھی تیار ہوں' لیکن.....'' اس نے رک کر ایک اور چمچ منہ میں رکھا اور چبایا۔سب سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔''اس سے ہم دونوں خاندانوں کا نقصان ہی نقصان ہوگا۔آپ اچھے لوگ ہیں۔میں بھی اب پہلے والے آدمی جیسا نہیں رہا' خود کو بدل رہا ہوں' سو آن کر رہا ہوں' میں چاہوں گا کہ آپ لوگ مجھے معاف

کردیں میں نے اپنے کیے کی بہت سزا بھگت لی ہے۔ ساری زندگی بھگتوں گا' مگر انتقام اور انصاف کی نئی جنگ لڑنے کا فائدہ کوئی نہیں ہے۔ آپ لوگوں نے میری وجہ سے بہت سفر (suffer) کیا ہے' میں نہیں چاہتا کہ آپ مزید دکھ اٹھائیں۔'' پلیٹ پرے کھسکائی تو فارس نے اشارہ کیا۔''اور لو نا۔''

''نہیں تھینکس' میں ڈائٹ پہ ہوں۔ بہر حال' میں ایک دفعہ پھر معذرت کرتا ہوں کیونکہ میں نے اسی لئے سعدی یوسف فاؤنڈیشن بنائی ہے' تاکہ مزید کسی خاندان کو اس سب سے نہ گزرنا پڑے۔ آگے آپ لوگ جو بھی کرنا چاہیں' آپ کی مرضی۔'' نیپکین اٹھا کر ہاتھ صاف کیے۔''میری طرف سے آپ آزاد ہیں' معاف کریں یا سزا دیں۔ میں پرانی باتوں اور حسابوں میں اب نہیں پڑنا چاہتا۔ میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔ کیونکہ میں اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ تھینک یو۔''

''شیور۔ ویلکم!'' ہاشم کھڑا ہوا تو فارس بھی کھڑا ہوا۔ ہاشم نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔''مجھے کام ہیں کچھ' اب چلتا ہوں۔'' فارس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سر کو خم دیا۔''میں سعدی کو اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا ہاشم' مگر کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔'' ہاشم الوداعی کلمات کہہ کر مڑ گیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

بریانی ٹھنڈی ہو گئی تھی اور جذبات گرم ابل رہے تھے۔ ڈائننگ ہال میں سانپ سونگھا ہوا تھا۔ سب شل تھے۔ ندرت بدقت بول پائیں۔

''وہ اپنے کیے پہ شرمندہ ہے!''

''تم نے.....اسے کیوں بتایا؟'' زمر نے ہکلاتے ہوئے فارس کی طرف رخ پھیرا۔ وہ بے یقین تھی۔

''وہ ادریس اور میرے بارے میں پتہ کروا رہا تھا' اس کو شک تھا' میں نے کنفرم کر دیا۔'' وہ اسی رغبت سے چاول کھا رہا تھا۔

''انہوں نے ہم سے معافی مانگی۔'' حنہ بھی بے یقین تھی' متحیر تھی۔

''پتہ نہیں۔'' ابا تلخی سے بولے۔ یکدم باہر کسی شے کے گرنے کی آواز آئی۔ حنہ ایک دم اٹھ کر باہر بھاگی۔

دروازہ کھلا تھا اور پورچ کے ماربل کے فرش پہ دروازے کی تختی گری پڑی تھی۔ وہ اتنی زور سے دے ماری گئی تھی کہ دو ٹکڑوں میں ٹوٹ گئی تھی۔ بند گیٹ کے باہر گاڑیوں کے زن سے گزر جانے کی آواز سنائی دی تھی۔

''مجھے.....سمجھ نہیں آ رہی وہ معافی کیوں مانگ رہا تھا' اور تم اس سے یہ کس طرح بات کر رہے تھے؟'' اندر زمر ہنوز گومگو بول رہی تھی۔

''وہ معافی نہیں مانگ رہا تھا زمر۔''

اپنے آفس کی عمارت کی بالائی منزل کی راہداری میں تیز تیز چلتے ہاشم نے ٹائی ڈھیلی کی۔ اس کا چہرہ فرطِ جذبات سے سرخ تمتما رہا تھا۔ دو آدمی اس کے ساتھ چل رہے تھے اور مسلسل اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش میں لگے تھے۔ اپنی کرسیوں اور کیبن میں کام کرتے ورکرز رک رک کر اس کو دیکھنے لگے تھے۔ ٹھوکر سے اس نے نوشیرواں کے آفس کا دروازہ کھولا۔

(''وہ مجھے چیک کر رہا تھا' کہ میرا غصہ کیسا ہے؟ کہ میں وہ پہلے والا انسان ہوں یا نہیں۔'') سامنے میز کے پیچھے نوشیرواں بیٹھا' موبائل پہ لگا

تھا۔ آواز پہ ناگواری سے چہرہ اٹھایا۔ ہاشم کسی وحشی جانور کی طرح اس کی طرف لپکا اور اسے گریبان سے جھپٹ کر کھڑا کیا' پھر یکے بعد دیگرے دو تھپڑ اس کے چہرے پہ جڑ دیے۔

''کیا بکواس کی تھی میں نے؟ سعدی یوسف کو مت چھیڑو۔ مجھے سنبھالنے دو۔'' ایک تیسرا تھپڑ اسے دے مارتے ہوئے وہ چلایا تھا.....

(''وہ جانچ رہا تھا کہ ہم کتنا جانتے ہیں۔ پرکھ رہا تھا کہ ہم کتنے اہل ہیں۔ محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے اعصاب کتنے مضبوط ہیں۔'')

ہاشم نے ہکا بکا سے کھڑے شیرو کو پرے دھکیلا اور غصے سے حلق کے بل چلایا۔ ''میری زندگی برباد کر دی تم نے.... ہم سب کو برباد کر دیا ....میری برسوں کی ساکھ....عزت....سب برباد ہو جائے گا....''

(''اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ سب سمجھ گیا ہے۔ وہ پہلے جیسا آدمی نہیں ہے جو ہمارے ہاتھوں بے وقوف بن جائے گا۔'')

نوشیرواں منہ پہ ہاتھ رکھے' حق دق شل سا کھڑا تھا۔ ہاشم ایک دم آگے بڑھا اور اس کی میز کی ساری چیزیں زور سے ہاتھ مار کر نیچے گرا دیں۔

''وہ نیچ گھٹیا لوگ جن کو میں اپنے برابر کرسی پہ بھی نہ بٹھاؤں' وہ سب جانتے ہیں....سنا تم نے؟ جس زمر کو تم اس آفس میں لاتے تھے' وہ سب جانتی ہے....اور تمہاری وجہ سے میں ان کے ہاتھوں دھوکا کھا گیا۔ تمہاری وجہ سے ان کو اتنی مہلت مل گئی کہ وہ تیاری کر لیں۔'' خون شام آنکھیں نوشیرواں پہ گاڑھے' وہ غرا رہا تھا۔ پھر اس نے کوٹ اتار کر پرے پھینکا۔

(''اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہم اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کا نقصان نہیں کریں گے' اپنا نقصان کریں گے۔ میں متفق ہوں ویسے اس بات سے مگر چونکہ سعدی سے وعدہ کیا ہے تو پھر.....نبھانا ہوگا!'')

جواہرات تیزی سے آفس میں داخل ہوئی تو اندر کا منظر دیکھ کر انگشتِ بدنداں رہ گئی۔ منہ تک کھل گیا۔ بکھری ٹوٹی چیزیں' منہ پہ ہاتھ رکھے کھڑا نوشیرواں اور شرٹ کے آستین چڑھاتا' غصے سے چیخ چیخ کر اسے گالیاں نکالتا ہاشم۔

''میرا پاور پلانٹ تباہ ہوا ہے چند دن پہلے....میں ایک اور سکینڈل افورڈ نہیں کر سکتا تھا مگر تھینکس ٹو نوشیرواں کا کردار....آدھا مرد نوشیرواں کا کردار....اس نے میرا سب کچھ داؤ پہ لگا دیا....''

جواہرات کو ابھی تک کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ''ہاشم کیا ہوا ہے؟''

''فارس جانتا ہے۔ وہ سب جانتا ہے۔ ہمیشہ سے جانتا تھا۔ اور وہ لوگ ہمارے خلاف کورٹ جا رہے ہیں!'' جواہرات کا سانس تھم گیا تھا۔

(''اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ موو آن کرنے کے لئے تیار ہے....وہ اگلے ہر مرحلے کے لئے تیار ہے....وہ ہر شے کو سنبھالنے کے لئے تیار ہے....'')

''اوہ گاڈ ہاشم!'' جواہرات پریشانی سے اس کے قریب آئی۔ ''اب کیا ہوگا؟''

''کیا مطلب کیا ہوگا؟ میں....میں ہاشم کاردار ہوں۔ یہ میری زندگی کی پہلی جنگ نہیں ہے ممی۔ میں اس پورے خاندان کو تباہ کر دوں گا۔

وہ ایک ایک روپے کے محتاج ہو کر چوبیس گھنٹوں میں سڑک پہ آجائیں گے ....میں ....تیار...ہوں!'' نفرت اور تلخی سے چبا چبا کر کہتے اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اونچی آواز میں رئیس سمیت دوسرے افراد کو اندر آنے کا کہنے لگا...افراتفری ....چیخ و پکار.... بھگدڑ.....پورے آفس میں گویا قیامت آگئی تھی.....

(''ہاشم ٹھیک سوچ رہا ہے۔وہ تیار ہے۔وہ ہمیشہ ہی تیار ہوتا ہے زمر۔وہ ایک اچھا آدمی نہیں ہے' مگر وہ ایک عظیم آدمی ہے۔لیکن اس کو صرف ایک بات معلوم نہیں۔کہ اس دفعہ....'' کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے فارس مسکرا کر بولا تھا۔''میں بھی تیار ہوں۔'')

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عداوتوں کے عذاب سورج نے اتنی مہلت نہ دی کہ محسن
ہم اپنی جلتی زمیں کے سر پہ کوئی بگولہ ہی تان دیتے

جمعہ کی اس دوپہر یوں لگتا تھا گویا برفیلے بادلوں کی تہہ پگھل کر فضا میں غائب ہوگئی ہو' اور کہیں اچانک سے سنہری سورج آسمان پہ نمودار ہوتا پورے شہر کو سونے کا خول چڑھا گیا ہو۔

اپنے آفس کے کھلے دروازے پہ ہاشم اسی طرح ڈھیلی ٹائی اور چڑھے آستین کے ساتھ کھڑا' وہ چند افراد کو اندر جانے کا راستہ دے رہا تھا۔ آخری داخل ہونے والے صاحب ہارون عبید تھے۔ان کے پیچھے احمر آنے لگا تو....

''تم ابھی اسی وقت فائرڈ ہو۔'' رعونت سے انگلی سے دفعہ ہو جانے کا اشارہ کیا۔احمر ساکت رہ گیا۔''مگر سر....''

''تم فارس کے دوست ہو' مجھے اعتبار نہیں رہا تم پر اور اس وقت میرا اعتبار تم کما نہیں سکتے....سو....آؤٹ!'' ہاشم غصے سے کہہ کر اس کے منہ پہ دروازہ بند کر کے اندر آیا۔جواہرات اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی نظر آرہی تھی اور ناگواری سے سامنے بیٹھتے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔پھر ہاشم کو دیکھا۔''ہارون کو کیوں لائے ہو؟ تاکہ یہ خوش ہو جائیں؟ ان کی وجہ سے ہمارا پاور پلانٹ تباہ ہوا ہاشم!''

''ہمیں اس وقت ایک ہونا ہے ممی' اپنی سیاستیں بعد میں کیجئے گا۔'' وہ سرد مہری سے کہہ کر آگے آیا۔ہارون کافی محظوظ ہوتے نشست سنبھال چکے تھے۔باقی لوگ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔نوشیرواں سر جھکائے بیٹھا تھا....اس کا چہرہ سرخ تھا۔آج ہاشم نے بھی وہی گالی دی تھی مگر وہ اسے تین گولیاں نہیں مار سکتا تھا! تو چوائس ہمیشہ انسان کے ہاتھ میں ہوتی ہے!

''اسکینڈل کو اس کے شروع ہونے سے پہلے کچلا جاتا ہے۔اور ہم سب کو مل کر اسے کچلنا ہوگا۔میں ہاشم کاردار ہوں' اور یہ اسکینڈلز میرا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے' ہاں اگر میں ڈوبا' تو تم سب بھی میرے ساتھ ڈوبو گے۔'' اپنی سیٹ کے پیچھے کھڑے وہ ماتھے پہ تیوریاں ڈالے بلند مگر آہنی آواز کے ساتھ کہہ رہا تھا.....

''ایک گھنٹے کے اندر اندر....'' وہ اپنی سیٹ کے پیچھے کھڑا تحکم سے کہہ رہا تھا۔''ان لوگوں کو ہم پائی پائی کا محتاج کر دیں گے۔ان کے پاس مہینہ بھر زندہ رہنے کا خرچہ بھی نہیں ہوگا۔'' پھر اس نے فون اٹھایا اور کان سے لگایا۔تھوڑی دیر بعد وہ فون میں کہہ رہا تھا۔

''چند آئی ڈی کارڈز کی کاپیز بھیج رہا ہوں قدیر صاحب۔ یوسف خاندان کے ان آئی ڈی کارڈز سے وابستہ تمام بینک اکاؤنٹس فریز کر دیے جانے چاہیے.... آپ کے پاس ایک گھنٹہ ہے....''

''جب ان کے سارے اثاثے منجمند کر دیے جائیں گے تو ان کے پاس ہم سے لڑنے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ ان کو اپنی فکر پڑ جائے گی۔'' ہارون نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔ جواہرات ''ہوں'' کہہ کر رہ گئی۔

''مجھے اس ملک میں....'' ہاشم اب رئیس سے کہہ رہا تھا۔ ''ان کی ایک ایک زمین' پلاٹ' مکان' سب کا حساب چاہیے۔ یہ گھر جس میں وہ رہ رہے ہیں۔ ہارون تم اس کے مالک سے رابطہ کرو' ہم ابھی اسی وقت اس کو خرید رہے ہیں' شام تک ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا جانا چاہیے۔ اور تم!'' سامنے کھڑے تین افراد کی طرف متوجہ ہوا' جو اس کی ہدایت کے منتظر تھے۔

''اپنے سارے آدمی لے جاؤ.... شہر کے بدترین فراری مجرم جو کسی سے نہ ڈرتے ہوں.... کوئی پولیس' کوئی چیک پوسٹ' تمہیں آج کے دن کوئی نہیں روکے گا۔ ان کے گھر کے باہر جا کر اپنی گاڑیاں روکو اور گولیاں چلا چلا کر ان کی دیواروں کو چھلنی کر دو' سارے شیشے توڑ دو۔ جب متوقع خوف و ہراس پھیل جائے تو واپس آ جانا۔''

آفس میں ہر کوئی اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ ہارون فون کرنے باہر چلے گئے تھے' ہاشم بھی موبائل پہ مصروف تھا۔ ایک نوشیرواں تھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ بالکل چپ۔

''بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے....'' ہارون نے اپنی جگہ پہ دوبارہ بیٹھتے ہاشم کو مخاطب کیا۔ ''ان کے نام پہ کوئی پراپرٹی نہیں بچی۔ کوئی اثاثہ ایسا نہیں ہے' جس پہ قبضہ کر کے ہم ان کی کمر توڑ سکیں۔ واحد بچی ہوئی پراپرٹی اس نے آپ کو ہی فروخت کی تھی۔ وہ انیکسی جس کی مالیت کے کروڑوں روپے فارس غازی کے کسی اکاؤنٹ میں پڑے ہوں گے اس وقت۔'' محظوظ انداز میں جواہرات کو دیکھا جو پہلو بدل کر رہ گئی۔

''میں نے اپنی انا کے پیچھے وہ انیکسی خرید لی' مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ میری ہی رقم سے ہمارے خلاف کیس لڑے گا۔''

''اور وہ گھر؟'' ہاشم نے تیزی سے بات کاٹی۔ ''وہ کس کے نام ہے؟''

''وہ چند دن پہلے ان خاتون سیاستدان نے خریدا ہے' جن کو بدنام کرنے میں تمہاری ماں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ہم اس عورت سے وہ گھر نہیں خرید سکتے۔ ہم اس سے بات بھی نہیں کر سکتے۔'' وہ گہری سانس لے کر کہہ رہے تھے اور ہاشم نے غصے سے میز پہ رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر دیوار پہ دے مارا۔ کانچ کے ٹکڑے فرش پہ جا گرے۔ سب خاموش ہو گئے۔ پھر وہ فون اٹھاتے ہوئے بولا۔

''لیکن وہ اس رقم کو نہیں استعمال کر سکیں گے۔ جب ان کے بینک اکاؤنٹس فریز ہو جائیں گے تو وہ اس رقم سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔''

دوسری طرف گھنٹی جا رہی تھی۔ ہاشم کے چہرے پہ جوش تھا۔ امید تھی۔

''جی قدیر صاحب؟ کام ہو گیا؟'' رابطہ ملتے ہی وہ تیزی سے بولا۔ ''گڈ'' وہ مسکرایا۔ ''تو ان کے تمام اکاؤنٹس فریز ہو گئے۔ ویری گڈ۔'' اس نے وکٹری کی دو انگلیاں بنا کر اوپر اٹھائیں۔ جواہرات نے سکون کی پہلی سانس خارج کی۔ ''یعنی اب وہ ان بینک اکاؤنٹس

سے کچھ نہیں لے سکتے۔ زبردست۔ ویسے اندازاً کتنا سرمایہ فریز ہوا ہوگا؟" اور پھر اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ "دو ہزار سینتیس روپے؟ آپ مذاق کر رہے ہیں؟" ہاتھ کے اشارے سے باقی لوگوں کو خاموش ہونے کو کہا۔ آفس میں سناٹا چھا گیا۔ "کیا مطلب؟ ان کے اکاؤنٹس خالی کیوں ہیں؟ پچھلے ایک ماہ میں انہوں نے اپنا تمام سرمایہ کہاں منتقل کر دیا ہے؟"

اب کی دفعہ اس نے فون آہستہ سے پرے ڈالا تھا۔ "فارس اپنی تمام رقم کہیں اور منتقل کر چکا ہے اور ہم ٹریس نہیں کر پا رہے کہ کدھر۔"

"سر.... پلیز یہ دیکھیں۔" حلیمہ تیزی سے آفس میں داخل ہوئی اور اس سے پہلے کہ ہاشم اس کو جھلا کر باہر جانے کو کہتا' اس نے ایک ٹیب میز پہ رکھا۔ اسکرین پہ موجود چہرہ دیکھ کر ہاشم چونک کر سیدھا ہوا۔

"میرا نام ہے سعدی یوسف!" وہ سڑک کنارے چلتے ہوئے' سیلفی کیمرے سے اپنے چہرے کی ویڈیو بناتا تلخی سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے آٹھ ماہ تک سری لنکا کے شہر کولمبو کے ہوٹل (نام لے کر) کے تہہ خانے میں قید رکھنے والے کاردار خاندان اور ہارون عبید کو میں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میں.... واپس آ گیا ہوں' اور میں خاموش نہیں بیٹھوں گا۔ میں عدالت میں جا کر بتاؤں گا کہ مجھے گولیاں مارنے والا نوشیرواں کاردار تھا' مجھے اغوا کر کے حبسِ بے جا میں رکھنے اور نیسکام پراجیکٹس کے حساس راز پوچھنے کے لیے تشدد کرنے والے مشہور زمانہ IPPs ہارون عبید اور ہاشم کاردار تھے۔" وہ چلتے چلتے پورے اعتماد سے بولتا جا رہا تھا۔ چہرے پہ سختی اور آنکھوں میں تپش تھی۔ "اور اگر مجھے قتل کر دیا گیا یا غائب کر دیا گیا تو ہاشم کاردار اور ہارون عبید کو پکڑا جائے۔ کیونکہ...." ویڈیو کافی لمبی تھی۔ سنسنی خیز بھی تھی۔ جہاں ہاشم کے چہرے کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا وہاں ہارون کی مسکراہٹ بالکل غائب ہو گئی تھی اور وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اپنے نام پہ چہرے کی رنگت اڑ گئی تھی۔ جواہرات بالآخر ہلکی سی مسکرائی تھی۔ جلتے دل پہ پھوار پڑی تھی۔

نوشیرواں جو اس سارے اثناء میں سر جھکائے بیٹھا تھا' ایک دم کھڑا ہوا۔ وہ موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

"بھائی.... لوگ اس ویڈیو کے نیچے میری تصویریں پوسٹ کر رہے ہیں۔ میری کوئی پرائیویسی ہے۔ یہ سب مجھے بدنام کر رہے ہیں۔" اس کا چہرہ فق تھا اور اس پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ پھر وہ لپک کر ہاشم کے پاس آیا۔ "مجھے اس سب سے نکالیں بھائی۔ پلیز کچھ کریں!" اس کے چہرے پہ التجا تھی۔ ساری ہٹ دھرمی' وہ پورا مرد بننے کا زعم' سب غائب تھا اور وہ بوکھلایا ہوا لگتا تھا۔

ہاشم نے ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالی۔ "ہاں ایک اسی کام کے لئے ہے تمہارا بھائی۔ مگر بے فکر رہو' ہر دفعہ کی طرح تمہارا پھیلایا گند میں صاف کر لوں گا۔" اور فون اٹھا کر ان افراد کو کال کرنے لگا جو اس نے فارس کے گھر کی طرف روانہ کیے تھے۔

"ان کے گھر کے سارے شیشے توڑ ڈالو۔ انہوں نے ویڈیو بنا کر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اتنی گولیاں برسانا کہ ان کی دیواریں چھلنی ہو جائیں۔" از سر نو تاکید کرتا وہ کہہ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں کھا کر ٹھوکر ابھی تک حوصلہ مند ہوں
یہ ٹھوکر جو تمہیں لگتی تو تم خود بکھر جاتے

فروری کی وہ گرم دوپہر اس بنگلے کی سبز بیلوں کو بھی جھلسائے جارہی تھی۔ لاؤنج کی کھڑکی کا بیرونی شیشہ سنہری روشنی کو منعکس کرتا چمک رہا تھا۔ اس گرم شیشے پہ تم اپنا ماتھا ٹکا کر اندر جھانکو تو ڈائننگ ٹیبل سے سب اٹھ کر اب لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔ ندرت اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ ابا فکرمندی سے کبھی فارس کو دیکھتے جو ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پرسکون سا بیٹھا تھا' اور کبھی زمر کو جو بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ حنین اور سیم سامنے صوفے پہ خاموش مگر مضطرب بیٹھے تھے۔

''سعدی کو گھر آ جانا چاہیے تھا' وہ کیوں نہیں آیا؟'' زمر کو بے بس سا غصہ آنے لگا تھا۔ ''ہاشم سعدی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔''

''اونہوں۔ یہ وہ پہلا کام نہیں ہے جو وہ کرے گا۔'' فارس نے سیل فون سے چہرہ اٹھا کر نفی میں سر ہلا کر کہا۔ زمر رک کر اسے دیکھنے لگی۔ سب اسے دیکھنے لگے۔

''پھر وہ کیا کرے گا؟''

فارس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' ایک بوٹ میز پہ رکھا' پھر قینچی صورت دوسرا بوٹ اس کے اوپر جمایا' ذرا آرام دہ انداز میں بیٹھا' اور موبائل دونوں ہاتھوں میں پکڑے' ٹائپ کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ سب سے پہلے اپنے سب سے قابل اعتبار ملازموں اور دوستوں کو اکٹھا کرے گا اور جن پہ اعتبار نہیں ان کو نکال دے گا۔ احمر شفیع کی تو آج ہوئی چھٹی۔''

''اچھا۔ پھر؟'' حنین نے دلچسپی سے پوچھا۔

''پھر یہ کہ وہ اپنے اتحادیوں اور خود اپنے آپ کو یہ بتائے گا کہ وہ ہارا نہیں ہے۔ ایک لمبی تقریر کرے گا۔ میں اسے برسوں سے جانتا ہوں۔ میں اس کے طریقوں سے بھی واقف ہوں۔ وہ وہی کام کرے گا جو وہ ہمیشہ ایسے مواقع پہ کرتا آیا ہے دوسرے لوگوں کے ساتھ۔''

''ظاہر ہے' کزن کس کا ہے۔'' زمر کلس کر بولی تھی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر سر کو تائیدی انداز میں خم دیا۔

''پھر وہ اپنے ملازموں کو حکم دے گا کہ یوسف خاندان کی ایک گھنٹے کے اندر اندر کمر توڑ دی جائے۔'' فارس کے الفاظ پہ حنین کی آنکھیں پھیلیں۔ زمر بھی سیدھی ہوئی۔ ''مگر کیسے فارس؟''

''وہ ہمارے بینک اکاؤنٹس فریز کروا دے گا۔ اس کے اسٹیٹ بینک میں جتنے دوست ہیں' اتنے ہمارے پوری دنیا میں رشتے دار نہیں ہیں۔'' وہ موبائل پہ ہاتھ چلاتے ہوئے عام سے انداز میں بتا رہا تھا۔

''ہمارے بینک اکاؤنٹس؟'' زمر بے دم سی ہو کر صوفے پہ گری۔ ''میری ساری سیونگز' ابا کے پیسے' سب بینک میں ہے۔ میں اتنی جلدی کیسے نکلواؤں گی سب؟''

''خیر اب تک وہ انہیں فریز کر چکے ہوں گے۔'' فارس نے شانے اچکائے۔ زمر کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ فارس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ویسے تو زمر بی بی آپ مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں، مگر تھوڑی بہت عقل ہے مجھ میں۔ میں نے ہمارا سارا پیسہ کچھ عرصہ قبل چند آف شور بینک اکاؤنٹس میں منتقل کر دیا ہے۔ وہ اس کو ٹریس بھی نہیں کر سکتے۔'' زمر کو اچنبھا ہوا۔

''مگر تم میرے بینک اکاؤنٹ کو کیسے آپریٹ کر سکتے ہو؟ تمہیں میری پن تک معلوم نہیں۔'' فارس نے اثبات میں سر کو خم دیا۔

''بالکل آپ کی پن جو آپ کی ڈیٹ آف برتھ ہے وہ مجھے قطعاً معلوم نہیں۔'' حنین نے مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا لیا اور ابا نے ہنسی روکنے کو چہرہ موڑ لیا البتہ سیم کے دانت نکل آئے تھے۔ زمر کے گال گلابی پڑے۔ تندہی سے فارس کو دیکھ کر بولی۔ ''مجھے اپنی ایک ایک پائی واپس چاہیے۔ اچھا۔''

''خیر ماموں، اکاؤنٹس فریز کرنے کی ناکام کوشش کے بعد وہ کیا کرے گا؟'' حنہ نے موضوع بدلنا چاہا۔

''وہ ہمیں ہمارے گھر سے بے دخل کر کے سڑک پہ لانے کی کوشش کرے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ہمارا گھر خریدنا چاہیں گے؟''

''ہمارا گھر؟ اگر انہوں نے ہمارا گھر خرید لیا تو ہم کہاں جائیں گے؟'' زمر پھر سے پریشان ہونے لگی۔ وہ جتنا خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کرتی، اتنی مضطرب ہوتی جا رہی تھی۔ جواب میں سب نے خاموشی سے فارس کو دیکھا، جو اپنے سیل فون کو دیکھ رہا تھا۔

''ہم یہیں رہیں گے کیونکہ میں یہ گھر ایک ایسی شخصیت کے ہاتھوں فروخت کروا چکا ہوں جن سے وہ بات تک نہیں کر سکتے فی الحال۔'' اور ساتھ ہی ان خاتون کا نام بتایا۔ جس طرح وہ اطلاعات دے رہا تھا، اور سیم اور حنین دبی دبی مسکراہٹوں کے ساتھ چہرہ جھکا لیتے تھے، چڑیل کا خون کھول رہا تھا۔

''خیر، تمہارا وہ ڈیئر کزن جو تمہاری وجہ سے ہم سب کے سروں پہ مسلط ہوا ہے، وہ اس کے بعد کیا کرے گا تمہارے خیال میں؟ تم تو اس کا ذہن بھی پڑھ سکتے ہو نا۔ آخر ہو تو تم بھی آدھے کار دار۔'' فارس نے سر کو تعریف وصولی کے انداز میں خم دیا۔

''تھوڑی دیر انتظار کیجیے۔'' اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب فارس نے چہرہ اٹھایا، یوں جیسے کوئی آہٹ سننا چاہ رہا ہو۔

''آ گئے۔'' اس نے محظوظ انداز میں کہا۔ پھر سب کی منتظر صورتیں دیکھ کر بولا۔ ''کرایے کے غنڈے ہمارے گھر پہ فائرنگ کرنے آ گئے۔''

''تو پولیس کو کال کرو فارس.... '' وہ مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ''وہ لوگ ہمارے گھر پہ حملہ کریں گے تو ہمیں حفاظت چاہیے ہو گی۔''

''حفاظت کا بندوبست آپ کا یہ بے کار، جیل یافتہ، دو لوگوں کا قاتل شوہر پہلے ہی کر چکا ہے۔ حالانکہ اس کے پاس آپ جیسی تیز زبان ہے نہ ذہانت وفطانت .... '' وہ بڑے ادب سے بتا رہا تھا۔ ''سو جب وہ لوگ آئیں گے، تو اس کالونی کی چار مختلف چھتوں پہ موجود لوگ اپنے تمام.... آہم.... ''اوزار'' اور ''ہتھیار'' لے کر نکل آئیں گے اور ان حملہ آوروں کو ''شوٹ'' کریں گے، جس کے بعد وہ ہمارے گھر پہ فائرنگ نہیں کر سکیں گے۔''

زمرتو زمر' ابا بھی دنگ رہ گئے۔ ''فارس' یہ تو خون خرابے والی بات ہوئی۔''

زمر تیزی سے کھڑکی کی طرف لپکی اور پردہ ہٹایا۔ باہر کالونی کی سڑک پہ جیپیں رکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کی کھلی چھتوں سے رائفلز اور جدید اسلحہ اٹھائے بیٹھے چند ہٹے کٹے افراد صاف دکھائی دیتے تھے۔ (گیٹ اور چار دیواری چھوٹی تھی سو یہ منظر صاف واضح تھا۔)

''ایسے مت کرو فارس.... روکو ان لوگوں کو.... یہ غلط ہے' کوئی مر گیا تو؟ کال کرو انہیں۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ اسی وقت فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ درختوں سے پرندے ایک دم سے اڑے۔ کھڑکی میں کھڑی زمر کی رنگت پھیکی پڑی۔

''فارس' تم اپنے لوگوں کو منع کرو' کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ یہ لوگ ہوائی فائرنگ کر کے واپس چلے جائیں گے۔''

''اب دیر ہو چکی ہے' میں شوٹنگ کا آرڈر دے چکا ہوں۔ وہ لوگ اپنی پوزیشنز سنبھال چکے ہیں۔ اور آپ کھڑکی سے ہٹ آئیے' یہ نہ ہو کہ میں تیسری دفعہ جیل چلا جاؤں۔'' وہ قدم قدم چلتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

لاؤنج میں خوفزدہ سا سناٹا چھا گیا تھا۔ حنین اور سیم کی مسکراہٹیں غائب تھیں۔ ابا پریشان سے ہو گئے تھے۔ اور زمر کھڑکی سے نہیں ہٹ رہی تھی۔

''فارس ان پہ جوابی شوٹنگ مت کرواؤ۔ تم ان کو کال کیوں نہیں کرتے۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی تھی۔ نظریں سامنے والی چھتوں پہ جمی تھیں۔ اور یکایک.... قریبی دو چھتوں پہ چند لوگ نمودار ہوئے۔ زمر کا دل زور سے دھڑکا۔ (باقی دو چھتیں اس جگہ سے دکھائی نہ دیتی تھی۔) انہوں نے بلند آواز میں کچھ کہتے ہوئے نیچے سے چند ''ہتھیار'' اٹھا کر اوپر کیے اور ان کا نشانہ جیپ والے گھس پیٹیوں کی طرف باندھا....

زمر دھک سے رہ گئی۔

ان کے ہاتھوں میں اسلحہ نہیں تھا۔

ان کے ہاتھوں میں جدید فوٹو گرافی کے آلات تھے۔ ویڈیو کیمرے' اسٹل کیمرے' مائیکس .....

''چچ چچ۔ کتنی کوئی کرمنل سوچ رکھتی ہیں آپ زمر بی بی۔ میں تو فوٹو شوٹ کی بات کر رہا تھا۔ آپ کیا سمجھیں؟'' وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ زمر کی شل نظریں وہیں پہ جمی تھیں۔ چھتوں پہ اکٹھے ہوئے رپورٹرز دھڑا دھڑ فوٹو گرافی کر رہے تھے' گویا لائیو کوریج کر رہے ہوں۔ ان کے انداز نے گلی میں رکے کھڑے' اسلحہ اٹھائے' دن کی روشنی میں بغیر کوئی نقاب پہنے کرائے کے غنڈوں کو بوکھلا دیا تھا۔ انہوں نے فائرنگ روک دی۔ چہرے گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر ہڑبونگ سی مچی۔ کسی نے نیچے ہونے کو کہا۔ کسی نے اندر بیٹھنے کو۔ ٹائرز حرکت میں آئے۔ سڑک پہ رگڑنے کی تیز آواز کے ساتھ گاڑیاں زن سے واپس ہوئیں۔ چند لمحوں میں وہ غائب ہو چکی تھیں۔

''ایسی وارداتیں عموماً فراری مجرموں سے کرائی جاتی ہیں۔ فراری کسی سے نہیں ڈرتا' نہ پولیس سے نہ معصوم شہریوں سے۔ وہ صرف ''کسی'' کے ساتھ دیکھ لئے جانے سے ڈرتا ہے۔ اس کے دشمن جان جائیں گے کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ آج کل رہ رہا ہے' وہ صرف اسی

بات سے ڈرتا ہے۔ اور یہ چند نئے رپورٹرز جن کو اپنا کیریئر بنانے کے لئے ایک چٹ پٹی خبر کی تلاش تھی' یہ ہروقت یہاں موجود نہیں ہوں گے' مگر کاردار زاب کسی کو یہاں بھیجنے کا خطرہ نہیں مول لیں گے۔ ہمیں دوبارہ ''ڈرانے'' کا مطلب ہوگا قصے کو مزید مشہور کرنا۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا اب لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔ ابا قدرے پرسکون تھے' حنین اور سیم نے مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا اور زمر لب بھینچے سنجیدہ سی کھڑی تھی۔ (دو نمبر آدمی۔ ہونہہ!)

''اب؟ اب کیا کرے گا وہ؟'' زمر فارس کے مقابل آ کھڑی ہوئی اور سینے پہ بازو لپیٹے سنجیدگی سے پوچھا۔

''شاید کچھ چھوٹے موٹے کام۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''جیسے ہمارے خلاف جھوٹے مقدمے کروانا' میڈیا میں ہمارے خلاف خبریں دینا۔ مگر میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ یہ سب کرے گا۔ شاید وہ خاموشی سے انتظار کرنا مناسب سمجھے۔ وہ چاہے گا کہ ہم الزام لگانے میں پہل کریں' اور یہاں پہ میں سعدی اور اس کے انصاف والے آئیڈلزم سے متفق نہیں ہوں مگر ہمیں ہی الزام لگانے میں پہل کرنی ہوگی....'' فارس نے گہری سانس لی اور موبائل اسکرین ان کے سامنے کی۔ ''میں اتنی دیر سے اس ویڈیو کو مختلف جگہوں پہ بھیج رہا تھا۔ یہ ویڈیو سعدی نے دو روز پہلے بنا کر بھیجی تھی۔ ''میرا نام ہے سعدی یوسف''۔ پچھلے آدھے گھنٹے میں اس کے ڈھائی ہزار ویوز آ چکے ہیں اور جلد یہ ٹی وی پہ ہوگی۔''

اسکرین پہ دور سے نظر نہیں آیا کہ وہ کون سی ویڈیو تھی اور فارس نے موبائل واپس موڑ لیا' مگر سب بے چین ہو گئے تھے۔ ''سعدی گھر کیوں نہیں آیا؟''

''ابھی تک دماغ درست نہیں ہوا اس کا۔'' وہ خفگی سے بڑبڑایا تھا۔

''تو اب تمہارا ڈیئر کزن کورٹ میں جانے کا انتظار کرے گا؟'' وہ اسی طنزیہ انداز میں بولی۔

''ہاں۔ اب وہ خاموشی سے ٹرائل کا انتظار کرے گا کیونکہ وہ اسے جیت کر نوشیرواں کو باعزت بری کروا لے گا۔ اگر کوئی ٹرائل ہوا بھی تو۔''

''کیوں؟'' سیم کو برا لگا۔ حنین بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''میری بیگم سے معذرت کے ساتھ' مگر اس لئے کہ وہ زیادہ اچھا وکیل ہے۔'' اب وہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر پیچھے ہو کر بیٹھا تو زمر پیر پٹخ کر مڑی (میں جو اتنے ماہ خوار ہوئی۔ اس کو بھی انصاف دلایا۔ مگر نہیں۔ اسی کو ہیرو بننا ہوتا ہے آخر میں۔) اور چند قدم دور گئی۔ پھر رکی۔ آنکھوں پہ چمک ابھری' لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ وہ واپس مڑی۔

''تھینک یو فارس۔ تم نے ہر چیز اتنے اچھے سے پلان کی' ہر مسئلے کا حل نکال کر رکھا' تھینک یو۔'' اس کے بدلے انداز پہ فارس نے مشکوک انداز میں ابرو اٹھایا۔ ''یور ویلکم!''

''اور تمہاری اس انتھک محنت کو دیکھتے ہوئے میں نے تمہیں دل سے معاف کر دیا ہے۔''

''کس چیز کے لئے؟'' وہ ہنوز مشکوک تھا۔

''سعدی کو مارنے کے لئے۔'' پھر باقی سب کو دیکھا۔ ''اوہ تم نے نہیں بتایا کسی کو کہ جب تم اس سے کینڈی میں ملے تو تم نے اس کو کتنی بری طرح سے مارا تھا' اور اس کے منہ پہ وہ زخم بھی تم نے ہی دیا تھا' مگر خیر' تم غصے میں تھے' معاف کیا۔''

(چڑیل نہ ہو تو) وہ خفگی سے اسے گھورتا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ حنین' سیم اور ابا ایک دم اسے دیکھنے لگے تھے۔ بے یقین' تفتیشی نظروں سے۔

چلو جی۔ ساری کارکردگی پہ پانی پھر گیا۔

تب تک زمر مسکرا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ بھی جانے کو اٹھا۔

''ماموں!'' سیم نے صدمے اور غصے سے اسے دیکھا۔ حنین بھی آستین موڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ایک منٹ۔ ذرا ہماری بات سنیں پہلے۔''

''جھوٹ بول رہی ہے وہ۔ استغفراللہ!'' وہ پیچ و تاب کھاتا (ان کی نظروں سے بچتا) بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا' اس سے پہلے کہ مورچال کی یہ چیونٹیاں اسے نوچ کھائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست

آہ مجھ سے تجھے وہ شکوہ بے جا بھی نہیں

اگلی صبح تک کوئی خاطر خواہ واقعہ پیش نہ آیا۔ کسی بڑے طوفان سے پہلے کا سکوت سارے میں چھایا رہا۔ ہاشم اور جواہرات ہارون کے ساتھ آفس میں بیٹھے آئندہ کا لائحہ عمل طے کرتے رہے۔ نوشیرواں اپنے کمرے میں موبائل بند کر کے سر منہ لپیٹے پڑا رہا۔ ہاشم نے اسے پیشکش کی کہ وہ ملک سے باہر چلا جائے مگر وہ راضی نہیں ہوا۔

''میرے دوست' میرا سوشل سرکل' وہ سب سمجھیں گے کہ میں نے یہ کیا ہے۔ کہ میں بھاگ گیا ہوں۔ نہیں' میں نہیں بھاگوں گا۔ مجھے کوئی ہتھکڑی نہیں لگا سکتا۔''

ندرت معمول کے مطابق ریسٹورانٹ میں تھیں۔ سیم اور حنہ بھی ادھر آ گئے تھے۔ باہر فارس کے پہریدار موجود تھے۔ سعدی کی ویڈیو سوشل میڈیا پہ پھیل رہی تھی' مگر اتنی تیزی سے نہیں کہ میڈیا والے ان کے گھر آ پہنچیں۔ سو ابھی سکون تھا' سکوت تھا۔

فوڈ لی ایور آفٹر میں گاہکوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ حنین کاؤنٹر سے دور' کونے کی میز سنبھالے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی۔ میز پہ علیشا کا کی چین رکھا تھا اور ساتھ میں ٹوٹی ہوئی مورچال کی تختی۔ ایک نظر اس تختی پہ ڈال کر وہ اب اسکرین کو دیکھنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر خوبصورت تختیوں کو سرچ کیا۔ بہت سے امیج کھل گئے۔ تصاویر کی بہتات۔ حنہ ان کو دیکھے گئی۔ نت نئے ڈیزائن۔ رنگ۔ درمیان میں ایک قد آور آئینے کی تصویر بھی نظر آ رہی تھی۔ اس نے یونہی اس پہ کلک کر دیا۔ تصویر کی جگہ اس آئینے کی ویب سائٹ کھل گئی۔

حنین یوسف نے سن رکھا تھا کہ سنو وائٹ کی کہانی میں ایک جادوئی آئینہ تھا جو ملکہ سے باتیں کرتا تھا' اس نے اس جامِ جم کے متعلق بھی سن رکھا تھا جو بادشاہ جمشید کو پوری دنیا دکھاتا تھا۔ مگر اسے نہیں علم تھا کہ گوگل پہ کھلنے والی ویب سائٹ اس کے لئے بھی ایک دوسری دنیا کا دروازہ

کھول دے گی۔۔۔

وہ ہوم ڈیکور کی ایک ویب سائٹ تھی اور جو صفحہ اس نے کھول رکھا تھا اس میں بتایا جا رہا تھا کہ چھوٹے سے کمرے کو کیسے سجا کر خوبصورت بنایا جا سکتا ہے۔ کیسے دنیا بھر کے رنگ اور پھول اس میں بھرے جاتے ہیں۔ شہد کی وہ مکھی بے اختیار آگے ہوئی اور آنکھوں میں خوشگوار تحیر بھرے ان رنگوں کو دیکھے گئی جو ایک گھر کو سلیقہ اور سجاوٹ عطا کرتے دکھائی دے رہے تھے....

''واؤ'' ہر دوسری تصویر پہ اس کے لبوں سے نکل رہا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ اس نے اچھے گھر نہ دیکھے تھے۔ کورین اور ترکش ڈراموں کے گھر وہ دیکھتی آئی تھی۔ مگر اس نظر سے نہیں دیکھے تھے۔

کیش کاؤنٹر کے ساتھ کھڑا فارس، جنید سے کچھ پیپرز لے کر دیکھ رہا تھا۔ اکاؤنٹس وغیرہ کا حساب۔ (ندرت مارکیٹ گئی تھیں گھر کی ماہانہ گروسری لینے) اور ریسٹورانٹ کے ملازمین یہ فرض کر چکے تھے کہ آئندہ ان کا نیا باس وہی ہوگا۔ شاید وہ خود بھی یہ طے کر چکا تھا۔

دفعتاً ریسٹورانٹ کا دروازہ کھلا اور ایک جانی پہچانی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ فارس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس طرف چلی آ رہی تھی۔ سفید لمبا کوٹ پہنے، اور بال سرخ اسکارف میں لپیٹے، ماتھے سے چند سرخ لٹیں نکالے، کہنی پہ ڈیزائنر بیگ اٹکائے وہ ایک میز کی کرسی کھینچ کر بیٹھی اور بلی جیسی آنکھیں دوبارہ جھکا کر اسے دیکھا۔ فارس نے بے اختیار دور بیٹھی حنہ کو دیکھا۔ وہ لیپ ٹاپ میں گم تھی۔ پھر وہ اس کے سامنے آ بیٹھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ ساتھ میں بغور اس کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔

''ناراض ہوں!'' وہ بچوں کے سے خفا انداز میں بولی۔ فارس نے گہری سانس بھری۔ ''تو یہاں کیوں آئی ہیں؟''

''آپ نے کہا تھا میرے بابا کا نام نہیں آئے گا اس کیس میں۔ پھر سعدی یوسف ان کا نام کیوں لے رہا ہے؟''

''میں نے کہا تھا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ہم یہ کیس نہیں جیت سکتے سو کسی کا بھی نام آ جائے، فرق نہیں پڑتا۔ اور کچھ؟'' اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔ وہ چند لمحے چپ رہی۔

''آپ مجھے اس طرح چھوڑ کر کیوں آئے؟ مجھے کہہ دیتے، کیا میں رکاوٹ ڈالتی؟ خاموشی سے چلی جاتی۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔ سرمئی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔ ''کم از کم مجھے یہ تاثر تو نہ ملتا کہ جیسے میں آپ پہ مسلط تھی۔ میں تو صرف آپ کی مدد کر رہی تھی۔ یا شاید استعمال ہو رہی تھی۔''

''آئی ایم سوری!'' اس کے چہرے کے تاثرات نرم پڑے۔ ''میں.... خیر.... آپ ٹھیک ہیں؟'' اب کے نرمی سے پوچھا۔ وہ مسکرائی۔ آنکھوں میں ہنوز اداسی تھی۔

''میرا دل چاہتا ہے، کبھی میں ایک فون کال کر کے آپ کو بلاؤں اور آپ چلے آئیں۔''

''مس آبدار، میں ایک اپنی مرضی کا مالک، چھتیس سال اور چھ فٹ ایک انچ کا مرد ہوں۔ میں اس طرح بلانے پہ نہیں آیا کرتا۔'' سنجیدگی

سے ٹھہر ٹھہر کر اسے کچھ سمجھایا۔ وہ پھر مسکرائی۔ آنکھیں نم ہوئیں۔

''مجھے چیلنج نہ کریں کیونکہ میں ایسا بہت کچھ کرسکتی ہوں جس کے بعد آپ دوڑے چلے آئیں گے۔ خیر!'' اس کے جواب سے پہلے سر جھٹکا۔ ''مجھے مدد چاہیے آپ کی۔''

وہ جو ناگواری سے کچھ کہنے لگا تھا' رک گیا۔

''ہاشم نے مجھے پرپوز کیا ہے' اور وہ ناں نہیں سننا چاہتا۔ اس کا انداز سنگین تھا۔''

''تو.... آپ شادی کرنا چاہتی ہیں اس سے؟'' وہ چونکا تھا مگر پھر عام سے انداز میں پوچھا۔

''وہ اچھا ہے' میرا دوست ہے' مگر....'' اس کی سنہری آنکھوں پہ آنکھیں جمائے وہ نرمی سے بولی۔ ''مجھے کسی اور سے محبت ہے۔''

فارس نے بہت دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور.... اس کسی اور کو آپ نے بتایا کہ آپ اس سے.....!''

''وہ جانتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ.... جانتا.... ہے!'' وہ اب کے چیلنجنگ انداز میں مسکرائی۔ فارس نے بدقت چہرے پہ چھایا نارمل تاثر برقرار رکھا۔ (ہاں ابھی اس ''کسی اور'' کی بیوی ادھر ہوتی تو تمہیں بتاتی۔)

''تو آپ کیا کریں گی؟'' سرسری سا پوچھا۔

''آپ بتائیں میں کیا کروں؟ ہاشم کو بتادوں اس کسی اور کے بارے میں؟ کیا یوں وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گا؟''

''آبدار!'' وہ ذرا ٹھہرے ہوئے انداز میں دھیما سا بولا۔ ''ہاشم میرا کزن ہے' میں اسے بہت اچھے سے جانتا ہوں۔ اپنے اور اس کے درمیان کسی تیسرے کو مت لائیں۔ اسے مت اکسائیں۔ اس کو اس کی وجہ سے ریجیکٹ کریں' اپنی وجہ سے نہیں۔''

''اور اگر وہ نہ مانا تو؟''

''ظاہر ہے وہ نہیں مانے گا۔ تو آپ کسی ایسے شخص سے اس پر دباؤ ڈلوائیں جو اس پہ رعب رکھتا ہو۔ اور میرا خیال ہے آپ ایسا کرسکتی ہیں۔ کیونکہ آپ اس تیسرے شخص کے ان احکامات سے بھی واقف ہیں جن سے ہاشم نہیں ہے۔''

''اوہ!'' آبدار کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ ''میں سمجھ گئی۔ خیر....'' ادھر ادھر دیکھا۔ ''کچھ کھلائیں پلائیں گے نہیں کیا؟''

''نہیں۔ اب آپ جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ کوئی بھی تعلق آپ کو بھی نقصان دے۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب کی دفعہ میں بلاؤں تو آیئے گا ضرور ورنہ میں نے کہا نا' مجھے بلانے کے سارے طریقے آتے ہیں۔'' آبدار مسکرا کر کہتی اٹھی۔ بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ناخوش سا کھڑا کچھ سوچتا رہ گیا۔

چند فرلانگ دور ایک کیش اینڈ کیری اسٹور کے اندر دن کے وقت بھی تیز سفید بتیاں روشن تھیں۔ ندرت یوسف ٹرالی لئے اشیاء خورد و نوش کے ریکس کے ساتھ چلتی جارہی تھیں۔ وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے۔ فاصلے سے۔ احتیاط سے۔

ریکس کی لمبی قطار کے آخر میں.... وہ اوٹ سے نکل کر ان کو دیکھ رہا تھا۔ سر پہ کیپ' گلاسز' اور بڑھی ہوئی شیو نے سعدی کا چہرہ قدرے

مختلف بنا رکھا تھا۔اس کی زخمی نظریں ندرت کے تعاقب میں تھیں۔وہ اس سے چند قدم ہی دور تھیں۔اس طرف ان کی پشت تھی۔فرہی مائل عام سے گرم سوٹ میں ملبوس تھیں شال سر پہ لے رکھی تھی۔سوئیٹر حسب عادت بنا آستین والا تھا۔وہ کبھی آستینوں والا سوئیٹر نہیں پہنتی تھیں۔ ایک ہاتھ میں جہیز کے دو کنگن تھے۔جو ہر موسم میں ہر وقت پہنے رکھتی تھیں۔کنپٹیوں اور ماتھے سے ذرا سفید بال جھلک رہے تھے۔آنکھوں کے حلقے بڑھ گئے تھے۔بار بار رکتیں۔کچھ یاد کرتیں۔پھر کوئی شے اٹھاتیں۔شاید اب وہ چیزیں بھولنے لگی تھیں۔شاید ذہنی طور پہ بہت الجھی رہنے لگی تھیں۔

وہ اوٹ سے ان کو دیکھے گیا۔چھپ کر۔نم آنکھوں سے۔وہ اب ایک ریک کے سامنے کھڑیں' ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر کچھ یاد کر رہی تھیں۔

''کیا رہ گیا؟ اب گھر پہنچ کر یاد آئے گا۔'' وہ خود سے خفا تھیں۔وہ اوٹ سے نکلا اور قدم قدم چلتا ان کے قریب آیا۔وہ پشت کیے کھڑی تھیں۔وہ ٹرالی کے سرے پہ آ کھڑا ہوا۔ایک نظر سامان پہ ڈالی۔پھر سامنے والے ریک سے مایونیز کا بڑا جار اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھا اور آگے بڑھ گیا۔ندرت نے کسی کو جار رکھتے دیکھا تھا۔سو فوراً گھومیں۔جار اٹھا کر دیکھا۔ہاں' یہی تو بھول گئی تھیں۔سر اٹھایا۔متلاشی نگاہ دوڑائی۔کوئی نہیں تھا آس پاس سوائے گاہکوں اور ورکرز کے۔کچھ دیر حیران ہوئیں۔مگر شاید کسی ورکر سے مانگا تھا انہوں نے تبھی اس نے لا دیا ہوگا۔خیر' ٹرالی دھکیلتی آگے بڑھ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جھوٹ بولا ہے تو قائم بھی رہو اس پر ظفر

آدمی کو صاحب کردار ہونا چاہیے

جواہرات اپنے لان میں آرام دہ کرسی پہ نیم دراز دھوپ سینکتے ہوئے' موبائل کان سے لگائے' نخوت اور ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔مسز عباد۔ان لوگوں کا ہمارے ساتھ جائیداد کا تنازعہ ہے' چھوٹے لوگوں کی چھوٹی باتیں' ہونہہ۔ورنہ میرا شیرو تو آپ نے دیکھ رکھا ہے۔پرندے کا بچہ نہیں مار سکتا وہ۔'' رک کر کچھ سنا۔ناگواری سے چہرہ سیاہ ہوگیا۔''شوٹنگ کلب کا ممبر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی نے سعدی کو شوٹ کیا تھا۔یہ تو اس کا ٹیلنٹ ہے' آرٹ ہے۔'' دو چار باتیں مزید کہہ کر سنا کر اس نے جھنجھلا کر فون بند کیا اور ساتھ رکھی میز پہ ڈال دیا۔ناک چڑھائے کوفت سے سر جھٹکا۔

''یہ ذرا ذرا سے لوگ.....''

''آنٹی!'' دور سے چہکار سی سنائی دی تو جواہرات نے لمبی کرسی پہ نیم دراز گردن موڑی۔سبزہ زار کے دوسرے دہانے سے آبدار چلی آ رہی تھی۔سورج مکھی کے رنگ کا لمبا فراک پہنے' بال سرخ رومال میں باندھے' کہنی پہ ٹکی باسکٹ میں ڈھیروں پھول لئے وہ اس وقت واقعتاً ریڈ رائیڈنگ ہڈ لگ رہی تھی۔جواہرات کے چہرے کے زاویے سیدھے ہوئے' مسکرا کر اسے ہاتھ ہلایا۔

''کیسی ہیں آپ آنٹی؟ یہ پھول میں آپ کے لئے لائی ہوں' اپنے باغیچے سے توڑ کر۔'' دوسری لمبی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے باسکٹ

درمیانی میز پہ رکھی۔سفید گلابی چہرہ سرما کی دھوپ کی تمازت سے دہک رہا تھا مگر آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

''میں ٹھیک ہوں ہنی۔تم نے اتنے عرصے بعد شکل دکھائی۔'' یونہی نیم دراز اپنا انگوٹھیوں والا ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ دباتی پیار سے بولی۔ گہری آنکھیں اس کے شفاف چہرے پہ جمی تھیں۔

''بس آنٹی۔مجھے تو اس فصیح کی فکر ہے۔'' وہ توبہ توبہ والے انداز میں کانوں کو چھو کر بولی۔''سنا ہے وہ ابھی تک سری لنکا میں غائب ہے ،پولیس اس کو تلاش کر رہی ہے لیکن آنٹی میں تو سوچتی ہوں کہ وہ نہ ہی ملے تو اچھا ہے۔ورنہ ہاشم تو اس کو دیکھتے ساتھ ہی گولی مار دے گا۔''

''کیوں؟'' جواہرات چونکی۔

''یہ دیکھیں۔اس فصیح نے بھی کیسی غداری کی ہاشم کے ساتھ۔'' اس نے بڑے سے نوٹ کی اسکرین پہ چند بٹن دبا کر اسے جواہرات کے سامنے کیا۔اسکرین پہ چلتے منظر کو دیکھ کر آرام دہ کرسی پہ نیم دراز جواہرات کی رنگت فق ہو گئی۔

وہ آفس چیئر پہ بیٹھی تحکم سے فصیح کو ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔سعدی اور خاور کے قتل کی۔جواہرات نے چونک کر آبی کو دیکھا۔وہ اسی سادہ انداز میں بولے جا رہی تھی۔

''کیسا ہولناک کام کیا فصیح نے۔ہاشم کی پیٹھ پیچھے اس کے مہمانوں کو مارنے کا سوچا۔ہاشم کے پلانز تھے اپنے مہمانوں کے بارے میں۔فصیح نے ان کو خراب کر دیا۔تبھی تو وہ دونوں بھاگ نکلے اور یہ اسکینڈل شروع ہوا۔جب ہاشم کو معلوم ہو گا کہ فصیح اس کا ذمہ دار ہے تو وہ تو فصیح کی جان لے لے گا۔اس سے سارے رشتے ناتے توڑ دے گا۔'' جواہرات پہ نظریں جمائے وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔''اس پہ کبھی اعتبار نہیں کرے گا۔ہاشم کو فصیح کے اس عمل سے کتنا دکھ پہنچے گا۔آپ سمجھ سکتی ہیں نا۔مجھے تو فصیح کی بہت فکر ہے۔اس لئے پلیز آپ یہ سب ہاشم کو نہیں بتائیے گا ورنہ وہ تو فصیح سے اپنا رشتہ ہی ختم کر دے گا۔'' فصیح نامہ سنا کر وہ نوٹ واپس پرس میں ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور ہاں آنٹی.... ہاشم نے مجھے پرپوز کیا ہے' لیکن مجھے پتہ ہے کہ آپ ایسا نہیں چاہتیں۔اور آپ کو پتہ ہے کہ میں کتنی کیوٹ ہوں' آپ کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار رہتی ہوں۔اب ہاشم کو اس ارادے سے صرف آپ ہی باز رکھ سکتی ہیں۔تو سمجھا دیجئے گا اسے۔ہوں؟ اوکے میں چلتی ہوں۔آج مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔'' جھک کر جواہرات کے گال سے گال مس کر کے چوما' مسکرا کر سیدھی ہوئی اور ہاتھ ہلاتی واپس جانے کو مڑ گئی۔

جواہرات اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں تھی۔یونہی نیم دراز پڑی رہی۔اس کا چہرہ فق تھا اور اعصاب شل۔پھر دھیرے سے ان آنکھوں میں سرخی اتری۔ایک دم زور سے ہاتھ مار کر اس نے باسکٹ الٹ دی۔سارے پھول سبزہ زار پہ بکھرتے چلے گئے۔

وہ زرد گلاب تھے۔دشمنی کی علامت۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو کہتے ہیں اس آندھی میں پر نہ تولا جائے گا

جو اس بات پر خوش ہیں ہم سے لب نہ کھولا جائے گا

تھانے کے اس وسیع وعریض ہال نما آفس میں ہیٹر چل رہا تھا۔ ایس ایچ او اپنی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا اور قلم ہاتھ میں گھماتا سنجیدگی مگر قدرے بے نیازی سے سامنے بیٹھی زمر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اتنے ہی سکون سے پیچھے ہو کر بیٹھی تھی اور تند نگاہیں ایس ایچ او پہ جمی تھیں۔

''سیکشن 161 سی آر پی سی CrPC کے تحت آپ ہماری اسی پرانی ایف آئی آر میں میرا بیان ریکارڈ کریں تاکہ میں ملزموں کو نامزد کر سکوں۔''

''زمر صاحبہ میں آپ کو اتنی دیر سے بتا رہا ہوں کہ.....'' وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں آگے کو ہوا۔ ''میں یوں بنا کسی ثبوت کے کاردار خاندان کے کسی فرد کا نام ایف آئی آر میں نہیں ڈال سکتا۔''

''میں آپ کو ثبوت تو کیا ایک وضاحت دینے کی پابند بھی نہیں ہوں کیونکہ 161CrPC کے تحت یہ میرا حق ہے۔'' وہ بھی اتنی ہی رکھائی سے بولی۔

''آپ تحمل سے میری بات سنیں۔'' ایس ایچ او کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ ایک دم سے آفس میں بہت سے لوگ داخل ہوئے تھے۔ ایس ایچ او کھڑا ہو گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر دیکھا اور پھر گہری سانس بھری۔

وہ سر پہ چادر لئے، قیمتی ہیرے کی انگوٹھیاں پہنے ڈیزائنر بیگ اٹھائے باوقار سی خاتون جانی پہچانی تھی۔ چترال سے تعلق رکھنے والی سیاستدان جس کا سکینڈل پچھلے دنوں جواہرات کاردار نے مشہور کروایا تھا۔ اور وہ اکیلی نہیں آئی تھی۔ وکلاء اور گارڈز ہمراہ تھے۔ اس کے لئے فوراً سے کرسیاں بچھائی گئیں۔ عملے کی دوڑیں لگ گئیں۔ کوئی چائے لانے بھاگا، کوئی بیکری کی طرف۔

''کیا آپ ان کا بیان ریکارڈ نہیں کر رہے؟'' زمر کے قریب کرسی پہ بیٹھ کر وہ انگلی گال پہ رکھے نرم مسکراتے انداز میں پوچھنے لگی۔ ایس ایچ او نے سوالیہ نظروں سے زمر کو دیکھا۔

''یہ میرے کرایے دار ہیں۔'' خاتون نے تعلق بتایا۔ زمر خاموشی سے بیٹھی انگلی پہ لٹ لپیٹتی رہی۔ ''اور میں چاہتی ہوں کہ آپ ان کی ایف آئی آر میں نامزد ملزم کا نام درج کریں۔ کیا نام تھا اس کا؟ ہاں نوشیرواں کاردار! صرف یہی نام یا کوئی اور بھی لکھوانا ہے؟'' اپنائیت بھرے انداز میں چہرہ زمر کی طرف موڑ کر پوچھا۔ زمر مسکرائی، اور مسکراتے مسکراتے خاتون کی طرف جھکی۔ ''تھینکس!'' اس سے پہلے کہ وہ ویلکم کہتی زمر کی مسکراہٹ سمٹی۔ ''مگر نو تھینکس! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری ایف آئی آر ہے میں اسے خود ہی دیکھ لوں گی۔'' تلخی سے فقرہ مکمل کیا۔ ایس ایچ او خاموشی سے تماشا دیکھنے لگا۔

''خاتون ذرا سا مسکرائی۔ ''مگر کیوں؟''

''کیونکہ آپ جیسے لوگ بدلے میں کچھ مانگا بھی کرتے ہیں۔سب سے پہلے آپ مجھے اپنے وکلاء کو کیس میں شامل کرنے کو کہیں گی۔کل کو یہ وکلاء آپ کی مرضی کی سمت میں کیس کو لے جائیں گے' بھاری رقم اور پبلک میں آ کر معافی مانگنے کی شرط پہ ان کو معاف بھی کر دیں گے کیونکہ آپ ان کی ہزیمت چاہتی ہیں۔لیکن میں آپ کو یہ کیس استعمال کرنے نہیں دوں گی۔یہ ہمارا کیس ہے' ہم اکیلے اس مقام تک پہنچے ہیں صاحبزادی صاحبہ' ہم اکیلے ہی لڑ لیں گے۔'' کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔صاحبزادی صاحبہ نے مسکرا کر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تو آپ ان ایس ایچ او صاحب کو راضی کیسے کریں گی نئے ملزم کا نام ڈالنے کے لئے؟''

''میں کیا کروں گی!'' اس نے گھنگریالی لٹ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے مسکرا کر ایس ایچ او کو دیکھا۔''میں یہاں صرف فارمیلٹی کے تحت آئی تھی' اور اب میں سیدھی پولیس کی ہائی کمان کے پاس جاؤں گی' آئی جی صاحب کی بیٹی میری بھتیجی کی دوست ہے' میں ان سے شکایت کروں گی۔ڈی آئی جی صاحب کے میں نے کورٹ میں چند کام کر رکھے ہیں' ایک کال میں ان کو بھی کروں گی۔پھر میں اپنے پرانے ٹیچر ایک سیشن جج کے سامنے سیکشن 22 سی آر پی سی کے تحت پٹیشن فائل کروں گی' یا صرف اپنی ایک بہت اچھی دوست مجسٹریٹ کے پاس پرائیوٹ کمپلینٹ فائل کر دوں گی۔اڑتالیس گھنٹے کے اندر نوشیرواں کاردار کا نام FIR میں درج ہوگا۔میرے پاس کام کروانے کے بہت طریقے ہیں۔مجھے آپ کی کوئی مدد نہیں چاہیے۔آپ آئیں' آپ کا شکریہ۔میں چلتی ہوں۔'' اپنے مدعے کو اپنے مخصوص انداز میں ''زمرائز'' کر کے وہ پرس اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔مڑتے مڑتے سر ''ہونہہ'' کے انداز میں جھٹکا بھی تھا۔

(سمجھتے کیا ہیں یہ مجھے۔اتنے سال کورٹ میں جھک ماری ہے کیا میں نے؟)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیوں لپٹتا ہے میرے ساتھ یہ دریا آخر؟
مجھ کو گرداب سے آگے بھی کہیں جانا ہے

اگلی دوپہر قصرِ کاردار کے ڈائننگ ہال کی طویل میز پہ کھانا کھانے ہاشم اکیلا بیٹھا تھا۔چند مہمانوں کی متوقع آمد کے باعث وہ آفس سے جلدی آ گیا تھا۔نوشیرواں کو بلا بھیجا مگر میری نے واپس آ کر مایوسی سے ''وہ کہہ رہے ہیں ان کو بھوک نہیں'' کہا تو ہاشم سر جھٹک کر کھانے لگا۔یہ تب ہی تھا جب بیرونی دروازے سے سینڈل کی مخصوص ٹک ٹک سنائی دی۔چہرہ اٹھائے بغیر بھی ہاشم جانتا تھا کہ نوارد کون ہے۔اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔

''ہیلو ہاشم!'' شہری مسکراتی ہوئی چلتی آ رہی تھی۔ہاشم نے تلخ تاثرات والا چہرہ اوپر اٹھایا۔

''تمہیں میرے گھر آنے جانے کے اوقات کی خبر کون دیتا ہے؟''

ڈائننگ ٹیبل کے قریب ہاتھ باندھے مؤدب سی کھڑی فیونا نے فوراً گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

''مجھے تو تمہاری دوسری بھی کئی مصروفیات کی خبر ہے۔'' وہ طنزیہ سا کہتی اس کے ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھی۔سنہری بالوں کی اونچی پونی بنائے'

چھپکلی کے ڈیزائن والے لمبے آویزے پہنے وہ حسبِ معمول خوب دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔

''سنا ہے تم شادی کر رہے ہو۔ سونی کو منا بھی لیا۔ واہ۔'' آنکھیں اس پہ جما کر طنزیہ بولی۔ ہاشم نے ابرو کے اشارے سے ملازموں کو جانے کا کہا اور اکتا کر کھانا ختم کرنے لگا۔ ''ویسے تم ہمیشہ ہی اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ ہونہہ۔ اور شادی ٹوٹنے کا الزام میرے سر لگاتے رہے اتنے سال۔''

''تم کیوں آئی ہو؟''

''میرا نام ہے سعدی یوسف دیکھنے کے بعد میں گھر کیسے بیٹھ سکتی تھی؟ ویسے اب تک تو تم پہ واضح ہو چکا ہوگا کہ میں نے نہیں' فارس نے وہ ویڈیو ریلیز کی تھی جج والی۔ مجھے تو سعدی نے یونہی درمیان میں پھنسایا تمہارا دھیان بٹانے کے لئے۔''

''سب جانتا ہوں۔ اور کچھ؟''

''اور یہ کہ اگر یوسفز واقعی تمہارے خلاف کیس کرنے جا رہے ہیں تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ جب مجھے subpeona کیا جائے گا تو میں عدالت میں کیا کہوں گی؟ آخر میرے سامنے بھی اعتراف کیا تھا ناشیرو نے سعدی کو گولیاں مارنے کا!''

وہ اسی وقت زینے اترتا نیچے آیا تھا۔ کھلے دروازے کے باعث شہری کی آواز کان میں پڑ گئی۔ پہلے ہی ابتر حلیے میں تھا' ملگجی ٹی شرٹ اور شارٹس' ان الفاظ پہ تو چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ تیزی سے سامنے آیا۔

''تم اس قابل نہیں تھی کہ تمہیں کوئی پسند کرتا' یا تم سے کوئی دوستی کرتا۔ تمہاری وجہ سے میں نے اسے شوٹ کیا تھا' اور اگر تم نے.....''

''شیرو!'' ہاشم نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرایا اور وہ باوجود غصے کے چپ ہو گیا۔ شہرین اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک تند و تیز نظر شیرو پہ ڈالی۔

''میں کس قابل ہوں تمہیں کورٹ میں معلوم ہو گا کیونکہ ڈیڈی نے مجھے دس منٹ پہلے بتایا ہے کہ کورٹ آرڈر کے ذریعے زمر نے ایف آئی آر میں تمہیں اور ہاشم کو نامزد کر دیا ہے۔''

''تھینک یو شہرین' تم جا سکتی ہو۔'' ہاشم نے سختی سے کہا تو وہ پرس اٹھا کر مڑی اور آگے بڑھ گئی۔ شیرو نہیں بیٹھا' شل سا کھڑا رہا۔ پھر بے یقین نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

''میرا نام.....؟''

''اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی ٹرائل نہیں ہو گا' نہ انہیں کوئی تاریخ ملے گی نہ کوئی تمہیں گرفتار کرے گا۔ کھانا کھانا ہے تو کھاؤ ورنہ.....'' اور اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی شیرو پیر پٹختا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ ہاشم نے نیپکین زور سے پرے مارا اور پلیٹ دھکیلتا اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ لاؤنج تک آیا ہی تھا کہ بیسمنٹ کی سیڑھیوں کا دروازہ کھول کر باہر آتی علیشا دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرالی بیگ کا ہینڈل تھا جسے وہ ساتھ ہی گھسیٹ رہی تھی۔ ہاشم اسے دیکھ کر رکا۔

''کیا تم واپس جا رہی ہو؟'' علیشا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' پھر قدم قدم چلتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور چبھتی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پہ گاڑ دیں۔

''جی.... میں کبھی نہ آنے کے لئے واپس جا رہی ہوں۔'' چبا چبا کر وہ کہنے لگی۔ ''میں نے بہت کوشش کی آپ لوگوں سے اپنی محرومیوں کا انتقام لینے کی' آپ کو ذلیل کرنے کی' اپنا جائز پیسا آپ کی مٹھیوں سے نوچ لینے کی' مگر میں ہر دفعہ نا کام ہوئی۔ کیونکہ میں اکیلی تھی۔ اور کیونکہ میرے اندر فارس جتنی ہمت نہیں تھی۔ نہ میں سعدی کی طرح بہادر ہوں۔ میرا مقصد صرف پیسے کا حصول تھا۔ اور وہ مجھے نوشیرواں نے شیئرز واپس لیتے ہوئے کافی کثرت سے دے دیا ہے۔ اور نہیں' ابھی میں ائیر پورٹ نہیں جا رہی۔ میں ہوٹل جا رہی ہوں۔ مجھے ایک دو دن مزید شہر میں رک کر ایک آخری کام کرنا ہے۔ پریشان مت ہوں' آپ کو تباہ کرنے کا کوئی کام نہیں۔ یہ سب یوسفز کر لیں گے۔ میں تو ہوں پیسے کے پیچھے۔ تو ایک آخری چیز ڈھونڈ لاؤں آپ کے پاس' پھر اس کی قیمت آپ خود لگائیں گے۔'' ایک سانس میں کہہ کر وہ ایک زخمی نگاہ اس پہ ڈالتی آگے بڑھ گئی۔ ہاشم اسے گھور کر جاتے دیکھتا رہا۔

ایک ویڈیو کیا ریلیز ہوئی' ہر ایک کی اتنی اوقات ہو گئی ہے کہ وہ یوں چڑھ کر اس سے بات کرے! ہونہہ۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار بنتا ہے

وہ دن بھی خاموشی سے ڈھل گیا۔ شام اتری اور پھر رات چھا گئی۔ ندرت ریسٹورانٹ بند کر کے گھر آ گئی تھیں۔ سب اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے۔ فارس ابھی گھر نہیں آیا تھا سو گیٹ کھلا تھا۔ باہر دونوں گارڈز کو اس نے کسی بھی گھس پٹے کو پوائنٹ بلینک پہ شوٹ.... گن والا شوٹ.... کر دینے کے احکامات جاری کر رکھے تھے۔ سوائے کسی ایسے لڑکے کے جو خاموشی سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہو اور کسی تار کی مدد سے پورچ سے اندر کھلتا دروازہ کھولنے کی کوشش کرے۔ ایسے لڑکے کے بارے میں اس نے ریسٹورانٹ اور گھر دونوں جگہوں کے پہریداروں کو کہہ رکھا تھا کہ وہ اس کو یوں نظر انداز کریں جیسے اسے دیکھا ہی نہیں۔

ندرت وضو کر کے کمرے میں آئیں کہ نماز پڑھیں' پھر خیال آیا کہ کچن کا چکر لگا لیں۔ گیلے آستین بازوؤں پہ برابر کرتیں' وہ باہر آئیں۔ کچن کے اندر آ کر لائٹ جلائی۔ سلیب پہ رکھی خالی بوتلوں کو دیکھ کر وہ غصہ چڑھا کہ الاماں۔

''یہ حنین بیگم اور اسامہ خان' مجال ہے جو کبھی خود سے بوتلیں بھر کر رکھ دیں۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ فلٹر سے بوتلیں بھر کر سلیب پہ رکھ دیا کرو۔ آگے فریج میں رکھنے کا موسم آئے گا تب کیا کریں گے یہ؟ بے غیرت اولاد۔'' کچن کی بوتلیں وہیں چھوڑ کر لاؤنج میں آئیں۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر چلتی ندرت نے لاؤنج اور ڈائننگ ٹیبل میں ادھر ادھر لڑھکی خالی بوتلیں اکٹھی کیں اور انہیں کچن میں لائیں۔

ایک دم وہ ٹھٹک کر رکیں۔ سامنے سلیب پہ چاروں بوتلیں بھری رکھی تھیں۔ پانی کے قطرے تک ٹپک رہے تھے۔ ندرت نے منہ میں انگلی دبائی۔ (شاید حنہ یا سیم میں سے کوئی.....) مگر چند قدم آگے آئیں تو مزید ٹھٹکیں۔ سیم اور حنہ ہمیشہ بوتلوں کو ان کے ڈھکن تک بھر دیتے تھے' وہ کہہ کہہ کر تھک گئیں کہ بوتل کو پورا نہیں بھرے' دو گھونٹ جگہ چھوڑتے ہیں تاکہ ڈھکن کھولو تو منہ پہ پانی نہ چھلک پڑے' مگر ان پہ اثر نہ ہوتا۔ لیکن ابھی جو بوتلیں بھری رکھی تھیں' ان میں دو' دو گھونٹ جتنی جگہ چھٹی ہوئی تھی۔ ایسے جیسے ندرت بھرتی تھیں۔ ایسے جیسے سعدی بھرتا تھا۔ مگر.....انہوں نے سر جھٹکا۔ شاید زمر نے بھری ہوں۔ وہ دوسری بوتلوں کو بھر کر باہر نکل گئیں' اور کوئی خاموشی سے پینٹری کے دروازے کی اوٹ میں کھڑا ان کو دیکھتا رہا۔

زمر کے کمرے کی لائٹ ابھی تک جل رہی تھی۔ وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے' اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی لیپ ٹاپ پہ اپنا فیس بک گروپ کھولے ہوئے تھی۔ سعدی کی آئی ڈی کے سرخ زخمی گلاب پہ انگلی پھیرتے ہوئے وہ ایک ہی بات سوچے جا رہی تھی۔ وہ گھر کیوں نہیں آیا؟ وہ گھر کیوں نہیں آتا؟ پھر سر جھٹکا اور آن لائن تفسیر کھولی۔ پہلے چند آیات کو پڑھا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ سوچتی رہی۔ سوچتی رہی۔

''میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں شیطان مردود سے۔

اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔''

گہری سانس لے کر اس نے کی بورڈ پہ انگلیاں رکھیں۔ وہ سعدی کے لئے لکھ رہی تھی یا اپنے لئے' کیا فرق پڑتا تھا؟

النمل کی آیات میں فرمایا جا رہا تھا۔

''یا کون ہے

جو جواب دیتا ہے لاچار کو

جب وہ اس کو پکارتا ہے

اور دور کرتا ہے اس کی تکلیف

اور وہ بناتا ہے تم کو زمین کا جانشین۔

کیا کوئی اللہ کے سوا ہے معبود؟

کتنی کم تم نصیحت پکڑتے ہو؟''

یہ آیت دل کو ایک دم پگھلا دیتی تھی۔ کی بورڈ پہ رکھی انگلیاں لرزیں۔

''پہاڑوں' نہروں' سمندروں اور زمین کی مثال دینے کے بعد آپ اللہ تعالیٰ ''انسان'' کی بات کرتے ہیں۔ ''انسان'' جو قرآنِ کریم کا موضوع ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ انسان کو چٹان سا مضبوط' سمندر سا گہرا' اور زمین کی طرح پرسکون رہنا چاہیے' نہروں کی طرح ہر وقت بہہ نہ جائے' بلکہ سمندر کے کھارے اور میٹھے پانی کے حجاب کی طرح اپنے جذبات کو ابلنے سے روکے رکھے۔ مگر قرآن ان مضبوط

چیزوں کی مثال دے کر ان سے زیادہ مضبوط مخلوق کی طرف آتا ہے لیکن اس کی سخت لاچاری والی حالت دکھاتے ہوئے۔ انسان کے ساتھ پہلے اتنی مضبوط چیزوں کی مثال دی' پھر انسان کو اتنا کمزور کیوں دکھایا اس آیت میں؟'' اس کے ہاتھ لمحے بھر کو رکے' لب کاٹتے ہوئے سوچا' پھر سر کو خم دیا۔

''مگر نہیں' کس نے کہا کہ مضطرب انسان ''کمزور'' ہوتا ہے۔ نہ انسان پہاڑ جیسا نہ سمندر جیسا نہ زمین جیسا ہو سکتا ہے ہر وقت۔ ہم پہ مختلف فیز آتے ہیں۔ اور جو سخت کمزور ترین لمحے میں.... لاچاری اور اضطراب کے عالم میں اللہ سے دعا کرتا ہے' اس کی مثال ان مضبوط چیزوں کے آگے دی جا رہی ہے' کیونکہ دعا کرنے والا ان سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ بھلے سجدے میں گرا ہو' رو رہا ہو' درد سے بلک رہا ہو' وہی اصل بہادر ہے۔ کیونکہ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اللہ اسے دے گا۔ چاہے لوگ کچھ بھی کہیں' چاہے سائنس کچھ بھی کہے' اس کی امید جوان ہوتی ہے کہ اللہ اسے دے گا۔ اللہ ہی سے مانگنا ہے۔ وہی اس کے دل کو سکون دے گا' وہی اس کی آزمائش کو کھولے گا۔ آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صبر اور نیک عمل کافی نہیں۔ دعا سب سے بڑا Catalyst ہے۔ دعا کے بغیر کیا ملتا ہے؟ اور مل جائے تو رہتا ہے کیا؟ دعا اللہ سے بات کرنا ہے' اور اسی بات نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر وہ اپنا بچہ دریا میں ڈال بھی دیں تو اللہ ایک دن اسے ضرور ان کے پاس پھیر لائے گا۔ اور پہلے موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا' مگر اللہ نے ان کو جمائے رکھا' کیونکہ اللہ سے تعلق نہیں توڑا تھا انہوں نے۔ اللہ سے بات کرنا نہیں چھوڑا۔ میری طرح نہیں کہ مصیبتوں پہ دل اتنا اچاٹ کر دیا کہ دعا مانگنی چھوڑ دی۔'' ایک زخمی سا تاثر اس کے چہرے پہ ابھرا۔ وہ چہرہ جھکائے' ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔

''دعا مانگنا بھی کوئی چھوڑتا ہے کیا؟ ایسے کوئی اللہ سے بات کرنا بھولتا ہے کیا؟ یہ اپنے گلٹ اور شکوؤں کی اونچی دیوار کیوں بنا لیتے ہیں ہم لوگ؟ ایسے کوئی کرتا ہے کیا؟ اور جو کرتا ہے وہ بھی تب تک سکون نہیں پائے گا جب تک واپس نہیں آئے گا۔ کچھ تو کاش اللہ سے بھی سیکھا ہوتا ہم نے۔ جانے والوں کو وہ روکتا نہیں ہے لیکن اگر وہ لوٹ کر آ جائیں تو ان کے لئے سارے دروازے کھول دیتا ہے۔ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوچتے ہم کہ یہ جو ہم روز بروز اپنی دنیا میں' شادی' بچوں' شوہر' کاروبار میں مصروف ہوتے جا رہے ہیں' کوئی جو ہم سے زیادہ بڑا نظام سنبھالے ہوئے ہے' وہ ہمارے پلٹنے کا انتظار کرتا ہو گا۔ بے نیاز ہے وہ' فرق اسے نہیں پڑتا' مگر وہ ہمارے لئے ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم بھی اپنے لئے ہی اس سے محبت کرتے ہیں ویسے۔ اور اگر ہم.... کبھی بھولے بھٹکے سے لوٹ آئیں تو ہم ایک کام کرتے ہیں ''دعا'' اس کو پکارنا.... اور وہ تین کام کرتا ہے.... اس آیت کے بقول وہ تین کام کرتا ہے.... دعا کا جواب دیتا ہے.... تکلیف کو دور کرتا ہے اور ہمیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ ہم کمزوروں کو اگر کوئی چیز اتھارٹی' انصاف اور طاقت دلا سکتی ہے' کنٹرول عطا کر سکتی ہے تو وہ صرف دعا ہے۔ لاچار کی لاچاری ہٹے گی' تکلیف دور ہو گی' تب ملے گی اس کو خلافت۔ کونے میں پڑے ڈپریسڈ لوگوں کو نہیں ملتا کنٹرول۔ ہمیں سستی اور غفلت سے خود نکلنا ہو گا۔ اپنے ڈپریشن سے نکلنا ہو گا۔ اپنے گلٹ سے' اپنے اندر کے اندھیروں سے.... اس کے بعد ملے گا ہمیں اختیار.... کہ معاف کرتے ہیں یا سزا دیتے ہیں۔ پھر ہم دیں گے سزا جسے ہم چاہیں' اور معاف کریں گے جسے ہم چاہیں۔ اور فسادیوں اور اپنے درمیان

بنائیں گے ذوالقرنین کی دیوار جب ہم چاہیں۔ ایسا اختیار پانے کے لئے ہمیں اپنی تکلیف سے نکلنا ہوگا' اور تکلیف سے ہمیں دعا نکالے گی۔ خواہشوں کا مل جانا نہیں نکالے گا۔ میرا یہ کام ہو جائے' مجھے اتنا مال یا اولاد مل جائے تب زندگی پہ میرا ''کنٹرول' ہوگا' نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ہمیں مضبوط اور پراعتماد زندگی دعا سے ملے گی۔ دعا کیا کرو بچے۔ یہی تمہارے کام آئے گی۔''

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ لکھ رہی تھی گویا وہ سن رہا ہو۔ گویا وہ پڑھ رہا ہو۔ چلو کبھی تو پڑھے گا۔ شاید تب وہ ایسی کوئی سطر ڈھونڈ لے جو اسے کرب سے نکال لائے.....

دیوار کے اس پار ندرت اپنے کمرے میں بچھے نماز والے تخت پہ بیٹھی' نماز ادا کر رہی تھیں۔ وہ گھٹنوں کے مسئلے کے باعث دائیں ٹانگ سیدھی لٹاتیں اور بایاں پیر نیچے زمین پہ رکھتیں۔ یوں اس حالت میں سینے پہ دونوں ہاتھ باندھے وہ عشاء کے وتروں کی آخری رکعت میں تھیں۔ ان کی نگاہیں تخت پہ بچھی نماز کی محراب پہ جمی تھیں اور روٹین کے انداز میں وہ کلمات ادا کر رہی تھیں۔ کمرے کا دروازہ ان کی پشت پہ تھا' تبھی جب انہوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو آنے والے کو دیکھ نہیں پائیں۔ آنکھیں جھکائے نماز پڑھتی رہیں۔ کسی نے دھیرے سے دروازہ بند کیا تھا۔ وہ تسبیحات ادا کرتی رکوع میں جھکیں۔

''نانا والے گھر کا صحن بہت بڑا تھا۔ درختوں اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا۔ وہاں صحن میں سب نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔''

رکوع میں جھکے جھکے ندرت نے وہ آواز سنی۔ ان کے گھٹنوں پہ رکھے ہاتھ کپکپائے۔ لبوں سے تسبیحات بمشکل ادا ہو پائیں۔

''نانا اپنے ابا جی کا قصہ اکثر سنایا کرتے تھے۔ کہ وہ اسی صحن میں اسی درخت تلے نماز پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ بچھو کہیں سے نکل آیا۔ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ نانا کے ابا جی نہیں ہلے۔ نماز ادا کرتے رہے۔ بچھو نے ان کو ڈنک مار دیا۔ ایک دفعہ۔ دو دفعہ۔ وہ نہیں ہلے۔'' کوئی ان کے عقب میں کھڑا کہہ رہا تھا۔ ندرت بدقت سیدھی ہوئیں۔ سجدے کی جگہ پہ دھندسی اتر آئی۔ کوئی آنسو گال پہ چمکا تھا۔ لب اللہ اکبر کہتے ہوئے کپکپائے۔

''وہ اپنی نماز مکمل کرتے رہے۔ بچھو نے ان کو کئی ڈنک مارے۔ تعداد مجھے یاد نہیں۔ مگر سلام پھیر کر وہ گر گئے۔ ان کو ہسپتال لے جایا گیا۔ معجزاتی طور پہ ڈنک نے ان پہ زیادہ اثر نہیں کیا تھا۔ وہ بچ گئے۔'' آواز قریب آ رہی تھی۔ قدم ان کے پیچھے سے قریب آ رہے تھے۔ ندرت نے کپکپاتے ہاتھ سجدے کی جگہ رکھ کر جھکتے ہوئے سجدہ ادا کیا۔

(پاک ہے میرا بہت اعلیٰ رب.....)

''نانا اکثر یہ قصہ سناتے تھے۔ پھر آپ سنانے لگیں۔ آپ کہتی تھیں کہ انسان نماز نہیں توڑ سکتا۔ میں بحث کرتا تھا۔ کہ فتویٰ کہتا ہے توڑ سکتے ہیں۔ مگر آپ کہتی تھیں تقویٰ کہتا ہے نہیں توڑنی چاہیے۔ میں نہیں مانتا تھا۔ اب مانتا ہوں۔'' سجدے کی جگہ پہ چہرہ اور کندھے جھکائے (وہ ماتھا نہیں ٹیک سکتی تھیں' کہ اتنا جھکنا ممکن نہ تھا) تسبیحات لرزہ خیز آواز میں ندرت کے لبوں سے نکل رہی تھیں۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جا رہے تھے' گرتے جا رہے تھے۔ سارا منظر دھندلا گیا تھا۔ وہ انہی تسبیحات کو دہرا دہرا کر پڑھ رہی تھیں۔

''انسان کو واقعی نماز نہیں توڑنی چاہیے۔ ایک یہی وہ حالت ہوتی ہے جس میں آپ کو دیکھ کر لوگ فوراً سے رک جاتے ہیں.... انتظار کر لیتے ہیں۔ کسی کی جراءت نہیں ہوتی کہ آپ کو مخاطب کر لے۔ کوئی آپ کو اشارہ تک کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں' اور مسلمانوں کو اتنا خوف تو ہوتا ہے نا کہ کسی بندے اور اس کے رب کے درمیان نہ آئیں۔''

آواز ان کے کندھے کے عین پیچھے آ رکی تھی۔ ندرت نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا اور تکبیر پڑھ کر دوبارہ سجدے میں جھکیں۔

آنسوؤں نے سارا منظر دھندلا دیا تھا۔ لبوں سے الفاظ سسکیوں کی صورت نکل رہے تھے۔ وہ بار بار تسبیحات کی تعداد بھول رہی تھیں' سو ان کو دہرائے جا رہی تھیں۔ بار بار.... بار بار.....

''کوئی کسی کی نماز میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا.... سوائے ایک کے.... اور اس ایک کو تو اللہ کے رسول ﷺ نے بھی رعایت دی ہے۔....''

ندرت نے کندھے واپس سیدھے کیے۔ چہرہ بالکل جھکائے' ہاتھ گھٹنوں پہ رکھے۔ اور التحیات پڑھنے لگیں۔ آنسو ان کے چہرے پہ پھسلتے' تھوڑی سے نیچے لڑھک رہے تھے۔ ٹپ ٹپ۔ جیسے موتی ہوں۔ شفاف موتی۔

''اور وہ ایک.....'' وہ ان کے بائیں گھٹنے کے ساتھ زمین پہ بیٹھا۔ کنکھیوں سے ندرت کو بس اتنا محسوس ہو رہا تھا کہ ایک لڑکا ان کے ساتھ بیٹھ رہا ہے۔ اس کا سر جھکا ہے اور ہاتھ ندرت کے گھٹنے پہ ہے۔ ''اور وہ ایک ہوتا ہے.... بچہ..... اور اللہ کے رسول ﷺ اپنی نواسی کو اٹھا لیتے تھے نماز میں.... سو میں سوچتا ہوں امی کہ اگر کوئی بچہ اپنی ماں کے پاس آئے....'' وہ بھیگی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ندرت کے لبوں سے الفاظ ہچکیوں اور سسکیوں صورت بلند ہونے لگے۔ ''اگر کوئی بچہ اپنی ماں کے پاس آ جائے اور وہ.... اور وہ رو بھی رہا ہو.... تو امی اس کی ماں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے بچے کو اٹھا لے.... اور پھر اپنی نماز مکمل کر لے.... امی اللہ تعالیٰ اپنی نماز کے دوران بھی کسی کو اس کے بچے سے تکلیف کے عالم میں دور نہیں کیا کرتا.... اتنی اجازت تو ہے امی....'' وہ ان کے گھٹنے پہ سر رکھ کر رونے لگا تھا۔ بالکل بچوں کی طرح۔ پھوٹ پھوٹ کر۔ بلک بلک کر۔ ندرت کی آنکھیں ہنوز بہہ رہی تھیں ان کی ہچکیاں اور ان کے درمیان الفاظ بلند ہو رہے تھے..... وہ ربِ اجعلنی پڑھ رہی تھیں۔

''اے میرے رب' مجھے بنا پابند نماز کا اور میری اولاد کو بھی.... اے ہمارے رب دعا کو قبول کر لے.... اے ہمارے رب مجھے معاف کر دے اور میرے والدین کو اور تمام مومنین کو حساب کے قائم ہونے کے دن!''

ندرت نے گیلے چہرے کو دائیں طرف پھیرا' اس کو سلام اور رحمت اور برکت کی دعا دی۔ پھر بائیں طرف پھیرا' اس کو صرف سلام اور رحمت بھیجی۔ برکت کی دعا نہیں دی.....

وہ اسی طرح ان کے گھٹنے پہ سر رکھے رو رہا تھا۔ آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان.... آہوں اور سسکیوں کے درمیان.... وہ کیا دیکھ رہی تھیں.... وہ کیا سن رہی تھیں.... ان کو معلوم نہ تھا.... منظر دھندلا تھا.... مگر وہ اس کا چھوٹے کٹے بالوں والا سر اٹھا کر جھک کر اس کا چہرہ چومنے لگی تھیں۔ ''میرا اسعدی.... میرا بیٹا....'' وہ اس کو پیار کر رہی تھیں' اس کو دیوانہ وار خود سے لگائے چوم رہی تھیں' اور وہ روئے جا رہا تھا۔

سارے منظر دھندلے تھے.... گیلے تھے.... آنسوؤں سے تر تھے.... صرف ایک آواز آتی تھی.... میرا اسعدی.... میرا بیٹا.....

دوسرے کمرے میں موجود زمر اس سب سے بے خبر لیپ ٹاپ آف کر کے اٹھی اور پھر سیل دیکھا۔ قدرے فکر مندی سے اسے کال ملا کر فون کان سے لگایا۔

''کدھر ہو؟''

''آج تو بہت مس کر رہی ہیں۔ خیریت!'' وہ مسکرا کر بولا تھا۔ غالباً ڈرائیو کر رہا تھا۔

''گیٹ لاک کرنا ہے۔ اور کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ خفگی سے کہتی بیڈ کی چادر خواہ مخواہ جھاڑنے لگی۔

''میں سوچ رہا تھا آج ہم ڈنر باہر کریں۔''

''ڈنر کا وقت دو گھنٹے پہلے گزر چکا' فارس غازی۔ اب آپ شریف انسانوں کی طرح گھر تشریف لے آیئے۔''

''فوڈلی ایور آفٹر ہمارے لئے ۲۴ گھنٹے کھلا ہوتا ہے مادام۔ چابی ہے میرے پاس۔ آپ تیار ہو جائیں۔ میں آپ کو پک کر لوں گا۔''

وہ رک گئی۔ ''اس وقت تو نہ کوئی شیف ہو گا نہ بیرا۔ پھر؟''

''شیف آپ بن جائیں گی' بیرا میں بن جاؤں گا۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ زمر کے لبوں پہ مسکراہٹ آ رکی۔

''اگر یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کوکنگ کروں تو گھر آ جاؤ۔''

''مجھے معاف کیجئے۔ گھر میں پورے خاندان کے سامنے نہیں میں کوکنگ کروانے والا آپ سے۔ تیار ہو جایئے۔ میں آنے والا ہوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ' کیا بنواؤ گے مجھ سے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''اسٹیک۔ کسی بھی قسم کی۔'' پھر رکا۔ ''آپ کو بنانی آتی ہیں نا؟''

''شیور۔ مسئلہ ہی کوئی نہیں۔'' ادھر اس نے فون رکھا' ادھر زمر نے جھٹ گوگل کھولا۔ دو چار تر ا کیب کے اسکرین شاٹس لئے' پھر جلدی سے الماری کھولی اور چند ہینگرز الٹ پلٹ کیے۔ ایک سیاہ سلک کی لمبی قمیض نکالی جس کے گلے پہ ننھے ننھے موتی لگے تھے۔ یہ ٹھیک رہے گی۔ اور جلدی سے تیار ہونے چلی گئی۔

وہ کار باہر گیٹ تک لایا اور سیل نکال کر اسے کال کرنے لگا۔ زمر نے کال کاٹ دی' یعنی وہ آ رہی تھی۔ فارس نے فون کان سے ہٹایا اور دوبارہ سے ان باکس میں موجود وہ پیغام پڑھا۔

''سر' ریسٹورانٹ میں میں نے کسی کو جاتے نہیں دیکھا' لیکن اوپری منزل کی بتی جلی ہوئی ہے۔ شاید وہ لڑکا آ گیا ہے۔'' فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''زمر بی بی' آپ شیف بننے والی کریں' دو بیرے حاضر ہوں گے آپ کے لئے۔'' اور دوسرے بیرے سے ہی اس کی سرپرائز ملاقات کروانے وہ جا رہا تھا۔ وہ کتنی خوش ہو گی' سوچ کر ہی اسے مزہ آ رہا تھا۔

موبائل یکدم زوں زوں کرنے لگا۔ فارس نے دیکھا۔ آبدار کالنگ۔ اس نے کال کاٹ دی۔ پھر ایک پیغام موصول ہوا۔ ”کیا آپ اس وقت آسکتے ہیں میرے پاس؟ پلیز مجھے آپ کی ضرورت ہے۔“

اس کے بعد کالز پہ کالز آنے لگیں۔ اس نے اکتا کر فون ہی سائیلنٹ پہ لگا دیا۔ تبھی گیٹ کھلا اور وہ باہر آتی دکھائی دی۔ سیاہ جھلملاتے لباس میں، گھنگریالے بال سمیٹ کر چہرے کے ایک طرف آگے کو ڈالے' ناک میں دمکتی سونے کی نتھ پہنے' وہ ایک سادہ مگر بے نیاز مسکراہٹ کے ساتھ چلی آرہی تھی۔ جب فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تو وہ جو اسے ہی دیکھ رہا تھا' کہنے بغیر نہ رہ سکا۔ ”اچھی لگ رہی ہو۔“

”میں بری لگی ہوں کبھی۔“ اس نے شانے اچکائے۔

چڑیل، گھنگریالے بالوں والی ڈائن' سڑی ہوئی پر اسیکوٹر' جیسے وہ تمام القابات فارس کو یاد آئے جو کچہری میں لوگ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے لیکن.....وہ گہری سانس لے کر مسکرایا۔ ”تو کوکنگ کریں گی آج آپ میرے لئے۔“

”اگر تم بیرا گری کرو گے' تو ہاں!“ وہ بھی سادگی سے مسکرائی۔ فارس نے سر کو خم دیتے ہوئے ایکسلیٹر پہ پاؤں کا دباؤ بڑھایا اور گیئر کو حرکت دی۔ کار زن سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ترے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے

بکھر چلے ہیں ترا انتظار کرتے ہوئے

سبز بیلوں سے ڈھکا مورچال خاموش کھڑا رہ گیا۔ اس کے اندر جاؤ تو ندرت ہنوز نماز والے تخت پہ تھیں' اور وہ ان کے ساتھ بیٹھا تھا۔ چہرے پہ تکان تھی' مگر آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ ندرت ابھی تک رو رہی تھیں' بار بار اس کے چہرے اور سر پہ ہاتھ پھیرتیں۔

”بے غیرت نہ ہو تو' یہ بالوں کو کیا کر لیا ہے؟ ناں اتنے دن سے کدھر تھے؟ ماں کا خیال بھی نہیں آیا۔“ کہتے کہتے اس کے سر پہ چپت لگائی۔ اس نے گہری سانس لی۔

”بس مارنا نہیں بھولتیں آپ ندرت بہن۔ شاپنگ کرتے وقت میرے لئے مایونیز لینا بھول جاتی ہیں لیکن۔ اگر پتہ تھا کہ میں نے آنا ہے' تو میں ناشتے میں کیا کھاؤں گا' اتنا تو سوچا ہوتا۔“

”لے آئی ہوں مایونیز' کیسے بھول سکتی تھی!“ وہ اس کی بات کی گہرائی میں گئے بغیر آنسو پونچھتے بتا رہی تھی۔ پھر کار کی آواز آئی تو کھڑکی کی طرف دیکھا۔ سعدی نے انہیں اٹھنے سے روکا۔ ”میں دیکھ چکا ہوں۔ فارس ماموں اور زمر ہیں' باہر گئے ہیں۔ ان کو ابھی نہ بلائیے گا۔ جانے دیں۔“

”اچھا مگر.....“ وہ پیر نیچے اتارتیں چپل تلاش کرنے لگیں۔ ”باقی سب کو تو بلاؤ' حنین' اسامہ.....“ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ ان کے ساتھ باہر نکلا۔

اسامہ یوسف اس وقت کٹو بیگم کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھا تھا اور جمائیاں روکتا اس کو سن رہا تھا جو نہایت جوش و خروش سے بولے جا رہی تھی۔

''تم سوچ نہیں سکتے سیم وہ جو گھر میں نے گوگل پہ دیکھے۔ وہ کوئی عالیشان محل نما گھر نہیں تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے گھر تھے' ان کے باتھ رومز تو ہمارے سے بھی چھوٹے تھے۔ مگر کس طرح ان کو سجایا گیا تھا' الامان۔ میں سمجھتی تھی خوبصورت گھر بڑے گھر ہوتے ہیں مگر مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ چھوٹے گھر زیادہ خوبصورت بنائے جا سکتے ہیں۔ اگر انسان کو سلیقہ آتا ہو۔''

''حنہ صبح اس سلیقے پہ بات کر لیں گے۔ ابھی مجھے نیند آ رہی ہے۔''

حنین نے اس کے سر پہ چپت رسید کی۔ ''دو منٹ سکون سے بیٹھ کر میری بات نہیں سن سکتے؟ ابھی سعدی بھائی ہوتا ناتو....'' باہر سے کوئی شور سا بلند ہوا تھا۔ دونوں چونک گئے۔ ابا کی آواز....ابا کے رونے کی آواز۔ حنین اور اسامہ نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ننگے پیر بستر سے اتر کر باہر بھاگے۔ لاؤنج میں سب موجود تھے۔ ندرت نے صداقت اور حسینہ کو بھی بلوا لیا تھا۔ وسط میں صوفے پہ ابا کی وہیل چیئر رکھی تھی اور وہ روتے ہوئے کسی سے گلے مل رہے تھے۔ بول کچھ نہیں پا رہے تھے' بس آنکھیں بند کیے روتے جا رہے تھے۔ ان سے ملنے والا لڑکا سیاہ جیکٹ میں ملبوس تھا' مسکرا کر ان کے گلے لگ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ بال چھوٹے چھوٹے کٹے تھے' شیو بڑھی ہوئی تھی' اور منہ کا زخم ویسا ہی تھا۔

حنین وہیں جم گئی۔ گویا پتھر کا بت ہو۔ آنکھیں شاک کے عالم میں کھلی رہ گئیں۔ سیم چیخ مارتا تیزی سے بھاگا اور پیچھے سے جا کر سعدی سے لپٹ گیا جو خود ابا سے گلے ملنے کی حالت میں جھکا ہوا تھا۔ سیم کے اس انداز پہ وہ ہنستے ہوئے الگ ہوا اور سیم کو بازو پھیلا کر اپنے ساتھ لپٹا یا۔ صداقت خوشی خوشی پانی لے آیا' کہ ابا کو پلائے۔ حسینہ (جس کو ندرت نے کھانا گرم کرنے کا کہا تھا۔) دوپٹہ دانتوں میں دبائے دلچسپی سے منظر نامہ دیکھنے لگی۔ (ان لوگوں کا بھی نا روز کوئی نیا ڈرامہ ہوتا ہے۔)

ساکت' متحیر' شل سی حنین کے لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھلے۔ آنکھوں میں چمک سی ابھری۔ اور نمی بھی۔

وہ ننگے پاؤں لاؤنج کے ٹھنڈے مرمریں فرش پہ چلنے لگی۔ وہ اب ہنستے ہوئے سیم کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا' ابا کو کچھ کہہ رہا تھا۔ (شاید یہ کہ سیم بڑا ہو گیا ہے۔)

حنین قدم اٹھاتی رہی۔

گویا برف کا صحرا تھا جس میں وہ قدم قدم چلتی جا رہی تھی۔

فاصلہ عبور کرتی جا رہی تھی۔

وہ مسافت کتنی طویل تھی.....

وہ مسافت کتنی سرد' کتنی کٹھن تھی۔

اس کے پیر ٹھنڈے ہو کر جمنے لگے تھے مگر وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتی.....آگے بڑھتی گئی۔

صوفے کے کنارے وہ رکی۔ ''بھائی!'' کسی نے اس کی پکار نہیں سنی۔ سیم اور ابا اب خوشی سے (آنسو پونچھتے) بات کر رہے تھے' ندرت کچن میں صداقت کو لیے چلی گئی تھیں۔ صرف سعدی نے گردن اٹھائی' پھر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا جو اس کی پشت پہ کھڑی تھی۔ اس کا کپکپاتا ہاتھ صوفے پہ جما تھا اور مسکراتی متحیر نظریں سعدی پہ۔

''کیسی ہو حنین؟ ٹھیک ہو؟ ابا' سیم کتنا بڑا ہو گیا ہے' کیا یہ اب آپ کی دوا کا خیال رکھتا ہے۔'' وہ دو لفظ اس سے بول کر مڑ کر اپنے ساتھ لگے سیم کی بابت ابا سے مسکرا کر دریافت کرنے لگا۔ جواب میں سیم زور سے اپنی کارکردگی بتانے لگا اور ابا ہنستے ہوئے اس کی تائید کرنے لگے۔ ''یہ میرا تمہاری طرح خیال رکھتا تھا۔''

ایسے میں صرف حسینہ نے محسوس کیا کہ پیچھے کھڑی حنین کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی ہے' اور وہ اسی طرح الجھی' متحیر سی کھڑی رہ گئی ہے۔ صوفے کی پشت پہ رکھا ہاتھ بھی گر گیا ہے اور وہ یک ٹک سعدی کے سر کی پشت کو دیکھ رہی تھی' جس نے دوسری نظر اس کو دیکھا تک نہیں تھا۔

کیا اس لئے پار کیا تھا برف کا صحرا اگر آخر میں سفید مجسمہ ہی بن جانا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی قیس تھا تو ہوگا' کوئی کوہ کن تھا' ہوگا

مرے رنج مختلف ہیں مجھے ان سے نہ ملاؤ

رات کی سرد پُرسکون خاموشی میں فوڈ لی اینڈ آفٹر کی عمارت بھی ویران پڑی تھی۔ بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ پارکنگ خالی تھی۔ وہ دونوں کچن کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔ زمر نے بتی جلائی تو کچن روشنی میں نہا گیا۔ وہ سیاہ لباس پہ سیاہ جیکٹ پہنے ہوئی تھی۔ اب جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گردن گھما کر طائرانہ نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

''سو تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے کچھ بناؤں۔'' مسکراہٹ دبا کر پوچھا تو وہ جو کچھ کہنے لگا تھا' فون کی وائبریشن پہ ٹھہرا' اثبات میں سر ہلایا اور فون نکال کر دیکھا۔ آبدار کی 25 مسڈ کالز۔ لیکن ابھی فون حنین کے نام سے جل بجھ رہا تھا۔ اس نے اسے کان سے لگایا۔ ''ہاں حنہ' بولو۔'' زمر آستین پیچھے کو موڑتی فریج کی طرف بڑھ گئی تھی اور اسے کھولے جھک کر مختلف اشیاء الٹ پلٹ کرنے لگی۔

''آپ نے بتایا ہی نہیں بھائی کے آنے کا۔'' وہ کچھ ناخوش' الجھی الجھی لگ رہی تھی۔ فارس بری طرح چونکا۔ ''تمہیں کیسے پتا؟ کیا سعدی نے کچھ کہا ہے؟'' زمر اس نام پہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''کچھ نہیں کہا' یہی تو غم ہے۔''

''حنین کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ ٹھٹکا۔

''بھائی گھر آ گیا ہے۔ اس وقت وہ لاؤنج میں امی کے ساتھ.....'' فارس نے پوری بات سنے بغیر بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ نیچے گرایا اور

ایک دم چہرہ اٹھا کر دروازے کو دیکھنے لگا۔

''اگر وہ وہاں ہے تو یہاں کون ہے؟'' وہ بڑبڑایا۔ زمر مڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا' ساتھ ہی وہ مسلسل چوکنی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دم بالکل بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ''تم یہیں رکو۔ میں آتا ہوں۔''

''فارس کیا ہوا ہے؟''

''گارڈ نے مجھے کہا سعدی ادھر ہے مگر..... تم یہیں رکو۔'' وہ برہمی سے کہتا باہر نکلا تو وہ فکرمندی سے پیچھے آئی۔ وہ ریسٹورانٹ کے اندھیر اور سنسان پڑے لاؤنج میں دبے قدموں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا بریٹا پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور تاک کر ادھر ادھر دیکھتا وہ کسی کی تلاش میں تھا۔ اندھیرے میں فارس کا ہیولہ دکھائی دیتا تھا جسے وہ فکرمندی سے دیکھے گئی۔ فارس اوپری ہال کا دروازہ دھیرے سے دھکیلتا اندر جا رہا تھا۔ زمر کھڑی رہی کیونکہ اس نے کہا تھا وہ یہیں رکے۔ اور پھر اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اس کی گردن کی پشت کو کسی ٹھنڈی چیز نے چھوا تھا۔ پستول کی نال جیسی ٹھنڈی۔ وہ منجمد ہو گئی۔ مڑ بھی نہ سکی۔

''ہلنا مت ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔ پچھلی دفعہ کمر میں ماری تھی' اس دفعہ کھوپڑی کے پار جائے گی۔'' وہ اس آواز کو پہچانتی تھی' صرف پانچ برس قبل اس فون کال پہ نہیں پہچان سکی تھی۔

''اب آہستہ سے مڑو۔'' دوسرا حکم جاری ہوا۔ وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گویا پتھر کے بت کی طرح گھومی۔ دھیرے سے۔ اب اس کے مخاطب کا وجود سامنے آیا۔

کوٹ اور اونی ٹوپی میں ملبوس بڑھی شیو والا کرنل خاور اس کے اوپر پستول تانے اسے گھور رہا تھا۔ زمر نے جواباً اس کو بھی انہی نظروں سے دیکھا۔ پرسکون مگر چبھتی ہوئی نظریں۔

''اب اس کرسی پہ بیٹھ جاؤ۔'' اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی جو اس نے میز پہ ڈال دی اور ایک کرسی کھینچ کر کچن کے وسط میں رکھی' اسے دوبارہ اشارہ کیا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

''تم نے اس کے پہریدار کو خرید لیا اور اس کے نمبر سے فارس کو میسج کیا تاکہ وہ ادھر آئے' تم نے اسے سعدی کا جھانسہ دیا؟ ہے نا؟''

''بیٹھ جاؤ ڈی اے۔'' اس نے غرا کر کہا۔ وہ کرسی پہ آ بیٹھی۔ گھٹنے ملائے۔ ہاتھ بدستور جیبوں میں تھے۔

''اب اس ہتھکڑی کو دونوں ہاتھ پیچھے کر کے پہنو۔'' اس نے اگلا حکم دیا' ساتھ ہی بار بار دروازے کو دیکھتا گیا۔ وہ نہیں ہلی' بس گردن اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ ''مجھے ترس آتا ہے تم پر۔''

''ہنوز مر صاحبہ!'' وہ گھرک کر بولا۔ زمر نے جواباً جیبوں سے بند مٹھیاں نکال کر ان کو کرسی کے پیچھے لے جا کر ملایا' مگر ہتھکڑی کو نہیں چھوا۔ ''میں اپنے ہاتھوں سے خود کو ہتھکڑی نہیں لگاؤں گی۔ میں دوسروں کو ہتھکڑی لگوایا کرتی ہوں۔''

''لگتا ہے زمر صاحبہ' آپ نے پانچ سال پہلے والے واقعے سے کوئی سبق نہیں سیکھا!'' وہ ہتھکڑی اٹھا کر اس کے پیچھے گیا اور جھک کر اس

کے ہاتھ تھامنے چاہے۔ صرف ایک لمحے کے لیے وہ جھکا تھا' صرف ایک لمحے کے لیے..... مگر وہ اٹھ نہیں سکا کیونکہ پیچھے سے اس کے سر پہ پستول کا دستہ زور سے آ لگا تھا۔ نازک حصے پہ لگنے والی چوٹ کے باوجود وہ گرا نہیں' بلکہ اسی پھرتی سے پلٹا اور پوری قوت سے پیچھے کھڑے فارس کے منہ پہ مکا دے مارا۔ فارس کا توازن بگڑا تو وہ پیچھے کو لڑھکا' لیکن پھر دوبارہ خاور کو گریبان سے پکڑ کر میز پہ کمر کے بل گرایا۔ زمر اب تک اٹھ کر سامنے دیوار سے لگی کھڑی تھی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی تم میری بیوی کے قریب آؤ۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' وہ سرخ بھبوکا چہرہ لیے اس کے سینے پہ دباؤ ڈالے اس کے منہ پہ زور زور سے مکے مار رہا تھا۔ خاور کو دھندلا سا اپنے اوپر جھکا فارس نظر آ رہا تھا اور پھر اس کے کندھے کے پیچھے آ کر رکتی زمر۔

''بس کرو فارس' وہ مر جائے گا۔'' پھر اندھیرا تھا۔ گناہوں جیسا سیاہ اندھیرا۔

منظر ہنوز دھندلا تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ چھت پہ لگا ایک سفید بلب جل رہا تھا۔ اس نے گردن سیدھی کی۔ یوں محسوس ہوتا تھا گویا چہرے اور گردن تک نمی سی چپکی ہو۔ شاید اس کا خون تھا۔ اس نے پھر سے آنکھیں جھپکیں۔ کندھے سیدھے کیے۔ تب محسوس ہوا کہ دونوں ہاتھ دائیں بائیں دیوار سے بندھے ہیں۔ شاید گیس پائپ کے ساتھ۔ اس نے کلائیاں کھینچیں مگر وہ ہتھکڑیوں میں کسی ہوئی تھیں گویا وہ کسی صلیب پہ کھڑا ہو۔ صلیب کے نشان کی سی صورت بندھا کھڑا ہو۔ بھاری پلکیں اٹھا کر اس نے دیکھا۔

کچن کے دوسرے کونے میں' وہ دونوں کھڑے نظر آ رہے تھے۔ مرد اور عورت۔ مرد کی اس طرف پشت تھی' اور وہ دونوں ہلکی جھنجھناہٹ کے ساتھ آپس میں بات کر رہے تھے۔ اس کے مختل ہوئے حواس جاگنے لگے۔ گردن کو دائیں بائیں گھما کر ایکسرسائز کے انداز میں گویا تازہ دم کیا' پھر آواز لگائی۔ ''مجھے مارنے کے لیے ادھر باندھا ہے کیا؟''

فارس گھوما اور پستول اٹھائے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ آنکھوں میں خون اترا ہوا لگتا تھا۔ ''ایک لفظ نہ نکالنا منہ سے ورنہ میں واقعی تمہیں گولی مار دوں گا۔''

''اچھا۔'' زخمی چہرے اور سوجی آنکھ والا خاور ہنسا۔ ہنستے ہنستے سر جھٹکا۔ ''تم نے میری زندگی برباد کر دی اور اب یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں جانے دوں گا؟''

''ہم نے تمہاری زندگی برباد نہیں کی۔'' زمر ناگواری سے کہتی دو قدم آگے آئی۔ ''تم نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے کرنل خاور۔''

خاور کی نظریں زمر سے ہوتی فارس تک گئیں۔ ''بیوی کو نہیں بتایا کہ تم نے اور سعدی نے میرے ساتھ کیا کیا؟ آبدار کے ذریعے تم نے اسے پیغام بھجوایا' ہامان کو سولی چڑھا دو۔ وہ کاغذ مجھے اس لڑکے کے سامان سے جلد مل گیا تھا۔ پھر سعدی نے زمر صاحبہ میرے اوپر الزام لگایا کہ میں نے اورنگزیب صاحب کو قتل کیا ہے' اور پھر جب وہ مجھے چکمہ دے کر بھاگ نکلا تو یہ اس کے پیچھے آیا تھا۔ ایک پارک میں۔ آبدار صاحبہ کے ساتھ۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں دیکھا تھا میں نے تمہیں فارس غازی۔ اور تمہاری ساری گیم سمجھ گیا تھا میں۔ ابھی اگر موقع ملتا تمہاری

بیوی کو یرغمال بنانے کا تو تم سے اعتراف بھی کرالیتا۔" پستول والا ہاتھ زور سے اس کے منہ پہ پڑا تھا۔ خاور کا چہرہ گھوم گیا۔ کنپٹی سے خون بھل بھل گرنے لگا۔ لیکن اس نے فوراً سے مسکراتا چہرہ واپس موڑ لیا۔

زمر چونک کر فارس کو دیکھنے لگ گئی۔ یہ انکشاف اس کے لیے نئے تھے۔

"میرا آدمی کہاں ہے؟ تم کس ارادے سے یہاں آئے تھے؟" اس پر پستول تانے وہ غرا کر پوچھ رہا تھا۔

"اسے کہیں جھاڑیوں میں مار گرایا تھا' وہیں پڑا ہوگا۔ مگر ظاہر ہے پہلے اس سے میسیج کروایا تھا۔ میں چاہتا تھا تم پورے خاندان کے ساتھ آؤ اور ہم تمہارے کسی بوڑھے یا بچے کو درمیان میں رکھ کر بات کریں۔ تم کیس تک واپس لے لیتے اگر میں آج یہ کر لیتا۔"

فارس نے جواب نہیں دیا۔ وہ بازو لمبا کر کے پستول اس پہ تانے اسے سرخ آنکھوں سے گھورتا رہا۔ زمر جو پہلے اچنبھے سے فارس کو دیکھ رہی تھی' اب اس کے چہرے پہ تشویش پھیلنے لگی۔ "فارس۔" اس نے دھیرے سے پکارا مگر وہ اسی طرح خاور پہ نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

"تمہارے ساتھ اور کون کون ہے؟ کیوں آئے تھے تم یہاں اس وقت؟"

"تمہیں کمپرومائزنگ پوزیشن میں لانا چاہتا تھا' لیکن بونس کے طور پہ مجھے کیا ملا؟" اس نے لال انگارہ آنکھوں کا رخ زمر کی طرف پھیرا۔

"مسز زمر کے تمام ڈاکومنٹس جو اوپر فائلز میں لگے پڑے ہیں۔ ہاشم کے لیپ ٹاپ کی فائلز۔ اب مجھے صرف جا کر ہاشم کو یہ بتانا ہے اور وہ ان ڈاکومنٹس کا توڑ کر لے گا۔"

"یہ تب ہوگا جب تم زندہ یہاں سے جاؤ گے۔" فارس کی اس پہ گڑی آنکھوں میں مزید سرخی اترنے لگی۔ وہ بنا پلک جھپکے' بازو لمبا کر کے پستول اس پہ تانے بالکل بدلا ہوا انسان لگ رہا تھا۔ اس کا تنفس تیز تھا' کان سرخ تھے' اور اندر سے گویا کوئی آگ نکل رہی تھی۔

"فارس۔" اس کے قریب کھڑی زمر نے بے چینی سے پکارا۔ "ظاہر ہے وہ زندہ یہاں سے جائے گا۔ اس کو جانے دو۔"

"نہیں۔" اس پہ نظریں جمائے فارس غازی نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ زمر کی رنگت فق ہوئی۔ البتہ خاور کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی۔

"تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟ تمہیں لگتا ہے میں زندہ ہوں؟ میں تو غازی اسی دن مر گیا تھا جب بازار میں میرے دو بیٹوں کو گولیاں ماری گئی تھیں۔ یہ اتنے برس میں زندہ تو نہیں تھا۔"

"خاور پلیز چپ ہو جاؤ۔" زمر نے بات کاٹی مگر اسے کوئی نہیں سن رہا تھا۔

"مارنا چاہتے ہو مجھے؟ چلو آؤ' مارو مجھے۔" دیوار سے بندھے خاور نے سر کے اشارے سے گویا اسے چیلنج کیا۔ فارس پستول اس پہ تانے دو قدم آگے بڑھا۔ زمر احتیاط سے اس کے ذرا قریب آئی۔ "فارس اس کو جانے دو۔"

"تمہیں مجھے مار ہی دینا چاہیے' کیونکہ ہاشم کے بغیر میری کوئی زندگی نہیں ہے۔ تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا' اب زندگی بھی لے لو۔ آؤ نا غازی۔ مار دو مجھے۔ چلاؤ گولی۔"

''فارس اس کی بات مت سنو۔ اس کو جانے دو۔'' زمر نے بے چینی سے پکارا۔

''تمہارے بھائی کو میں نے اپنے انہی ہاتھوں سے مارا تھا، ایسے ہی باندھ کر۔'' وہ اپنی کسی ہوئی مٹھیاں بھینچ کر بتا رہا تھا۔

''میرے بھائی کا نام مت لو۔'' وہ آنکھیں اس پہ مرکوز کیے غرایا۔

''کیوں نہ لوں؟' خاور تلخی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم اس کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے ہو مجھ سے۔ تم مجھے اور ہاشم کو قتل کرنا چاہتے تھے نا۔ لو اب کر لو۔''

فارس کو وہ اپنے سامنے دیوار سے بندھا نظر آ رہا تھا۔ اس منظر میں سرخی بھی تھی، دھندلاہٹ بھی۔ اور اس منظر میں چند دوسرے مناظر بھی ابھر ابھر رہے تھے۔ پنکھے سے لاش جھول رہی تھی جسے وہ دوڑ کر پیروں سے پکڑ رہا تھا..... دو چھوٹی چھوٹی بچیاں ایک کفن میں لپٹے شخص کے سرہانے رو رہی تھیں، ننھی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ رہی تھیں......

''گولی چلا دو غازی۔ بدلہ لو اپنے بھائی کا۔ زرتاشہ کا۔ زمر کا۔ سعدی کا۔ لو مجھ سے بدلہ۔ جیسے میں نے لیا تھا۔ جب اس بریگیڈیئر اور اس کے پورے خاندان کو مار ڈالا تھا۔ تب میں وہ بنا تھا جو آج میں ہوں۔ اور آج تم میرے جیسے بنو گے۔''

فارس کا منظر ویسا ہی تھا۔ سرخ دھندلا سا۔ وہ ہسپتال کے بیڈ پہ سفید چہرہ لیے بند آنکھوں اور سیاہ بالوں والی لڑکی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے، چہرہ شکستگی کے عالم میں جھکائے ہوئے تھا۔ اس لڑکی کا ہاتھ بہت ٹھنڈا اور بے جان تھا۔

''چلاؤ گولی۔ مار دو مجھے۔''

''فارس، اس کی مت سنو۔ یہ تمہارے جذبات سے کھیلنا چاہ رہا ہے۔'' وہ فکرمندی سے کہتی اس کے مزید قریب آئی۔ ایک ایک قدم احتیاط سے رکھتی تھی۔ ''تم اس کو نہیں مارو گے۔ تم اس کی جان نہیں لو گے۔ تم قاتل نہیں ہو فارس۔''

فارس نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح خاور پہ نگاہیں تانے رہا۔ خاور نے ہلکے سے ہنس کر سر جھٹکا۔ 'مجھے معلوم تھا تم مجھے نہیں مارو گے۔ چلو مجھے غلط ثابت کرو۔ چلو مجھے جہنم میں پہنچا دو۔ ہمت ہے؟ غیرت ہے؟ ہے یا نہیں فارس غازی؟ مرد بنو!'' وہ غرایا تھا۔

فارس کا نفس تیز ہونے لگا۔ آنکھوں کی تپش شراروں میں بدلنے لگی۔

''فارس اس کی بات مت سنو۔ یہ قاتل ہے۔ اس کی زندگی بے کار ہو چکی ہے اس لیے چاہتا ہے تم اس جیسے بن کر جیل چلے جاؤ۔ فارس تم اس کو نہیں مارو گے۔ میری بات سنو۔ فارس میری بات سنو۔'' وہ اس سے التجا کر رہی تھی۔ وہ پانچ سال پیچھے چلی گئی تھی اور وہ فون پہ فارس سے بات کر رہی تھی۔ زمان و مکان کی حدود آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

''مجھے ایک گولی مارو فارس..... دل میں۔'' وہ اسے اکسا رہا تھا۔ وہ تینوں ہمیشہ سے اس تکون میں تھے۔ پانچ سال سے وہ اس تکون میں قید تھے۔ آج وہ تکون پھر سے واپس آ گئی تھی۔

''فارس تم اس کو نہیں مارو گے۔'' آنسو زمر کی آنکھوں سے ابل رہے تھے۔ وہ اس سے تین قدم دور کھڑی اس کی منت کر رہی تھی۔ ''اگر تم

نے اسے مار دیا تو تم اس جیسے بن جاؤ گے۔ تم قاتل بن جاؤ گے۔ تم اپنی معصومیت کھو دو گے۔ نہیں ہو تم کافر... ماکر... کاذب... قاتل۔ نہیں ہو تم مجرم۔ تم بے گناہ تھے، لیکن اگر اس کو مارا تو نہیں رہو گے۔"

"اس نے...." وہ بولا تو آواز عجیب غراہٹ کی صورت حلق سے نکلی۔ "میرے بھائی... اور میری بیوی کو مارا... میں انہیں نہیں بچا سکا.... اس نے... انہیں مارا۔" پستول مزید تان لی۔ اس کا پستول والا ہاتھ پسینے میں شرابور تھا۔

"مگر تم اس کی جان نہیں لے سکتے فارس۔ سرکار جان لے سکتی ہے، شہری نہیں۔ یہ حق دفاع نہیں ہوگا کیونکہ یہ آدمی تمہیں مارنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ یہ کسی دوسرے کی جان بچانے کے لیے بھی نہیں ہوگا۔ یہ 'مارنا' نہیں ہوگا۔ یہ 'قتل کرنا' ہوگا۔ کولڈ بلڈ میں قتل۔ یہ جرم ہے۔ یہ گناہ ہے۔ فارس پلیز تم اس کو جانے دو۔ میری بات سنو۔" وہ پانچ سال پہلے کی طرح اس کی منت کر رہی تھی۔ آنسو اس کے گالوں پہ بدستور پھسل رہے تھے۔

"رک کیوں رہے ہو فارس غازی؟ مارو مجھے۔ چلاؤ گولی۔ مرد بنو۔"

وہ دیوار سے بندھا شخص نفرت سے اسے دیکھتا پکار رہا تھا۔ اکسا رہا تھا۔ فارس کی گرفت ٹریگر پہ مضبوط ہوئی۔

"مجھے... بدلہ لینا ہے... اپنے بھائی کا... اپنی بیوی کا....."

"میری بات سنو فارس....." وہ ملتجی سی کہہ رہی تھی۔ "تم اس کو نہیں مارو گے۔ تم اس جیسے نہیں بنو گے۔ تم نے اسے مارا تو یہ جیت جائے گا۔ اس کے پاس چوائس تھی برسوں پہلے۔ یہ چاہتا تو نہ مارتا اپنے بچوں کے قاتل کو، مگر اس نے مار دیا۔ یہ تب ایسا بن گیا۔ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس کے پاس چوائس نہیں تھی۔ یہ پرسکون ہو کر مرنا چاہتا ہے۔ تم اس کو وہ سکون مت دو۔ ہر قابیل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا۔ تم سن رہے ہو فارس؟" وہ درد سے چلا کر بولی تھی۔ "تم خدا نہیں ہو۔ تم قصاص مانگ سکتے ہو۔ تم انتقام نہیں لے سکتے۔ تم خون کا انتقام نہیں لے سکتے۔ تم انسان ہو۔ انتقام میں تم اس کی زندگی تباہ کرو، اس کی پراپرٹی کو آگ لگاؤ، اس کی عزت کو نقصان پہنچاؤ، تم یہ سب کر سکتے ہو، مگر کسی کی جان لینا... وہ لکیر پار کر لینا.... یہ غلط ہے۔ تم یہ نہیں کرو گے۔"

"مرد بنو فارس غازی....." وہ بھی مسلسل اس کو استہزائیہ انداز میں دیکھتا اکسا رہا تھا۔ فارس دانت ایک دوسرے پہ جمائے، اسے گھورتے ہوئے اس پہ پستول تانے کھڑا رہا۔ کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ زمر کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی تھی مگر ایک بھی قدم آگے نہیں بڑھا سکتی تھی کہ کہیں وہ کچھ کر نہ ڈالے۔

"کلک.... کلک...." سائیلنسر لگے پستول کا ٹریگر فارس نے ایک دم دبایا۔ یکے بعد دیگرے.... دو گولیاں... زمر کا دل بند ہوا... خاور نے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر ایک جھٹکے سے اس کی ہتھکڑی ٹوٹی اور بازو نیچے گرے تو اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

فارس نے پستول شکستگی سے جھکا لیا تھا۔ اس نے گولیاں اس کی ہتھکڑیوں سے لگی زنجیر پہ ماری تھیں۔

"میں تمہیں نہیں ماروں گا کرنل خاور۔" وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا نفی میں سر ہلا کر بولا تھا۔ "اس لیے نہیں کہ میں نے تمہیں معاف

کیا، میں قیامت تک تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ مگر اس لیے کہ میں..... قاتل.....نہیں ہوں۔ میں خدا نہیں ہوں۔"

خاور کے لیے یہ غیر متوقع تھا۔ اس کے بازو واپس پہلو میں گر چکے تھے مگر وہ چند لمحے شل سا کھڑا رہا۔ زمر آنکھیں رگڑتی گہرے گہرے سانس لیتی خود کو پرسکون کرنے لگی مگر آنسو ابل ابل آرہے تھے۔

"تمہارے پاس چوائس تھی خاور۔ تب بھی تھی۔ میں اور تم..... برابر نہیں ہیں۔" نفرت سے اسے دیکھ کر وہ بولا تھا۔ خاور کا چہرہ سیاہ پڑنے لگا گویا وہ گل سڑ رہا ہو۔

"تم چاہتے تو قاتل نہ بنتے۔ تم اپنے بچوں یا ہاشم کے لیے قاتل نہیں بنے۔ تم اپنی وجہ سے قاتل بنے تھے۔ مگر میں قاتل نہیں بنوں گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔" کہنے کے ساتھ اس نے پستول جیب میں ڈال لیا۔

خاور نے ایک ہاتھ سے دوسرے کی کلائی دباتے ہوئے، شل نظروں سے اسے دیکھتے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ پھر دھیرے سے اپنی جیب کو ٹٹولا۔ اس کا پستول اندر تھا۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ دروازے تک پہنچ کر وہ پستول نکال کر ایک دم گھوما اور اسے زمر کی طرف تان کر ٹریگر دبا دیا۔ ایک دو تین چار..... محض کلک کلک کی آواز سنائی دی۔ نہ کوئی دھماکہ ہوا، نہ گولی چلی۔ خاور نے جھلا کر اپنے خالی پستول کو دیکھا۔

فارس نے دوسری جیب میں مٹھی ڈال کر باہر نکالی اور پھیلائی۔ اس میں خاور کے پستول کی چند گولیاں تھیں۔ خاور کے چہرے پہ شکست کے آثار دکھائی دینے لگے۔

"بھاگ جاؤ، اس سے پہلے کہ میں اپنا ارادہ بدل ڈالوں۔"

خاور نے تلملا کر دروازہ کھولا۔ "میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔" اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

زمر اسی طرح کھڑی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہچکی لینے کی آواز آتی تھی۔ وہ اسے دیکھے بنا، میز پہ ہاتھ رکھے، آہستہ سے.....شکستہ سا زمین پہ بیٹھا..... اکڑوں حالت میں..... کمر کرسی کی ٹانگوں سے لگالی۔ تھوڑی جھک کر سینے سے آملی۔ وہ ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

"میں بزدل نکلا۔ میں اسے نہیں مار سکا۔" وہ سر جھکا کر نفی میں ہلاتا کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز گیلی تھی۔ زمر نے بھیگی آنکھوں سے دیکھا، فارس کی جھکی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر فرش پہ گر رہے تھے۔

"میں اپنے بھائی کا، اپنی بیوی کا تمہارا..... بدلہ نہیں لے سکا..... میں بزدل نکلا..... میں گولی نہیں چلا سکا۔" وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ تب زمر نے دیکھا، اس کی کنپٹی کے قریب..... خاور کے مکے کے باعث..... جلد پھٹ گئی تھی اور ذرا سا خون رس رس کر جمنے لگا تھا۔ کان تک خون کی لکیر آرہی تھی۔ اس نے میز پر رکھے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچا اور اس کے قریب زمین پہ بیٹھی۔

"آئی ایم سو سوری فارس۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولتی ٹشو اس کے زخم سے مس کرنے لگی۔ "زرتاشہ کو مارنے کی ذمہ دار میں بھی

ہوں۔ مجھے وہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا اسے لے کر.....مجھے اس کی جان بچانی چاہیے تھی مگر میں سمجھی تھی فارس.....کہ میں تمہاری جان بچارہی ہوں....تمہاری روح کو....تمہارے دل کو بچارہی ہوں۔" اس کا زخم صاف کرتے ہوئے وہ بولتی جارہی تھی۔ "آئی ایم سوسوری۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ میں نے بہت غلط کیا۔" فارس کا سر ہنوز جھکا تھا۔ اس کے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔

"میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا۔ تمہیں اتنا نقصان پہنچایا۔ میں خود غرض ہوگئی تھی۔ یا مجھے لگا تھا میں انصاف کے لئے کررہی ہوں یہ سب۔ مگر فارس....میں چاہتی تھی تم اپنے کیے کی سزا اسی دنیا میں پالو....تاکہ تم خود کو کریکٹ کرلو....اپنی اصلاح کرلو....تم میرے لئے اہم تھے' ہمیشہ اہم تھے....تب ہی میں نے زرتاشہ کی جگہ تمہیں بچانا چاہا۔ تمہارے دل کا سوچا۔ آئی ایم سوسوری۔" وہ اس کا خون ٹشو سے نرمی سے صاف کرتی بھیگی پلکوں سے اسے دیکھتی' کہہ رہی تھی۔ فارس نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں بھی گیلی تھیں۔

"میں نے چار سال جیل میں گزارے....اس آدمی کی وجہ سے....اور میں اس کو نہیں مار سکا۔" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"آئی ایم سوسوری۔ پلیز مجھے معاف کردو۔" وہ اس کے جمے خون کو ہلکا ہلکا ٹشو سے رگڑ کر صاف کرتی کہے جارہی تھی۔ "تم میرے لئے ہمیشہ سے اہم تھے۔ تم میرے لئے سب سے اہم ہو۔ تم کبھی کسی کو قتل نہیں کروگے فارس۔"

فارس نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "مجھے زرتاشہ سے محبت تھی اور میں اس کے لیے قتل تک کرنا چاہتا تھا!" آج اسے پہلی دفعہ پتہ چلا تھا۔

"اور زرتاشہ کبھی نہیں چاہے گی کہ تم جیل جاؤ اس کا بدلہ لینے کی پاداش میں۔ زرتاشہ چاہے گی کہ تم خوش رہو' نئی زندگی شروع کرو۔"

"میرے سامنے وہ تھا....میرا مجرم اور میں اس کی جان نہیں لے سکا۔ میں بزدل نکلا۔"

زمر نے نفی میں گیلا چہرہ دائیں بائیں ہلایا۔ "تم مسلمان ہو۔ تم نے خدا بننے کی کوشش نہیں کی۔ تم بہادر ہو' تم نے انسانیت دکھائی۔"

فارس نے ناک سے گیلا سانس کھینچتے کرسی کی ٹانگ سے سر ٹکا دیا اور نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ "میں خدا نہیں ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ میں خدا نہیں ہوں۔ میں خدا نہیں بننا چاہتا تھا' اسی لئے میں نے اسے جانے دیا۔"

"ہم اپنا انتقام اللہ پہ چھوڑتے ہیں فارس۔ ہم انصاف کے لئے لڑیں گے مگر انتقام کے لئے نہیں۔ مجھ سے وعدہ کرو اب کسی کو مارنے کا نہیں سوچو گے۔" وہ اس کے خون اور بالوں کو نرمی سے ٹشو سے صاف کرتی کہہ رہی تھی۔ فارس نے اسے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

"نہیں سوچوں گا۔"

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ کسی بھی صورت نہیں۔ آئی لو یو سو مچ۔ آئی ریئلی ڈو۔ تم بہت اچھے ہو۔" وہ ابھی تک بے مقصد اس کے زخم پہ ٹشو پھیر رہی تھی۔ وہ تکان بھری آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔ اس کے لب ایک ہی سطر بڑبڑا رہے تھے۔ "میں خدا نہیں بننا چاہتا۔ میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔ میں خدا نہیں بننا چاہتا۔"

اور وہ بے آواز آنسو بہاتی اس کا زخم ابھی تک صاف کرتی دہرائے جارہی تھی۔ "آئی لو یو سو مچ۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی....."

سرد رات با ہر قطرہ قطرہ جمتی رہی.....پگھلتی رہی.....جم کر پگھلتی رہی...ٹوٹا ہوا چاند بادلوں میں تیرتا رہا.....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

اس ٹوٹے چاند تلے...زمین پہ بنے مورچال کے لاؤنج میں جتنی گہما گہمی تھی اس کے اس بیڈروم میں اتنا ہی سناٹا تھا۔حنین مدھم نائٹ بلب جلائے بستر پہ یوں بیٹھی تھی کہ پیر زمین پہ لٹکے تھے اور ہاتھ گود میں تھے۔چہرہ ویران اور آنکھوں میں شل سا تاثر تھا۔وہ یک ٹک بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔جب دروازہ دھیرے سے کھلا۔اندھیرے میں بیٹھی حنہ نے چہرہ اٹھایا۔باہر روشنی میں نہائے دروازے سے سعدی اندر داخل ہوا تھا۔اس کے ہاتھ میں فون اور چارجر تھا۔

''یہ کہاں لگے گا؟ تھری پن ہے۔''اس نے نگاہیں ملائے بغیر سوال پوچھا۔پھر خود ہی دیوار پہ ادھر ادھر دیکھا۔تھری پن ساکٹ نظر آیا تو آگے بڑھا' جھک کر چارجر لگایا' اور فون وہیں زمین پہ رکھ دیا۔پھر جانے کو مڑا۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟''وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے بولی۔سعدی کے قدم زنجیر ہوئے۔مگر مڑا نہیں۔

''میں نے آپ کا آٹھ ماہ انتظار کیا' لیکن آپ....آپ کو مجھے دیکھ کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔''اس نے ہچکی لی۔شدتِ غم سے آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

سعدی دھیرے سے پلٹا۔اس کے چہرے پہ اب برہمی تھی۔

''اور ان آٹھ ماہ تمہارے نام سے مجھے کتنی اذیت ملی' اس کا احساس ہے تمہیں؟''وہ گھرک کر بولا تھا۔''تم نے چیٹنگ کی' میں نے تمہیں معاف کر دیا' تم نے ہاشم کو کالج بلایا' میں تمہاری اور زمر کی باتوں میں آ گیا اور اس کو بھی جانے دیا مگر کیا میں نے بکواس نہیں کی تھی کہ تم اس سے کبھی بات نہیں کرو گی۔اس کو کبھی نہیں بلاؤ گی۔پھر بھی تم نے وہی کیا حنین یوسف۔''اس کی آواز دبی دبی غراہٹ میں بدل گئی۔حنین پتھر ہو گئی۔باتھ روم کے دروازے کی کنڈی کھلی اور سیم باہر نکلا۔حیرت سے ان دونوں کو دیکھا۔

''تم نے اس سے تعلق رکھا۔مجھے سوچتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔مگر تمہیں کوئی خیال نہیں آیا۔اپنے بھائی کی عزت کا کوئی خیال نہیں کیا تم نے۔وہ تمہارا نام لے کر کیا کیا باتیں کرتا تھا میرے سامنے....میں کبھی نہیں بھول سکتا۔تم نے مجھے آٹھ ماہ میں کتنی اذیت دی ہے' تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ تمہاری وجہ سے میرا سر کتنی دفعہ جھکا۔وہ میرے سامنے بیٹھ کر کہہ رہا تھا کہ تم آؤ گی اور میں جانتا تھا کہ تم نہیں جاؤ گی' لیکن تمہارے نہ جانے سے تمہارے اتنے عرصے کی خطائیں مٹ نہیں گئیں۔میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔اور میں فارس ماموں سے بھی پوچھوں گا کہ انہوں نے تمہارا خیال کیوں نہیں رکھا۔میں امی سے بھی پوچھوں گا کہ وہ کدھر تھیں جب تم اس سے بات کرتی تھیں۔''بولتے بولتے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔سیم پہلے تو ساکت ہو گیا' پھر ایک دم سامنے آیا۔

''ایسے بات مت کریں۔'' مگر سعدی نے نہیں سنا' وہ شل ہوئی حنین کی طرف انگلی اٹھا کر اسی برہمی سے بولا۔ ''میں زمر سے بھی پوچھوں گا کہ.....''

''میں نے کہا میری بہن سے اس طرح بات مت کریں۔'' اسامہ ایک دم سعدی کے مقابل آ کھڑا ہوا یوں کہ بیڈ پہ بیٹھی حنین چھپ گئی۔ سعدی کی انگلی فضا میں اٹھی رہ گئی۔ اس نے دیکھا دبلے پتلے اسامہ کا قد اس کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں بھی ویسے ہی سرخی تھی۔

''سیم' تم یہاں سے جاؤ۔''

''میں نے کہا بھائی' انگلی نیچے کریں۔'' وہ دانت پہ دانت جمائے غرا کر بولا تھا۔ سعدی کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ ماتھے کی تیوریاں ڈھیلی ہوئیں۔

''میری بہن سے اس طرح بات مت کریں۔ آپ آٹھ ماہ بعد آ کر یوں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟ صرف آپ نے تکلیف اٹھائی ہے؟ ہم سب خوش تھے؟ ہم نے بھی تکلیف اٹھائی ہے۔ ہم نے بھی اذیت کاٹی ہے۔ اور میری بہن نے کچھ نہیں کیا۔ سنا آپ نے۔ اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں سب جانتا ہوں۔ آپ اس طرح میری بہن سے بات نہیں کر سکتے۔ آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔'' وہ تیز تیز بول رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ ''آپ ہمارے ساتھ اس رات نہیں تھے جب پولیس فارس ماموں کو پکڑ کر لے گئی تھی۔ آپ کو پتہ ہے وہ رات کیسی تھی؟ زمر نے مجھے کہا تھا کہ اب میں اس گھر کا بڑا مرد ہوں۔ اور اس رات میں ہاشم کے کمرے کی بالکونی کا شیشہ بجا تا رہا تھا' میں اس شخص سے مدد مانگنے گیا تھا بھائی جو ہمارا دشمن تھا۔ میں اپنے دشمن کے آگے ہاتھ پھیلانے گیا تھا۔ اس رات زمر اور حنہ کی ساری باتیں میں نے سن لی تھیں۔ آپ کو پتہ ہی نہیں کہ اس رات نے میرے ساتھ کیا کیا۔ ہم نے ڈھائی تین ماہ ماموں کے بغیر گزارے۔ تب میں گھر کا بڑا مرد تھا۔ اور میں جانتا ہوں' میری بہن نے کچھ نہیں کیا۔ میری بہن فجر پہ اٹھ کر قرآن پڑھتی۔ آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ آ کر ہمیں یوں جج کریں۔ اور اگر آپ نے اسی طرح ہم سے بات کرنی تھی' تو اس سے بہتر تھا کہ آپ واپس نہ آتے۔''

سعدی کا ہاتھ واپس پہلو میں جا گرا۔ وہ بس سیم کو دیکھے گیا۔

پرندے بڑے ہو چکے تھے' ان کے ننھے پر' پرواز کا ہنر سیکھ چکے تھے۔ اور اب تک وہ جانے کتنے آسمانوں کا چکر کاٹ آئے تھے' سمندر میں گرے شخص کو کیا پتہ چلنا تھا۔ وہ جن کو پل پل سعدی کی ضرورت رہتی تھی' کوئی مسئلہ ہوتو وہ سائیکاٹرسٹ بن جاتا تھا' پڑھنا ہوتو ٹیوٹر' کہیں جانا ہوتو ڈرائیور۔ اب انہیں اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

وہ آہستہ سے مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔ سیم آنکھیں رگڑتا فوراً پیچھے بیڈ پہ بیٹھی شل بے آواز روتی حنہ کے پاس آیا۔

''تم روؤ نہیں حنہ۔ انہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم سے یوں بات کریں۔''

حنین نے آنسو گراتے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ فارس ماموں کو بتا دیں گے۔ میں نے پہلے ابو کو کھویا' پھر وارث ماموں کو' پھر بھائی کو' پھر ہاشم

کو.....میں ہر اس مرد کو کھو دیتی ہوں جس سے مجھے محبت ہوتی ہے۔ میں فارس ماموں کو بھی کھو دوں گی۔ وہ مجھ سے نفرت کریں گے۔"

"میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ میں اس گھر کا بڑا مرد ہوں حنہ.....باقی سب تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ تم روؤ نہیں۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ صرف میں تمہارا بھائی ہوں۔" وہ مسلسل اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا' اور حنین چہرہ جھکائے روئے جا رہی تھی۔ اسے نہیں پتہ تھا وہ بھائی کو یہ سب بتا تا ہوگا۔ وہ اس تاریکی سے اب کیسے نکلے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں تو بے حس ہوں مجھے درد کا احساس نہیں
چارہ گر کیوں روشِ چارہ گری بھول گئے

صبح ابھی دھند آلود تھی....نومولد اور تازہ جب فارس کی آنکھ کھلی۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔

وہ وہیں کچن کے فرش پہ کرسی سے ٹیک لگائے سو گیا تھا شاید۔ کب کیسے' کچھ علم نہ تھا۔ سر تھا کہ درد سے پھٹ رہا تھا اور کمر تختہ بن چکی تھی۔ وہ کراہتا ہوا اٹھا۔ جوتے پہنے ہوئے تھے سو پیر درد کر رہے تھے۔ صرف دل ہلکا تھا۔

زمر چولہے کے ساتھ کھڑی تھی۔ آستین اوپر چڑھائے وہ کچھ بنا رہی تھی۔ مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔ "اٹھ جاؤ۔ میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔"

وہ آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے رگڑتا اس تک آیا۔ ایک نظر اس کے پھیلاوے کو دیکھا۔ "میں اتنی دیر کیسے سوتا رہا؟"

"کیونکہ برسوں بعد تمہارے دل کو سکون ملا ہے۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ ہاتھوں سے تیزی سے انڈے پھینٹ رہی تھی۔ فارس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ پھر کھڑکی کو دیکھا جس کے پار گہری نیلاہٹ تھی۔

"میں مسجد جا رہا ہوں' تم ناشتہ بناؤ۔ میں اپنی پرانی روٹین پہ واپس آنا چاہتا ہوں اب۔" وہ ہلکے دل اور ہلکے کندھوں کے ساتھ طمانیت سے بولا تو زمر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "کیونکہ تم جان گئے ہو کہ تم خدا نہیں ہو۔ خدا کوئی اور ہے۔"

"درست!" سر کو خم دے کر وہ جانے لگا۔ پھر ٹھہر گیا۔ "تم نے ایک دو دفعہ کے علاوہ مجھے کبھی نہیں ٹوکا نماز نہ پڑھنے پر۔ ویسے یہ تمہارا فرض تھا کہ تم مجھے ٹوکتیں۔ مجھے احساس دلاتیں۔"

"فارس!" وہ کاؤنٹر کھ کر اس کی طرف گھومی۔ "سات سال کے' دس اور بارہ سال کے بچے کو ٹوکا جاتا ہے' مارا جاتا ہے' گھر سے نکالا جاتا ہے' نماز نہ پڑھنے پر.... بالغ مسلمان کو نہیں ٹوکا جاتا۔ اس کے سامنے نماز پڑھنا ہی اس کو نماز کی نصیحت کرنا ہے۔ پتہ ہے کیا فارس' ہمارے گھر میں ایک ایسا شخص ضرور ہوتا ہے جو نماز نہیں پڑھتا یا وہ غیبت کرتا ہے' یا کسی ایسی برائی میں ملوث ہوتا ہے جس سے ہم اسے نکالنا چاہتے ہیں مگر ہزار جتن کر کے' نصیحت کر کے' لیکچر دے کر' سمجھا کر' غصہ کر کے اس کے لئے دعا کر کے بھی ہم اس کو نکال نہیں پاتے اس اندھیرے سے۔ اس کی اصلاح نہیں کر پاتے۔ اور یہی سوچتے رہتے ہیں کہ اس کا کیا بنے گا۔ یہ تو جہنم میں جائے گا۔" وہ سانس لینے کو رکی۔ وہ توجہ

سے اسے سن رہا تھا۔

''تو پھر ہم اسے کیسے اس برائی سے نکالیں؟''

''ہم یہ جان لیں کہ وہ اپنی نہیں ''ہماری'' آزمائش ہے۔ اس کی تو بخشش بڑے آرام سے ہو جائے گی کیونکہ اس کا دل تو کچھ عرصے کے لئے اللہ نے نیکی کی طرف سے بند کر رکھا ہے ہمیں آزمانے کے لئے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ اس نے تو نہیں پڑھ رکھی تفسیر' اس نے تو ہماری طرح حدیث کی کتابیں گھول کر نہیں پی ہوئیں' ہر وقت اس کی بخشش کی فکر نہیں کرنی چاہیے ہمیں۔ ہم کیا کرتے ہیں' یہ اہم ہے۔ تمہیں پتہ ہے ہمیں ایسے موقعوں پر کیا کرنا چاہیے؟ جو خوبی اس میں دیکھنا چاہتے ہیں اس کو اپنے اندر ڈال لیں اور Excellence کے لیول پہ اسے اپنا لیں۔ وہ نماز نہیں پڑھتا تو ہم اپنی نماز کو خوبصورت بناتے چلے جائیں۔ اس کو دکھانے کے لئے نہیں' بلکہ اللہ کو دکھانے کے لئے کہ اللہ یہ ہے وہ پرفیکشن کا لیول جو میں اس کی عبادت میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس کو ایک لفظ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔ جس پہ الفاظ اثر نہ کریں' اسے عمل سے نصیحت کرنی چاہیے۔ اب جاؤ۔''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''تھینک یو۔ اس لیکچر کے لئے۔ ویسے مجھے آپ کی وہ بات بھی اچھی لگی تھی جو آپ نے رات کو بار بار دہرائی تھی۔ انگریزی کے تین الفاظ تھے' مجھے ٹھیک سے یاد نہیں' آپ دہرانا پسند کریں گی۔'' سادگی سے وہ پوچھ رہا تھا۔ زمر کانٹا اوپر اٹھائے اس کی طرف گھومی۔

''ہاں۔ وہ الفاظ یہ تھے کہ آئی وِل کِل یو۔ اب جاؤ۔'' اور خفگی سے اسے گھور کر رخ پھیر لیا۔

''میں واپس آ کر آپ سے اس کا حساب مانگتا ہوں شیف صاحبہ۔'' اور پھر چابیاں اور سیل فون اٹھاتا باہر نکل گیا۔۔۔

مور چال پہ وہ صبح روشن ہونے لگی تو کالونی کے درختوں نے دیکھا' حنین یوسف اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی تھی۔ اس کے کٹے ہوئے بال ماتھے پہ گر رہے تھے اور پیچھے والے بالوں کی فرنچ چوٹی گوندھ رکھی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا' اور آنکھوں میں چبھن سی تھی۔ دفعتاً اس نے نیچے گیٹ کے پار کسی کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور اندر کی طرف مڑ گئی۔

چند لمحے بعد وہ گیٹ سے باہر آتی دکھائی دی۔ سامنے علیشا کھڑی تھی۔ نیند سے بھری آنکھیں اور بالوں کی پونی بنائے' وہ گویا عجلت میں لگتی تھی۔

''حنین۔'' اس کو اتنے برسوں بعد دیکھ کر علیشا کی آنکھوں میں بہت سے جذبات ابھرے۔ مگر حنہ سپاٹ چہرہ لئے کھڑی رہی۔

''تمہیں صبح صبح اس لئے بلایا ہے تاکہ تمہیں یہ دے سکوں یہ جو تمہارا تھا۔'' کی چین اس کی طرف بڑھایا۔ علیشا نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے کی چین تھاما۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی' حنین اندر چلی گئی اور دروازہ بند کر دیا۔

علیشا تیزی سے کیب کی طرف جانے کو مڑی اور ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے کی چین کے سیاہ ہیرے نما کرسٹل کو ٹٹولا۔ پھر اوپر لکھے Ants Ever after کو دبایا۔ زور سے۔ پھر دوبارہ۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ وہ رک گئی۔ حیرت آنکھوں میں لئے اس نے پھر کوشش کی مگر بے

سود۔ یکدم وہ چونک کر مڑی۔

حنین واپس وہاں آکھڑی ہوئی تھی۔اور سینے پہ ہاتھ لپیٹے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے کہا تھا علیشا کہ ہر انسان کے اندر خیر اور شر کے بھیڑیے ہوتے ہیں' اور یہ بھی کہ میرے اندر بہت سارا شر ہے۔تو یہ جان لو علیشا کہ میں اب اپنے شر پہ شرمندہ نہیں ہوں۔اب کوئی مجھے کتنا ہی جج کرے مجھے فرق نہیں پڑے گا۔میں نے اپنے اندر کے اندھیروں کو گلے لگا لیا ہے' میں نے وہ فقرہ ڈھونڈ لیا ہے جو مجھے ان اندھیروں میں رہنا سکھا دے گا' اور وہ فقرہ ہے....'' وہ ایک قدم آگے بڑھی۔''میں نارمل نہیں ہوں۔میں حنین ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے بند مٹھی کھولی۔علیشا کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔

حنہ کی ہتھیلی پہ اسی طرح کا سیاہ کرسٹل رکھا تھا مگر اس کے اوپر لکھے الفاظ اندر کو دبے تھے' یوں کہ کرسٹل اندر سے کھل گیا تھا۔دو ٹکڑوں میں بٹا تھا' اور اس کے کھوکھلے حصے میں ایک ننھا سا میموری کارڈ رکھا نظر آرہا تھا۔

''تم ہمیشہ سے بے وقوف تھیں' اس لئے کاردارز سے ہارتی رہی۔ان کو انہی کے خلاف نہیں استعمال کر سکی۔تمہیں بھول گیا کہ میرے پاس دو کرسٹل تھے۔ایک میرے لاکٹ والا جو تم نے دیا تھا' اور دوسرا یہ کی چین۔میں نے صرف دونوں کی جگہ بدل دی۔'' اس نے مٹھی بند کر لی۔''میں کی چین کو کھول نہیں سکتی تو تمہیں اپنے لاکٹ والا ہیرا دیا' تا کہ تم مجھے دکھا دو اسے کیسے کھولنا ہے۔'' علیشا بے بس چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔حنہ واپس پیچھے ہٹتی گئی۔

''اس میموری کارڈ میں کیا ہے' میں نہیں جانتی مگر اب یہ میرے پاس ہے۔اب یہ ہمارے پاس ہے۔تم نے جیل سے یہ کی چین ' ہمیں بھیجا تھا۔تھینک یو علیشا۔تمہارا گفٹ ' ہمیں مل گیا ہے۔'' وہ رکھائی سے کہتی واپس اندر گئی اور دروازہ بند کر دیا۔علیشا باہر تہی داماں' تہی دست کھڑی رہ گئی......

قصرِ کاردار میں ہاشم ابھی بستر میں نرم گرم کمبل میں لپٹا' چائے پیتے ہوئے موبائل پہ نیوز ہیڈ لائنز دیکھ رہا تھا جب دروازہ زور سے کھٹکا۔ اس نے ناگواری سے چہرہ اوپر اٹھایا۔پھر کمبل اتارتا نیچے اترا۔وہ شب خوابی کے لباس میں موجود تھا اور اس طرح کسی کے مخل ہونے پہ موڈ بگڑ چکا تھا۔بے زاری سے اس نے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے احمر کو دیکھ کر تاثرات مزید بگڑے۔

''تمہیں کس نے اجازت دی کہ.....''

''آپ نے کہا تھا سر کہ مجھے آپ کا اعتماد کمانا ہے۔میں اسے کما سکتا ہوں۔میرا کیریئر' میری آزادی' سب کچھ اس جاب سے جڑی ہے۔ میں اس کو نہیں چھوڑنا چاہتا سو میری بات سنیں۔'' وہ تیز تیز بول رہا تھا۔''میں کچھ ایسا جانتا ہوں جو یوسفز کو کبھی آپ کے خلاف اٹھنے نہیں دے گا۔''

''ہاشم کے ابرو اکٹھے ہوئے۔''مثلاً؟''

''مثلاً!'' احمر نے بھاری دل کے ساتھ گہری سانس لی۔''سعدی یوسف کی بہن....حنین....اس نے بورڈ ایگزام میں او سی پی صاحب

کو بلیک میل کر کے پیپرز لیک کروائے تھے۔ میرے پاس تمام ثبوت ہیں۔ آپ ان کو رکھیں فارس کے سامنے اور اسے آفر دیں۔ وہ سب کچھ چھوڑ دے گا۔''

ہاشم کی آنکھوں میں چمک اتری۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''مجھے نو بجے آفس میں ملو۔ تم واپس جاب پہ آ چکے ہو، لیکن آئندہ اتنی صبح آ کر میرا دروازہ مت کھٹکھٹانا۔'' اور دروازہ اس کے منہ پہ بند کر دیا۔ احمر نے گہری سانس لی اور سر جھٹکتے سیڑھیاں اترنے لگا۔ دل بہت بھاری ہو چکا تھا۔

فارس مسجد سے واپسی پہ تازہ دم صبح سڑک کنارے چلتا آ رہا تھا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ دل اور کندھے بوجھ سے آزاد تھے۔ بہت عرصے بعد اپنا آپ انسان لگا تھا جو کسی کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

چلتے چلتے اس نے موبائل جیب سے نکالا۔ رات بھر وہ سائیلنٹ رہا تھا اور کالز اور میسجز کی بھرمار تھی۔ آبدار کی کالز سرِفہرست تھیں۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے کال بیک کی اور فون کان سے لگایا۔

''ہیلو!'' مردانہ آواز دوسری ہی گھنٹی پہ سنائی دی۔ فارس ٹھہر گیا۔ ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''کون؟''

''تم مجھے بتاؤ تم کون ہو؟'' جواب میں غصیلہ لہجہ سنائی دیا تھا۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم ہو کون جس کو میری بیٹی نے پینتالیس دفعہ کال کی اور تم نے اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔''

''آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ آبدار ٹھیک ہے؟'' وہ تیزی سے بولا تھا۔ چند ثانیے کی خاموشی دوسری طرف چھائی رہی۔

''میری بیٹی نے..... فارس غازی..... کل رات خودکشی کر لی ہے۔ وہ اس وقت آئی سی یو میں ہے۔''

''کدھر؟ کون سے ہاسپٹل میں؟'' وہ کار کی چابیاں نکالتے ہوئے آگے کو بھاگا تھا۔

فوڈلی ایور آفٹر کے تنہا پڑے لاؤنج میں زمر میز پہ ناشتہ سجائے، بیٹھی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

"نمل"

از نمرہ احمد

قسط نمبر ۲۴

'ٹوٹے تارے جیسا دل'

The Boy Who Lived !

نمل

(نمرہ احمد)

قسط نمبر: 24

"ٹوٹے تارے جیسا دل"

میں نے دیا تمہیں سورج!

مگر چاہا تم نے چاند!

جب چاند دیا تم کو

تم نے مانگے ستارے

تو میں اندھا دھند پہنچی

لامحدود ستاروں کی کہکشاں میں

اور خود کو لپیٹا

ہر اک ستارے کے گرد

صرف تمہارے لیے

ستارے' چاند اور سورج باہم بھی

تمہارے متلون دل کے لیے کافی نہ ہو پائے

سو میں نے اٹھائے اپنے آنسو

اور تمہیں بنا دیا ایک سمندر

تا کہ تم زمین پہ بادگیری کرتے چلو

اور اس ناممکن خزانے کو کھوج نکالو

جس کی تمہیں مستقل تلاش ہے

البتہ ضرور ہر صبح....

میرا سورج تم کو بیدار کرنے کے لیے موجود ہوگا

۲

ہر رات میرا چاند حاضر ہو گا
تمہاری تشفی کے لیے
اور اگر کبھی تمہیں ہو میری طلب
تو دیکھنا ستاروں کے درمیان
ہر ایک تارے کے گرد لپٹی
میں وہیں ٹھہری ہوئی ملوں گی!

Mirtha Michelle Castro Marmol

صبح دھیرے دھیرے فوڈی ایور آفٹر کے گرد دھند لکے تانے جا رہی تھی۔ ٹھنڈا ہوا ناشتہ یونہی ڈھکا رکھا تھا اور زمر یوسف باز و میز پہ بچھائے ، سر ان پہ ٹکائے سو رہی تھی۔ دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی تو اس کی آنکھ کھلی۔ پھر وہ تیزی سے سیدھی ہوئی اور نیند سے بھری آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ بیرونی دروازہ کھول کر جنید اندر داخل ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ رکا۔ آنکھوں میں حیرت در آئی۔

''آپ؟ اس وقت؟'' اس نے گھڑی کی بجائے مڑ کر آسمان کے رنگ کو دیکھا۔ وہ بال کانوں کے پیچھے اڑستی ابھی ابھی اپنا سیل فون اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ ''فارس نظر آیا کہیں جنید؟''

''نہیں تو۔ مگر آپ کیسے آئیں؟ باہر تو کوئی کار نہیں کھڑی۔''

زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ''فارس کہاں گیا؟ کار بھی لے گیا؟'' وہ اسے کال ملانے لگی۔ گھنٹیاں جا کر پلٹ آئیں مگر جواب نہ ملا۔ جنید ناشتے کے برتن نظر انداز کرتا کچن کی طرف بڑھ گیا۔ (کچن میں رات کے معرکے کے نشانات وہ حتی المقدور صاف کر چکی تھی)

فارس کا پیغام چند لمحوں بعد موصول ہوا۔ ''ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم گھر چلی جانا۔''

زمر کے ابرو تن گئے۔ آنکھوں میں دبا دبا سا غصہ ابھر آیا۔ اس نے پرس اٹھایا' موبائل اندر پھینکا اور باہر نکل آئی۔

''کیب سے جاؤں گی کیا اب؟ اتنا بھی خیال نہیں آیا اسے۔'' اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کتنے عاجز ہیں ہم کہ پاتے ہیں
بندے بندے میں بو خدائی کی

صبح کی دودھیا روشنی میں سورج کی سنہری تاریں ملیں تو آسمان مزید روشن ہو گیا۔ ایسے میں اس بلند عمارت کی بالائی ترین منزل کے کارنر آفس میں ہاشم اپنی پاور چیئر پہ موجود تھا۔ گرے سوٹ اور ٹائی میں ملبوس' بال جیل سے پیچھے کو جمائے آنکھوں پہ عینک لگائے وہ چند کاغذ پڑھ رہا تھا۔ سامنے کرسی پہ احمر شفیع اٹھے کندھوں کے ساتھ' گھٹنے ملا کر بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

۳

ہاشم نے دفعتاً عینک اتاری اور چہرہ اٹھاتے ہوئے کاغذ میز پہ ڈالے۔

''بے کار ہے یہ سب۔ اس میں کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ جنین نے اوسی پی کو بلیک میل کیا تھا۔''

''لیکن اس سے یہ ثابت ضرور ہوتا ہے کہ اس نے اوسی پی کی بیٹی کی ویڈیو تباہ کرنے کے عوض کوئی تحفہ وصول کیا تھا' وہ ان میلوں میں حمیرا کو بھی بتا رہی ہے' مگر ظاہر ہے حمیرا یہ نہیں سمجھ سکی کہ یہ تحفہ لیک شدہ پیپرز تھے۔'' احمر بے چینی سے بولا۔

''میں مانتا ہوں ایسا ہی ہوا ہوگا' لیکن کوئی ثبوت نہیں ہے اس بات کا۔'' ہاشم نے کندھے اچکائے تھے۔ احمر گہری سانس لے کر کھڑا ہوا۔ ''پھر میں نئی نوکری تلاش کرنا شروع کر دیتا ہوں سر۔ شکریہ آپ نے میری بات سنی۔'' وہ واپس مڑا اور چند قدم دور گیا جب ہاشم نے پکارا۔

''تم اپنے آفس میں واپس آ چکے ہو۔ میں بات کر کے مکر نہیں جاتا۔ میں اس کو دوسرے طریقے سے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' وہ اب فون اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ احمر نے مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''شکریہ سر۔'' وہ باہر نکلا اور دروازہ بند کر کے مکا فضا میں لہرایا ''یس!'' اور آگے بڑھ گیا۔ حلیمہ نے بے اختیار اسے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ اندر ہاشم فون کان سے لگائے میز پہ رکھی اپنی ڈاک کھول رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ ناخوشی سے انگریزی میں تیز تیز بولتا جا رہا تھا۔

''کون سا کیس؟ کوئی کیس نہیں چلے گا۔ میں نے پچھلے ماہ سے پہلے اگلی تاریخ نہیں لینی دینی ان کو۔ بوڑھا کر دوں گا ان کو یونہی۔''

ڈاک الگ الگ کرتے ہوئے اس نے چند لفافوں کو بنا کھولے ردی کی ٹوکری میں اچھال دیا' اور کچھ کو علیحدہ رکھ دیا۔ اور یہ تبھی تھا جب اس نے وہ لفافہ دیکھا۔ بات کرتے ہوئے اس کے ابرو بھنچے۔

وہ پرانے کاغذ کا پیلا زرد سا لفافہ تھا۔ دیکھنے سے بھاری معلوم ہوتا تھا۔ اس نے تعجب سے موبائل رکھتے ہوئے اسے اٹھایا۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر پیپر نائف کے ساتھ لفافہ چاک کیا۔ اندر کوئی دبیز شے تھی۔ ہاشم نے انگلی سے کھینچ کر اسے باہر نکالا۔

وہ ایک سبز پاسپورٹ تھا۔ فرنٹ کور اور چند صفحات۔ اس نے پہلا صفحہ پلٹایا اور... ایک دم وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔ پاسپورٹ ہولڈر کی تصویر سامنے تھی۔ بڑھی شیو والا سعدی یوسف۔ لیکن.... پاسپورٹ ادھورا تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر لفافے میں جھانکا۔ اندر ایک اور پرانے طرز کا کاغذ تہہ کیا رکھا تھا۔ ہاشم نے اسے نکالا۔ اس پہ انگریزی میں گویا قلم دوات سے چند الفاظ تحریر تھے۔

''سعدی یوسف کو عدالت میں دہشت گرد ثابت کرنے کے لئے یہ پاسپورٹ کافی ہے۔ لیکن اس کا مکمل ہونا ضروری ہے۔ اس نے یہ ٹریش کین میں اچھال دیا تھا۔ میں نے اس کے سارے ٹکڑے جمع کر لیے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں اسے تمہیں مکمل کر کے دوں تو اپنے ٹویٹر اکاؤنٹ سے یہ نمبر لکھ کر ٹویٹ کر دو۔ میں سمجھ جاؤں گا۔''

فقط

ایک خیر خواہ۔

نیچے ایک نمبر درج تھا۔ ریاضی کے چند بے سروپا ہندسے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا' پھر اس لفافے سمیت تمام اشیاء کو دراز میں ڈال دیا۔
اسی پل اس کا فون بجا۔ بلاکڈ نمبر کالنگ۔ اس نے موبائل کان سے لگاتے ہوئے احتیاطاً ہیلو کہا۔
''سر.....کیا آپ میری بات سن سکتے ہیں؟'' وہ خاور تھا۔ ہاشم نے ایک نظر بند دراز کو دیکھا اور پھر گہری سانس لی۔
''میں نے سعدی یوسف کی جان بچائی تھی' خاور۔ میرے اس کے ساتھ بہت سے اختلاف سہی' اور اپنی اس ویڈیو کے بعد میں اس سے نفرت کرنے لگا ہوں لیکن ایک محب وطن لڑکے کو دہشت گرد قرار دے دینا.....یہ ظلم میں نہیں کرنا چاہتا۔ کسی کو مارنا الگ بات ہے۔ جیتے جی مارنا بالکل الگ۔ اور مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ کیس کبھی عدالت میں نہیں چلے گا۔ اس لیے مجھے اس پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہے جو تم رشوت کے طور پہ بھیج رہے ہو مجھے۔''
''سوری سر؟ کون سا پاسپورٹ؟'' وہ اپنی جگہ الجھ گیا تھا۔ ''میں نے آپ کو کچھ نہیں بھیجا سر۔'' پھر روانی سے بولا۔ ''مگر آپ مجھے اپنے بندوں سے تلاش کروانے کی بجائے میری بات سن لیں تو میں آپ کے والد کے قتل کا معمہ حل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اس کے لیے آپ کو مجھ پہ اعتبار کرنا ہوگا۔'' پھر وہ ٹھہر کر بولا۔ ''آپ کے لئے میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال لگا دیے' مگر آپ نے مجھ سے ایک دفعہ بھی نہیں پوچھا کہ میں بے گناہ تو نہیں ہوں؟ کیا میرا اتنا بھی حق نہ تھا' سر! ایک دفعہ تو پوچھا ہوتا سر کہ میرے باپ کا قاتل کون ہے' پھر میں پاتال سے بھی اس کو کھینچ کر لے آتا' مگر آپ اس لڑکے کی باتوں میں آ گئے۔''
''سنو خاور! جلد یا بدیر میرے آدمی تمہیں ڈھونڈ لیں گے۔ اس لیے اب دوبارہ فون نہ کرنا۔'' ناگواری سے کہتے اس نے فون رکھ کر لیپ ٹاپ کھولا۔ البتہ دماغ کی ایک بتی مسلسل جلنے بجھنے لگی تھی۔ اگر خاور نہیں تھا تو یہ کون سا تیسرا فریق تھا جو درمیان میں کود پڑا تھا؟
چند منٹ ہی وہ کام کر پایا اور پھر ایک دم سے اس نے فون اٹھایا اور ایک نمبر ملا کر اسے کان سے لگایا۔ ماتھے پہ بل ڈالے وہ گھنٹی سنتا رہا۔
''تم نے کہا تھا تم اس آخری چیز کی قیمت لگاؤ گی' کیا وہ یہ پاسپورٹ ہے جو تم نے مجھے بھیجا ہے؟''
''کون سا پاسپورٹ؟'' ملیشا نے حیرت سے دہرایا تھا۔
''اداکاری مت کرو۔'' وہ اکتا کر کہہ رہا تھا جب.....
''تمہارا ایک میموری کارڈ تھا میرے پاس۔'' ہاشم ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔
''تمہارے باپ کا کمپیوٹر ہیک کیا تھا میں نے' یاد ہے؟ وہیں سے کچھ ملا تھا مجھے۔ مگر وہ معلومات ایسی تھیں کہ میں ان کو استعمال نہیں کر سکتی تھی۔ سوچا کسی اور کو دے دوں ورنہ تم تو میری جان لے لو گے۔ خیر اب وہ سب میرے لیے بے کار ہے اور وہ تمہیں بھی نہیں اب ملے گا۔ رہی میں.....تو میں ملک چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے تمہاری زندگیوں سے جا رہی ہوں۔''
ہاشم فون بند کر کے سوچتا رہا۔ اگر وہ سچ کہہ رہی تھی تو بھی اورنگزیب کے کمپیوٹر میں کم از کم وارث غازی کی فائلز تو تھیں نہیں سو وہ اس کے ہاتھ نہیں لگی ہوں گی۔ باقی ہر چیز کی خیر ہے۔ سر جھٹک کر وہ دوبارہ کام کرنے لگا۔

۵

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس بار وہ تلخی ہے کہ روٹھے بھی نہیں ہم

اب کہ وہ لڑائی ہے کہ جھگڑا نہ کریں گے ہم

ہسپتال کی چمکتے فرش والی راہداری 'خاموش اور سرد پڑی تھی۔ فارس نے کمرے کے دروازے پہ انگلی کی پشت سے دستک دی ' پھر دروازہ دھکیلا تو اندر کا منظر کھلتا چلا گیا۔

بیڈ پہ لحاف تانے آبدار ٹیک لگائے بیٹھی تھی 'اور ایک نرس اس کے پیچھے تکیے برابر کر رہی تھی۔ اس کے سرخ بال پونی میں بندھے تھے اور چہرے پہ مردنی چھائی تھی۔ کلائیاں سخت پٹیوں میں بندھی تھیں اور وہ برے موڈ کے ساتھ نرس سے نقاہت سے کچھ کہہ رہی تھی جب آہٹ سنی تو چہرہ پھیرا۔

اسے چوکھٹ میں کھڑے دیکھ کر نگاہوں میں تحیر در آیا۔ سانس بھی تھم گیا۔ پھر سر کے خم سے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ سلام کہتا اندر داخل ہوا۔ کمرہ کافی وسیع وعریض اور پرتعیش تھا۔ وہ کھڑکی کے قریب رکھے شاہانہ طرز کے کاؤچ پہ بیٹھ گیا اور ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی۔ پھر لبوں پہ بند مٹھی رکھے 'خاموشی سے آبدار کو دیکھنے لگا۔ آبی نے نظریں جھکا لی تھیں۔ نرس باہر نکلی تو وہ ہلکے سے کھنکھارا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

آبدار نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا 'پھر نقاہت سے مسکرائی۔ ''اب ٹھیک ہوں۔'' ذرا رکی۔ ''بابا سے ملاقات ہوئی آپ کی؟''

''میری شکل پہ گدھا لکھا ہے کیا جوان کے ہوتے ہوئے ادھر آتا؟ وہ نکلے ہیں تو آیا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ انداز میں کاٹ سی تھی۔ وہ چپ ہو گئی۔ نظریں جھکا لیں۔

''کیوں کیا آپ نے ایسا؟'' اب کے وہ نرمی سے بولا تو وہ اپنے پٹیوں میں بندھے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''مجھے اور کچھ سمجھ نہیں آیا۔ آپ میری کال نہیں اٹھا رہے تھے۔''

''تو اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو اٹھا لیتا آپ کی کال؟ ایسے کون کرتا ہے؟ اپنے والد کا تو سوچنا تھا۔'' آبدار نے بھیگی آنکھیں اٹھائیں۔

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور اس کے آنسو گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔ ''میں نے آپ کو اتنی کالز کیں 'آپ کیوں نہیں آئے؟''

''میں مصروف تھا۔''

''کس کے ساتھ؟'' اس نے آنکھیں اٹھا کر تیزی سے پوچھا تو وہ اتنی ہی تیزی سے بولا۔

''آپ کو حق ہے یہ پوچھنے کا؟''

آبدار کی اس پہ بھی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے۔ ''آپ چلے جائیں۔'' اور وہ پیچھے سے اپنے تکیے جوڑنے لگی گویا اسے جانے کا عندیہ دے کر اب لیٹنے لگی ہو۔

٦

''آبدار!'' وہ کہتے ہوئے اٹھا مگر دروازے کی طرف جانے کی بجائے اس کی جانب قدم بڑھائے۔ ''آپ کو اپنا خیال رکھنا چاہیے تھا۔'' اس کی آواز میں نرمی تھی۔ وہ تکیے جوڑتی رک گئی۔ چہرہ اٹھا کر بلی جیسی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی جو ابھی تک بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ اس کے قریب آرکا تو وہ بیٹھے بیٹھے ذرا پرے ہوئی۔ وہ آہستہ سے اس کے بازو کے قریب بیڈ پہ بیٹھا۔

''اگر آپ کو مجھے بلانا تھا تو اس کے دوسرے طریقے بھی تھے۔ یہ سب کر کے آپ نے مجھے تکلیف دی ہے۔'' وہ اسے فکرمندی سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور آبی کی بھیگی آنکھیں بے خودی کے عالم میں اس پہ جمی تھیں۔

''مجھے افسوس ہے اگر میری وجہ سے آبدار آپ کو کبھی کوئی غلط تاثر ملا' مگر میری نیت ہمیشہ صاف رہی۔ میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔'' وہ اس پہ نظریں جمائے دکھ سے کہہ رہا تھا۔ ''کیونکہ میں نے اپنی ساری زندگی بہت احتیاط سے گزاری ہے۔ جس کے اوپر دل ہارا' اس کے نام کو بھی اپنے نام کے ساتھ آلودہ ہونے نہیں دیا' اس لئے کوئی آپ کے نام کے ساتھ میرا نام جوڑے' مجھے اس بات نے بہت پریشان کیا ہے۔ اسی لئے ادھر آیا ہوں۔'' وہ نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آبی کے لب مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ آنکھیں ہنوز ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

''آپ کو میری فکر تھی؟''

''ظاہر ہے مجھے فکر تھی!'' اسی نرمی سے کہتے ہوئے فارس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کا پٹیوں میں لپٹا ہاتھ تھاما۔ آبدار کا سانس رک گیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ ''اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ دوبارہ کبھی ایسی حرکت نہ کریں۔'' اس کی آنکھیں آبی کی آنکھوں پہ جمی تھیں اور دونوں ہاتھوں میں اس کی باہنی کلائی تھام رکھی تھی۔

''پہلے آپ وعدہ کریں کہ میرے بلانے پہ آجایا کریں گے۔''

فارس نے گہری سانس لی۔ ''میں......وعدہ کروں؟ میں مس عبید ایک شادی شدہ آدمی ہوں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ایک شادی شدہ آدمی کو کیسے ڈیل کیا جاتا ہے؟''

''کیسے؟'' وہ چیلنجنگ انداز میں مسکرائی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ چند پل۔ چند ساعتیں۔ بنا پلک جھپکے۔ اور پھر ایک دم فارس کی انگلیوں نے اس کی کلائی کی پٹی کو جھٹکا دیا۔ آبدار کی کراہ نکلی مگر اس سے پہلے کہ وہ ہکا بکا سی اپنا ہاتھ چھڑاتی' وہ درشتی سے ایک ہاتھ سے اس کی کلائی تھامے' دوسرے سے اس پہ لپٹی پٹی کھینچ کر اتارتا رہا تھا۔

''چھوڑیں۔ کیا کر رہے ہیں؟'' وہ چلائی مگر فارس نے پٹی کی آخری تہہ نوچ کر پرے پھینکی اور اس کی کلائی اٹھائی۔ وہ بے داغ تھی۔ خراش تک نہ تھی۔

''جس طرح آپ کے والد صاحب نے مجھ سے بات کی' مجھے بہت برا لگا۔ وہ ہوتے کون ہیں مجھے قصوروار ٹھہرانے والے۔'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ غرایا تھا۔ آبدار کا چہرہ سفید پڑا۔ آنسو تک خشک ہو گئے۔ ''میں نے آبدار بی بی چار سال جیل میں گزارے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہیں۔ وہاں ایسے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کی شکل دیکھ کر بھی آپ کی جان نکل جائے گی میں نے ان کے ساتھ سروائیو کیا ہے۔ آپ کے یہ بے کار ڈرامے سروائیو نہیں کروں گا کیا؟" اس کی کلائی کو زور کا جھٹکا دے کر چھوڑا۔ وہ شل سی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سرخ پڑتی آنکھیں اس پہ جمائے انگلی اٹھا کر بولا۔ "آئندہ اگر آپ نے مجھے کال کی یا میرے نام کے ساتھ اپنا نام جوڑنا چاہا یا میرے گھر اور ریسٹورانٹ کا رخ بھی کیا تو میں کس حد تک جا سکتا ہوں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔ بات آئی ہے دماغ میں یا نہیں؟" غصے سے بولتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

آبی نے شل نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تو آپ یہاں صرف اپنا نام صاف کرنے آئے تھے۔"

"جی ہاں۔ کیونکہ جب میں نے آپ کو بھی کوئی غلط تاثر نہیں دیا تو آپ کی ان جذباتی حرکتوں کے لئے مجھے ذمہ دار نہ ہی ٹھہرائیں آپ کے والد صاحب تو اچھا ہے۔ میں ان کے باپ کا ملازم نہیں ہوں جو ان کی باتیں سنوں گا۔ اس لیے ان سے کہیے گا میرے منہ نہ لگیں آئندہ!" برہمی سے بولتا ایک قہر آلود نظر اس پہ ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

فارس دروازے تک پہنچا تھا جب اسے آواز آئی۔ اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا۔ وہ اپنی دوسری کلائی کی پٹیاں نوچ کر اتار رہی تھی۔ فارس کے ابرو اکٹھے ہوئے مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے روک پاتا وہ کلائی برہنہ کر چکی تھی۔

"یہ ہے وہ جو میں نے کاٹی تھی۔" گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھتی وہ بولی تھی۔ فارس نے بے اختیار اس کی پہلی کلائی کو دیکھا جو سوائے ذرا سی کھرونچ کے صاف تھی البتہ یہ والی کلائی.... یہ بری طرح زخمی دکھائی دیتی تھی۔ لمحے بھر کو وہ کچھ بول نہیں سکا۔

"وہ.... تمہارے لیے.... فارس غازی.... ایسا.... کبھی نہیں کرے گی۔"

فارس نے بڑی مشکل سے قدم اٹھائے تھے۔ وہ کچھ کہے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ اب ہذیانی انداز میں خود سے لگی سوئیاں اور نالیاں نوچ نوچ کر پھینکنے لگی تھی۔ اس کے برف ہوئے آنسو اب روانی سے گرنے لگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوا درد میں تنہا کھڑا ہوں
پلٹ جاؤں مگر موسم نہیں ہے

سورج کی نرم گرم روشنی مورچال کو اس دھند آلود صبح میں بھی دہکا رہی تھی۔ زمر واپس آکر اندر جانے کی بجائے لان میں گھاس پہ رکھے جھولے پہ آ بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے گھنگریالے بال اڑا رہی تھی مگر وہ بے نیازی سی اسی طرح بیٹھی، آنکھیں موندے جھولا لیتی رہی۔ جوتے اور پرس گھاس پہ ہی ادھر ادھر لڑھکے پڑے تھے۔

بالائی منزل کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو حنین لیپ ٹاپ کے آگے جڑی بیٹھی تھی۔ دلچسپی سے وہ اسکرین پہ لکھی عبارتیں پڑھ رہی تھی۔ ساتھ بیڈ پہ اکڑوں بیٹھا اسامہ تھوڑی گھٹنے پہ ٹکائے گم صم سا نظر آ رہا تھا۔

۸

نچلی منزل کا منظر کسی عام صبح سے مختلف لگتا تھا۔ ندرت اور حسینہ کچن میں تھیں۔ ناشتے کی مہک، پراٹھوں کی خوشبو، برتنوں کی اٹھا پٹخ، ندرت بہن بہت جوش سے اہتمام کرنے میں لگی تھیں۔ لاؤنج میں بیٹھے ابا ابھی صداقت کو ڈپٹ ڈپٹ کر ایک ایک کونا صاف کرنے کو کہہ رہے تھے۔ جانتے تھے سعدی زمر کی طرح کتنا نفاست پسند تھا۔ حسینہ کو خوب تاؤ چڑھ رہے تھے۔ (نرا ڈرامہ ہے سارا خاندان۔ ناں میں پوچھتی ہوں اس زخم والے منہ لئے، سوکھے سڑے لڑکے میں رکھا کیا ہے جو سب اس کے لئے پاگل ہو رہے ہیں۔ سیدھے منہ سلام تو اس نے مجھے کیا نہیں۔ اب تہوں والے پراٹھے بناؤ اس کے لئے۔) وہ رات سے پھرکی کی طرح گھوم رہی تھی اور اب دل چاہ رہا تھا۔ اس پراٹھے میں زہر ملا دے۔ بیلن کو آٹے پہ برابر کرتے، بڑبڑاتے ہوئے اس نے سر اٹھایا تو چونکی۔

سعدی کندھے پہ بیگ لئے، چہرہ جھکائے کچن کے باہر کھلتے دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ ندرت ابھی ابھی لاؤنج میں گئی تھیں۔ (سعدی دوسری جانب سے آیا تھا) سو کسی نے اسے آتے نہیں دیکھا۔ حسینہ چند لمحے تو کھڑی رہی، پھر بیلن رکھ کر باہر نکلی۔ ندرت اور ابا مشترکہ طور پہ صداقت کو ڈانٹ رہے تھے۔ سیم زینے اترتا آ رہا تھا۔ سر جھکا ہوا تھا۔ وہ آخری سیڑھی تک پہنچا تو حسینہ نے کمر پہ ہاتھ رکھے، آنکھیں گھما کر مزے سے اطلاع دی۔ ”اسامہ بھائی.....وہ تو چلا گیا سامان سمیت۔ اب ناشتہ بناؤں یا نہ بناؤں؟“

”کون؟“ اسامہ سر اٹھا کر نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا اور پھر جس لمحے اسے سمجھ آئی.....وہ ایک دم باہر کو بھاگا۔ لاؤنج ایک جست میں عبور کرتا وہ پورچ کے دروازے سے باہر جا نکلا۔ حسینہ نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔ (پاگل!)

اسامہ نے باہر آ کر گردن ادھر ادھر گھمائی۔ وہاں سعدی کہیں نہ تھا۔ صرف زمر جھولے پہ آنکھیں موندے سر پیچھے گرائے بیٹھی تھی۔

”بھائی چلا گیا، پھپھو!“ زمر نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ وہ حواس باختہ سا اس تک آ پہنچا تھا۔

”آپ نے بھائی کو جاتے دیکھا؟“

”ہاں دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔ دھیان نہیں دیا.....مگر وہ آیا کب؟ اور وہ چلا کیوں گیا؟“ وہ حیران سی جگہ سے اٹھی۔ یاد آیا رات فارس فون پہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اسامہ نے روہانسا ہو کر اسے دیکھا۔

”کیونکہ میں نے ان کو کہا تھا کہ.....“

باہر گھنے درختوں کی قطار کے ساتھ سڑک پہ وہ سر جھکائے چلتا جا رہا تھا۔ بیگ کندھے پہ تھا اور ہاتھ جینز کی جیبوں میں تھے۔

”سعدی!“ اس نے وہ آواز سنی تو قدم زنجیر ہوئے۔ وہ ٹھہرا۔ پھر دھیرے سے مڑا۔

دور.....دس بارہ میٹر کے فاصلے پہ زمر کھڑی تھی۔ رات والے جھلملاتے سیاہ لباس پہ جیکٹ پہنے، گھنگھریالے بال آدھے باندھے، وہ بہت دلگرفتہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہیں دور کھڑی.....ننگے پاؤں، اس سے چند قدم وہ پیچھے اسامہ کھڑا تھا مگر اس نے چہرہ جھکا رکھا تھا۔

سعدی کے چہرے پہ کرب سا ابھرا۔ زمر پہ اپنائیت بھری نظریں جمائے وہ بار بار کچھ کہنے کو لب کھولتا پھر بند کر دیتا۔ پہلو میں گری مٹھیاں کبھی بھینچ لیتا، کبھی ڈھیلی چھوڑ دیتا۔

۹

ننگے پاؤں کھڑی زمر نے سینے پہ بازو لپیٹے اور مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

''خدا حافظ کہے بغیر جا رہے تھے کیا؟ اور اس سلام کا کیا جو خدا حافظ سے پہلے کہنا تھا؟''

سعدی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ وہیں کھڑا اسے انہی مغموم نظروں سے دیکھتا رہا۔ دونوں کے درمیان کئی گز کا فاصلہ تھا۔

''سلام!'' اس نے سر کے خم سے سلام کیا۔ آواز گیلی روکھی سی تھی۔

''تم ہماری سلامتی چاہتے ہو تو جا کیوں رہے ہو؟'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں اونچی کر کے بولی تھی۔

''نہیں رہ سکتا یہاں۔ وحشت ہوتی ہے مجھے۔ دل ٹوٹا ہوا ہے میرا۔'' وہ جب بولا تو الفاظ سرگوشی میں ادا ہوئے' مگر نگاہیں زمر پہ جمی رہیں۔ ان میں بے چارگی' خود ترسی' شکستگی' سب کچھ تھا۔

''ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب تین گولیاں لگتی ہیں اور سارے اپنے چھوڑ جاتے ہیں' ایسا ہی لگتا ہے۔'' وہ پکار کر بولی تھی۔ ''جیسے سب آپ کے بغیر مزے کر رہے ہیں اور صرف آپ تنہا اذیت کاٹ رہے ہیں۔ میں اس سے گزر چکی ہوں۔ تم گزر رہے ہو۔ چناؤ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ کرنا ہے جو میں نے چار سال پہلے کیا تھا؟ سب کو اپنی زندگی سے باہر دھکیل کر دروازے بند کر کے خود کو اکیلا کرنا ہے۔ یا پھر دروازہ کھولنا ہے؟ اور روشنی کو اندر آنے دینا ہے؟ کیونکہ کچھ لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لئے پگھلا جائے۔' بولتے بولتے اس کو سانس چڑھنے لگی تھی مگر اس پہ نگاہیں جمائے وہ کہے جا رہی تھی۔ ''تم نے چننا ہے' تم نے فیصلہ کرنا ہے... اپنے خاندان سے دور رہ کر خود کو جوڑ لو گے تو جاؤ' خدا حافظ کہہ کر نکل جاؤ' اور اگر میری غلطیوں سے سبق سیکھنا ہے تو واپس آؤ اور مجھے سلام کہو۔'' وہ کہہ کر سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی منتظر سی اسے دیکھتی رہی۔ اس کا دل اندر بہت زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اگر وہ چلا گیا تو؟

''میرے اندر کا زہر سب کو ہرٹ کرے گا اگر میں یہاں رہا تو۔''

''نہیں سعدی۔ بات یہ ہے کہ تمہیں نفرت ہے اس کام سے جو حنین نے کیا کیونکہ تمہیں محبت ہے حنین سے۔ فیصلہ تم نے کرنا ہے۔ اس کے کام سے نفرت زیادہ شدید ہے یا اس کی محبت زیادہ شدید ہے۔ جس میں زیادہ شدت ہوگی وہ تم سے چناؤ کروالے گی۔''

سعدی نے خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا... اور اس کے عقب میں چہرہ موڑے کھڑے سیم کو۔ ''مجھے نہیں لگتا اب کسی کو میری ضرورت ہے۔ سب میرے بغیر رہنا سیکھ چکے ہیں۔'' اسامہ کے جھکے چہرے پہ ایک آنسو لڑھکا تھا۔

''اسی لیے سب تمہیں اپنی زندگی میں واپس لانا چاہتے ہیں۔ ضرورت کے تحت نہیں۔ کسی کو تمہاری ضرورت نہیں ہے سعدی۔ مگر محبت کے تحت۔ اور کیا تمہیں ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ رشتے وہ زیادہ خالص ہوتے ہیں جن میں محبت ضرورت پہ حاوی ہو جائے۔''

اور اس لمحے... گھنے درختوں کی قطار کے قریب چھایا میں کھڑے سعدی یوسف کو اس دھندلی صبح سب کچھ صاف نظر آنے لگا تھا۔ ایک دم سے دماغ اور دل کے آئینے کی ساری گرد کسی نے ہاتھ پھیر کر صاف کر دی تھی۔ وہ چونک کر زمر کو دیکھنے لگا۔ وہ ابھی تک سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی' محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

سعدی نے بیگ نیچے ڈال دیا۔ پھر قدم قدم چلتا وہ فاصلہ عبور کرنے لگا۔ زمر وہیں کھڑی رہی۔ وہ آگے بڑھتا آیا۔ یہاں تک کہ اس کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا۔ پھر بھیگی آنکھیں اٹھائیں اور ''السلام علیکم!'' کہتے ہوئے اس کے گرد اپنے بازو لپیٹ کر اسے خود سے لگایا۔

''میں کہیں نہیں جا رہا۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔''

اسامہ خاموشی سے سعدی کی سابقہ جگہ تک آیا اور اس کا بیگ اٹھا کر گھر کی طرف بڑھ گیا۔ زمر نے اس سے علیحدہ ہوتے مسکرا کر نم آنکھوں سے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرتے اسے دیکھا۔ ''ویلکم ہوم!''

یہ وہ بچہ تھا جس کو اس نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔ جو رات کو کہانی سنے بغیر نہیں سوتا تھا۔ اسے آج بھی کہانیاں سنانے کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ وہ صرف ''باتوں'' سے سمجھتا تھا۔ اسے صرف باتوں کا فن آتا تھا۔ اس کو یوں اپنے سامنے دیکھ کر... ہسپتال کی رات جب سے وہ کھویا تھا... سے لے کر نو ماہ بعد... اس کو یوں اپنے سامنے کھڑے دیکھنا... اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرنا' اسے مسکرا کر تسلی دینا... زمر کو لگ رہا تھا اسے اس کی ساری دنیا واپس مل گئی ہے۔ وہ پہلے سے دبلا پتلا ہو گیا تھا۔ کمزور۔ منہ کا زخم بھی قدرے مندمل تھا مگر بہر حال موجود تھا۔

''سچ سچ بتاؤ' کیا اس نے بہت زور کا مارا تھا تمہیں؟'' وہ اس کی کہنی تھامے گھر کی طرف ٹہلتے ہوئے واپس آتی اس سے پوچھ رہی تھی۔

سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کس نے؟''

''فارس نے۔''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ خفگی سے سر جھٹک کر سامنے دیکھتا چلنے لگا۔ زمر نے گہری سانس بھری۔ اسے کیوں بھول گیا تھا کہ وہ چھ فٹ کا ایک نوجوان تھا جو کبھی اپنے گھر کی عورتوں کے سامنے مار کھانے کا تذکرہ نہیں کر سکتا تھا۔

اتنے عرصے بعد ملے تھے۔ وہ موقع کی مناسبت سے اس سے چھوٹی چھوٹی مگر محتاط سی باتیں کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ زیادہ جواب نہیں دے رہا تھا۔ بس چپ تھا۔

وہ دونوں گیٹ سے اندر چلے گئے مگر اسامہ اس کا بیگ لئے وہیں پورچ کے ایک کونے میں بیٹھا رہا۔ وہ کسی گہری فکرمند سوچ میں تھا جب باہر سے کار اندر آتی دکھائی دی۔ تب وہ جگہ سے اٹھا۔ فارس ڈرائیونگ ڈور کھولتا' چابی جیب میں اڑستا باہر نکل رہا تھا۔ اسے یوں بیٹھے دیکھ کر ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''اے... تم ادھر کیا کر رہے ہو؟ اسکول نہیں جانا؟'' وہ لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا۔

''سعدی بھائی گھر چھوڑ کر جا رہا تھا۔ شکر ہے زمر پھپھو نے روک لیا۔'' اس نے ہلکے پھلکے انداز اور ہلکے دل کے ساتھ اطلاع دی۔ فارس کے ماتھے پہ بل پڑے۔ غصے سے اندر کھلتے بند دروازے کو دیکھا۔

''جناب کا دماغ درست نہیں ہوا ابھی تک۔ دو ہاتھ اور لگنے چاہیے تھے اسے۔ اس کی تو آج میں طبیعت صاف کرتا ہوں۔''

''ماموں!'' سیم نے خفگی سے اسے دیکھا۔ مگر وہ سر جھٹک کر اندر چلا گیا تھا۔

"

ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتے کے برتن سجے تھے۔ ندرت تازہ پراٹھے لاکر رکھ رہی تھیں۔ سعدی اب مسکرا کر اباسے دھیمی آواز میں بات کر رہا تھا۔ فارس کو دور سے آتے دیکھا تو سر کو محض ذرا سا خم دیا۔ فارس لبوں پہ مسکراہٹ جمائے اس تک آیا۔ اس کا کندھا زور سے دبایا۔ "ویلکم ہوم سعدی!" مسکرا کر کہتا اس کی طرف جھکا اور اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"زیادہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہیرو۔ واپس آگئے ہو تو تمیز سے گھر میں رہو۔ ماں کا خیال ہے یا نہیں؟ اب کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو دیکھنا۔" بمشکل سا اسے آہستہ سے سنا کر وہ سیدھا ہوا اور مسکراہٹ دوبارہ سے لبوں پہ طاری کیے آگے بڑھ گیا۔ سعدی گہری سانس لے کر رہ گیا۔ (واقعی ویلکم ہوم!)

وہ اپنے کمرے میں آیا تو زمر کورٹ کے لئے تیار کھڑی تھی۔ اسے نظرانداز کیے آئینے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگاتی رہی۔

"آہم!" وہ ہلکا سا کھنکھارا۔ "اس ناشتے کا کیا کیا؟"

زمر نے آواز کے ساتھ لپ اسٹک بند کی اور اس کی طرف گھومی۔

"تم فجر پڑھنے گئے تھے یار او سچ؟"

"کیوں میری عبادتوں کو نظر لگاتی ہو؟ استغفر اللہ!" اس نے کان کی لو کو چھوا۔

"کہاں گئے تھے؟" وہ چبھتی نظریں اس پہ جمائے تفتیشی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"تیسری بیوی کے پاس!" زمر کے تاثرات بگڑے۔ ماتھے کی تیوریاں بڑھ گئیں۔

"تو پھر ادھر ہی رہتے نا۔" وہ طنزیہ سر جھلا کر بولی تھی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔

"میں اس امر کو یقینی بنانے گیا تھا کہ وہ دوبارہ میرے اور تمہارے کسی ناشتے، کسی کھانے کے درمیان نہ آئے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اتنے اعتماد اور مان سے بولا کہ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ بھوری آنکھوں میں امید سی چمکی۔

"وہ اب کبھی بھی کوئی مسئلہ نہیں کرے گی۔ مجھ پہ اعتبار کرو۔" اس کی آنکھوں کا بھروسہ... اور مان... وہ پگھل گئی۔ اور پھر ہلکا سا مسکرائی۔ "وہ گئی ہے تو کوئی اور آجائے گی۔ تم بھی تو عادت سے مجبور ہو۔"

"آپ کی ان ہی اداؤں کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ... بندہ جیل سے کبھی واپس ہی نہ آیا ہوتا۔" وہ خفگی سے کہتا پلٹ گیا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

(ودنمبر آدمی....) وہ کمرے سے نکل گیا تو زمر نے ڈریسنگ ٹیبل کی اوپری دراز کھولی اور پیچھے ہاتھ ڈال کر کچھ باہر نکالا۔ سیاہ مخملیں ڈبیا جس پہ زمانوں کی گرد پڑی تھی۔ زمر نے گرد جھاڑی اور اسے کھولا۔ اندر رکھی دمکتی ہوئی ہیرے کی لونگ ہر گرد اور آلائش سے پاک تھی۔ وہ مسکرا دی۔ اس نے لونگ کی ڈبی پرس میں ڈالی اور بال برش کرنے لگی۔ (فارس غازی جب آج یا کل اسے یہ لونگ پہنے دیکھے گا تو اس کے کیا تاثرات ہوں گے؟ اف۔ وہ اس کی وہ شکل دیکھنے کے لئے بے تاب تھی۔)

زمر باہر آئی تو فارس سمیت باقی سب ناشتہ کر رہے تھے۔ اسے پہلے دوا لینا تھی سو کچن میں آئی۔ گول میز پہ حنین اکیلی چائے پی رہی تھی۔

''حنہ۔ تم ادھر؟'' حنین نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی میں ادھر ہی ہوں۔ اسی گھر میں۔ لیکن کوئی بات نہیں اگر آپ مجھے بھول گئیں۔ کوئی بات نہیں اگر آپ کو میری کمی محسوس نہیں ہوئی۔ حنہ تو ہمیشہ سے پس منظر میں ہوتی ہے۔ یا اتنے مہینے تو وہ آپ کی نظر میں سعدی یوسف کے sad reminder کے طور پہ موجود تھی۔ اس کے lesser version کے طور پہ۔ مگر اب وہ آ گیا ہے تو میں بھی اپنی پرانی جگہ پہ واپس آ گئی ہوں۔ رہیں آپ تو آپ کے لئے ہمیشہ سعدی سب کچھ تھا۔ صرف سعدی۔ سو آپ ناشتہ انجوائے کریں اور میرے لئے گلٹی فیل نہ کریں۔ مجھے اپنی بدصورت سچائیوں اور اپنے اندر موجود شیاطین کے ساتھ رہنا آ گیا ہے!'' وہ چائے کا مگ اور سیل اٹھا کر سادگی سے کہتی اس کے ساتھ سے نکل کر باہر چلی گئی۔ زمر بالکل خاموش سی ہو گئی تھی۔ اور کچھ خفا بھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ گھر کے ایک فرد کے راضی ہونے تک دوسرا کیوں ناراض ہو جاتا تھا!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب مہ و سال کی مہلت نہیں ملنے والی

آ گئے اب تو شب و روز عذابوں والے

ہارون عبید اپنے آفس میں کنٹرول چیئر پہ بیٹھے چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے چند کاغذات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ عینک ناک پہ دھری تھی اور انہماک قابل دید تھا۔ موبائل بار بار بج رہا تھا۔ بالآخر انہوں نے اسے اٹھا ہی لیا۔ ''بولو بیٹا۔''

''آپ نے فارس سے کیا کہا ہے؟'' وہ رو رہی تھی۔ انہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے عینک اتاری۔

''جو امین نے مجھے کہا تھا کہنے کو۔ یہی کہ تم ہسپتال اس لیے ہو کہ.... خیر میں جانتا ہوں امین غلط بیانی کر رہا تھا، اور اگر تمہارے توجہ حاصل کرنے والے کام ختم ہو گئے ہوں تو گھر واپس چلی جاؤ۔ کسی کو معلوم ہوا تو نیا تماشا بنے گا۔'' وہ سادہ اور مصروف انداز میں کہہ رہے تھے۔

''بابا آپ ہمیشہ میرے ساتھ یہی کرتے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے چلائی تھی۔ ''آپ نے کبھی مجھے کچھ نہیں دیا۔ ہمیشہ میرا راستہ روکا۔ ہمیشہ مجھے ہرٹ کیا۔ آئی ہیٹ یو بابا۔ آئی ہیٹ یو....'' اور روتے روتے اس نے کال کاٹ دی تھی۔

ہارون کا فون پکڑے ہاتھ کان سے لگا رہا تھا، گویا وہ شل سے ہو گئے تھے۔ ساکت۔ متعجب۔ پھر سر جھٹک کر وہ دوبارہ سے کام کرنے لگے مگر چہرے سے شدید ڈسٹرب لگ رہے تھے۔ بار بار فون اٹھاتے پھر رکھ دیتے۔

''تم اس حد تک گر سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' دروازہ دھاڑ سے کھلا اور جواہرات کاردار تیز تیز چلتی اندر آتی دکھائی دی۔ ہارون نے اکتا کر نظریں اٹھائیں۔ وہ میرون اور سفید لباس میں گہرے میک اور جیولری پہنے ایک طرف جتنی بنی سنوری ہوئی تھی، دوسری جانب آنکھوں میں اتنی ہی سرخی تھی۔ وہ اکتا سے گئے۔

۱۳

''بیٹھ جاؤ جواہرات۔ آج کل تم لوگ کسی کو دھمکانے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔''

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی۔'' میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھک کر وہ غرائی۔ ''تم لوگوں نے میری ویڈیو بنائی۔ اور اب تمہاری بیٹی اس ویڈیو کو استعمال کرنے کی دھمکی دے کر گئی ہے مجھے۔ میں نے تم پہ بھروسہ کر کے تمہیں ایک کام کہا تھا اور فصیح نے اسے ریکارڈ کر لیا۔''

ہارون عبید تحمل سے پیچھے ہو کر بیٹھے۔ وہ عمر اور تجربے کے اس دور سے نکل چکے تھے جہاں ''کیا؟ کون سی ویڈیو؟ مجھے نہیں معلوم'' جیسے الفاظ فوراً حیران ہو کر بولے جاتے ہوں۔ انہوں نے جواہرات کے الفاظ کو ذہن میں ترتیب دیا اور ساری تصویر واضح ہو گئی۔

''اور میری بیٹی نے یقیناً یہ بھی بتایا ہوگا کہ کس صورت میں وہ اس ویڈیو کو استعمال نہیں کرے گی۔''

''ہاں بتایا تھا۔ ڈونٹ ٹیل می کہ تم نہیں جانتے۔ لیکن یاد رکھنا میں ہاشم سے کچھ نہیں کہوں گی۔ اس نے اپنی مرضی سے آبی کو پرپوز کیا ہے۔'' (میز پہ رکھی ہارون کی مٹھیاں زور سے بھینچ گئیں۔ ماتھے پہ بل در آیا۔) ''اور میرے کہنے سے وہ نہیں رکے گا۔ اس لئے اپنی بیٹی کو سمجھاؤ، شادی سے انکار کرنا ہے تو خود کرے اور اس ویڈیو کو ضائع کرو ہارون۔ ورنہ جو میں کروں گی....''

''کیا کرو گی تم؟'' وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنکھوں میں غصہ لئے جواہرات کو دیکھا۔ ''وہ ویڈیو ضائع نہیں ہوگی۔ اپنے بیٹے کو سمجھا دو کہ وہ میری بیٹی سے دور رہے۔ ورنہ میں اس کو تمہاری آنکھوں کے سامنے تباہ کر دوں گا۔ ناؤ گیٹ آؤٹ۔ آ جاتے ہیں دھمکیاں دینے۔ پہلے اپنے مسئلے سلجھاؤ۔'' جواہرات برہم سی واپس مڑ گئی اور جب تک وہ باہر نکلی ہارون بلند آواز میں بولتے رہے۔

کرسی پہ واپس گرتے ہوئے انہوں نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ وہ شدید متفکر نظر آنے لگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زندہ رہنے کی تمنا ہو تو ہو جاتے ہیں

فاختاؤں کے بھی کردار عقابوں والے

اس سنہری دوپہر حنین اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی مسکرا کر اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''کاپی نہیں ہو پا رہا تو کیا ہوا؟ میموری کارڈ تو میرے پاس ہے نا۔'' میموری کارڈ کی فائلز کاپی نہیں ہوتی تھیں اس نے بہت کوشش کر کے دیکھ لی تھی۔ اس نے سلاٹ سے کارڈ نکالا، پھر ایک ننھی سی پلاسٹک کی ڈبی (جس کو اپنے کچھ میموری کارڈز سے اس نے خالی کر لیا تھا) میں اسے ڈالا۔ اپنی الماری کھولی۔ لاک والے دراز میں اسے رکھ کر مقفل کیا اور چابی جوتوں کے خانے میں پیچھے پیچھے کر کے چھپا دی۔ پھر مسکرا کر واپس لیپ ٹاپ پہ آ بیٹھی۔ ان باکس کھولا۔ سید سعدی یوسف کا پیغام ابھی تک ان باکس میں موجود تھا جس میں احمر کو اس نے ایڈمن بننے کی درخواست دی تھی۔

مسکراتے ہوئے حنین نے پیغام ٹائپ کیا۔ ''یہ ہے میرا نمبر۔ مجھے کال کریں پلیز احمر۔ مجھے سلطان بنگش کے بارے میں بات کرنی ہے!'' پیغام بھیج کر وہ کرسی پہ ٹیک لگائے مزے سے بیٹھ گئی۔ دو سیکنڈ بعد ہی seen لکھا آ گیا۔

۱۴

احمر آفس کی راہداری میں دو افراد کے ساتھ چلتا جا رہا تھا اور کچھ بول بھی رہا تھا جب موبائل بجا۔ چونکہ ہاتھ میں ہی تھا اس لئے اس نے بات جاری رکھتے ہوئے اسکرین کو چھوا۔ پیغام پڑھ کر اس کی زبان رکی۔ چہرہ فق ہوا۔ ان لوگوں سے معذرت کر کے وہ تیزی سے اپنے آفس کی طرف واپس آیا اور فون کان سے لگایا۔ حنین نے تیسری گھنٹی پہ فون اٹھا لیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ کاردارز کے میڈیا مینیجر، امیج کنسلٹنٹ احمر شفیع صاحب یا مجھے یوں کہنا چاہیے کہ.... سل....طان...." وقفہ دیا تو وہ جلدی سے بولا۔

"فضول گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بتایئے، کیا مسئلہ ہے؟" ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے یہ پوچھنا تھا کہ کیا کاردارز ابھی تک ہماری کالز ریکارڈ کر رہے ہیں؟ وہ معصومیت سے بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے بچے۔ کوئی آپ کی کالز ریکارڈ نہیں کر رہا۔"

"اچھا۔ یعنی پھر ہم تسلی سے بات کر سکتے ہیں۔ میں ایک صاحب کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ ان کا نام سلطان تھا...."

"حنین، پلیز!" اس نے پیشانی آستین سے پونچھی۔ سفید چہرہ لئے وہ مضطرب سا فون کان سے لگائے آفس میں ٹہل رہا تھا۔

"نہیں احمر شفیع۔ پلیز تو میں بولوں گی اب۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہمارے تمام فونز اور کمپیوٹرز کی مانیٹرنگ ختم کر دی جانی چاہیے ورنہ میں اپنے پی ٹی سی ایل سے اپنی پھپھو کو کال کروں گی اور ان کو وہ دلچسپ کہانی سناؤں گی، سلطان صاحب والی، اور میں روز یہی کروں گی۔ روز اپنے ایک رشتے دار کو کال کر کے ان کو وہ کہانی سناؤں گی۔ اب ہماری کالز ریکارڈ کرنی ہیں یا نہیں یہ فیصلہ آپ کا ہے۔ بائی!" مسکرا کر کال کاٹی اور احمر فون رکھ کر تیزی سے باہر بھاگا۔ لفٹ میں سوار وہ نچلے فلور تک گیا اور بھاگتے ہوئے راہداری عبور کی۔ ایک آفس کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھے کانوں سے ہیڈ فون لگائے شخص کو "اٹھو۔ باہر جاؤ" کہہ کر اسے کالر سے اٹھا کر کھڑا کیا اور اس کی جگہ پہ بیٹھا۔

"باہر جاؤ!" وہ حیران پریشان سا جگہ سے نہ ہلا تو احمر دھاڑا۔ وہ فوراً باہر لپکا۔ اب احمر تیزی سے کی بورڈ کے بٹن دبا رہا تھا۔ اس کی پیشانی سخت سردی میں بھی پسینے سے تر ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ وقت آ گیا ہے کہ ساحل کو چھوڑ کر

گہرے سمندروں میں اتر جانا چاہیے

ہاشم کے آفس میں باوجود سردی کے کسی ہیٹر کی ضرورت نہ تھی۔ ماحول خاصا گرما گرم ہو رہا تھا۔ ہاشم نے برے موڈ کے ساتھ فون رکھا اور سامنے بیٹھی جواہرات کو دیکھا۔

"ایس ایچ او کا تبادلہ ہو گیا ہے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اور یہ یقیناً صاحبزادی صاحبہ نے کروایا ہو گا۔" جواہرات فکرمندی سے آگے ہوئی۔ وہ اسی صبح والے لباس میں تھی اور بے حد مضطرب

لگ رہی تھی۔ گہرے میک اپ کے باوجود وہ بوڑھی لگنے لگی تھی۔

''کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نوشیرواں کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔'' ہاشم نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''تم اس کی ضمانت قبل از گرفتاری کروا لو پھر بھی۔''

''ممی کیا ہو گیا ہے؟ یہ non-bailable offence ہے۔ ضمانت نہیں ہو سکتی۔''

''ہو سکتی ہے۔ تم نے رانا برکت والے کیس میں کروائی تھی نا۔''

''ممی وہ غیر معمولی حالات تھے' وہاں بہت سی جائز وجوہات تھیں۔ یہاں نہ ہو سکتی ہے نہ اس چکر میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ آپ بے فکر رہیں' کوئی شیرو کو گرفتار نہیں کرے گا۔'' ہاشم نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پورے ذوق سے کہا۔ جواہرات نے مضطرب سا پہلو بدلا۔

''وہ تب سے کمرے میں بند ہے۔ ہاشم تم اس کی فکر کرو۔ فی الحال ہم کتنے کرائسز میں ہیں۔'' ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟ میں اس کی فکر کروں؟ کر تو رہا ہوں۔ میں ہی تو کر رہا ہوں۔ مگر آپ کے یہ الفاظ کہاں سے آ رہے ہیں' ہاں؟'' اس نے ایک تیز گہری نظر ماں پہ ڈالی۔ جواہرات نے چائے کا کپ آہستہ سے پرچ میں رکھا اور الفاظ ڈھونڈے۔

''آبی والے معاملے' کو کچھ عرصے کے لئے ملتوی کر کے...''

''ایک منٹ ممی!'' اس نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ جواہرات کی سانس تک اٹک گئی۔ ''میں نے اس کو پرپوز اس لئے نہیں کیا تھا کیونکہ آپ مجھے بار بار ترغیب دلاتی تھیں۔ میں نے یہ فیصلہ اپنی وجہ سے کیا تھا۔ میری بھی ایک زندگی ہے جسے میں آپ لوگوں کی غلطیاں درست کرنے میں ختم نہیں کر سکتا۔ وہ معاملہ جہاں ہے وہیں رہے گا۔ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

جواہرات نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا' البتہ اس کی رنگت پھیکی پڑ چکی تھی۔ وہ بے حد شکست خوردہ نظر آ رہی تھی۔

وہ پرس اٹھائے آفس سے باہر نکلی تو احمر چلا آ رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ سے گزرنے لگی تو احمر نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

''مسز کاردار' میں یوسفز کے فون ٹیپ ہٹوا رہا ہوں۔'' جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا پھر آنکھوں میں غصہ در آیا۔

''یہ ہر کوئی اپنی من مانی کب سے کرنے لگا ہے' تم ہاشم سے پوچھے بغیر...''

''مسز کاردار!'' وہ نرمی سے سرگوشی میں بولا۔ ''وہ لڑکا سعدی... وہ کال کر کے کسی سے خاور کی بات کر رہا تھا۔ خاور کو پھنسانے کی۔ آپ کا نام لے رہا تھا۔ میں اسی لئے ٹیپ ہٹوا رہا ہوں' بے فکر رہیں' میں آپ کا وفادار ہوں۔'' سمجھانے والے انداز میں وہ بولا تو جواہرات گہری سانس لے کر رہ گئی۔ رنگت مزید پھیکی پڑی۔ (ہر طرف سے گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ ہر شخص ٹائم بم بنا ٹک ٹک کر رہا تھا۔)

''ٹھیک ہے' تم نے درست کیا۔ ویسے بھی اب کال ٹیپنگ کی ضرورت نہیں رہی ہے۔'' وہ تھکے تھکے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ احمر نے غور سے اسے دیکھا۔

"مسز کاردار' پریشان مت ہوں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

راہداری میں باریک ہیل سے چلنے کی آواز آئی تو وہ دونوں جو قدرے الگ تھلگ کھڑے تھے چونک کر دیکھنے لگے۔ سامنے سے شہرین چلی آرہی تھی۔ رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس' بالوں کو الٹے سیدھے فیشن کے مطابق باندھے' وہ ان کو نظرانداز کر کے ہاشم کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔ جواہرات کی چبھتی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

"احمر.... مجھے خاور سے نجات چاہیے۔" وہ بے بسی سے دبی دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "ہاشم کہہ رہا تھا اس نے کال کی ہے اس کو۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا احمر!"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم کو اس عہد میں تعمیر کا سودا ہے جہاں
لوگ معمار کو چن دیتے ہیں دیوار کے ساتھ

شام کا نیلگوں اندھیرا ہر پل گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ کالونی کے گھروں کے پورچ اور گیٹ کی بتیاں جلنے لگی تھیں۔ مغرب کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ پرندے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ایسے میں فارس غازی کالونی کی مسجد میں موجود تھا۔ سنگِ مرمر کی چوکی پہ بیٹھا' وہ جھک کر نل سے وضو کر رہا تھا۔ پانی اس کے کانوں کی لو اور تھوڑی سے ٹپک رہا تھا اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ پاؤں دھو کر وہ سیدھا کھڑا ہوا' پھر سوئیٹر کے آستین برابر کرتا صحن کی طرف بڑھ گیا۔

مسجد دھیرے دھیرے نمازیوں سے بھر رہی تھی۔ اسے پہلی صف میں جگہ نہیں مل سکی' شاید اس نے کوشش ہی نہیں کی۔ ابھی اتنی جلدی اتنے آگے کھڑے ہونے کی ہمت نہ تھی۔ تیسری صف میں وہ دو نمازیوں کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ پیر سے پیر ملا لیا۔ ارگرد موجود لوگوں کی اکثریت کو وہ نہیں جانتا تھا۔ علاقہ نیا تھا' ابھی جان پہچان میں وقت لگنا تھا۔ اس اجنبی ہجوم میں وہ تنہا تھا۔ لوگ بولتے' باتیں کرتے' صفیں برابر کر رہے تھے۔ وہ بھی سر جھکائے کھڑا رہا۔ امام صاحب نے تکبیرِ تحریمہ پڑھی تو اس نے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے اللہ اکبر کہتے بازو سینے پہ باندھے۔ اب وہ قدرے پرسکون انداز میں عربی کلمات پڑھنے لگا تھا۔ دھیرے دھیرے بے چین دل کو قرار آ رہا تھا۔

سلام پھیر کر جب ہر شخص کو جانے کی جلدی تھی' وہ سر جھکائے دو زانو وہیں کتنی ہی دیر بیٹھا رہا۔

"میں اچھا آدمی نہیں ہوں' مانتا ہوں۔" سر جھکائے وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

"میرے ارادے برے تھے' یہ بھی مانتا ہوں۔ میں خاور کو قتل کرنا چاہتا تھا اس نے میرے بے گناہ بھائی اور معصوم بیوی کو مارا تھا۔ میں ہاشم اور جواہرات میں سے کسی ایک.... اس ایک کو قتل کرنا چاہتا تھا جس نے اس قتل کا حکم دیا تھا۔ اسی لئے میں کہتا تھا زمر سے کہ ہم الگ ہو جائیں گے مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں خاور کا فیصلہ اللہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ نہ میں اس کے پیچھے جاؤں گا۔ نہ اس کے خلاف کچھ کروں گا۔ رہا ہاشم تو میں اس کی جان نہیں لوں گا۔ خیر آپ جانتے ہیں میں کیا کروں گا اس کے ساتھ' مگر اب.... میں کسی کی جان نہیں لینا چاہتا۔

۱۷

انصاف چاہیے مجھے۔ عدالت نہیں دے گی جانتا ہوں' خود لینا پڑے گا' مانتا ہوں۔ مگر ہاں اب... اب میں اس سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔ اب میں خوش ہوں۔ اب میں ٹھیک ہوں۔ اب روشنی نظر آنے لگی ہے۔ اب لگتا ہے کہ میرا ٹوٹا ہوا دل جڑ جائے گا۔ محبت کتنی محبت سے heal کر دیتی ہے ہمیں' اے اللہ!'' سر جھکائے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر وہ اٹھا تو نمازیوں کا ہجوم تتر بتر ہو چکا تھا۔ وہ چپ چاپ مسجد سے نکل آیا۔ جوتے پہنے اور ٹھنڈی خوشگوار ہوا میں چلتا ہوا گھر کا فاصلہ عبور کرنے لگا۔ اس کا چہرہ پہلے سے پرسکون اور مطمئن لگتا تھا۔

اس کے جوگرز میں مقید پیر تارکول کی سڑک عبور کر رہے تھے۔ تیز تیز... اور شاید گزرے برسوں کا فاصلہ بھی طے کر رہے تھے۔ نیلگوں اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

تارے آسمان پہ نمودار ہونے لگے تھے... ٹھنڈے میٹھے تارے.....

وہ دونوں سینما کے ہال میں موجود تھے۔ اندھیر کرسیوں پہ پیچھے کو ٹیک لگائے وہ کان کی لو مسلتا نگاہیں اسکرین پہ جمائے ہوئے تھا۔ گاہے بگاہے ساتھ بیٹھی زرتاشہ کو بھی دیکھ لیتا جو بالوں کو ہیئر بینڈ میں مقید کیے' ہاتھ میں پکڑے nachos وقفے وقفے سے کھاتی' انہماک سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ مر جائے گا۔'' کچھ دیر بعد وہ بے چینی سے بولا۔ فلم اسے بور کر رہی تھی۔ زرتاشہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''آپ نے دیکھ رکھی ہے پہلے؟'' وہ ناراض ہوئی تھی۔

''نہیں یار۔ صاف پتہ چل رہا ہے۔ اچھا اب ایسی شکل مت بناؤ۔ اسے دیکھو....'' زرتاشہ نے خفگی سے سر جھٹک کر چہرہ واپس موڑا تو وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

چند لمحے بعد انٹرمیشن کا نشان ابھرا اور ہال کی بتیاں جل اٹھیں۔ لوگ اٹھ اٹھ کر باہر جانے لگے۔ وہ دونوں وہیں بیٹھے رہے۔ تین چار لڑکوں کا گروہ ان کی قطار میں آگے بڑھتا ان تک آ رہا تھا' گویا اب ان کے سامنے سے تنگ سی جگہ سے گزر کر جائے گا۔ وہ فارس کی دائیں طرف سے آ رہے تھے' سو فارس نے جوگرز لمبے کر کے نچلی قطار کی نشست پہ رکھ دیے اور سینے پہ بازو لپیٹے قدرے نیم دراز ہو گیا۔ لڑکے رک گئے۔ جان گئے کہ وہ نہیں چاہتا وہ اس کی بیوی کے سامنے سے گزر کر جائیں۔ وہ واپس مڑ گئے۔

''آپ کو میری بات یاد ہے! مجھ سے نہیں لڑیں گے۔ میرے لیے لڑیں گے۔'' وہ مسکرا کر اس کو دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

فارس نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''لڑتا تو ہوں تم سے۔''

''جانتی ہوں مگر اس دن آپ نے روبینہ آنٹی کے سامنے میری حمایت کی کہ زرتاشہ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی' حالانکہ میں نے کہی تھی۔'' وہ میکے میں کوئی بات سے بات نکلنے والے ایشو کا تذکرہ کرنے لگی۔

''مجھے پتہ ہے تم نے کہی تھی اور تمہیں نہیں کہنی چاہیے تھی۔ زرتاشہ ہر وقت دوسروں کے معاملات پہ کمنٹس نہیں دیتے۔ اور ٹیکسٹ اور

فون کالز پہ تو یہ کام کبھی نہیں کرتے۔ فون پہ باتیں صرف بگڑتی ہیں کیونکہ پوری سمجھ نہیں آتیں۔ لیکن جب بھی تم خاندان میں کسی کے بارے میں کوئی بات کیا کرو تو اس کو own کیا کرو۔ اس کے لئے لڑا کرو۔ اس پہ ڈٹ جایا کرو۔ کسی خالہ پھپھی یا بھابھی کے ڈر سے مکر نہ جایا کرو کہ میں نے کسی کو نہیں بتایا۔ میں نے تو کچھ نہیں کہا' وغیرہ۔ بات کو اس کے گھر پہنچایا کرو۔"

"مانا کہ میری غلطی تھی مگر آپ نے ان کے سامنے میری حمایت کی تھی' مجھے اچھا لگا تھا۔" وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ فارس نے پھر ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"تم غلط کرو گی یا صحیح میں دنیا کے سامنے ظاہر ہے تمہیں ہی سپورٹ کروں گا۔ اگر آپ اپنے گھر کی لڑکیوں کو ان کی غلطیوں کے لئے معاف کر کے ان کو سپورٹ نہیں کر سکتے' ان کا ہاتھ تھام کر ان کو ان کے پورے قد کے ساتھ کھڑا نہیں کر سکتے تو آپ کیسے مرد ہوئے! انسان تو بہت سے ہوتے ہیں۔ مرد کوئی کوئی ہوتا ہے۔"

"بس اتنا بتا دیں کہ یہ فلم والا مرد مرے گا تو نہیں؟" وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

"میں اول تو اسے مرد مانتا نہیں ہوں' دوم' ہاں یہ مر جائے گا۔ نہیں' میں نے یہ فلم نہیں دیکھ رکھی۔ میں نے صرف ریویو میں ساری کہانی صبح پڑھ لی تھی۔" وہ یونہی نیم دراز' ٹیک لگائے مسکرا کر بتا رہا تھا۔

"تا کہ آپ میری فلم خراب کر سکیں!" اس کی آنکھوں میں پھر سے ناراضی ابھری۔

"مجھے ایک قدم آگے رہنا اچھا لگتا ہے زرتاشہ!"

مغرب پوری طرح ڈھل چکی تھی۔ اس کے جوگرز سڑک کو گویا اپنے نیچے لپیٹتے تیز تیز فاصلہ عبور کر رہے تھے۔ سبز بیلوں سے ڈھکا بنگلہ سامنے تھا۔ وہ گہری سانس لے کر ماضی کی یادوں کو ذہن سے جھٹکتا اندر داخل ہوا۔

لاؤنج میں وہی لوگ تھے جو روز ہوتے تھے۔ مگر آج لگتا تھا سب کے چہروں پہ مسکراہٹیں ہیں۔ راہداری سے گزرتے وہ کچن کے کھلے دروازے میں ذرا دیر کو ٹھہرا۔ سعدی سلیب کے ساتھ کھڑا تھا اور سر جھکائے مسکرا کر سامنے کرسی پہ بیٹھی زمر کو سن رہا تھا جو دھیرے دھیرے بتا رہی تھی..." پھر ہم نے فارس کے کیس کے دنوں میں....."

پرانی کتھائیں... طویل قصے۔ زمر کی اس کی طرف پشت تھی۔ سعدی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک ثانیے کو ٹھہرا' پھر اسے آواز دی۔

"سعدی!" سعدی نے چونک کر سر اٹھایا۔ زمر نے بھی گردن موڑی۔ (فارس کو دیکھ کر اسے پرس میں رکھی لونگ یاد آئی۔ اوہ ابھی تک نہیں پہنی۔ اپنی بھول پہ افسوس ہوا۔)

"اپنا پاسپورٹ مجھے دے دو۔" اس نے عجلت میں پوچھا گویا زیادہ دیر مخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مگر مخل کرنے کا بہانہ بھی چاہیے تھا۔

"وہ میں نے ڈسپوز آف کر دیا ہے۔ بےفکر رہیں۔" سعدی نے سر کو جنبش دے کر تسلی کروائی۔ فارس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''کیا مطلب ڈسپوز آف کر دیا ہے؟ میں نے کہا تھا میں اسے خود ڈسپوز آف کروں گا۔ وہ صباحت نے اپنا کیریئر داؤ پہ لگا کر تمہارے لئے بنوایا تھا۔ تمہیں یقین ہے وہ کسی کے ہاتھ نہیں لگے گا۔'' اس نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''اس کے اتنے ٹکڑے کیے تھے کہ اب وہ نہیں ملے گا کسی کو۔ فکر نہ کریں!'' سعدی نے ہاتھ اٹھا کر تسلی دی۔

''مگر.....''

''فارس۔ وہ کہہ رہا ہے تو اس پہ بھروسہ رکھو!''

زمر کی بات پہ اس نے ''اچھاجی!'' کہہ کر سر کو خم دیا اور برے موڈ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں پھر سے باتوں میں لگ گئے تھے۔

''آپ اکیلے نہیں ہیں۔'' وہ قدم آگے بڑھا تھا کہ سیم کے کمرے کے دروازے پہ کھڑی حنین نے پکارا۔ وہ رکا۔ غور سے اسے دیکھا۔

''اگر تم سمجھتی ہو کہ میں جیلس ہو رہا ہوں تو.....''

''میں سمجھتی نہیں ہوں' مجھے یقین ہے۔ خیر ہے۔ ہوتا ہے ایسے۔'' الفاظ کے برعکس اس کا لہجہ شگفتہ نہ تھا۔ چہرے پہ عجیب ویرانی تھی۔ کہہ کر وہ پلٹ گئی اور سیم کے بیڈ پہ آبیٹھی۔ (وہ ٹیوشن جاتا تھا اس وقت۔) اداس اور ویران۔ یکایک دروازہ بند ہو کر لاک ہونے کی آواز آئی تو حنہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

فارس دروازہ مقفل کر کے کرسی لے کر اس کے سامنے آبیٹھا' اور آگے ہو کر غور سے اسے دیکھا۔ ''حنین' کیا مسئلہ ہے؟ سیم نے مجھے نہیں بتایا۔ مگر تمہاری اور سعدی کی کیا لڑائی چل رہی ہے؟''

ڈھیلی سی فرنچ چوٹی بنائے' کٹے بال ماتھے پہ بکھیرے' زرد چہرے والی حنین کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

''آپ تو ہمیشہ دو قدم آگے رہتے ہیں' آپ کو ابھی تک کسی نے نہیں بتایا؟''

''کیا؟ مجھے واقعی نہیں پتہ!'' وہ ٹھٹکا تھا۔ حنہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''وہ آپ کو بتا دے گا۔ بھائی۔ وہ بتا دے گا اور آپ مجھ سے نفرت کریں گے۔'' فارس چند ثانیے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔

''کیا کیا ہے تم نے؟'' الفاظ ہموار اور پرسکون تھے' مگر سوال قیامت تھا۔

''ایسے ہی قیامت کے دن اور اس سے پہلے قبر میں پوچھا جائے گا نا کہ کیا کیا ہے تم نے حنین۔ کیا کر کے آئی ہو؟ میں کیا کہوں گی؟'' آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل پھسل رہے تھے۔

''کسی کو قتل کیا ہے؟'' اس نے سادگی سے پوچھا۔

''نہیں تو۔'' حنہ کی گردن نفی میں ہلی۔

''پھر ہر چیز ٹھیک ہو سکتی ہے۔ بتاؤ مجھے۔ کیا کیا ہے تم نے؟'' اس نے نرمی سے پوچھتے ہوئے حنہ کے ہاتھ تھامے۔ وہ ٹھنڈے یخ ہو رہے تھے۔ گویا برف کے ٹکڑے ہوں۔ اکیس سال کی دبلی پتلی کمزور' اداس سی وہ لڑکی ہلکے ہلکے سے کانپ رہی تھی۔ آنسو مسلسل تھوڑی سے

نیچے لڑھک رہے تھے۔

''آپ مجھ سے نفرت کریں گے۔''

''نہیں کروں گا۔'' اس نے تسلی دی۔

''میں نے ایگزام میں چیٹنگ کی تھی۔ میں نے اوسی پی صاحب کو...'' وہ ہچکیوں کے درمیان سر جھکائے بتاتی رہی۔ وہ توجہ سے سنتا رہا۔ کتھا ختم ہوئی تو حنہ نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔

''حنین!'' وہ گہری سانس لے کر بولا۔ ''انسان زندگی میں بہت کچھ کرتا ہے۔ غلط صحیح اچھے برے کام سب کرتا ہے انسان۔ ہر چیز کو تجربہ سمجھ لیا کرو۔ ٹھیک ہے تم سے غلطی ہوئی' لیکن تم نے توبہ کر لی نا' بات ختم ہو گئی۔'' وہ سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

''احمر شفیع جانتا ہے۔ اس نے ہمارے گیٹ پہ آ کر مجھے دھمکی دی تھی!'' فارس ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا' گویا بری طرح چونکا تھا۔ اس نے یہ کتھا بھی سنا ڈالی۔

''یہ کب کی بات ہے؟''

''جب آپ سری لنکا تھے۔'' وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ ''خیر میں اس سے لے لوں گا ہر چیز۔ وہ کسی کو نہیں بتائے گا۔''

''وہ آپ کو وہ سارے ثبوت نہیں دے گا۔''

''اس کا تو باپ بھی دے گا۔''

حنین چپ ہو گئی۔ ''اس کا باپ... خیر کسی اور کے راز کھولنے سے پہلے... ایک اور بات...'' اس نے اب کی بار سر نہیں جھکایا۔ اب سر اٹھا کر بات کرنی تھی۔ آنکھوں میں دیکھ کر۔ اس کے ہاتھ پہ اپنے کمزور ہاتھوں کی گرفت مضبوط کر کے۔

''میں نے کچھ اور بھی کیا ہے۔ جس کی وجہ سے بھائی مجھ سے ناراض ہے۔''

''اور وہ کیا ہے؟'' وہ بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''آپ نے مجھے منع کیا تھا مگر میں بہت اکیلی تھی' مجھے کوئی اپنا دوست نہیں لگتا تھا۔ میں... میں ہاشم بھائی سے ٹیکسٹ پہ بات کرتی تھی... میں...'' اسے لگا فارس کے ہاتھ اس کے ہاتھ سے پھسلنے لگے ہیں' وہ ہلکا سا چونکا تھا' ڈھیلے اعصاب تن گئے تھے' حنین نے اپنے پسینے میں ڈوبے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ پہ گرفت مضبوط کر دی۔ بس ان ہاتھوں کو وہ نہیں چھوڑ سکتی تھی' وہ نہیں کھو سکتی تھی۔

''آئی ایم سوری... مجھے نہیں پتہ تھا میں کیا کر رہی ہوں... میں ان کو پسند کرنے لگی تھی۔ آئی ایم سو سوری... میں کبھی ان سے ملنے نہیں گئی... انہوں نے بلایا تب بھی نہیں... وہ سعدی بھائی کے ساتھ تھے... بھائی کو ٹارچر کرنے کے لئے مجھے کال کر رہے تھے' بھائی اسی لئے خفا ہے مجھ سے۔ میں نہیں گئی مگر کئی ماہ... کئی ماہ میں ان سے بات کرتی رہی... ٹیکسٹ پہ... ایک دو دفعہ کال پہ... مگر میں ان سے بات کرتی رہی... مجھ سے غلطی ہو گئی ماموں... میں غلط راستے پہ چلی گئی تھی... میں بہت بری ہوں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے روتے ہوئے کہہ رہی

تھی۔ آنسو اس کے ہاتھوں پہ بھی گر رہے تھے یا شاید وہ پسینہ تھا مگر وہ ابھی تک مضبوطی سے اس کو تھامے ہوئی تھی۔

وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ چپ۔ پھر اس نے نظریں جھکا لیں۔ حنین وحشت سے اسے دیکھنے لگی۔ دل ڈوبنے لگا۔

اور پھر فارس نے آہستہ سے اپنے ہاتھ نکال لئے۔ اس کے گیلے ہاتھ تنہا رہ گئے۔ وہ شل بیٹھی رہ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ باہر پھیلتے اندھیرے کو دیکھتا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حنین نے اپنے خالی ہاتھ اپنے ہی دامن میں رکھ لئے ساری دنیا ویران ہو گئی تھی۔

''تم نے کبھی اسے کہا کہ تم اس کو پسند کرتی ہو؟'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا پوچھ رہا تھا۔ آواز آہستہ تھی۔ بہت آہستہ۔

''انہیں اندازہ ہو گا۔ وہ ہاشم کا رداریں' میں نے....''

''میں نے پوچھا' تم نے اسے کہا یا نہیں کہا۔'' وہ اب حنہ کی طرف گھوما۔ وہ یک ٹک چہرہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

فارس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس باہر خارج کی اور پھر واپس کرسی کی طرف آیا۔

''سنو حنین!'' وہ سنجیدگی سے اس کے سامنے بیٹھا کہنے لگا تھا۔ ''انسان کا پسند ناپسند پہ اختیار نہیں ہوتا۔ وہ اس کے بعد کیا کرتا ہے اس پر اختیار ہوتا ہے۔ میں نے بھی جیل میں اچھے برے بہت سے کام کیے ہیں۔ اتنی عمر ہو چکی ہے کہ اب میں ایک چھوٹی بچی کو جج نہیں کر سکتا۔ میں اس بات کو دوبارہ ڈسکس بھی نہیں کرنا چاہوں گا۔ مجھے اب صرف اس بات کی پرواہ ہے کہ وہ کورٹ میں کیا پیش کرے گا۔''

''کورٹ؟'' حنہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''کون سا کورٹ؟''

''اگر کوئی ٹرائل ہوا تو وہ تمہیں کورٹ میں بلائے گا اور تمہارے سارے میسیجز پرنٹ کر کے وہاں پیش کرے گا۔ آئی ایم سوری حنہ اگر میں کبھی تمہیں یہ یقین نہیں دلا سکا کہ تم اکیلی نہیں ہو' کہ تم مجھ پہ اعتبار کر سکتی ہو۔ لیکن اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ مجھے اچھا نہیں لگا مگر میں تمہیں جج نہیں کروں گا۔ کوئی بھی چیز میرے دل میں تمہاری محبت کم نہیں کر سکتی۔ اور ابھی میں بھی کچھ بتاؤں گا تمہیں' تاکہ یہ ثابت کر سکوں کہ میں بھی تم پہ اعتبار کرتا ہوں۔ مگر پہلے مجھ پہ بھروسہ کرو اور بتاؤ کہ ان میسیجز میں کیا تھا؟ تم اس سے کیا بات کرتی تھیں؟'' اس نے دوبارہ سے حنہ کے ہاتھ تھام لئے تھے اور وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ نہ نرمی سے نہ سختی سے۔ ضبط اور تحمل سے۔ مگر حنین اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ یک ٹک گم سم سی خلاء میں دیکھ رہی تھی۔

عرصے بعد ایک گتھی سلجھ گئی تھی۔ ایک گرہ کھل گئی تھی۔ ایک سرا ہاتھ میں آ گیا تھا۔

وہ سوال قیامت تھا' اور جواب بھی قیامت سے کم نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حشر کے دن کا غلغلہ شہر کے بام و در میں تھا

نگلے ہوئے سوال تھے' اگلے ہوئے جواب تھے

اگلے چوبیس گھنٹے کہاں غائب ہوئے' پتہ ہی نہیں چلا۔ایک دن طلوع ہو کر ڈھل بھی گیا اور چھاتے اندھیرے نے دیکھا نوشیرواں کاردار اس خوبصورت بنگلے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہا ہے جو کلب کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ادھر ادھر ٹولیوں کی صورت بیٹھے لوگ.....ٹہلتے لڑکے لڑکیاں.....سرو کرتے ویٹرز.....ہر کسی نے آنکھ اٹھا کر.....نظر بچا کر اسے دیکھا تھا۔وہ بڑے دن بعد نہا دھو کر تیار سا' پرفیوم کی مہک میں بسا' گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے' منہ میں چیونگم چباتا چلا آ رہا تھا۔بار کاؤنٹر کا سٹول کھینچ کر بیٹھا اور سیل فون نکالتے ہوئے بار ٹینڈر کو اپنا آرڈر بتایا۔سن گلاسز اتار کر گریبان پہ اٹکائیں اور اسکرین پہ انگلی پھیرتا نیوز فیڈ چیک کرنے لگا۔

سرگوشیوں اور اونچی باتوں میں اسے اپنا نام واضح سنائی دے رہا تھا۔وہ نظر انداز کر کے مشروب کے گھونٹ بھرنے لگا۔اب وہ نہیں چھپے گا۔نہیں ڈرے گا۔کون یقین کرے گا کہ اس نے کسی کو مارنا چاہا ہے؟ چند دن میں لوگ بھول بھال جائیں گے۔

دفعتاً اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا ہے۔شیر دنظر انداز کیے گھونٹ بھرتا' موبائل دیکھتا رہا۔وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔مگر دھیرے دھیرے ایک عجیب سا احساس رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔کلب میں چھاتی غیر معمولی خاموشی۔جیسے سب سرگوشیوں میں بول رہے ہوں' اور پھر چپ ہو گئے ہوں۔

''امریکہ میں ایسے موقعوں پہ مرینڈا رائٹس پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔آفیسر آف لاء کہتا ہے کہ تمہیں خاموش رہنے کا حق ہے' کیونکہ تم جو بھی کہو گے وہ تمہارے خلاف عدالت میں استعمال ہو گا۔''

نوشیرواں کاردار بجلی کی سی تیزی سے گھوما۔اس کی پشت پہ.....سینے پہ بازو لپیٹے.....وہ کھڑا تھا۔وہ جس کا آسیب اس زیرِ تعمیر گھر میں بہتے خون سے نکل کر نوشیرواں کے اندر آ بسا تھا۔وہ آج مجسم صورت اس کے سامنے کھڑا تھا۔اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور آنکھوں میں تپش تھی۔
جیکٹ اور جینز میں ملبوس چھوٹے کٹے بالوں والا لڑکا جس کے منہ پہ زخم کا نشان تھا' اس پہ نظریں گاڑے کہہ رہا تھا۔

''مگر پاکستان میں آرٹیکل تیرہ ہی کافی ہوتا ہے۔دہرانے کی ضرورت پھر بھی نہیں ہے' ہمیں کیونکہ تم خاموشی سے کبھی گرفتاری نہیں دو گے۔''

کسی نے کلب کے لاؤنج کی سفید بتیاں جلا دی تھیں۔مدھم روشنیوں والا خوابناک ماحول یکدم جیسے تیز روشنی میں نہا گیا تھا۔بے رحم سفید روشنی نے سب عیاں کر دیا تھا۔سعدی یوسف کے ساتھ سیاہ وردی والے چند افراد کھڑے تھے۔نوشیرواں کا رنگ پھیکا پڑا۔وہ آہستہ سے جگہ سے اٹھا۔

''میں سیکشن 161 سی آر پی سی کے تحت نوشیرواں اور نگزیب کاردار کو اپنا حملہ آور اور اغوا کار نامزد کرتا ہوں۔مجھے آٹھ ماہ حبسِ بے جا میں رکھنے اور جسمانی ذہنی اذیت دینے کا ذمہ دار بھی ہے۔اور ان کے پاس تمہاری گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔'' نوشیرواں نے فوراً موبائل کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر آفیسر نے اپنی چھڑی اس کے ہاتھ پہ رکھ دی۔

''تم لوگ مجھے یوں گرفتار نہیں کر سکتے۔میرے بھائی کو بلاؤ۔'' وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ چلا کر بولا تھا۔سعدی سینے پہ بازو لپیٹے دو

قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ایک سپاہی آگے بڑھا اور نوشیرواں کے ہاتھ تھامنے چاہے مگر اس نے رکھ کر سپاہی کے منہ پہ مکا جڑ دیا۔

اردگرد تماش بین لڑکے لڑکیوں نے موبائل کیمرے نکال لئے تھے۔ کلک کلک۔ تصاویر اور ویڈیوز بنائی جا رہی تھیں۔ تین سپاہیوں نے اس پہ حملہ کر دیا تھا اور وہ مزاحمت کرتا رہا' چلاتا رہا' گالیاں دیتا رہا انہوں نے اسے پیٹ کے بل کاؤنٹر سے لگایا اور ہاتھ پیچھے سے باندھے۔ ایس ایچ او اب اس کو اس کے حقوق پڑھ کر سنا رہا تھا' اس کے اوپر لگی دفعات کی تفصیل بتا رہا تھا اور وہ کف اڑاتا غصے سے خود کو چھڑاتا مسلسل چلا رہا تھا۔ ہر زاویے سے لوگ دلچسپی سے ویڈیو بنا رہے تھے۔ پولیس والے اس کو لے کر جا رہے تھے' اور سعدی یوسف آخر میں... ان سب کے پیچھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا چل رہا تھا۔ مناظر کی عکس بندی جاری تھی... آوازیں اور شور بڑھتا جا رہا تھا.....

باہر اسے پولیس وین میں ڈالا جا رہا تھا۔ سعدی وین سے ذرا فاصلے پہ کھڑا تھا۔ ہاتھ کمر پہ باندھے وہ سوچتی نگاہوں سے وین کو دیکھ رہا تھا جب ایس پی بخت آور چشتی اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے اس موقع پہ آنے دیا۔" وہ نرمی سے سر کو خم دے کر بولا۔

"سعدی خان' میں ان لوگوں سے نہیں ڈرتا۔ ہم اپنے علاقے کے پیر ہیں' گدی نشین ہیں۔ ہمارے ساتھ بہت سے لوگ ہیں۔ صبح عدالت میں پیشی سے پہلے تک نوشیرواں کاردار کا بھائی کیا' اس کا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آ جائے تو اس کو نہیں چھڑا سکتا۔" پھر اس نے سعدی کے کندھے پہ تھپکی دی۔ "تمہیں انصاف ضرور ملے گا۔ ہر پولیس والا ان کی طرح نہیں ہوتا جن سے تمہارا پہلے پالا پڑا ہے۔ تم بے فکر رہو۔ پولیس اس آدمی کو آج لاک اپ سے نکلنے نہیں دے گی۔" وہ اسے تسلی دے رہا تھا اور سعدی اس پہ یقین کرنا چاہتا تھا۔

مگر جانے کیوں اب کسی پہ یقین نہیں آتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب ڈوبنا ہی ٹھہرا تو پھر ساحلوں پہ کیوں

اس کے لیے تو بیچ بھنور جانا چاہیے

"میرا نام ہے سعدی یوسف۔" نے وہ تہلکہ نہیں مچایا تھا جو نوشیرواں کاردار کی گرفتاری کی ویڈیو نے مچا دیا۔ چند منٹوں میں وہ ویڈیو نیوز چینلز پہ نشر ہونے لگی۔ مختلف زاویوں سے لئے گئے واضح شاٹس جیسے جیسے اسکرین پہ چلتے گئے' کاردار اینڈ سنز کے شیئرز کی مارکیٹ ویلیو گرنے لگی۔ ہاشم کاردار کی پچھتر سے زائد ملٹی کمپنیز سے ایک دم سرمایہ کھینچا جانے لگا اور پہلی دفعہ ہاشم کو احساس ہوا کہ پانی سر سے اوپر ہو رہا ہے۔

وہ ہارون عبید کے ساتھ... وکلاء کا ایک وفد لئے... اس وقت تھانے میں موجود تھا... اور نخوت اور غرور سے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھا تلخی سے ایس پی بخت گیلانی سے مخاطب تھا۔ بحث' دھمکیاں' باتیں' سب گرما گرم ماحول میں بلند آواز میں ہو رہی تھیں۔ سامنے والا بھی اپنے علاقے کا پیر تھا۔ اونچی گدی کا عادی تھا۔ گردن اس کی بھی نہیں جھکتی تھی بس صرف نفی میں ہلتی تھی۔

"اوپر سے دباؤ ہے کاردار صاحب۔ اب میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ صبح فیصلہ عدالت میں ہوگا۔"

"ساری زندگی دیکھی ہیں میں نے عدالتیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ویڈیو میں تو اس لڑکے نے ہم دونوں کا نام بھی لیا تھا' پھر حتمی ایف آئی آر میں صرف میرے بھائی کو نامزد کیوں کیا؟" ان کی بحث جاری تھی۔ ایف آئی آر کے مطابق صرف نوشیرواں کاردار ذمہ دار تھا سعدی کے اوپر کیے گئے تمام مظالم کا۔

باہر برآمدے میں وہ دونوں کھڑے تھے۔ زمر اور سعدی۔ دونوں خاموش سے گہری ہوتی رات کو دیکھ رہے تھے۔

"ہم ہاشم اور ہارون عبید کو کیوں نامزد نہیں کر رہے؟" وہ یہ بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"ہاتھ والا پرندہ جھاڑی والے دو پرندوں سے بہتر ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ تینوں کمزور کیس کی وجہ سے بری ہو جائیں' ہم صرف نوشیرواں پہ فوکس کرتے ہیں۔ اس کے خلاف مضبوط کیس بناتے ہیں۔ اس کو سزا ملی تو ہاشم جیتے جی مر جائے گا۔"

"لیکن وہ پھر بھی آزاد گھومے گا۔" سعدی نے تلخی سے سر جھٹکا۔ اسی پل سامنے سے دو سپاہی نوشیرواں کو ہتھکڑی لگائے چلے آ رہے تھے۔ اس کے چہرے پہ بے چینی تھی اور آنکھوں میں غصہ۔ سر جھٹک منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہ چلتا جا رہا تھا' دفعتاً ان دونوں کو ستون کے ساتھ کھڑے دیکھ کر رکا۔

"میں سمجھا تھا مسز زمر کہ آپ مختلف ہوں گی۔ مگر آپ سب ایک جیسے ہیں۔"

"تم اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔" زمر نے سعدی کے سامنے بازو پھیلا کر گویا دونوں کے درمیان آڑ سی بنائی۔

"تم نے مجھ پہ گولیاں چلائی تھیں۔" سعدی بھی بپھر کر غرایا۔

"تم نے مجھے گالی دی تھی!"

"تو گالی سے جواب دیتے نا۔ گولی سے کیوں دیا؟" وہ اونچی آواز میں بولا تھا۔

"نوشیرواں تم اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں ہم سے بات نہیں کر سکتے۔ اسے لے جائیں۔" وہ تحمل سے سعدی کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سپاہیوں کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کا کہا۔ وہ نوشیرواں کو ساتھ لے جانے لگے مگر وہ مڑ مڑ کر سرخ چہرے سے اسے دیکھتا' مغلظات بکے جا رہا تھا۔

"میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔ عدالت میں تمہارے سب گھر والوں کو گھسیٹوں گا۔ تمہاری بہن کو گھسیٹوں گا۔" سعدی کی مٹھی بھنچی۔ اس نے دانت پیسے۔ تنفس تیز ہوا مگر زمر نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "اس کی باتیں مت سنو۔ نظر انداز کرو۔"

"آپ نے سنا نہیں وہ کیا بکواس کر رہا تھا۔" اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔ چہرے پہ بے بسی در آئی تھی۔

"جب عدالتوں میں معاملے چلے جاتے ہیں نا سعدی تو پھر یہ تو ہوتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ برا ہوگا۔ کیا تم واپس مڑنا چاہتے ہو؟"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''کبھی نہیں۔'' اس نے پورے عزم سے نفی میں سر ہلایا۔

''گڈ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔ سعدی گہرے گہرے سانس لیتا خود کو پرسکون کرنے لگا۔

دور راہداری کے سرے پہ ایس ایچ او کے کمرے کے دروازے پہ ہارون عبید نکلتے دکھائی دیے۔ وہ وہیں رک کر زمر کو دیکھنے لگے۔ زمر نے جواباً سعدی کو دیکھا۔

''تم گاڑی میں بیٹھو میں آتی ہوں۔ جاؤ نا!'' وہ اپنے ذہنی خلفشار سے نہیں نکل پایا تھا' سو مضطرب الجھا الجھا سا آگے بڑھ گیا۔ تب ہارون قدم بقدم چلتے' ستون کے قریب آٹھہرے۔ کلف لگی شلوار قمیض میں ملبوس' وہ چہرے پہ سوچ کی لکیروں کے باعث غیر مطمئن لگتے تھے۔

''مسز زمر... میں نے آپ سے کہا تھا ہم دوبارہ ملیں گے!'' زمر نے بازو سینے پہ لپیٹ لئے اور تحمل سے ان کو سننے لگی۔ ''آپ مجھے تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔ یہ مسئلے بہت تھکا دینے والے ہوتے ہیں۔''

''بلاشبہ ایسا ہی ہے لیکن میں آٹھ دس سال سے روز ایسے مسئلے نپٹاتی آئی ہوں سو آپ میرے لئے فکرمند نہ ہوں۔'' وہ پرسکون سی بولی تھی۔

''مسز زمر!'' انہوں نے اب کے ترحم سے اسے دیکھا۔ ''مجھے آپ سے ہمدردی ہے' اور میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میری مدد کے بغیر یہ کیس کبھی عدالت میں نہیں چل سکتا۔ آپ جج کو خرید بھی لیں تب بھی ہاشم .....'' وہ مزید قریب ہوئے' آواز اب سرگوشی میں بدل گئی تھی اور نظریں زمر پہ جمی تھیں۔ ''کبھی تاریخیں نہیں لینے دے گا آپ کو۔ تاریخ پہ تاریخ دیتا جائے گا۔ لٹکاتا جائے گا۔ بارہ تیرہ سال تک کیس چلے گا۔ ہر سال میں دو پیشیاں ہوں گی۔ گواہ مرکھپ جائیں گے۔ سرکاری ریکارڈ کھو جائے گا۔ اخبارات و میڈیا اس قصے کو بھول چکا ہوگا۔ تیرہ سال آپ تو لڑیں گی' اور آپ لڑ سکتی ہیں لیکن آپ کا یہ پیارا سا معصوم سا بچہ نہیں لڑ سکے گا۔ آپ کو ابھی اندازہ نہیں ہوا مگر وہ ذہنی طور پہ نارمل نہیں رہا۔ وہ یا تو تنگ آ کر خودکشی کر لے گا یا کسی دن جا کر ہاشم کو گولی مار دے گا۔ وہ... اتنا لمبا... انتظار... نہیں کرے گا مسز زمر!''

زمر کی آنکھوں میں کرچیاں ابھریں' مگر گردن مزید اکڑ گئی۔ ''یہ... آپ کا... مسئلہ... نہیں ہے۔'' انہی کے انداز میں بولی۔

''مگر آپ کا تو ہے نا۔ اور وہ کیا ہے کہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔'' وہ نرمی سے ذرا جھک کر بولے تھے۔ ''تیرہ سال... چلیں دس سال بعد آپ کے ہاتھ میں کیا ہوگا؟ اولاد تو آپ کی ہو نہیں سکتی میں واقف ہوں' (زمر کی آنکھوں میں سرخی ابھری) لیکن جو بچے آپ کے لئے اولاد کی طرح ہیں' وہ رل جائیں گے۔ وہ کبھی دوبارہ زندگی شروع نہیں کر سکیں گے۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں کہ میں ہاشم کو راضی کر لوں' اور وہ کیس لڑنے کے لئے تیار ہو جائے۔ بار ایسوسی ایشن کے صدر کو پولیس گولیاں مارتی ہے تو سارے وکیل اکٹھے ہو جاتے ہیں' پولیس کے خلاف کیس لڑتے ہیں' اور چھ سات ماہ میں قاتلوں کو سزا دلواتے ہیں۔ چھ سات ماہ میں

زمر صاحبہ فیصلہ آ جاتا ہے وہ بھی پولیس کے خلاف اس ملک میں جہاں فیصلے آنے میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ مگر کیسے؟ کیونکہ وکیل چاہتے تھے کہ فیصلہ آئے۔ اس ملک میں اگر وکیل نہ چاہے تو کوئی فیصلہ نہیں آسکتا' چاہے اس کے حق میں ہو یا خلاف ہو۔ ہاشم چاہے گا تو کیس چلے گا ورنہ نہیں چلے گا۔ اور ہاشم کو صرف میں راضی کرسکتا ہوں اور کوئی شخص یہ کام نہیں کرسکتا۔ آپ کی وہ نئی رفیق صاحبزادی صاحبہ بھی نہیں۔ اب آپ بتایئے' کیا میں راضی کروں ہاشم کو؟" اب کے وہ پرسکون لگتے تھے' ذرا مسکرا کر ہمدردی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اور یقیناً بدلے میں مجھے کچھ کرنا ہوگا۔ بتایئے' کیا کروں میں جس کے بدلے میں آپ یہ عنایت کریں گے میرے اوپر؟"

"آپ فارس کو چھوڑ دیں!"

آسمان سے کوئی تارہ زور سے ٹوٹ کر گرا تھا' گویا کسی فرشتے نے کسی باتیں اچکنے والے شیطان کو دے مارا ہو۔ تارہ تھا یا آگ کا گولہ۔ زمین پہ گر کر ہر شے کو بھسم کر گیا تھا۔

"میں... فارس کو... چھوڑ دوں؟" وہ چند لمحے سنجیدگی سے ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر ایک دم ہنس دی۔ وہ بھی ہلکے سے ہنس دیے۔

"مگر میں سنجیدہ ہوں مسز زمر۔ فارس کو آپ کچھ دے تو سکتی نہیں ہیں' ویسے بھی آپ گردے کی مریض ہیں' آپ کی زندگی کم رہ گئی ہے' اللہ آپ کو زندگی دے' میری تو یہ دعا ہے' مگر حقیقت پسندی کا مظاہرہ کریں۔ آپ پہلے ہی جس شخص کی زندگی میں بوجھ بنی ہوئی ہیں' اس سے نکل جائیں اور جس بچے سے آپ کو محبت ہے' اس کو اس بوجھ سے آزاد کردیں۔"

"ہارون صاحب۔" اس نے مسکراہٹ دبائے چمکتی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ "آپ اپنی بیٹی کے لیے اتنی تگ و دو نہ کریں تو اچھا ہے۔ اس کی تو ہاشم سے شادی ہو رہی ہے نا' نوشیرواں سے ذکر سنا تھا' سو میرا خیال ہے اس کے مسئلے سنبھالنے کے لئے ہاشم کا ردار کافی ہے' اور رہی میں تو...." بائیں کندھے سے لٹکتے پرس کو اتار کر دائیں پہ منتقل کرتے وہ مسکرا کر بولی۔ "جو میرا ہے... وہ میرا رہے گا!" ایک آخری چمکتی نظر ان پہ ڈال کر وہ مڑ گئی۔

ہارون نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے جاتے دیکھتے رہے۔

چند لمحوں بعد سڑک پہ گاڑی دوڑ رہی تھی۔ ڈرائیونگ کرتا سعدی کچھ کہہ رہا تھا... اور وہ کھڑکی کے باہر بھاگتے پول اور بتیاں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی اور گود میں رکھے پرس میں ڈالا ہاتھ مسلسل اندر موجود ڈبی کھول بند کر رہا تھا۔ ٹک... ٹک... ٹک... ننھے تارے جیسے ہیرے والی لونگ کی ڈبی کا ڈھکنا بار بار گرنے اور اٹھنے کے باعث مدھم سی آواز نکالتا تھا....

ٹک... ٹک... ٹک...

ہاشم رات کے ڈیڑھ بجے تھانے سے گھر چلا آیا۔ پولیس اتنے دباؤ اور جنگل کی آگ کی سی پھیلتی خبر کے بعد کسی صورت نوشیرواں کو رہا نہیں کرسکتی تھی۔ اب مزید کوشش کرنا خود کو ایک جابر اور قانون شکن بااثر آدمی ظاہر کرتا تھا اور فلانتھراپسٹ ہاشم کاردار کے سفید کالر کو یہ گوارا

نہ تھا۔

''ایک لڑکا جس کو میں نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ٹریٹ کیا....'' باہر میڈیا کے نمائندوں کے مائیکس کے سامنے چہرہ کیے' کار کا دروازہ کھولے کھڑا وہ کہہ رہا تھا۔ ''جس کی بازیابی کے لئے سب سے زیادہ کوششیں میں نے کیں' وہ ذرا سے جائیداد کے تنازعے کے باعث میرے بھائی کو اپنے کیس میں دھکیل رہا ہے' مجھے سوچ کر بھی شرم آتی ہے۔ یونوواٹ' میں نے اپنی ساری زندگی قانون کی بالا دستی کی نذر کی ہے' میں اس موقعے پہ اپنے عہدے اور طاقت کا ناجائز استعمال کر کے اپنے بھائی کو بغیر عدالت میں پیشی کے نہیں چھڑواؤں گا۔ اگر اس کا نام ایف آئی آر میں ہے تو پھر وہ اور تگڑے بے کار دار کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو' اس کو قانون کے تقاضوں کو پورا کرنا ہو گا۔ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو دولت یا طاقت کی فراوانی کے باعث خود کو فرعون سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم پیسے والے ہیں' ہمارے اوپر انگلی اٹھانا بہت آسان ہے۔ یونوواٹ' اب مزید میں ان لوگوں کو ''غریب کارڈ'' نہیں کھیلنے دوں گا۔ صبح ہم عدالت جا رہے ہیں اور اپنے بھائی کو وہیں سے چھڑوا کر گھر لائیں گے۔ ہمیں انصاف چاہیے۔ انصاف صرف غریب کے بچے کو نہیں چاہیے ہوتا' ہمیں بھی.... چاہیے!'' اور ہاتھ ہلا کر ''بس'' کا اشارہ کرتا کار میں بیٹھ گیا۔ مائیکس اس کے تعاقب میں جھکے مگر گارڈ کار کا دروازہ بند کر چکا تھا۔ ٹائرز حرکت میں آئے اور کار زن سے آگے بڑھ گئی۔

مورچال کے لاؤنج میں وہ سب بیٹھے ٹی وی اسکرین پہ چلتا نوشیرواں کا کلپ دیکھ رہے تھے۔ (حنین وہاں نہیں تھی۔) سعدی خاموش تھا اور زمر ابا کو بتا رہی تھی کہ کس طرح نوشیرواں اس وقت لاک اپ میں بیٹھا ہے۔

''ہفتے دس دن میں وہ رہا ہو جائے گا' دو دن بعد وہ ملک سے باہر ہو گا' اور اگلے پندرہ سال وہ واپس نہیں آئے گا اور تم دونوں پیچھے سے پیشیاں بھگتانا۔'' فارس نے اپنا کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے نہایت پرسکون انداز میں اطلاع دی۔ ''ویلکم ٹو پاکستان!'' زمر اور سعدی پہ ایک ''ویچھا سوری'' والی نظر ڈال کر' کندھے اچکاتا مگ ہونٹوں سے لگاتا' وہ آگے بڑھ گیا تو زمر پہلو بدل کر رہ گئی۔

''نہیں نکلے گا وہ باہر!'' سعدی اس کے جانے کے چند منٹ بعد ایک دم سے بولا تھا اور پھر اسی طرح اٹھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے۔ زمر بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر بے اختیار سر جھٹکا جیسے کسی کی آواز کو.... صور جیسی آواز کو ذہن سے جھٹکا ہو.... (آپ اسے اس بوجھ سے آزاد کر دیں۔)

وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ سعدی ہے۔ وہ چند دن میں ٹھیک ہو جائے گا اور ہمیں انصاف ضرور ملے گا۔ وہ خود کو تسلی دینے لگی۔ دل سیاہ آسمان میں بار بار ڈوب کر ابھرتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سارا اجوار بھاٹا میرے دل میں ہے مگر
الزام یہ بھی چاند کے سر جانا چاہیے

سعدی نے اوپری منزل پہ بنے اس بیڈروم کا دروازہ کھولا (جو امی نے اس کے لئے تیار کیا تھا) تو اندر اندھیرا تھا۔ موبائل جیب سے نکالتے ہوئے اس نے سر جھکائے سوئچ بورڈ پہ انگلی رکھی تو کمرہ روشن ہوگیا۔ کسی احساس کے تحت اس نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔

اس کے بیڈ کے کونے پہ حنین بیٹھی تھی۔ الجھے سے بال ڈھیلی چوٹی میں بندھے تھے۔ گود میں کاغذوں کا ایک پلندہ رکھا تھا اور زخمی نگاہیں سعدی پہ جمی تھیں۔

''فارس ماموں نے مجھ سے پوچھا کہ.... میں ہاشم سے کیا بات کرتی تھی!''

''حنین میں یہ بات اب ڈسکس نہیں کرنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کچھ عرصے بعد میں اسے بھلا کر تمہیں معاف کر دوں گا اور....'' بیزاری سے سر جھٹکتے وہ آگے آیا تو وہ کھڑی ہوئی۔ اٹھی گردن اور پورے قدم کے ساتھ۔

''معافی مانگی کس نے ہے آپ سے ہاں؟!'' کہنے کے ساتھ اس نے کاغذ سعدی کے قدموں میں پھینکے۔ کچھ نیچے گرے۔ پھڑپھڑا کر بکھر گئے۔

''سعدی یوسف خان!'' اس نے صدمے اور غصے سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے اونچی آواز میں دہرایا۔ ''سعدی... یوسف... خان۔ یہ تھے وہ الفاظ جو ان انیس سو بہتر میسیجز میں پانچ سو چھپن دفعہ استعمال ہوئے ہیں، یہ میرے ان تمام میسیجز کا ریکارڈ ہے جو ان کو بھیجے تھے میں نے۔ بیک اپ سے نکالے ہیں میں نے اور آپ کو دکھانے لائی ہوں۔ دیکھیں اسے۔ پڑھیں اسے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ آپ کو کیا بتاتا رہا ہے، مگر میں اس سے آپ کی بات کرتی تھی۔ آپ کی 'سعدی بھائی' آپ کی بات کرتی تھی میں۔'' بولتے بولتے جذبات سے آواز بوجھل ہوئی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ بالکل خالی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

''پڑھیں ان میسیجز کو۔ نہیں پڑھیں ان کو پلیز۔ میں نے ہمیشہ ان کو ہاشم بھائی کہا، کبھی غلط بات نہیں کی ان سے۔ کسی سے ایسی بات کرنا غلط ہے یا صحیح، اس سے قطع نظر میں نے کبھی ان سے.... کوئی.... غلط بات.... نہیں کی۔ صرف آپ کی یا زمر کی یا گھر میں بڑھتی وحشت کی بات کرتی تھی۔ ہاں میں ان کو پسند کرتی تھی۔ کہیں دور اندر اب بھی پسند کرتی ہوں۔'' اس کی بلند آواز کانپی۔ ''مگر کسی کو پسند کرنا گناہ نہیں ہوتا۔ پسند پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ کیا کرتا ہے، اس پہ ہوتا ہے۔ میرا قصور نہیں ہے اس میں اگر میں ان کو پسند کرتی ہوں۔ جانتے ہیں کس کا قصور ہے؟'' وہ تین قدم آگے بڑھی اور خاموش لب بھینچے کھڑے سعدی کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ کا! آپ کا قصور ہے۔'' آنسو اب خشک تھے اور وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتی غرائی تھی۔ ''آپ تھے جو مجھے ان کے گھر لے کر گئے تھے اس رات جب نوشیرواں نے اغوا کا ڈرامہ کیا تھا۔ آپ تھے جو ہاشم کا لاکر کھولنے میں اور اس کا راز جاننے میں اتنے مصروف ہو گئے تھے کہ آپ کو خیال بھی نہیں گزرا کہ آپ کی بہن دوسرے کمرے میں ہاشم کے ساتھ ہے۔ آپ تھے جنہوں نے اس شخص کی اصلیت ڈیڑھ سال ہم سے چھپائی۔ ہمیں دوبارہ ان کے گھر پارٹی پہ لے کر گئے۔ پھر بعد میں آپ مجھے کہتے ہیں کہ اس کو کیوں بلایا کالج؟ ہاں بلایا تھا میں نے ان کو کالج۔ کیونکہ سعدی بھائی.... وہ قاتل ہے، کرپٹ ہے، جھوٹا مکار ہے، مگر وہ جج مینٹل نہیں ہے۔ وہ گلٹی ہے تو دوسرے گلٹی

لوگوں کو ایسے جج نہیں کرتا جیسے آپ نیک لوگ ہم گناہگاروں کو جج کرتے ہیں۔کیوں بلایا میں نے اسے کالج؟ اس لئے کہ مجھے اس سے امید تھی کہ وہ مجھے برا نہیں سمجھے گا۔آپ سے یہ امید نہیں تھی مجھے۔کیوں بات کرتی تھی میں اس سے؟ کیونکہ مجھے کسی نے....آپ نے بھی بتایا ہی نہیں کہ وہ اندر سے کیسا ہے۔مجھے کیا پتہ تھا وہ کیسا ہے؟ صرف یہ کہہ دینا کہ اس کو کبھی نہیں بلانا آئندہ کافی نہیں ہوتا۔مجھے وجہ نہیں بتائی' مجھے اس کی اصلیت نہیں دکھائی...پھر مجھ پہ الزام کیوں ڈالتے ہیں؟'' وہ شل کھڑا سن رہا تھا اور وہ آخر میں ٹھہر کر....اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے چبا چبا کر بولی۔

''میرے دل کا خون کرنے والے ہاتھ میرے نہیں تھے۔آپ کے تھے!'' پیر کی ٹھوکر سے ان کاغذوں کو مزید بکھیر دیا۔''آپ کا فرض تھا مجھے بتانا' مجھے اس کی اصلیت دکھانا۔میں انیس سو دس کی لڑکی نہیں ہوں جس کو دھونس زبردستی سے 'ڈانٹ ڈپٹ کر آپ کچھ بھی کرنے پہ مجبور کر سکتے ہیں۔میں اکیسویں صدی کی لڑکی ہوں' میرے پاس میرا ذہن ہے اور ذہانت ہے۔میرے دور کی لڑکیوں کے بھائیوں کو یہ بھول جانا چاہیے کہ وہ غصہ کر کے' حکم دے کر' پابندیاں لگا کر اپنی بچیوں کو کسی سے موبائل پہ بات کرنے سے روک سکتے ہیں۔جب تک وہ برابری کے لیول پہ آ کر اپنی بہن کے ساتھ بیٹھ کر اس کو دلائل سے نہیں سمجھائیں گے' وہ ان کی بات نہیں مانے گی۔باہر کے لوگ ہمارا دل ایسے نہیں توڑتے بھائی جیسے ہمارے اپنے مرد ہمیں توڑ جاتے ہیں۔'' آخری لفظ پہ اس نے ہچکی لی اور پھر اس کے ساتھ سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ جا چکی تھی اور سعدی تنہا خاموش کھڑا تھا۔پھر دفعتاً وہ جھکا اور ایک ایک کاغذ اٹھانے لگا۔سب کو اکٹھا کیا' مروڑا کیا اور پھر اسٹڈی ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا۔بغیر پڑھے۔بغیر دیکھے۔اس کا چہرہ اب بھی ویسا ہی تھا۔سنجیدہ اور خاموش۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جلتی ہیں روز جس کے اشارے پہ بستیاں

اس آنکھ تک دھوئیں کا اثر جانا چاہیے

اگلی صبح دھند میں واضح کمی محسوس ہوتی تھی۔سورج نکھرا سا نکلا کھڑا تھا اور ہارون عبید کی رہائشگاہ کے سارے شیشے دھوپ سے چمک رہے تھے۔لاؤنج میں ہارون شلوار سوٹ اور کوٹ میں ملبوس صوفے پہ براجمان سوچتی نگاہوں سے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہے تھے جہاں نوشیرواں کی گرفتاری کی کلپنگ بار بار دکھائی جا رہی تھی۔

''معروف آئی پی پی کا بیٹا نوشیرواں کاردار جس کو کل شام وارنٹ گرفتاری جاری ہونے کے بعد اسلام آباد کے ایک ریسٹ ہاؤس سے گرفتار کیا گیا تھا' اس وقت پولیس کی تحویل میں ہے' اور آج اس کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔جہاں پولیس اس کے جسمانی ریمانڈ کے لئے درخواست دے گی اور قوی امکان ہے کہ ابھی چند دن تک نوشیرواں کاردار اپنے گھر نہیں جا سکیں گے۔''

ہارون نے ریموٹ اٹھا کر بٹن دبایا۔اسکرین بجھ گئی۔وہ کچھ دیر بیٹھے رہے۔خاموش لاؤنج میں خاموشی کی چاپ سنتے رہے۔پھر اٹھے'

اور پیچھے سے قمیض جھٹک کر برابر کرتے آگے بڑھ گئے۔

اوپر آ کر وہ آبی کے کمرے کے سامنے رکے۔ دروازہ کھٹکھٹایا، پھر دھکیلا۔

''آبدار۔ بچے تم نیچے کیوں بیٹھی ہو؟'' وہ بیڈ کی پائنتی کے قریب زمین پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ سرخ بال بکھر کر کمر پہ گر رہے تھے اور آنکھیں گیلی تھیں۔ وہ ترحم سے اسے دیکھتے آگے آئے اور بیڈ کے کنارے آ بیٹھے۔ ''آبی۔'' انہوں نے دوبارہ پکارا۔

''اسے لگتا ہے میں ڈرامہ کرتی ہوں۔ اسے لگتا ہے میں اس کی نیک نامی کے لئے خطرہ ہوں۔'' اس نے گیلی آنکھیں اٹھا کر گلہ آمیز نظروں سے باپ کو دیکھا۔ ''بابا.... مجھے ہر چیز سے وحشت ہونے لگی ہے۔ ہر شخص سے۔''

''آبدار... اتنا نہیں سوار کرتے کسی کو حواسوں پر کہ....''

''یہ اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بابا...'' اس نے شکستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ''میں بہت بری طرح ٹوٹ گئی ہوں۔ میں سارا دن اس کی کال کا انتظار کرتی ہوں۔ میں نے اس کے نمبر کی رنگ ٹون بھی بدل دی ہے کہ اسکرین دیکھنے سے پہلے مجھے اس کی کال کی خبر مل جائے۔ میں ہر چند منٹ بعد واٹس ایپ پہ اس کا لاسٹ سین دیکھتی ہوں۔ اگر وہ آن لائن ہو تو لگتا ہے وہ میری دسترس میں ہے۔ جیسے کوئی ڈوری سی ہو میرے اور اس کے درمیان۔ مگر میں اسے میسج نہیں کر سکتی بابا۔ کیونکہ پھر وہ مجھے بلاک کر دے گا۔ میرا دل بہت ٹوٹا ہوا ہے بابا۔'' اس نے اپنا سر ان کے گھٹنے پہ رکھ دیا اور رونے لگی۔ اس کی رنگت زرد تھی اور حلیہ بے ترتیب۔

''آبی... تم کیا چاہتی ہو؟'' انہوں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آپ نے مجھے کبھی کچھ نہیں دیا۔ میری ماں کو بھی مجھ سے چھین لیا۔ مجھے وقت بھی نہیں دیتے۔ میری سالگرہ بھی یاد نہیں رکھتے۔ آپ مجھے ''وہ'' بھی نہیں دے سکتے۔'' نفی میں سر ہلاتی وہ سیدھی ہوئی اور بند مٹھیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔

''سوائے ہاشم کاردار کے، تم دنیا میں جس کو بھی میرے سامنے لے آؤ گی، میں اسے قبول کر لوں گا۔''

''مجھے ہاشم سے کوئی سروکار نہیں ہے بابا۔'' وہ غصے سے سر جھٹک کر بولی تھی۔ ''مجھے جو چاہیے وہ unavailable ہے۔ وہ شادی شدہ ہے۔ اور آپ... آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے میرے لئے۔ میں بابا اب ساری زندگی تکلیف میں رہوں گی۔''

اس کی سبز سرمئی آنکھوں کے کٹورے پھر سے بھرنے لگے۔ ہارون کچھ دیر غور سے اسے دیکھتے رہے۔

''وہ تمہیں مل جائے گا، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اب اٹھو بچے۔ کھانا کھاؤ، اور کپڑے بدلو، پھر اپنے کلینک جاؤ، خود کو کام میں مصروف کرو۔''

مگر وہ ان کے پہلے الفاظ پہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ ''آپ.... وعدہ کرتے ہیں؟'' مایوسی کے آسمان پہ امید کا تارہ سا چمکا تھا۔

''ہاں میں وعدہ کرتا ہوں۔'' انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر یقین دلایا تھا۔ آبدار کی آنکھوں سے آنسو غائب ہونے لگے اور ان کی جگہ الجھن نے لے لی۔

''مگر.... کیسے؟''

''تم مجھے بتاؤ.... کیسے؟ وہ کیسے آئے گا تمہاری زندگی میں؟''

''وہ جب تک اس کی زندگی میں رہے گی' وہ مجھے نہیں ملے گا بابا۔'' تارہ ڈوبنے لگا۔

''وہ اس کی زندگی سے چلی جائے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں وہ چلی جائے گی۔''

آبدار کی ان پہ جمی آنکھوں میں کچھ چمکا تھا۔ ''کیسے؟ آپ کو کیسے پتہ؟''

''میں نے رات اس کو دیکھا تھا۔ زمر کو۔ میں نے اس سے بات کی تھی۔ سعدی یوسف کے کیس سے متعلق۔ چہرے پڑھنے آتے ہیں مجھے۔ وہ اسے چھوڑ دے گی بہت جلد۔''

''آپ نے اسے کچھ کہا تو نہیں؟ بابا پلیز آپ ان کو کوئی دھمکی وغیرہ نہیں دیں گے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔ میں.....''

''نہیں میں کیوں کچھ کہوں گا؟ مگر میں تمہیں بتا رہا ہوں' وہ اس کو چھوڑ دے گی۔''

''کیا اس نے خود ایسا کہا؟'' آبی کا دل اٹک گیا تھا۔

''نہیں' اسے ابھی خود بھی معلوم نہیں مگر میں تمہیں بتا رہا ہوں بیٹے میں لوگوں کو اخبار کی طرح پڑھتا ہوں' ساری زندگی پڑھتا آیا ہوں۔ وہ ..اسے...چھوڑ دے گی!'' پھر اس کا سر تھپکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''اب فریش ہو جاؤ' میں ڈائننگ ٹیبل پہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ کھانا اکٹھے کھاتے ہیں۔''

آبدار کے لبوں پہ نرم مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھنے لگی۔ قدموں میں بالکل جان نہیں تھی۔ جانے کب سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ہارون اب اسے سہارا دے کر کھڑا کر رہے تھے۔ چند دن میں ہی وہ اتنی کمزور نظر آنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وحشتیں بڑھتی گئیں ہجر کے آزار کے ساتھ

اب تو ہم بات بھی کرتے نہیں غمخوار کے ساتھ

دانتے کی جہنم جیسا احاطہ عدالت آج بھی لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ نوشیرواں کا ردار کو سپاہی ہتھکڑیوں میں مقید کیے اپنے ساتھ چلاتے لا رہے تھے۔ وہ اسی ویسٹ میں ملبوس تھا جس میں ساری رات لاک اپ میں بیٹھے کاٹی تھی۔ سردی کے باوجود آستین چڑھا رکھے تھے۔ چہرے پہ سنجیدہ تاثر تھا اور آنکھیں شب بیداری کے باعث گلابی پڑ رہی تھیں۔ سامنے سے انسان چلے آ رہے تھے۔ بے نیاز' تیز تیز چلتے ہوئے۔ عجیب خوفناک لوگ۔ اور پھر ان کا شور ہی شور۔ وہ سامنے دیکھ کر نہیں چل رہا تھا' نظریں جھکی تھیں۔ اسے راہداری میں چلتے اپنے قدم نظر آ رہے تھے۔ ساتھ میں ہاشم کے چمکتے بوٹ بھی۔ سپاہیوں کے رگڑ رگڑ کر پالش کیے جوتے بھی۔ آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ وکلاء کی فوج ان کے ہمراہ تھی۔ سامنے کھڑے صحافی اور کیمرہ مین سوالوں کی بوچھاڑ کرتے الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہے تھے۔

''ہاتھ اٹھا کر وکٹری کا نشان بناؤ اور مسکرا کر یہاں سے گزرو۔'' ہاشم نے قریب میں سرگوشی کی۔ اس نے ایک نظر اٹھائی اور جبراً مسکراہٹ لاتے وکٹری کی دو انگلیاں اوپر اٹھائیں۔ ایک رات لاک اپ میں کاٹنے کے بعد اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس برزخ سے اسے ہاشم کے علاوہ کوئی نہیں نکال سکتا اس لیے وہ اس کا ہر حکم ماننے کا پابند تھا۔

صحافیوں کا ہجوم ایک جگہ آ کر رکنا تھا' رک گیا' وہ لوگ آگے بڑھتے گئے۔ شیرو نے وکٹری کی انگلیاں گرادیں۔

''یہ ہمارے انویسٹرز کے لئے تھا' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم پر اعتماد ہیں۔'' ہاشم اسے کہہ رہا تھا۔ وہ نہیں سن رہا تھا۔ نظریں پھر سے جھکا دی تھیں۔

''زیادہ سے زیادہ سات دن تک رہنا پڑے گا تمہیں لاک اپ میں' پھر جیل بھیج دیں گے۔ اس کے بعد میں ضمانت کروالوں گا' مگر ان سات یا دس دن میں تمہارا اندر رہنا بہتر ہے۔ optics کے لئے یہ اچھا ہے۔ کوئی بھی خبر میڈیا پہ اس سے زیادہ نہیں شور مچاتی۔ خبر دب جائے گی' لوگ تھک کر چپ ہو جائیں گے۔ ان سات دنوں میں ہم تین پارٹیز دیں گے مختلف جگہ چیریٹی گیدرنگز میں جا کر پیسہ لٹائیں گے۔ یو نو۔ optics کے لئے۔ چند ایک photo -ops کے بعد ہمارا امیج اور ہماری خیرات اس سارے گند کو دبا دے گی۔ صرف سات دن شیرو....''

الفاظ مدھم ہو رہے تھے.... کٹے کٹے سنائی دے رہے تھے۔ وہ بالکل سر جھکائے چلتا رہا۔ وہ ہاشم کو نہیں بتا سکتا تھا کہ لاک اپ کی ایک رات نے اسے ذہنی طور پہ کتنا پیچھے دھکیل دیا تھا۔ وہ رات کتنی ڈراونی تھی۔ کتنی خوفناک تھی۔ ہر جگہ زیر تعمیر گھر میں بہتا خون کا تالاب نظر آتا تھا۔ اور.... وہ چہرہ.... وہ نیچے گرے' بوٹ کی ٹھوکروں سے زخمی لڑکے کا لہولہان چہرے کے ساتھ کہنا.... اللہ حساب لے گا....

نوشیرواں نے چہرہ اٹھایا۔ فضا میں مانوس سی خوشبو تھی۔ کافور کی سی۔ باسی گلاب کی خون آلود پتیوں کی سی مہک۔ اس نے سر اٹھایا۔

سامنے' ایک دروازے کے ساتھ وہ دونوں کھڑے تھے۔ زمر اور سعدی۔ وہ دونوں چبھتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی نظریں سعدی سے ملیں۔ ان میں نفرت تھی۔ تپش تھی۔ اور ایسے زخم تھے جن کو مندمل ہونے میں صدیاں بیت جاتی ہیں۔

''میں دیکھ لوں گا تم سب کو۔'' ہاشم نے انگلی اٹھا کر تنفر سے کہا تھا۔ سعدی اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ''تم لوگوں کو بیس سال عدالت میں نہ لٹکایا تو دیکھنا۔'' اور شیرو کا منظر بدلتا گیا۔ راہداری آگے بڑھتی گئی۔ وہ دونوں خاموش کھڑے مجسمے پیچھے رہ گئے....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایسا ہے کہ سینے میں سلگتی ہیں خراشیں

اب سانس بھی ہم لیں گے تو اچھا نہ کریں گے

سردی کا زور ہر گزرتے دن کے ساتھ کم ہوتا جا رہا تھا۔ جیل کے احاطے پہ گرتی سنہری روشنی سلاخوں سے لپٹ لپٹ کر ان کو پگھلا رہی تھی۔ چند اہلکاروں اور سادہ لباس میں موجود افسران کی معیت میں نوشیرواں کاردار چلتا ہوا صحن میں آگے بڑھ رہا تھا۔ جیل کا اے بلاک

اصولاً صرف اے کلاس قیدیوں کے لئے ہونا چاہیے تھا مگر یہاں ہر طرح کے قیدی تھے اور وہ اتنے کوئی خاص پڑھے لکھے اور خاندانی نہیں لگتے تھے۔ برآمدوں میں کھڑے قطار در قطار سفید پیلے لباس والے قیدی سرگوشیاں کرتے اس نوجوان کو اندر آتے دیکھ رہے تھے۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ ان کو نہ دیکھے مگر پیشانی پسینے میں تر تھی' اور دل کی دھڑکن تیز تھی۔ اسے شدید گرمی لگ رہی تھی مگر وہ اظہار نہیں کر پا رہا تھا۔

راہداری میں سے گزرتے اس نے سلاخوں والے دروازوں کے ساتھ ٹولیوں میں کھڑے لوگوں کو چبھتی آنکھوں سے خود کو دیکھتے پایا۔

اور جانے کہاں سے وہ آواز کان میں پڑی۔

''اس نے فارس غازی کے بھانجے پہ گولی چلائی تھی۔''

نوشیرواں کے حلق میں کچھ اٹکا۔ قدم لڑکھڑائے مگر وہ چلتا رہا۔

''اس نے غازی کے بھائی اور بیوی کو مارا تھا۔''

وہ نہیں کہہ سکا کہ ایسا نہ تھا۔ کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔

مختلف راہداریوں اور برآمدوں سے گزرتے ہوئے اس نے لوگوں کی بہت سی باتیں سنیں۔ وہ اس پہ ہنس رہے تھے' غصہ کر رہے تھے' اسے غازی کا مجرم گردان رہے تھے۔ وہ اسے گالیاں دے رہے تھے۔ ماں کی۔ بہن کی۔ بیٹی کی۔ وہ اس کا تمسخر اڑا رہے تھے۔

اس کی بیرک آ گئی تھی۔

وہ صاف ستھرا کشادہ سا کمرہ تھا۔ بیڈ' صوفے' روم ریفریجریٹر' اے سی' اٹیچ باتھ' ایل سی ڈی ٹی وی' ڈی وی ڈی پلیئر' سب میسر تھا وہاں۔ اہلکار اس کو بستر پہ آرام کرنے کا کہہ کر اپنے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروا رہا تھا۔ نوشیرواں سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھتا بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ وہ خاموش تھا۔ بالکل گونگوں کی طرح خاموش۔

ایک گالی کا برداشت کر لینا انسان کو کتنی گالیوں سے بچا لیتا ہے۔ کاش وہ ایک گالی برداشت کر لیتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اے دل ذرا سی جراءت رندی سے کام لے
کتنے چراغ ٹوٹ گئے احتیاط میں

ڈاکٹر سارہ اپنے آفس میں گردن جھکائے بیٹھی' میز پہ رکھی نوٹ بک میں کچھ لکھ رہی تھی جب دروازہ ذرا سی آہٹ سے کھلا۔ سارہ نے قلم دانتوں میں دبائے آنکھیں اوپر اٹھائیں تو ٹھہر گئی۔ قلم دانتوں سے نیچے گرا۔ چہرہ ساکت ہو گیا۔

چوکھٹ میں سعدی کھڑا تھا۔ اور وہ پرانا سعدی بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ جینز کے اوپر جیکٹ پہنے' وہ آنکھوں میں چبھتی ہوئی تپش لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سعدی!'' اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔

''تو یہاں چھپی ہوئی تھیں آپ؟'' اس کا لہجہ بھی بدلا ہوا تھا۔ سارہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ رنگت پھیکی پڑی۔

''سعدی!''

''مجھے کچھ نہیں سننا۔ میں یہاں اپنی جاب واپس لینے بھی نہیں آیا۔'' وہ اس پہ برہم نگاہیں جمائے چند قدم آگے آیا۔ ''میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں ڈاکٹر سارہ غازی کہ آپ میرے حق میں گواہی دیں گی یا نہیں؟''

''تم مجھ سے میرا حال بھی نہیں پوچھو گے؟'' اس کو دکھ ہوا۔

''نہیں، کیونکہ مجھے معلوم ہے آپ عافیت سے ہوں گی۔ یہ عافیت جو آپ نے خاموش رہنے کے عوض چنی تھی یقیناً دیرپا ہو گی۔ میں ادھر قید میں مر رہا تھا اس سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سو میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ... گواہی... دیں گی... یا نہیں؟'' وہ زور دے کر بولا۔ اتنے مہینے بعد ملاقات ہو رہی تھی اور پہلے جیسی کوئی بات ہی نہیں تھی۔

''میں تمہاری طرح بہادر نہیں ہوں سعدی!''

''میں بھی بہادر نہیں ہوں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے میں نے کتنی راتیں جاگ کر گزاری ہیں صرف خوف کے عالم میں۔ سو مجھ سے بہادری کی بات مت کیجئے۔ میں صرف یہی بتانا چاہتا تھا۔ کورٹ آپ کو بلائے گی۔ اور آپ کو آنا ہو گا۔ اگر آپ اپنی مجرمانہ خاموشی کا مداوا کرنا چاہتی ہیں تو آپ آئیں گی ورنہ میرے خاندان اور خود مجھ سے آپ کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔''

''تم اتنے سخت دل کیسے ہو سکتے ہو سعدی!'' وہ افسوس سے بولی تھی۔

وہ ایک دم تیزی سے آگے آیا۔ ''میں نے... بھروسہ کیا آپ پر... آپ کو ایک قیمتی چیز دی۔ آپ نے اس کو بھی کھو دیا۔ آپ نے میرے لئے گواہی بھی نہ دی۔ اگر اس وقت آپ کچھ بول دیتیں تو حسین... میرے گھر والے... وہ اتنے ماہ ہاشم کے قریب نہ ہوتے۔ اس لئے دل کی سختی کی بات مجھ سے مت کریں۔ اور فیصلہ کریں۔'' ایک قہر آلود نگاہ اس پہ ڈال کر وہ باہر نکل گیا اور اپنے پیچھے دروازہ زور سے بند کر دیا۔ سارہ فکرمندی وہیں کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پہ گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی مرے واقعات میں

تیز دھوپ میں بینک کی عمارت جھلس رہی تھی۔ بیرونی سیڑھیاں اترتا پی کیپ سے چہرے پہ سایہ کیے کرنل خاور والٹ جیب میں ڈالتا چلا آ رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ اس نے زینے اترتے اچنبھے سے موبائل نکالا پھر دھوپ کے باعث اسکرین پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر دیکھا۔ جلتا بجھتا نمبر شناسا سا تھا۔ بہت شناسا سا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ تیزی سے فون کان سے لگاتا، مگر محتاط سا ''ہیلو'' کہتا کار کی طرف آیا۔

''خاور!''میں بول رہا ہوں!''ہاشم کی سنجیدہ آواز سنائی دی تھی۔خاور کے چہرے پہ بہت سے رنگ ابھرے....جذبات....دکھ....مگر جب بولا تو لبوں سے بس اتنا نکلا۔

''لیس سر!''

''میں جانتا ہوں تم کہاں ہو'تمہارا نمبر بھی ٹریس کروالیا ہے'لیکن....میں کسی کو تمہیں پکڑنے نہیں بھیج رہا۔''وہ رکا۔اس کی آواز دھیمی تھی اور تاسف انگیز تھی۔

''خاور....میں بہت اکیلا ہوں۔مجھے تمہاری ضرورت ہے۔شیرو جیل میں ہے اور چیزیں میرے ہاتھ سے نکلتی جارہی ہیں۔''

''میں جانتا ہوں سر!''وہ چلتے چلتے سایے میں کھڑی کار تک آ گیا تھا۔ایک دم جیسے سکون سا آ گیا'جھلساتی دھوپ سے سائبان مل گیا ہو۔

''مجھے ہر حالت میں اس کیس کو....یوسف خاندان کو....کچلنا ہے۔تم میری مدد کرو گے؟ہر بات بھلا کر۔جو میں نے تمہارے ساتھ کیا' میں جانتا ہوں تم مجرم نہیں تھے'اگر تم اس سب کو بھلا سکو تو میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ایوبیہ والے کاٹیج میں....کل شام پانچ بجے کے قریب....اگر تم دوبارہ میرے لئے کام کرنا چاہو تو میں انتظار کروں گا تمہارا۔''

''جو حکم سر!''خاور کی آواز بھیگ گئی تھی۔ہاشم کی کال بند ہو چکی تھی اور وہ اس سائبان میں کتنی ہی دیر کھڑا رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں گلابی نمی تھی مگر چہرے پہ طمانیت تھی۔سر اٹھا کر اس نے ایک تشکر آمیز نظر آسمان پہ ڈالی'پھر کار میں بیٹھا۔

کار چلانے کی بجائے وہ موبائل پہ ای میل چیک کرنے لگا۔دو دن قبل کی موصول ہوئی ای میل جسے وہ بار ہا پڑھ چکا تھا'ایک دفعہ پھر کھولی۔

''میں جانتا ہوں تم میری میل ضرور پڑھو گے۔وقت تمہارے ہاتھ میں ہے خاور'چوائس تمہارے ہاتھ میں ہے۔اگر تم اپنے تمام گناہوں کا کفارہ دینا چاہتے ہو تو کاردارز کے خلاف گواہی دو۔میرے حق میں گواہی دو۔ہم تمہیں دو قتلوں کے لئے معاف کر دیں گے۔تمہارا دامن صاف ہو جائے گا۔وقت ابھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔

سعدی یوسف خان''

''تم سے معافی مانگی کس نے ہے؟''اس نے نفی میں سر جھٹکتے ہوئے تنفر سے کہا اور اگنیشن میں چابی گھمائی۔گاڑی میں ایک دم حرکت سی بیدار ہوئی تھی جیسے منجمد ہوئی وفا ایک لمحے میں جاگ اٹھتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ بستی ہے ستم پروردگاں کی
یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے

شام شہر کے دوسرے حصے پہ بھی ٹھنڈی سی پھیل رہی تھی۔ اس آفس میں خاصا رش تھا۔ لوگوں کی چہل پہل' کیبن کے ساتھ ٹولیوں میں کھڑے ورکرز' شور' آوازیں۔ ایک آفس کے شیشے کے دروازے بند تھے اور اندر سفاری سوٹ میں ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا' ریسیور کان سے لگائے تیز تیز پنجابی میں کچھ کہے جا رہا تھا۔ سامنے دو کرسیوں میں سے ایک پہ سعدی بیٹھا تھا۔ آگے ہو کر' مضطرب' بے چین۔ دوسری پہ فارس پیچھے ہو کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' آرام دہ انداز میں بیٹھا' مسلسل دو انگلیوں سے کان کی لو مسل رہا تھا۔

''ہاں جی میں فائل ملتے ہی آپ کو خبر کرتا ہوں۔ اچھا جی۔'' اس نے ریسیور رکھا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسائے آگے کو ہو کر سعدی کو مخاطب کیا۔ ''ہاں جی۔ سعدی یوسف صاحب۔ یہ شو شروع ہونے سے پہلے کا ایک گھنٹہ ہے اور اس وقت میں عموماً کسی سے ملتا نہیں' لیکن خصوصی طور پہ آپ کو بلایا ہے تو آپ سمجھ سکتے ہوں کہ اہم بات کرنی ہوگی۔'' وہ عینک اتار کر میز پہ رکھتے معروف مگر خشک سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے آپ کے سیکرٹری نے فون پہ کہا تھا کہ آپ میرا انٹرویو کرنا چاہتے ہیں۔'' سعدی نے سنجیدگی سے کہا۔ بار بار وہ فارس کو دیکھتا تھا جو بالکل خاموش بیٹھا تھا۔

''ہاں جی' ایسا ہی ہے۔ دس بجے کے شو کے ٹی آر پی ز آپ جانتے ہیں کیسے آسمانوں سے بات کرتے ہیں' اوپر سے ملک کا نمبر ایک چینل ہے اور میری شکل اور ساکھ سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔''

''جیلانی صاحب' مجھے دوسرے چند چینلز سے بھی کال آئی ہے۔'' سعدی درمیان میں تیزی سے بولا۔ ''لیکن میں آپ سے ملنے اس لئے آیا ہوں کیونکہ میں اپنی کہانی صرف ایک دفعہ سنانا چاہتا ہوں اور کسی ایسے شو اور ایسے چینل پہ جہاں مجھے لگے کہ واقعی پورا ملک مجھے دیکھ اور سن رہا ہے۔''

''بالکل جی' ویسے بھی اگلے ہفتے سے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو رہا ہے' آپ کی کہانی کے لئے کسی کے پاس وقت نہیں ہوگا' بعد میں اگر کیس چلتا ہے تو عدالت میڈیا ٹرائل پہ پابندی لگا دے گی اور آپ انٹرویو نہیں دے سکیں گے' یہی وقت ہے آپ کو اپنی کہانی بیچنی ہے۔ میرے دو شوز... ایک میں بات کور نہیں ہوتی نا۔ سو دو شوز کریں گے ہم... اس منگل اور بدھ کو... دو شوز میں آپ اسٹار بن جائیں گے۔ سوشل میڈیا سے نکل کر آپ ہر شخص کے گھر تک جا پہنچیں گے۔''

''اوکے!'' سعدی نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ پھر فارس کو دیکھا۔ وہ خاموش بے نیاز سا لگ رہا تھا۔ شاید لبوں میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ پھر تیس لاکھ جمع کرا دیں' لیکن کیش کی صورت میں۔ بینک اکاؤنٹ ڈیٹیلز میں کسی کو دیتا نہیں ہوں' مسئلے ہو جاتے ہیں بعد میں۔ یہ میرا ایڈریس ہے' آپ ادھر پیسے لے آیئے گا' اسی ہفتے پھر ہم منگل اور بدھ کے دو شوز کر لیں گے۔'' کاغذ پہ پتہ لکھ کر اس نے سعدی کی طرف بڑھایا جو پلک جھپکے بنا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''تیس لاکھ کس چیز کے؟''

''چلو جی!'' جیلانی نے اکتا کر پہلو بدلا۔ ''دیکھو بیٹا میرے شو کا وقت ہونے والا ہے اب فضول کی بحثوں اور جائز نا جائز کے چکروں میں پڑنے کا وقت نہیں ہے میرے پاس' نہ توانائی ہے۔ بغیر پیسوں کے یہاں کوئی تمہیں شو میں نہیں بلائے گا' میرے جیسا اینکر تو کبھی بھی نہیں۔ اوہ بیٹا...'' پھر سمجھانے والے انداز میں کہنے لگا۔ ''اس میں کوئی غلط بات نہیں ہے' پرائم ٹائم پہ اشتہار چلوانے نا... تیس سیکنڈ کے اشتہار کو ایک دفعہ چلوانے کی تین لاکھ سے کم فیس نہیں ہوتی۔ صرف ایک دفعہ کی بات کر رہا ہوں میں۔ یہ موبائل کمپنیاں' شیمپو والے یہ لوگ' روز کے کروڑوں کے اشتہار چلواتے ہیں۔ میں تمہیں پرائم ٹائم کے دو گھنٹے دے رہا ہوں' تیس لاکھ اس لحاظ سے کم ہیں مگر چونکہ تم نے اتنی جرات کا مظاہرہ کیا ہے' اتنا ظلم ہوا ہے تمہارے ساتھ اس لئے یہ رعائیت ہے تمہارے لئے۔ آگے تم سوچ لو۔ کاردارز کے خلاف اپنی کہانی بیان کرنے نکلو گے تو بغیر پیسوں کے کوئی اسٹوڈیو میں گھسنے بھی نہیں دے گا۔''

سعدی اٹھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ فارس دھیرے سے کھڑا ہوا مسکرا کر جیلانی صاحب سے ہاتھ ملایا۔ ''میں اسے سمجھا دوں گا۔ ہم پیسوں کا بندوبست کر لیں گے۔ آپ شو کی تیاری رکھیں۔'' متانت سے کہہ کر وہ اس کے پیچھے آیا۔

وہ تیز تیز پارکنگ ایریا میں چلتا جا رہا تھا۔ باہر آسمان اب گہرا سیاہ ہو رہا تھا۔ اکا دکا تارے بھی ابھرنے لگے تھے۔

''سعدی!'' وہ کار تک پہنچا تو فارس تیز تیز چلتا اس سے آملا۔ ''ہم پیسے دے سکتے ہیں' ہمارے پاس ہیں پیسے!''

سعدی نے بے یقینی اور دکھ سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ''میں اس شخص کا دوبارہ نام بھی نہیں سننا چاہتا۔ اور کیوں دیں ہم پیسے؟ میں انصاف لینے اس لئے نکلا تھا تا کہ مجھے کوئی غلط کام نہ کرنا پڑے' تا کہ میں قانون کا راستہ اپناؤں' فرنٹ ڈور سے اپنی منزل میں داخل ہوں۔ نہیں استعمال کرنے مجھے یہ بیک ڈورز۔'' شدتِ غم سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ ''اور آپ وہاں بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ ایک لفظ نہیں بولے اور نہیں تو دو چار رکھ کے تو جڑ ہی سکتے تھے اس اینکر کو۔''

''استغفراللہ میں شریف آدمی ہوں۔ ایسا کیوں کرتا؟'' وہ خفا ہو کر کہتا گھوم کر ڈرائیونگ ڈور کی طرف بڑھ گیا۔ سعدی اسی طرح غم و غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیل کی رہگزر ہوئے' ہونٹ نہ پھر بھی تر ہوئے

کیسی عجیب پیاس تھی' کیسے عجب سحاب تھے!

اوائل مارچ کی وہ شام اپنے نیلے اندھیروں میں ڈھیروں تارے ٹانکے چھایا بنی کھڑی تھی۔ موسم سرد اور خنک تھا۔ ساکت۔ جامد۔ ہاشم کاردار خوبصورتی سے آراستہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ صوفے شام کے اندھیروں جیسے نیلے تھے اور ان پہ سنہرے اجلے اجلے سے کشن رکھے تھے۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے' گرے سوٹ میں ملبوس' وہ گاہے بگاہے کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا.....

ایوبیہ کی اس آبادی سے دور گھنے درختوں سے ڈھکی وادی میں اونچائی پہ بنا وہ خوبصورت بنگلہ گہری شام میں روشن نظر آتا تھا۔ خاور نے

باہر سڑک پہ کھڑے گردن اٹھائے اس بنگلے کی روشن کھڑکیوں کو دیکھا.....

ہاشم کاردار منتظر خاموش سا صوفے پہ بیٹھا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ وال کلاک کو بھی دیکھتا تھا۔ چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ تھا' مگر وقت نکلا جا رہا تھا۔ جانے کتنی دیر لگے اسے آنے میں۔ وہ سوچ رہا تھا.....

سڑک پہ کھڑا خاور بہت امید سے اس گھر کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ خیال آیا کہ ہو سکتا ہے ہاشم اس کو صرف اس لئے دوبارہ رکھنے پہ مجبور ہوتا کہ وہ گواہی نہ دے ڈالے۔

ہاشم اب صوفے سے اٹھا اور ایک دفعہ پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے ڈرائنگ روم میں ٹہلنے لگا۔ دائیں سے بائیں۔ بائیں سے دائیں.....

''نہیں!'' خاور نے دور نظر آتے بنگلے کو دیکھتے ہوئے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ ہاشم کو اس کی بے گناہی کا یقین آ گیا ہے۔ وہ اس کو اس کے لئے چاہتا ہے۔ وہ اس کو اس کی خدمات کے عوض واپس بلا رہا ہے۔ وہ اس کا مالک ہے۔ اور اس غلامی پہ اسے فخر ہے۔ خاور کی گردن اکڑ گئی۔ دل میں سکون سا اتر گیا.....

ڈرائنگ روم میں ٹہلتا ہاشم اب سوچتے ہوئے دو انگلیاں گال کے زخم پہ پھیر رہا تھا جہاں صبح شیو کے دوران کٹ لگا تھا۔ وہ گہری سوچ میں تھا' گویا درد کا احساس نہیں ہو رہا تھا.....

خاور سڑک پہ قدم قدم آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ بنگلے کا آہنی گیٹ آن پہنچا۔ وہ کھلا تھا۔ کوئی ملازم' کوئی گارڈ نہ تھا' اور ایسا صرف تب ہوتا تھا جب گھر کا کوئی فرد وہاں ہوتا تھا۔ خاور ہلکا سا مسکرایا۔ اپنائیت سی محسوس ہوئی۔ اس خاندان کو وہ کتنے اچھے سے جانتا تھا۔

ہاشم ابھی تک دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہا تھا' جب وہ رکا۔ باہر لابی سے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ بڑھتے قدم سنائی دے رہے تھے۔ ہاشم نے گہری سانس لی۔ بالآخر... انتظار ختم ہوا.....

خاور بنگلے کے برآمدے تک آ پہنچا تھا۔ اسے اب کسی کا ڈر نہ تھا۔ ہاشم کی آواز کا وثوق' یقین' مان... اسے اس پہ بھروسہ تھا۔ اس نے مرکزی دروازہ کھول کر دھکیلا۔ لکڑی کا پٹ چرچراتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔ اندر روشنی تھی مگر سامنے کوئی نظر نہ آتا تھا۔ خاور سر سے اونی ٹوپی اتارتا اندر داخل ہوا... اسی لمحے پیچھے سے اس کی گردن میں کوئی نوکیلی شے آ کر لگی۔ وہ بے یقینی سے واپس پلٹا' مگر ٹرینکولائزر ڈارٹ کا اثر روشنی کی رفتار سے اس کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ گھٹنوں کے بل' بے یقین' دنگ' چہرہ اٹھایا تو دھندلا سا نظر آیا۔ سامنے سٹنگ روم سے کوئی چلتا آ رہا تھا.... خاور نے پلکیں جھپکائیں۔

''ہاشم!'' لبوں سے بدقت نکلا مگر وہ دیکھ سکتا تھا کہ آنے والا ہاشم نہ تھا۔

''ہیلو کرنل خاور۔ مجھے احمر شفیع کہتے ہیں۔ اور رہے ہاشم صاحب تو وہ اس وقت اسلام آباد میں ہیں... اور ان کو اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ سونی کی دوست کی سالگرہ میں شرکت کرنے جانا ہے۔''

ادھر اسلام آباد میں شہرین کے گھر کے سٹنگ ایریا میں ٹہلتا ہاشم آوازیں سن کر ٹھہر گیا تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور دو ملازموں کے ہمراہ شہری اور سونی آتی دکھائی دیں۔ دونوں سجی سنوری اور خوبصورت لگ رہی تھیں۔ سونی بابا کہتے ہوئے فوراً سے اس کی طرف بھاگی۔

''اتنی دیر لگا دی تم نے۔ میں کب سے انتظار کر رہا تھا۔'' وہ سونی کو اٹھا کر اس کے گال چومتا بظاہر مسکرا کر مگر درحقیقت دبے دبے غصے سے شہری سے بولا تھا۔

''میری اسٹائلسٹ کی وجہ سے دیر ہوئی ہے۔ اب چلیں۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کر اپنا سیل فون بیگ میں ڈال رہی تھی۔ وہ سونی کو اتار کر اس کے قریب گیا۔

''آئندہ اس طرح کے دعوت نامے قبول کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھا کرو۔''

شہری نے اچنبھے سے مسکارے سے لدی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''کیوں؟''

''کیونکہ لوگ ہمارے بارے میں۔ شیرو کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ سونی کچھ سنے۔'' وہ دبی آواز میں گھرک کر بولا تھا۔

''ایسے کام کرنے سے پہلے سوچا کرونا۔'' وہ ناک سکوڑ کر بولتی آگے بڑھ گئی۔ وہ جو کوفت زدہ کھڑا تھا سونی کے خود کو دیکھنے پہ مسکرایا اور اس کے ہمراہ دروازے کی طرف بڑھ گیا.....

خاور کی آنکھ کھلی تو منظر چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے پلکیں جھپک جھپک کر دیکھنا چاہا' مگر.....دھندلی دھند تھی۔ نمی سی نمی تھی۔ وہ کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ ڈکٹ ٹیپ سے۔ کہنیوں سے گھٹنوں تک سلور ٹیپ لپیٹ لپیٹ کر اس کو جکڑا گیا تھا۔ اس نے آنکھیں بار بار جھپکتے گردن جھکائی۔ سخت سردی میں وہ بغیر سوئیٹر حتیٰ کہ بغیر شرٹ کے بیٹھا تھا۔ جینز' جوتے جرابیں' سب اسی طرح پہنے ہوئے تھے مگر کندھے برہنہ نظر آتے تھے۔ اس نے پھر سے چہرہ اٹھایا۔

آج بھی سامنے.....دور.....ایک مرد اور عورت کھڑے تھے..... مگر آج وہ فوڈی ایور آفٹر کے کچن میں دشمن کے سامنے قید نہیں کھڑا تھا۔ آج مقابل اپنے تھے.....

''ہاشم!'' اس کے لبوں سے پھنسا پھنسا سا نکلا آنکھوں میں' دل و دماغ میں ابھی بھی بے یقینی تھی۔

''ہاشم کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ تم کہاں ہو' خاور!'' مسکراتی ہوئی جواہرات آگے چلتی آئی۔ احمر وہیں کھڑا رہا۔ ہاتھ باندھے۔ خاموش۔

''ہاشم نے.....مجھے بلایا تھا۔''

''ہاشم نے تمہیں نہیں بلایا تھا۔'' وہ شیرنی کی سی آنکھیں اس پہ جمائے مسکرا کر بولی تھی۔ احمر قدم بقدم چلتا سامنے آیا۔

''وہ کال میں نے کی تھی۔ ہاشم کی چند ریکارڈنگز سے الفاظ توڑ توڑ کر نکالے' ان کو جوڑا' اور تمہیں سنوا دیا' کرنل خاور۔ کمال طریقہ تھا۔

اور تمہارا ہی تھا۔تم سے ہی سیکھا ہے۔ایسے ہی کبھی تم نے زمر کو بھی کال کیا تھا نا۔کال پہ کسی اپنے کی پورے یقین سے کہی ہوئی بات پہ سب یقین کر لیتے ہیں۔آج تم نے بھی کر لیا۔" وہ کہہ رہا تھا اور خاور....اس کی مندی مندی آنکھیں سوچ سے مزید سکڑ رہی تھیں۔

"مارنا....مارنا چاہتے ہو تم لوگ مجھے؟ تا کہ تم...تم میری جگہ لے لو۔اور آپ....اس نے سرخ آنکھوں کا رخ جواہرات کی طرف پھیرا۔"میں تہیہ کر چکا تھا' ہاشم کو سب بتا دوں گا۔سعدی یوسف گواہی دے گا۔پھر وہ مان جائے گا کہ تم نے....جواہرات کا ردار....تم نے مارا تھا اپنے شوہر کو۔"

جواہرات کی مسکراہٹ میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔احمر بھی سپاٹ چہرہ لئے کھڑا رہا۔

"میں سمجھ گیا تھا۔قید میں اتنے دن رہ کر میں سمجھ گیا تھا۔تم تھیں اس رات ان کے ساتھ۔اور اگر تم مجھے زمین بھر سونا بھی پیش کرو' میں تب بھی ہاشم کو ضرور بتاؤں گا اور اگر تم...." حقارت سے احمر کو دیکھا۔"تم مجھے مار بھی دو تب بھی مجھے فخر ہے کہ میں اپنے مالک کی وفا میں جان دوں گا۔"

جواہرات نے مسکرا کر احمر کو دیکھا اور پھر باہر نکل گئی۔احمر اس کے پیچھے آیا۔باہر شام گہری تاریک ہو چکی تھی۔آسمان پہ جھلملاتے ہوئے تارے افشاں کی طرح بکھرے تھے۔

برآمدے میں کھڑے جواہرات نے سنجیدگی سے اسے دیکھ کر کہا۔

"اس کو خاموش کروانا ضروری ہے۔کر لو گے نا؟"

"آپ فکر نہ کریں' جواہرات!" اس نے سر کو خم دے کر کہا۔پھر ملکہ کی آنکھوں پہ نظریں جمائے پورے یقین سے بولا۔"اتنا بوجھ دل پہ لے کر نہ پھرا کریں مادام۔اگر راز شیئر کیا ہے تو مجھ پہ بھروسہ بھی کریں۔"

"بھروسہ تھا تو بتایا ہے نا!" اس نے جھرجھری لی۔"اب میرے سر کا تاج بہت بھاری ہوتا جا رہا ہے۔"

"میری بات سنیں دھیان سے۔" اس نے آگے بڑھ کر مضبوطی سے جواہرات کے شانوں کو تھاما۔"اس بات سے نہ ڈریں کہ ہاشم اور نوشیرواں یہ جان جائیں گے تو کیا ہو گا؟ بلکہ اس دن کی تیاری کرنی ہے ہمیں۔آپ نے....ایک اچھا کام کیا تھا۔وہ آدمی ایک درندہ تھا اور درندے کو مار کر آپ نے اپنے بیٹوں کو بچایا تھا۔آپ نے اپنے بیٹوں کے لئے قربانی دی تھی۔"

جواہرات کی آنکھوں میں نمی در آئی۔"وہ دونوں مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔"

"تو میں کس مرض کی دوا ہوں؟" وہ برا مان کر بولا تھا۔"ہم مل کر اور نگزیب کا ردار کے ایسے ایسے کالے کرتوت ان کے سامنے لائیں گے' ان کے کردار کو اتنا مسخ کر دیں گے' ان کے خلاف اتنا زہر اگلیں گے کہ وہ دونوں ان سے نفرت کرنے لگ جائیں گے' اور اگر کبھی ان کو معلوم ہو بھی جاتا ہے تو وہ آپ کی پوزیشن سمجھ جائیں گے' اور یہ سوچیں گے کہ اچھا ہی ہوا ان کو نجات دلا دی۔آپ نے۔"

جواہرات کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔آنکھ سے ایک قطرہ ٹوٹ کر گال پہ لڑھکا۔"کیا ایسا ممکن ہے؟"

''یہ بھی تو ممکن نہیں لگتا تھا۔ آج یہ درد سر بھی ختم ہو جائے گا۔'' اس نے مسکرا کر بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مسکرا کر رہ گئی۔

جواہرات کار دار کے جانے کے بعد وہ اس تہا پڑے بنگلے کے اندر آیا۔ کچن میں فریج سے ایک باکس نکالا اور اس کمرے میں آیا جہاں خاور بندھا پڑا تھا۔ احمر نے مصروف سے انداز میں ڈکٹ ٹیپ کا ایک بڑا ٹکڑا کاٹا۔

''اب کیا مجھے مار کر پھینکنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ ہونہہ۔ یہ کار دارز میرے نہیں ہوئے' تمہارے کیا ہوں گے۔'' اس نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

احمر اسی طرح آگے آیا اور ڈکٹ ٹیپ کا ٹکڑا اس کے منہ پہ رکھ کر زور سے چپکا دیا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

''میں تمہاری بک بک' تمہارے OMG's اور ''کیا کیوں کیسے'' نہیں سننا چاہتا' ان باتوں پہ جواب میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں' اس لئے کتنا اچھا ہو کہ تم یوں چپ ہو کر بیٹھو۔ خاموش اور بے بس! ہاں ایسے ٹھیک ہے۔'' سامنے آ کر سراہتی نظروں سے اس منظر کو دیکھا' پھر واپس اپنی کرسی پہ آ بیٹھا' اور باکس کھولا۔ اندر مختلف شیشیاں' چند کاغذ اور چند سرنجیں رکھی تھیں۔

''تم نے کبھی ہیری پوٹر پڑھی ہے خاور؟ سوری' میں ایسے موقعے پہ اس داستان سے کچھ منقول کر رہا ہوں' اب جب کہ تم اپنی یہ خوبصورت زندگی کھونے والے ہو' یونو۔'' ایک سرنج کی سوئی شیشی میں چبھو کر وہ اسے اوپر اٹھائے بھر رہا تھا۔ ''مگر اس میں ایک ٹرم استعمال ہوتی تھی۔ اس کا پہلا چیپٹر اسی نام سے ہے۔ The Boy Who Lived۔ وہ لڑکا جو زندہ بچ گیا۔ اون سروائیور۔'' پھر نگاہیں اٹھا کر ان میں زمانوں کی تپش بھر کر خاور کو دیکھا۔ ''کہتے ہیں انتقام کے سائیکل میں ہمیشہ ایک سروائیور بچ جاتا ہے اور وہ انتقام لیتا ہے' یوں چکر پہ چکر چلتا رہتا ہے.... چلتا رہتا ہے.... میں.... کرنل خاور.... میں ہوں وہ لڑکا جو بچ گیا تھا!''

خاور کا منہ ٹیپ سے بند تھا مگر کھلی آنکھوں میں اچنبھے اور حیرت کے سارے الفاظ سمٹ آئے تھے۔

''وہ بریگیڈیئر یاد ہے تمہیں کرنل خاور جس کو اس کے پورے خاندان سمیت تم نے قتل کیا تھا؟ تمہیں شک تھا نا کہ امریکہ میں اس کی ایک اور اولاد بھی ہے' کسی دوسری عورت سے جسے وہ چھپا کر رکھتا ہے' اور تمہیں یقین تھا کہ وہ بیٹی ہو گی' مگر تم غلط تھے۔ وہ بیٹا تھا۔ سلطان بخش۔ اور وہ میں تھا!'' اس نے شیشی سرنج کی سوئی سے نکالی' جھک کر کاغذ سے کچھ پڑھا' پھر دوسری شیشی اوپر اٹھا کر سوئی اس میں گھسا کر احتیاط سے مائع سا سرنج کے بطن میں بھرنے لگا۔

خاور کی آنکھیں پھیل گئی تھیں' اور وجود بالکل ساکت ہو گیا تھا۔

''جب تم نے میرے باپ اور میری ہاف فیملی کو قتل کیا تھا تو میں ایک ٹین ایج لڑکا تھا جو بورڈنگ اسکول میں پڑھ رہا تھا۔ میرا باپ اپنی حساس جاب کے باعث اپنی اولاد اور خاندان والوں کے وئیر اباؤٹس مخفی رکھتا تھا' لیکن تم اس رات ہمارے گھر گئے جب سب وہاں موجود تھے' چھٹیوں پہ سب آئے ہوئے تھے۔ میں نہیں تھا۔ سو میں بچ گیا۔ ابا کے رشتے داروں نے ساری پراپرٹی ہتھیا لی' اور ابا کے دوستوں نے مجھے واپس آنے سے روک دیا۔ وہ کہتے تھے سلطان' تم بھاگ جاؤ' چھپ جاؤ۔ وہ آدمی تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ آدمی کون تھا۔ میں اتنے برس ایک ان دیکھے دشمن سے چھپتا رہا۔ بھاگتا رہا۔ شہر بدلے' اسکول بدلے' پھر جاب بدلی' اور اس ہر مہینے کے اول

بدل نے مجھے احمر شفیع بنا دیا۔ Con Man۔" وہ احتیاط سے شیشی اوپر اٹھائے قطرہ قطرہ اٹھائے سرنج میں بھر رہا تھا۔ نظریں اوپر سرنج کے بھرتے پیٹ پہ جمی تھیں۔

خاور کا چہرہ سرخ تھا' آنکھوں میں خون اتر آیا تھا' وہ سختی سے نفی میں سر ہلاتا خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا' مگر گرفت مضبوط تھی۔

"برسوں کی محنت اور کھوج نے مجھے اتنا بتا دیا کہ ساری گتھیاں اورنگزیب کاردار کے گرد جا کر کھلتی ہیں۔ میں نے خون کو ان سے متعارف کروایا' ایسے کہ وہ مجھے ملازمت کی پیشکش کریں۔ Con Man کبھی کچھ نہیں مانگتا' وہ ایسے مواقع پیدا کرتا ہے کہ آپ کو لگے' یہ سب آپ کا ہی آئیڈیا تھا۔ وہ خود ہی مجھے سب دیتے گئے۔ اور ان کے پاس اتنا عرصہ کام کر کے جانتے ہو مجھے کیا معلوم ہوا؟ وہ سب جو تمہیں خود نہیں معلوم!"

شیشی رکھی' کیس بند کیا' اور سرنج پکڑے' اسٹول اٹھائے اس کے سامنے آ کر اسٹول رکھا' اور اس پہ بیٹھا۔ پھر اس کی خون آشام آنکھوں میں دیکھ کر سادگی سے بولا۔

"تم نے ہاشم کے کہنے پہ زمر یوسف کو زخمی کیا' اس سے اس کے تمام رشتے چھینے' اس کی شادی کینسل کروائی' اس کا ہر راستہ بند کیا۔ ایسے یہ ہر راستہ بند کرنے والا کام.... یہ کاردارز نے پہلی دفعہ زمر کے ساتھ نہیں کیا تھا۔ چند برس پہلے جب جواہرات کاردار اور ہاشم کاردار کے سیکیورٹی ہیڈ کا انتقال ہوا تھا تو انہوں نے سوچا کیوں نا ایک نیا سیکیورٹی ہیڈ ڈھونڈا جائے؟ پھر اسے تراشا جائے۔ پھر اس کا ہر راستہ بند کیا جائے تا کہ وہ ان ہی کا ہو کر رہ جائے؟" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ خاور کا مزاحمت کرتا وجود ٹھہر گیا۔ ساکت۔ ساکن۔

"یہ بڑے لوگ ایسی بڑی بڑی پوسٹیں دینے سے پہلے امیدوار کا ہر راستہ' ہر دروازہ بند کرتے ہیں۔ انہوں نے آٹھ ماہ تم پہ انویسٹ کیا۔ ایک بہادر' دلیر اور زیرک کرنل پہ الزام لگوایا' پھر اسی کے مدعی بن کر' وکیل بن کر اسے عدالت سے چھڑوایا' اور پھر...." اس کی آواز یاسیت سے دھیمی ہوئی۔ خاور سکتے میں تھا۔ "اور پھر ہاشم کاردار اور جواہرات کاردار نے تمہارے بیٹوں کو مروایا' کیونکہ تم بری ہونے کے بعد ملک سے باہر جانے کا سوچنے لگے تھے۔ یہ کافی نہیں تھا۔ ان کو ایک وفادار آدمی چاہیے تھا۔ جس کا کوئی نہ رہے اور ان کا ہو کر رہے۔ اور الزام ڈالا انہوں نے میرے باپ پہ۔ کرنل خاور' میرا باپ ایک ایماندار اور اچھا آدمی تھا۔ وہ تمہیں گرفتار ضرور کرنا چاہتا تھا مگر اس نے تمہارے بیٹوں کو نہیں مارا تھا۔ ان کو جواہرات کاردار نے مروایا تھا۔ یہ سارے مافیا باسز' یہ ایسے ہی ڈھونڈتے اور تراشتے ہیں اپنا دایاں ہاتھ۔ انہوں نے تمہیں تراشا اور جب تم نے اپنی زندگی کے پہلے قتل کر ڈالے تو وہ تمہاری سب سے بڑی سپورٹ بن کر سامنے آ گئے۔ انہوں نے تمہیں اپنی چھایا تلے لے لیا۔ اور تم ان کے کہنے پہ ساری زندگی دوسروں کو قتل کرتے آئے' زندگیاں برباد کرتے آئے۔ ان کے کہنے پہ جنہوں نے تمہارے بچوں کو مروایا تھا۔ اور یقیناً ان کے پاس اس عمل کی بھی جسٹیفکیشن ہوگی۔ تم حیران تھے نا کہ ہاشم نے کیوں یقین کر لیا کہ تم نے اورنگزیب کاردار کو مارا ہوگا؟ کیونکہ اسے لگا تم ان کی حقیقت جان گئے ہو گے اور اورنگزیب کو قصوروار سمجھتے ہو۔ وہ یہی پوچھتا تھا تم سے اتنے ماہ۔

وہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ تم کیا جانتے ہو۔ میں اپنی باتوں کا کوئی ثبوت تمہیں نہ بھی دوں' تب بھی جب ان کو سوچو گے تو خود ہی ساری کڑیاں ملتی جائیں گی۔ سب واضح ہو جائے گا۔' احمر اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا۔

خاور اسی طرح سکتے کے عالم میں بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مگر وہ نیچے ٹپک نہیں رہے تھے۔ وہ بھی ساکت تھے۔

احمر اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔

''تمہارے پاس چوائس تھی' تم ہاشم کے پاس واپس آنے کی بجائے عدالت چلے جاتے' اس کے خلاف گواہی دیتے' لیکن تم نے وہی کیا جو تمہاری خصلت تھی۔ اگر تمہارے اندر کوئی خیر ہوتی تو میں تمہیں چھوڑ دیتا تو تم خود بھی اس رات فوڈ لی اینڈ آفٹر کے کچن میں اس عورت پہ پستول تنتا نتے جس نے فارس کو ٹھنڈا کر کے تمہاری جان بچائی تھی۔ مگر وہ کیا ہے خاور کہ میں ان جیسا نہیں ہوں۔ نہ میں تمہارے جیسا ہوں۔ میں وہ نہیں کروں گا جو تم سمجھ رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کرنے جا رہا ہوں۔ ایک تیز' بنا درد کے موت؟ کیا تمہیں واقعی لگتا ہے اتنا رحم میں تمہارے اوپر کھاؤں گا!''

اور خاور کو محسوس ہوا کہ اس کے برہنہ کندھوں پہ احمر شفیع نے گلوز والے ہاتھ رکھے ہیں' اور پھر.... گردن کے نیچے.... قدرے نیچے.. سوئی کی نوک چبھی.... درد.... تکلیف.... اور پھر.... جیسے ہر شے راکھ کا ڈھیر بن گئی۔

یہ وہ دن تھا جب کرنل خاور مظاہر حیات کی ''زندگی'' کا باب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دلوں کی روشنی بجھنے نہ دینا

وجود تیرگی محکم نہیں ہے

سبز بیلوں سے ڈھکے مورچال کی بالائی منزل کی کھڑکیوں سے مارچ کی ٹھنڈی دھوپ سیدھی ٹکرا رہی تھی۔ اندر جھانکو تو کمرے ٹھنڈے لگتے تھے۔ ایسے میں حنین کا کمرہ عجیب نمونہ پیش کر رہا تھا۔ فرنیچر جو دیواروں سے لگا تھا' ذرا آگے کھسکا کر چادروں سے ڈھک دیا تھا' اور کونے میں ایک چھوٹی سیڑھی سی رکھی تھی۔ فرش پہ نیچے ایک بڑی بالٹی' ایک اور دو پینٹ کے ڈبے رکھے تھے۔ وہ خود عام شلوار قمیض پہنے' بالوں کو کشمیری انداز میں اسکارف میں لپیٹے' آستین پیچھے چڑھائے سیڑھی کے اوپر کھڑی تھی اور سوکھے برش کو باز وا ونچا کر کے چھت سے ٹکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میرا ہاتھ جا رہا ہے' میں دیوار کے اوپری کونے تک پینٹ کر لوں گی۔'' اس نے چہک کر اطلاع دی۔ نیچے فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھے اسامہ نے بہت ضبط سے کھنکار کر اس کی توجہ لی۔

''حنہ' یہ تم کل شام کیا اچانک سے ریسٹورانٹ کے بچے ہوئے ڈبے لے آئی ہو اور اب کہہ رہی ہو کہ تم نے پینٹ کرنا ہے کمرہ۔''

حنہ نے گردن گھما کر نیچے بیٹھے اسامہ کو خفگی سے دیکھا۔ ''تم کیا جانو دک کا مزہ۔ جتنی ہوم ڈیکور کی ویب سائٹس میں نے دیکھی ہیں نا'

پتہ ہے ان کے کمرے اتنے خوبصورت کیوں ہوتے ہیں؟ کیونکہ ان میں یہ سفید چٹا پینٹ نہیں ہوتا۔ گورے ہمیشہ اپنی دیواروں کو Tint ضرور دیتے ہیں۔ دروازے وہ سفید رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں الٹا حساب ہے۔" ناک سکوڑ کر وہ واپس دیوار کی طرف متوجہ ہوئی۔

"مگر حنہ یاد ہے جب ریسٹورانٹ پینٹ ہوا تھا؟ وہ لوگ ایسے ہی منہ اٹھا کر پینٹ نہیں کر لیتے تھے بلکہ پہلے دیوار پہ کچھ رگڑتے تھے اور بھی بہت کچھ کرتے تھے۔ تم نیٹ پہ پینٹ کے ٹیوٹوریل کیوں نہیں پڑھ لیتی؟" سیم نے ہار نہیں مانی تھی۔

"میں نے کوشش کی تھی وہ اتنے لمبے چوڑے اسباق دہرا رہے تھے میں نے چھوڑ دیے ایویں گوروں کے نخرے یہ کر وہ کرو۔ اس طرح تو بندہ سال بھر کمرہ ہی تیار کرتا رہے۔ پینٹ کب کرے؟" بے پرواہی سے سر جھٹکا۔ "میں تو ایسے ہی کروں گی پینٹ۔ یہ کون سا مشکل ہے۔ بس برش کو پینٹ میں ڈبو کر دیوار پہ اوپر نیچے لگاتے جاؤ۔ واؤ۔" آنکھیں میچ کر اس نے وہ کارٹون یاد کیے جن میں یونہی مزے سے پینٹ ہو جاتا تھا۔ "اور پھر دیکھنا کتنا خوبصورت رنگ چڑھے گا۔"

"مگر کیا وہ رنگ دیرپا بھی ہو گا؟" چوکھٹ میں قدموں کی آواز آئی اور پھر اس کی آواز۔ حنین وہیں ٹھہر گئی۔ برش والا ہاتھ نیچے گرا دیا۔ مڑی نہیں۔ ساکت کھڑی رہی۔ اسامہ جو نیچے بیٹھا تھا وہ بھی نہیں ہلا۔ بس سر جھکا دیا۔ وہ سعدی سے ابھی تک نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔

"گورے ایک بہت اچھی بہت قابل قوم ہیں اور جب وہ کہتے ہیں کہ یوں منہ اٹھا کر پینٹ نہیں کرتے تو وہ صحیح کہتے ہیں۔ وہ ہماری طرح سست اور کام چور نہیں ہوتے۔ اپنا ہر کام خود کرنے اور احسن طریقے سے کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔" وہ گردن اٹھائے حنین کے کمرے کی دیواروں کو دیکھتا دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اسامہ اور حنین اپنی جگہ چپ تھے۔ ساکت۔ جامد۔

"خوبصورت رنگ ایسے نہیں چڑھ جاتے۔ ان کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ جان مارنی پڑتی ہے۔ ایک ایک بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے یہ دیواریں..... یہ گھر کی دیواریں اپنے اوپر کسی اجنبی رنگ کو ایسے ہی نہیں چڑھنے کی اجازت دے دیتیں۔" وہ ہنوز گردن اونچی کیے سادگی اور نرمی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی طرف کمر کیے اونچائی پہ کھڑی حنین کی آنکھوں کے کٹورے لبالب بھرتے گئے۔ مگر لب ایک دوسرے میں سختی سے پیوست کر کے ضبط کیا۔ سیم کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

"دوسری کسی بھی چیز کو رگڑو تو وہ خراب ہوتی ہے اس کی چمک اور خوبصورتی ماند پڑ جاتی ہے۔ مگر دیواروں کی نہیں۔ گھر کی دیواروں کو رگڑیں کھانی پڑتی ہیں۔ سخت ریگ مال سے ان کو رگڑ رگڑ کر چھلنی کیا جاتا ہے مگر یہ ہر رگڑ کے بعد پہلے سے زیادہ smooth ہو جاتی ہیں پھر ان کے سوراخ اور دراڑیں بھری جاتی ہیں۔ فلر سے ان کے زخموں کو مرہم لگایا جاتا ہے۔"

حنین نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو ٹپ ٹپ گرتے چلے جا رہے تھے۔ سیم سر جھکائے ہولے ہولے سسک رہا تھا۔ چوکھٹ میں کھڑا لڑکا جس کے بال اب پہلے جیسے چھوٹے نہ رہے تھے اور قدرے بڑھنے کے باعث ان کا اصل قدرتی گھنگریالا پن نظر آنے لگا تھا اسی طرح ملائمت سے بول رہا تھا۔

"ان دیواروں کو بھی اتار گیدنے اور رگڑنے سے درد ہوتا ہو گا مگر یہ برداشت کر لیتی ہیں۔ جانتی ہیں کہ یہی اچھا ہے ان کے لئے۔

پھر ان کے اوپر پرائمر (primer) پینٹ کیا جاتا ہے۔ ہمارے اسے ڈسٹیمپر یا چونا وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ گورے اس کو پرائمر یا seder کہتے ہیں۔ وہ ساری دیوار کو ڈھانک لیتا ہے۔ اس کا پردہ بن جاتا ہے۔ سارے عیوب ڈھک جاتے ہیں' پرانے پینٹ اور نئے پینٹ کے درمیان کی آڑ ہوتا ہے وہ۔ ماضی کو مستقبل پہ اثر انداز ہونے سے روک دیتا ہے۔"

اونچی سیڑھی پہ کھڑی حنہ نے گردن جھکا دی۔ ہاتھ اسی طرف دیوار پہ جما تھا اور آنسو ٹپ ٹپ گرتے جارہے تھے۔

''وہ پرائمر پینٹ اگر نہ لگایا جائے تو نئے آنے والے ہر پینٹ کو دیوار کے پلستر کی دیوار اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اس مستقبل کے ہر رنگ کو ماضی کے سوراخ کھا جاتے ہیں۔ لیکن اچھے سے پرائمر لگا دو تو اوپر جو رنگ بھی کرو... وہ ایسا خوبصورت چڑھے گا کہ سارا گھر چمک اٹھے گا۔ پھر زمین سے رس رس کر خراب چور دراڑوں سے داخل ہوتے پانی سے بھی دیواریں خراب نہ ہوں گی' نہ موسم اثر کرے گا' نہ کسی کا میلا ہاتھ گدلا کر سکے گا اس رنگ کو۔ گھر کی دیواروں کے ایسے پکے اور خوبصورت رنگ یونہی نہیں آجاتے۔ ان کے لئے بنیاد کو ایک دفعہ تو چھلنی کرنا پڑتا ہے۔"

حنین نے برش کہاں گرایا' وہ کیسے سیڑھی سے جست لگا کر اتری اسے نہیں علم۔ بس وہ روتی ہوئی دوڑتی ہوئی آئی اور سعدی کے گلے لگ گئی۔

''بھائی' آئی ایم سو سوری۔ آپ کا قصور نہیں تھا۔ بھائی آئی ایم سو سوری۔"

سیم بھی ایک دم اٹھا اور بھاگ کر ان دونوں کے گرد باز وحمائل کیے سعدی کے کندھے سے لگ گیا۔ وہ بھی روئے جارہا تھا۔

''بھائی میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ پلیز آپ دوبارہ مت جانا۔"

وہ دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کے صرف قد بڑے ہوگئے تھے۔ سعدی ان دونوں سے اونچا تھا اس کے بازو دونوں سے زیادہ مضبوط تھے۔ وہ دونوں کے گرد باز وحمائل کیے' بیک وقت دونوں کو تھپک رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ نرمی' آنکھوں میں نمی اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''مجھے بھی تم سے لڑنا نہیں چاہیے تھا۔ ایک غلطی کے پیچھے مجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ جہاں کتنے لوگ بزدلی سے میرے معاملے سے جان بچا کر نکل گئے اور کتنے لوگ صرف لالچ میں میرا ساتھ دینا چاہتے ہیں' وہاں اتنے ماہ تم لوگ میرے لئے کھڑے تھے!"

مگر وہ دونوں اس کو بولنے نہیں دے رہے تھے۔ حنین روتے ہوئے نفی میں سر ہلاتی بولے جارہی تھی اور سیم اس کے کندھے پہ ماتھا ٹیکے ہچکیوں کے دوران کہہ رہا تھا.....

''بھائی آپ کا حق تھا مجھ سے لڑنے کا۔ میں نے غلط کیا تھا۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سب سے زیادہ سفر (suffer) آپ نے کیا تھا۔"

''بھائی میں کبھی آئندہ یوں نہیں بولوں گا۔ حنہ سے لڑنے کا حق تھا آپ کو۔ وہ ہماری برابر کی بہن ہے۔ موٹی' کالی' بدصورت ہے تو کیا

ہوا' وہ ہماری برابر کی بہن ہے۔ مجھے درمیان میں نہیں آنا چاہیے تھا۔' اور سیم یہ سب بچوں کی طرح بلکتے کہہ رہا تھا۔ وہ اس کا سر تھپکتے تھپکتے ہنس دیا تھا مگر حنین نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

''ہم نے بھی اتنا نہیں سوچا کہ آپ کو اتنے ماہ خوشی کا ایک لمحہ بھی نہیں ملا۔ ہمارے پاس تو پھر بھی خوشی کے مل بیٹھنے کے لمحے آئے تھے' مگر آپ نے سفر کیا سب سے زیادہ۔''

''اور میں یوں بولا بھائی جیسے آپ کسی لگژری ٹرپ سے لوٹے ہیں۔ مجھے یوں نہیں....'' وہ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ لگے نیچے بیٹھتے گئے تھے۔ وہ ''کوئی بات نہیں۔ آئندہ ہم ان باتوں کو اپنے درمیان نہیں آنے دیں گے'' بار بار یہی بات دہراتا جا رہا تھا' کبھی جھک کر حنہ کا ماتھا چومتا' کبھی سیم کے بال سہلاتا۔ وہ بڑا تھا۔ اسے ہی تسلی دینی تھی۔ اسے ہی زیادہ ظرف کا مظاہرہ کرنا تھا۔ بڑوں کی قربانیاں بھی بڑی ہونی چاہئیں نا۔

مورچال کے باہر دھوپ ڈھلتی گئی یہاں تک کہ بنگلے پہ چھایا سی تن گئی۔ اب حنہ کی کھڑکی سے جھانکو تو وہ تینوں چوکڑی مارے فرش پہ بیٹھے تھے۔ درمیان میں کوک سے بھرے تین گلاس' کوک کی بڑی بوتل اور چند ڈبے کھلے پڑے تھے جن میں سے برگر اور فرنچ فرائیز جھلک رہے تھے۔ سعدی سر جھکائے کوک کے گلاس میں اسٹرا ہلاتا دھیرے دھیرے سے بول رہا تھا' اور وہ دونوں کھاتے ہوئے سن رہے تھے۔

''ہاشم سمجھا ہم باہر پراپرا کے ہجوم میں گم ہونے والے ہیں' سو اس کے سارے بندے اسی طرف بھاگے' مگر ہم ایک باتھ روم کے نیچے مین ہول سے سرنگ میں اترے۔ اور وہاں سے.....'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''سید حا ہا ہر دو گلیاں چھوڑ کر سڑک پہ نکل آئے۔'' سر جھکائے بولتے اس کے چہرے پہ یاسیت تھی۔

''واؤ!'' سیم برگر کا بھاری نوالہ منہ میں چباتا آنکھیں پھیلا کر بولا تو حنین نے آنکھیں دکھائیں۔ (موٹے آلو چپ کرو وہ تمہیں تکلیف دہ واقعے کا منظر نامہ بتا رہا ہے' کسی ایڈونچر کا نہیں۔) سیم نے جلدی سے نوالہ نگلتے ہوئے چہرے پہ مسکینیت طاری کی۔ ''اوہ!'' سعدی اس کے بدلے انداز پہ نرمی سے مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

''پھر ہم وہاں سے ایک ٹک ٹک میں بیٹھے اور....''

''پتہ ہے بھائی' کتنا اچھا ہوتا اگر آپ مسز کاردار کو یرغمال بنا کر ساتھ لے آتے۔ چوبیس گھنٹے بعد جو میک اپ اترنے سے ان کی حالت ہوتی....'' حنہ خود بھی نہ رہ سکی۔ بول کر ہنستی چلی گئی۔ سعدی نے ہاتھ اٹھا کر اس کے سر پہ ہلکا سا تھپڑ لگایا۔

''یوں کرو تم بولو' میری خیر ہے۔''

''اللہ! میں نے کیا کیا ہے!''

اور زمر جب سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تو اس نے دیکھا وہ تینوں اسی طرح ایک ساتھ بیٹھے برگر کھا رہے تھے اور ایک دوسرے کو لقمے دے رہے تھے۔ چہروں پہ سوکھے آنسوؤں کے نشان ابھی بھی موجود تھے' اور لبوں سے مسکراہٹیں پھوٹ رہی تھیں۔

''سعدی!'' زمر نے دھیرے سے دروازے پہ دستک دی۔ تینوں نے سر گھما کر دیکھا۔ حنہ نے فوراً بڑھایا مگر وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلاتی کام کی بات پوچھنے لگی ''انٹرویو کا کیا بنا؟ فارس نے کچھ بتایا ہی نہیں۔''

''انٹرویو۔ ہونہہ۔'' سعدی نے سر جھٹکا۔ ''تین لاکھ مانگ رہا تھا وہ اینکر۔ اور فارس ماموں کو دیکھیں' خود کہا تھا کہ تمہارے ساتھ چلوں گا' مگر وہاں جا کر بالکل چپ بیٹھے رہے' اتنا نہیں ہوا کہ دو تھپڑ لگا دیتے اس اینکر کو۔ ایک مارنے کا کام ہی تو آتا ہے ان کو وہ بھی نہیں کیا۔'' خفگی سے واپس گردن موڑلی۔ زمر اور حنین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر حنہ کھنکھاری۔ ''بھائی.... فارس ماموں چپ ہوں تب بھی بہت کچھ کر جاتے ہیں۔ ان کو ہلکا نہ لیں۔''

''بالکل۔'' زمر مسکراہٹ چھپاتی واپس چلی گئی۔ نیچے آئی تو وہ کچن میں بیٹھا تھا۔ موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے فارس۔'' اس نے کرسی کھینچی تو فارس نے نظریں اٹھائیں۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''زہے نصیب۔ آپ کو میرا نام بھی یاد ہے!''

''تھوڑا بہت تو یاد ہے۔'' وہ ہنس دی۔ پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ ''سعدی کا انٹرویو ہونا ضروری ہے' وہ اس کے لئے بہت اپ سیٹ ہے اور.....''

''ہو جائے گا انٹرویو۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ انداز میں لاپرواہی تھی۔

''مگر کیسے؟'' زمر نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

''پیسے دیں گے اور کیا۔ مگر اس کے لئے سعدی راضی نہیں ہے سو دعا کریں گے۔ کوئی اور حل ہے تو بتائیں مجھے۔''

وہ چپ ہو گئی۔ ''مگر.... کوئی اور طریقہ نہیں ہے کیا؟'' محتاط سے انداز میں پوچھا۔

''کیوں پراسیکیوٹر صاحبہ' قانون پہ یقین ہے نا آپ کو تو بس میں نے بھی تہیہ کر لیا ہے' کہ اب قانون نہیں توڑنا اور شریف آدمی بن کر رہنا ہے۔ ایسے مشکوک نظروں سے کیا دیکھ رہی ہیں مجھے؟ سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ خفگی سے کہتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ زمر سوچتی نظروں سے اسے جاتے دیکھے گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند دن بعد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چاک دامن تو خیر سل جاتا

چاک ہستی کہاں رفو کرتے

سفید دیواروں والے کمرہ عدالت میں دھوپ چھن چھن کر آ رہی تھی۔ موسم بتدریج تبدیل ہو رہا تھا۔ سردی بہت کم رہ گئی تھی اور خزاں

رسیدہ درختوں پہ نئے شگوفے اور پتے کھلنے لگے تھے۔ چبوترے کے سامنے پراسیکیوشن کے بینچ پہ زمر بیٹھی، قلم انگلیوں میں گھماتی بغور کٹہرے میں کھڑے نوشیرواں کو دیکھ رہی تھی۔ دوسری میز پہ ٹیک لگا کر آرام دہ انداز میں بیٹھے ہاشم کاردار کی سنجیدہ نظریں بھی وہیں جمی تھیں۔

عزت مآب اختر مرتضیٰ صاحب بھی اسی سے مخاطب تھے اور کرسی کا رخ ذرا ترچھا کیے، کاغذ سے پڑھ کر اسے چارجز سنا رہے تھے۔ وہ کٹہرے کے جنگلے پہ ہاتھ رکھے کھڑا سپاٹ سا نظر آتا تھا۔ اس کے چہرے پہ زخموں کے تازہ نشان تھے اور ایک آنکھ نیلوں نیل تھی۔

''کیا آپ نے تمام چارجز سن اور سمجھ لئے؟''

''جی یور آنر!''

''کیا آپ نوشیرواں کاردار، اکیس مئی 2015 کی شام پلاٹ نمبر پندرہ میں سعدی یوسف سے ملنے گئے تھے اور آپ نے ان پہ تین گولیاں چلائیں۔ پھر بوٹ کی ٹھوکروں سے ان کو زخمی بھی کیا؟''

زمر کے ساتھ بیٹھے سعدی کی چبھتی نظریں شیرو کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ نوشیرواں نے نگاہیں اٹھا کر حاضرین کو دیکھا اور پھر بلند آواز میں بولا۔ ''یہ غلط ہے۔ میں اس روز دبئی میں تھا۔''

''کیا آپ تمام الزامات سے انکار کرتے ہیں؟''

''جی میں انکار کرتا ہوں۔ مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ میں بے گناہ ہوں۔'' وہ میکانکی انداز میں نیچے بیٹھے ہاشم کو دیکھ کر بولا تھا۔

''کیا آپ plead innocent کرتے ہیں۔''

''جی میں انوسینٹ پلیڈ کرتا ہوں۔''

(اس موقع پہ اگر ملزم صحت جرم کا اقرار کر لے تو اس کے خلاف فیصلہ سنا دیا جاتا ہے اور اسی وقت سزا بتا دی جاتی ہے۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے شفاف مقدمے کا حق دیا جاتا ہے جہاں وہ استغاثہ (الزام لگانے والوں) کے ثبوت وشواہد کا دفاع اپنے وکیل کے ذریعے کرے۔)

''او کے۔ آپ کو فیئر ٹرائل کا حق دیا جاتا ہے۔ کیا آپ اپنے خلاف گواہ بننا چاہیں گے۔'' نیچے بیٹھے ہاشم نے نفی میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ نظریں شیرو پہ تھیں۔

''نہیں یور آنر۔ میں خاموشی اختیار کروں گا۔'' اس نے اسی انداز میں کہا تھا۔

چند منٹ بعد باہر راہداری میں زمر اور سعدی چلتے جا رہے تھے اور جب وہ بہت دل گرفتہ سا بولا تھا۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا جج نے کیسے اس کی ضمانت کی درخواست قبول کر لی۔ وہ اب گھر چلا جائے گا اور پھر ملک سے باہر۔''

زمر نے نگاہیں پھیر کر اسے دیکھا۔ یوں لگتا تھا وہ برسوں پہلے یونیورسٹی کے موک ٹرائل سے نکلے تھے اور وہ ہیری کے خلاف فیصلہ آنے پہ شدید تلملا رہا تھا۔

''سعدی... اس کو جیل میں پیٹا گیا ہے اس کی جان کو خطرہ ہے جج کو اسے جیل سے نکالنا ہی تھا۔''

''ہاشم نے اسے خود پٹوایا ہے۔ مجھے یقین ہے۔''

''ظاہر ہے ہاشم نے اسے پٹوایا ہے سماعت سے پچھلی رات۔ مگر ہم یہ باتیں جج کو کہیں گے کہ تو ہم خود ہی جھوٹے لگیں گے۔ اس کی ضمانت ہونی ہی تھی۔'' وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔

''اگلے ماہ کی تاریخ ملی ہے۔ کیسا نظام ہے یہ۔ ہم کتنا انتظار کریں گے۔ وہ تاریخ پہ تاریخ دیتے جائیں گے۔ زمر! ایسے تو کبھی انصاف نہیں ملے گا۔'' وہ شدید تکلیف میں لگ رہا تھا۔ زمر یک ٹک اس کی زخمی نظروں کو دیکھے گئی۔

''یہ معاملات لمبے چلتے ہیں سعدی۔ کوئی بات نہیں ہم لڑتے رہیں گے۔''

''مجھے نہیں پتہ۔'' وہ سر جھٹک کر خفا خفا سا چلتا گیا۔ زمر کے اندر کچھ ڈوب گیا تھا۔ وہ بار بار اس پہ ایک فکر مند متحیر سی نظر ڈالتی تھی۔ حنین اور اسامہ کا بھائی گھر آ گیا تھا' یہ طے تھا' مگر کیا سعدی یوسف گھر آ گیا تھا؟ وہ کیا کرے؟ اور کیا وہ کبھی گھر آ پائے گا؟ اسے یقین نہیں رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک تو خواب لیے پھرتے ہو گلیوں گلیوں

اس پہ تکرار بھی کرتے ہو خریدار کے ساتھ

ہارون عبید کی رہائش گاہ پہ وہ دوپہر سرد سی تپش لئے سارے کو جھلسا رہی تھی۔ سبزہ زار کی طرف کھلتی کھڑکی سے اندر جھانکو تو اپنے کلینک میں آبدار مخصوص کرسی پہ بیٹھی نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ کھڑکی کی طرف اس کی کرسی کی پشت تھی اور یہاں سے اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ سرخ رومال میں بندھے بال' جھکی آنکھیں' زرد رنگت' سوکھے ہونٹ۔ وہ اداسی سے سر جھکائے لکھتی جا رہی تھی جب دروازہ کھلا۔

''میں آج مزید کلائنٹس نہیں.....'' کہتا کر بولتے اس نے نظریں اٹھائیں تو رک گئی۔ یہاں سے دکھائی دیتے آدھے چہرے پہ واضح حیرانی ابھری۔

''بابا! خیریت؟'' سامنے چوکھٹ میں ہارون کھڑے تھے۔ کلف لگے شلوار سوٹ میں ملبوس' وہ مطمئن نظریں اس پہ جمائے' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے آئے۔ ''تم ٹھیک ہو آبی؟''

آبی نے کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائی تو اب اس کا چہرہ زیادہ واضح ہوا۔ اس پہ اداس مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔ ''جی۔ آپ نے وعدہ کیا تھا نا' اس لئے اب ٹھیک ہوں۔''

''اوکے۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے اب۔'' وہ سامنے کرسی پہ براجمان ہوتے سادگی سے بولے تھے۔ آبدار کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ ''جی؟ کیا؟''

''ہاشم نے نوشیرواں کی ضمانت کروالی ہے۔ اب وہ ٹرائل کو لٹکائے گا' تاریخ پہ تاریخ لیتا جائے گا۔ یوں فیصلہ نہیں آئے گا۔ تم نے صرف اس کو کنوینس کرنا ہے کہ وہ اس کیس کو جلد انجام تک پہنچانے پہ رضامند ہو جائے۔''

''مگر بابا' اس نے مجھے پرپوز کیا تھا' میں اس دن سے اس کی کالز نہیں اٹھا رہی' اس کو اگنور کر رہی ہوں تاکہ وہ مجھ پہ دباؤ نہ ڈالے۔ اب میں کیسے اس کے پاس جا کر....''

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ تم اس کو کچھ بھی کہو۔ مگر اس کو راضی کرو۔ تم چاہو تو کہہ دینا کہ اس پرپوزل پہ تم صرف تب غور کرو گی جب وہ اور اس کا خاندان تمام الزامات سے بری ہو جائے گا۔''

''بابا!'' اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ ''میں اس پرپوزل پہ غور نہیں کروں گی۔ پھر میں اسے جھوٹی امید کیوں دلاؤں؟''

''بعد میں جو ہو گا ہو میں سنبھال لوں گا۔ ابھی کے لئے تمہیں اس کو راضی کرنا ہے۔'' وہ زور دے کر بولے۔ آبدار کے لب بھنچ گئے۔ وہ کتنی ہی دیر صدماتی نظروں سے انہیں دیکھے گئے۔

''وہ میں سمجھی تھی کہ بالآخر آپ میرا خیال کرنے لگ گئے ہیں' مگر وہ سب.... وہ وعدہ' وہ فارس کے متعلق کہی ہر بات.... وہ سب آپ اپنے مفاد میں کر رہے تھے۔ آپ مجھے استعمال کر رہے تھے اور فارس کو بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صرف اسے میرا باڈی گارڈ بنانا چاہتے ہیں۔ ہے نا؟''

''آبدار!'' وہ قمیض جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ ''ہاشم سے تمہاری جان صرف تب چھوٹے گی جب وہ اپنے خاندان سمیت نیست و نابود ہو گا۔ اسکے لئے تمہیں وہ سب کرنا ہو گا جو میں کہوں گا۔ اب فیصلہ تمہارا ہے۔''

''آپ کو اندازہ ہے کہ ہاشم کے ساتھ اتنا خطرناک کھیل شروع کر کے آپ مجھے کتنے بڑے خطرے میں ڈال رہے ہیں؟'' اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے انسان کو قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ تمہیں بھی دینی ہو گی۔ جیسے زمر صاحبہ دیں گی۔'' آخری الفاظ زیرِ لب کہے تھے اور پھر وہ مڑے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے۔ آبدار کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم کو اس عہد میں تعمیر کا سودا ہے جہاں
لوگ معمار کو چن دیتے ہیں دیوار کے ساتھ

وہ ایک پوش علاقے کی خوبصورت صاف ستھری کالونی تھی۔ قطار در قطار بنے اونچے بنگلے جدید ترین و آرائش کا نمونہ پیش کرتے نظر

آتے تھے۔رات تاریک ہو چکی تھی۔آسمان پہ تارے جگمگا رہے تھے۔ایسے میں ایک لمبی سی لش چمکتی بی ایم ڈبلیو ایک کھلے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔پورچ میں آ کر وہ رکی' ڈرائیونگ ڈور کھلا اور سفاری سوٹ میں ملبوس منظور جیلانی باہر آتا دکھائی دیا۔ہاتھ کے اشارے سے اس نے وہاں کھڑے گارڈز کو واپس جانے کا کہا اور تیز تیز چلتا لان چیئرز کی طرف آیا جہاں کوئی اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں غازی صاحب' مجھے دیر ہوگئی اور آپ کو انتظار کی زحمت سے گزرنا پڑا۔'' خوش خلقی سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو وہاں کھڑے فارس نے مسکرا کر گرم جوشی سے ہاتھ تھاما۔جیلانی نے ایک نظر میز پہ رکھے دو بریف کیسز کو دیکھا اور پھر کرسی کھینچ کر بیٹھا۔فارس بھی اپنی کرسی پہ واپس بیٹھا۔وہ سردی میں کمی کے باعث جینز کے اوپر سیاہ ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔چہرے پہ ہلکی مسکراہٹ تھی اور سنہری گہری آنکھیں جیلانی پہ جمی تھیں۔

''میں معذرت کرنا چاہتا تھا۔میرا بھانجا' بہت جلد باز اور جذباتی ہے۔ان معاملات کے رموز نہیں سمجھتا۔'' کان کی لو مسلتے ہوئے اس نے معذرت خواہانہ انداز میں بات شروع کی۔منظور جیلانی نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ جھلایا۔

''ہم سب اس عمر میں ایسے تھے۔مگر جب انسان کی عمر بڑھتی ہے تو ترجیحات اور کام کرنے کے طریقے بدل جاتے ہیں خیر آپ مطلوبہ رقم لے آئے۔''

''میں لے آیا ہوں مگر چاہتا ہوں کہ آپ سعدی یوسف کو یہ بات نہ بتائیں۔اس کو یوں کال کریں گویا ہم یہاں ملے ہی نہیں تھے اور اس سے معذرت کر کے تھوڑا بہلا کر اسے انٹرویو کے لئے بلا لیں۔اس کو اعتماد دیں کہ یہ انٹرویو صرف اس کی سچائی کو دنیا کے سامنے لانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔''

''اس کی آپ فکر نہ کریں۔کوئی چائے پانی دیا یا نہیں آپ کو۔'' وہ فون نکالتے ہوئے بولا تو فارس نے اسی طرح ٹیک لگائے بیٹھے ہاتھ اٹھا کر منع کیا۔

''آپ ان کو گن لیں اور انٹرویو ٹائم کنفرم کر دیں تو میں گھر جاتا ہوں۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔کوئی کمی بیشی ہوئی تو میرا پی اے صبح آپ کو فون کر کے....'' بریف کیس کھولتے ہوئے امنکر کہہ رہا تھا اور پھر یکایک اس کے الفاظ لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ہاتھ ٹھہر گئے۔اس نے ڈھکن پورا کھولا اور پھر چونک کر فارس کو دیکھا۔

وہ اسی طرح ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

''یہ کیا ہے؟ اور پیسے کہاں ہیں؟'' امنکر نے ڈھکن میز تک الٹ دیا تو بریف کیس کا اندرونی حصہ روشنی میں واضح ہوا۔اس میں کئی درجن سی ڈیز رکھی تھیں جو سفید پلاسٹک کور میں مقید تھیں۔

''پیسے تو خیر میرا باپ بھی نہیں دے گا۔اور گارڈ کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔میں سعدی یوسف نہیں ہوں۔دو دفعہ قتل کے جرم میں جیل جا چکا ہوں بغیر آواز نکالے بندہ مارنا مشکل نہیں ہے میرے لئے۔نہیں نہیں' تمہیں نہیں مارنا میں نے۔ورنہ پھر سعدی کا انٹرویو کون

کرے گا؟"

اسنکر نے بریف کیس ہاتھ مار کر نیچے گرایا اور غصے سے اس کو دیکھا۔ "یہ دھمکیاں مجھ جیسے آدمی کو نہیں ڈراتیں۔ اگر میرا مزید وقت ضائع نہیں کرنا تو تم جا سکتے ہو۔" اور ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نتھنے پھلائے وہ غصے سے فارس کو دیکھ رہا تھا۔

"جیلانی صاحب!" فارس بھی پورے قد سے اٹھا اور جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کو بہت سکون سے دیکھا۔ "اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسے نہ کرتا۔ ذرا تحمل سے ٹھہر کر پوچھتا ضرور کہ ان سی ڈیز میں کیا ہے۔ اور جانتے ہو ان میں کیا ہے؟"

کہنے کے ساتھ اس نے جیب سے ایک پین نکال کر میز پہ رکھا۔ سعدی کا پین کیمرہ۔

"مجھے معلوم تھا تم سعدی کو پیسے مانگنے بلا رہے ہو تو میں نے سوچا ان لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ سو تمہاری اور سعدی کی گفتگو کی ویڈیو HD کوالٹی میں محفوظ کر لی میں نے۔ صرف یہی نہیں' تمہارے آفس میں جو تمہاری وال فوٹو لگی ہے' وہی جس میں امریکہ میں تم کوئی ایوارڈ لیتے دکھائی دے رہے ہو' اس کے اوپر ننھا وال اسٹکر چپکا ہے' جو تمہارے آفس کی live فیڈ مجھے دیتا ہے۔ اس بریف کیس میں بہت سے لوگوں کے ساتھ تم گفتگو کرتے دکھائی دے رہے ہو۔ کسی کے ساتھ فون پہ' کسی کے ساتھ آمنے سامنے۔ تمہاری کلین سویپ ٹیم جو ہر جمعرات کو تمہارا آفس ڈی بگ کرتی ہے' ان کے آلات بہت پرانے ہیں' وہ میرے وال اسٹکرز کو نہیں پکڑ سکتے۔"

منظور جیلانی کے چہرے کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ پہلے وہ چونکا تھا' پھر متحیر ہوا' پھر بے یقین اور آخر میں... اس کی رنگت سفید پڑنے لگی تھی۔

"یہ مختلف قابلِ ذکر واقعات کی سی ڈیز ہیں جن میں تم صاف دکھائی دیتے ہو۔ اب میرے پاس دو راستے ہیں' پہلا' میں تمہیں یہ سب دے دوں۔ اور تم سعدی یوسف کے اوپر ہفتے کے پانچ دن پانچ شوز کرو۔ نتیجہ' سعدی کی کہانی پورا ملک سن لے گا۔" وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اس کی آنکھوں پہ اپنی آنکھیں جمائے' چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ "دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں تمہارے مخالف چینل کو یہ tapes دے دوں۔ سب سے زیادہ اہم ٹیپ سعدی یوسف کی ہے' اس ملاقات میں سعدی نے اپنے اوپر ہونے والی زیادتیوں کی مختصر تفصیل بتائی تھی تمہیں۔ دوسری اہم ٹیپ امریکہ میں قید پاکستانی نیورو سرجن لڑکی کی بہن کی ہے' جس سے تم فون پہ پچاس لاکھ مانگ رہے ہو ورنہ اس کی بہن کی رہائی کے لئے شو نہیں کرو گے۔ جب یہ ویڈیوز بار بار میڈیا پہ چلائی جائیں گی تو نتیجہ یہ ہو گا کہ سعدی یوسف کی کہانی پوری دنیا جان لے گی۔ بنا پیسوں کے گھنٹوں کا ائیر ٹائم ملے گا اس کو۔ چاہوں تو میں یہ کر لوں مگر تمہارے گھر والوں نے چائے پلائی ہے۔ مجھے اب مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ تمہارا دل توڑوں اس لئے...." وہ ایک دم آگے بڑھا' اور جیلانی کو گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور بدلے ہوئے لہجے میں غرایا۔ "تم کل صبح سعدی کو فون کرو گے' اس کو عزت سے بلاؤ گے' اس سے معافی مانگو گے اور اس کا شو اتنا اچھے سے کرو گے کہ تمہارے ٹوئیٹر کے تیس لاکھ فالورز کو اس کا نام اور اس کی کہانی ازبر ہو جائے۔ ورنہ میں.... تمہاری.... زندگی.... برباد کر دوں گا' کیونکہ تم جیسے لوگوں کے لئے ....جج.... جیوری.... اور جلاد میں ہی ہوں!" جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا۔ وہ بالکل ہکا بکا اور شل سا تھا۔ فارس نے کیمرہ پین اٹھایا اور

جانے کے لئے آگے بڑھ گیا۔ دو قدم اٹھائے پھر مڑا اور پوری قوت سے اس کے جبڑے پہ مکا رسید کیا۔ جیلانی لڑکھڑا کر پیچھے کو گرنے لگا مگر کرسی کو تھام لیا۔ اس کا ہاتھ اپنے منہ پہ تھا جس سے خون بھل بھل بہنے لگا تھا۔ تلملاتا ہوا چہرہ اٹھا کر اس نے دبے دبے غصے سے فارس کو دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

فارس اپنی مٹھی کو چہرے کے قریب لے کر گیا اس میں پھونکا اور پھر کالر جھٹکتے جانے کے لئے مڑ گیا۔

اسنکر اپنا زخمی چہرہ لئے دہرا ہوئے کھڑا اس کھلے بریف کیس کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دل کے دریا کو کسی روز اتر جانا ہے

اتنا بے سمت نہ چل لوٹ کے گھر جانا ہے

اس تاریک رات زمر اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پہ لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا اور ساتھ میں سیاہ مخملیں ڈبی بھی کھلی پڑی تھی۔ وہ گھنگریالے بال جوڑے میں لپیٹے کہنیاں میز پر رکھے ہتھیلیوں میں چہرہ گرائے یاسیت سے ہیرے کی لونگ کو دیکھ رہی تھی۔ چناؤ اس کے سامنے تھا مگر فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

اس نے پھر سر جھٹکا اور لیپ ٹاپ اسکرین کی طرف متوجہ ہوئی۔ آن لائن ترجمہ کھلا رکھا تھا سامنے۔ آج دل اتنا بکھرا بکھرا، بے کیف تھا کہ وہ کچھ لکھ ہی نہیں پا رہی تھی۔ پھر اس نے توجہ اور دھیان کو اسکرین کی جانب مجتمع کرنا چاہا۔

"میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں شیطان مردود سے،

اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان، بار بار رحم کرنے والا ہے۔"

"بھلا کون ہے جو تمہیں جنگل اور دریا کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے اور اپنی رحمت سے پہلے کون خوشخبری کی ہوائیں چلاتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اللہ ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔

بھلا کون ہے جو از سر نو خلقت کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور کون ہے وہ جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے کہہ دے اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا اور انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔"

زمر نے کی بورڈ پہ رکھا اپنے زرد ہاتھ دیکھے پھر جھکے چہرے کے ساتھ ٹائپ کرنے لگی۔ "اس دنیا میں انسان.... ہم انسان بہت سے کاموں کے لئے بہت سے لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ نوکری کے لئے.... پڑھائی کے لئے.... کورٹ میں کیس چلانے اور انصاف لینے کے لئے...." تلخی سے سر جھٹکا۔ "ہم انسان "آزاد" نہیں ہیں۔"

"آزادی صرف ایک myth ہے۔ نہ مرد آزاد ہیں نہ عورتیں۔ سب مجبوریوں سے بندھے دوسروں پہ انحصار کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ ہمیں اندھے اندھیروں میں جب سمجھ نہیں آ رہا ہوتا کہ کیا کریں' کیا فیصلہ لیں' کون سا راستہ اپنا لیں' تب ہمیں راستہ دکھانے والا صرف اللہ ہوتا ہے۔ اور کون ہوتا ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ یہ جو لوگوں کی خوفناک آوازیں اور باتیں ہمیں ڈراتی ہیں نا' ہمیں مستقبل کا خوف دلاتی ہیں' آندھی طوفان جیسی آوازیں اور ہم کان لپیٹ لیتے ہیں' یہ رحمت کی بارش سے پہلے کی ہوائیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی اللہ بھیجتا ہے۔ اچھے دنوں کے آغاز سے پہلے شدید بری باتیں سننی پڑتی ہیں' بس ہمارے ضبط کا امتحان ہوتا ہے۔ لوگ نہیں لے رہے' یہ امتحان بھی اللہ لے رہا ہے۔ مگر کیا ہمیں اس پہ اتنا بھروسہ ہے کہ صرف اسی پہ انحصار کر سکیں؟ اور اگر ہم نہیں کرتے صرف اسی پہ توکل تو اس کو فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے موازنوں اور مقابلوں سے بہت اوپر' بہت بلند ہے۔ وہ پھر بھی انسانوں کو پیدا کرتا رہے گا' ان کو مارنے کے بعد دوبارہ بھی اٹھائے گا۔ ان کو رزق بھی دے گا۔ ہماری قسمتوں میں کیا لکھا ہے' ہماری شادیاں کب تک چلیں گی' بچے کیسے ہوں گے' بڑے ہو کر کیا ہو گا ان کا' ہمیں موت کس زمین پہ آئے گی' یہ سب ہمیں نہیں پتہ۔ اسے پتہ ہے۔ پھر بھی ہم لوگ اتنے کمزور ہیں کہ صرف اس پہ بھروسہ نہیں کرتے۔ انسانوں کو سہارا بناتے ہیں۔ انسانوں کو سبب بنانا چاہیے' مدد لینی چاہیے' مگر سہارا نہیں بنانا چاہیے۔ ان کے دیے گئے چناؤ کے آپشنز کے آگے ہاتھ باندھ کر مجبور نہیں ہو جانا چاہیے۔" ایک آنسو آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھکتا گیا۔ وہ جھکے چہرے کے ساتھ ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔ "مگر ہم یہ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ۔ ابھی ایمان اتنا مضبوط نہیں ہوا ہمارا کہ سر پہ کفن باندھ کر نکلیں اور صرف آپ کی مدد کا یقین رکھیں۔ کچھ غلط قدم اٹھانے پڑتے ہیں' ہم بہت کمزور ہیں۔"

"بلکہ آخرت کے معاملے میں تو ان کی سمجھ گئی گزری ہے۔ بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہی ہیں۔"

"ہم کیوں خود کو ان لوگوں کا محتاج کر لیتے ہیں جن کو آخرت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ انسان کے دل سے آخرت کا خوف نکل جائے' کیسے پتہ چلتا ہے اس کا؟" اس نے رک کر سوچا۔ آنسو سوکھ چکا تھا مگر نشان گال پہ ہنوز موجود تھا۔ "پہلے انسان کی سمجھ بوجھ ختم ہوتی ہے۔ پھر وہ اللہ کی باتیں سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ وہ دل پہ بوجھ اور دماغ کے لئے کوفت بننے لگتی ہیں۔ پھر شک پیدا ہوتا ہے۔ دل کا آئینہ آلودہ ہو جاتا ہے۔ اور جب انسان وسوسوں کا علاج نہیں کرتا' ان کو جھٹکتا نہیں ہے' اور ان کے مدلل جواب تلاش نہیں کرتا کہ صرف جھٹکنا کافی نہیں ہوتا۔ تو وہ اس شک کا پیچھا کرنے لگ جاتا ہے۔ شک اسے دور اندھیروں میں بھٹکا دیتا ہے' اور وہ اندھا ہو کر بھٹکتا چلا جاتا ہے' بہتا چلا جاتا ہے' اور پھر..." اس نے پچھلی آیت دیکھی' گویا الٹا چکر کاٹا ہو۔ "اور پھر کون ہے جو انسان کو اندھیروں سے نکال سکتا ہے' راستہ بتا سکتا ہے سوائے اللہ کے؟ او اللہ' میں کیا کروں؟"

اس نے بازو بچھا کر ان پہ سر رکھ لیا اور آنکھیں بہت کرب سے بند کر لیں۔ سعدی.... یا فارس.... بار بار دو نام ذہن میں ابھرتے تھے۔ چناؤ مشکل تھا۔ ناممکن تھا.... دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ سیدھی ہوئی اور سنجیدگی سے کان کے پیچھے بال اڑستی کی بورڈ پہ انگلیاں چلانے لگی۔ اپنا لکھا گروپ پہ پوسٹ کیا اور دوسری ونڈو کھول لی۔ انکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ فارس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ آستین کے کف موڑتا وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف چلا آیا۔

''اب خوش ہیں آپ؟ ہوگیا ہیرو کا انٹرویو؟'' وہ اس کے کندھوں پہ جھک کر اس کے کان کے قریب کہہ رہا تھا۔ وہ اس وقت بے زار تھی' بہت بےبیزار۔ سنجیدگی سے ماتھے پہ بل لئے ٹائپ کرتی رہی۔ بس ''ہوں'' کہا۔

''تو پھر کیا کھلائیں گی آپ مجھے؟ ایک بہت اچھا آئس کریم پارلر ہے.....'' وہ پیچھے سے جھک کر کھڑا اس کی کرسی کے دائیں بائیں ہاتھ رکھے' کہہ رہا تھا۔

''جو اس وقت تک کھلا ہوتا ہے۔ آپ کی فیورٹ آئس کریم ملتی ہے وہاں سے۔ چلیں گی۔''

''میں ....کام کر رہی ہوں فارس!'' وہ اسکرین پہ نگاہیں جمائے سنجیدگی سے بولی تھی۔ گویا اسے نظر انداز کیے رکھا۔ مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

''اور اگر آپ چاہیں تو ہم اس کے قریب ایک دوسرے اچھے ریسٹورانٹ میں بھی جا سکتے ہیں' جہاں پر....'' اس کے بالوں پہ تھوڑی رکھے وہ اپنی دھن میں کہہ رہا تھا جب زمر نے جھٹکے سے اسکرین نیچے گرائی اور گھومی۔ ''ہم ریسٹورانٹس اور کافی شاپس نہیں جا سکتے فارس۔ کیا تمہیں احساس ہے کہ سعدی کو کیا ہوگیا ہے؟ وہ بیمار ہو چکا ہے وہ مسخ ہو چکا ہے۔ ہم عدالت میں ایک آئی پی پی کے خلاف کیس لڑنے جا رہے ہیں۔ ہمیں کیس کی تیاری کرنی ہے۔ آئسکریم اور کھانوں کے لئے وقت ہے ہمارے پاس؟'' غصہ کسی اور کا تھا' نکلا کسی اور پہ تھا۔ دل کسی اور نے توڑا تھا۔ چھپا کسی اور سے لیا تھا۔ وہ سرخ چہرے اور جذبات سے کانپتی آواز سے بولی تھی۔

فارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ کرسی سے ہاتھ ہٹا کر تیزی سے سیدھا ہوا۔ ایک خاموش مگر برہم نظر اس پہ ڈالی پھر سرعت سے میز پہ رکھی چابیاں اٹھاتا باہر نکل گیا۔ دروازہ تھا سے بند کیا۔

وہ کرسی پہ اکیلی بیٹھی رہ گئی۔ زور سے بند ہوئے دروازے کی کپکپاتی آواز سنتی رہی۔ چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں پانی تھا۔ اور چہرہ جھکا ہوا تھا۔ یکدم اس نے چہرہ اٹھایا۔

جو فیصلہ اتنے دن سے وہ نہیں کر پا رہا تھا' وہ اس لمحے اس گھڑی ہو گیا تھا۔ چناؤ ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور ننگے پاؤں باہر کو بھاگی۔

وہ پورچ میں کھڑا خفگی سے بڑبڑاتا کار کا لاک کھول رہا تھا۔ اس کے کان سرخ تھے اور ماتھے پہ سلوٹیں پڑی تھیں جب وہ دوڑتی ہوئی بیرونی دروازے کی چوکھٹ تک آئی۔

''آئی ایم سوری۔'' فارس نے ایک سپاٹ نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر سر جھکا کر دروازہ کھولنے لگا۔ وہ دوڑ کر آگے آئی اور کار کا دروازہ پکڑ لیا۔ فارس نے رک کر انہی برہم نظروں سے اسے دیکھا۔ اور پھر وہ چونکا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ ''آئی ایم سوری کہ میں نے تمہیں جانے دیا۔ میں کام کر رہی تھی....کر رہی ہوں....کیس پہ.... کیونکہ وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا اگر ہم یہ کیس نہ جیتے تو۔ آئی ایم سوری کہ میں نے تمہیں جانے دیا۔ مگر میرے پاس اختیار تھا۔ تمہیں جانے دوں یا کیس پہ کام نہ کروں....'' وہ دروازے کے اوپر دونوں ہاتھ جمائے بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ فارس کے ماتھے کی سلوٹیں ویسی ہی تھیں البتہ تاثرات کی سختی کم تھی۔

''میرے پاس چوائس تھی۔ تم یا سعدی۔ میں فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔'' تاروں جیسے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی گردن پہ لڑھک رہے تھے۔ موٹی خوبصورت گھنگریالی لٹوں کے ہالے میں اس کا زرد چہرہ بہت دکھی لگتا تھا۔ فارس کی پیشانی کی شکنیں کم ہوتی گئیں۔

''میں تمہیں نہیں جانے دے سکتی تھی۔ میں سعدی کو بھی واپس لانا چاہتی تھی۔ میں ایک وقت میں ایک کا چناؤ کر سکتی تھی۔'' فارس نے ترحم سے اسے دیکھا۔

''زمر تم لوگ خواہ مخواہ اتنا خوار کر رہے ہو خود کو۔ ٹرائل کبھی نہیں چلے گا۔ ایک سال سے پہلے تو شروع نہیں ہوگا۔ ہاشم کبھی کیس نہیں چلنے دے گا۔'' مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''میرے پاس چناؤ کا اختیار تھا۔ مگر فارس... میں تمہیں نہیں چنوں گی۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر کہہ رہی تھی۔ اس کی بھیگی آنکھیں زخمی تھیں۔

''کیونکہ تم میرے ہو۔ جو میرا ہے وہ میرا رہے گا۔ میں تمہیں نہیں چنوں گی کیونکہ کوئی بھی تمہیں مجھ سے دور نہیں کر سکتا۔''

اس کے چہرے کی آخری شکن بھی جاتی رہی۔ گہری سانس لے کر وہ اسے دیکھے گیا۔ ''تو کون تمہیں مجھ سے دور کر رہا ہے سوائے تمہارے اپنے؟''

''اور میں سعدی کو بھی نہیں چن رہی۔'' وہ اسی طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں کیوں چنوں اس کو؟ میں مجبور نہیں ہوں۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ میں کسی انسان کے سامنے مجبور نہیں ہوں۔ انسان اندھیروں میں راستہ نہیں دکھا سکتے۔ میں نے اپنا چناؤ کر لیا ہے۔'' ہتھیلیوں کی پشت سے گال رگڑتے ہوئے اس نے چند گہرے سانس لے کر خود کو سنبھالنا چاہا۔ آنسو پھر بھی ابل ابل رہے تھے اور ناک اور گال گلابی پڑ رہے تھے۔

''میں فارس کو نہیں چنوں گی۔ میں سعدی کو نہیں چنوں گی۔ میں... زمر کو چنوں گی۔ میں خود کو چنوں گی۔'' اٹھی گردن اور مضبوط آواز سے وہ چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی تھی۔ ''میں وہ کروں گی جو زمر کو کرنا چاہیے۔ ظلم زمر کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ سب اپنی زندگی شروع کر سکتے ہیں سوائے میرے۔ زمر کو انصاف چاہیے۔ یہ صرف سعدی کے لئے نہیں ہے۔ یہ زمر کے لئے بھی ہے۔ مجھے بھی تک سکون نہیں ملے گا جب تک میں ان لوگوں کو تباہ ہوتے نہ دیکھ لوں۔ میں... زمر کو چن رہی ہوں۔ اور زمر بہت اچھی اداکارہ ہے۔''

اب کے وہ آنکھیں سکیڑ کر غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''زمر اگر کوئی بات ہے تو تم مجھے بتاؤ۔ ایک دفعہ پہلے بھی تم روتے ہوئے کمرے میں آئی تھیں، تمہیں دمے کا اٹیک ہوا تھا اور تم درختوں کی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ آگے بڑھا اور نرمی سے اس کے ہاتھ تھام لئے۔ ''بعد میں عدالت میں تم نے بتایا مجھے کہ اس رات تم نے حقیقت جان لی تھی۔ میں اب نہیں سمجھ پا رہا کہ کیا ہوا ہے مگر کچھ ہوا ضرور ہے۔ مجھے بتاؤ۔'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ بھیگے چہرے کے ساتھ مسکرا دی اور نفی میں سر ہلا دیا۔

''میرا ڈپریشن، میرا ذہنی دباؤ بہت بڑھ گیا تھا۔ مجھے لگتا تھا میں کیس کی وجہ سے تم سے دور ہو جاؤں گی۔ مگر نہیں....'' اب کے وہ دھلے دھلائے چہرے اور گلابی آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر بولی تھی۔ ''جو میرا ہے وہ میرا رہے گا۔ مجھے تمہیں نظر انداز یا ناراض کرنے کی ضرورت

نہیں ہے۔ہم اچھی امید اور اچھی تیاری کے ساتھ بھی یہ کیس لڑ سکتے ہیں۔اور ...تم جب کہو گے ہم ڈنر پہ بھی جا سکتے ہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔وہ جو لمحے بھر کے لئے وہ ڈر گیا تھا کہ کچھ ہوا ہے'وہ واہمہ بھی ذہن سے جاتا رہا۔اس نے نرمی سے اسے اپنے قریب کیا' اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر چند لمحے تھپکتا رہا۔اور پھر بہت محبت سے دھیرے سے بولا۔

''آئی ہیٹ یو چڑیل!''

وہ ایک جھٹکے سے الگ ہوئی۔بھیگی گلابی آنکھوں میں ایک دم ڈھیر سارا غصہ عود آیا تھا۔''کیا کہا؟''وہ بے یقین بھی تھی۔

''احمر شفیع نے تمہارا نام چڑیل رکھا تھا۔قوی اطلاع ہے کہ کچہری میں بہت سے لوگ تمہیں اسی نام سے پکارتے ہیں اور میں ہر نماز میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان لوگوں کو نیک اجر عطا کرے۔''وہ کار کا دروازہ کھولتا کہہ رہا تھا' اور زمر نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی روکی چہرے پہ خفگی طاری کیے وہ چیخ کر بولی تھی۔

''اگر تمہیں مجھ سے ذرا سی بھی محبت ہوتی تو تم میرے بارے میں ایسی باتیں کرنے والوں کے دانت توڑ دیتے۔''

''آپ کو کس نے کہا کہ مجھے آپ سے محبت ہے؟میں نے تو آپ کی دولت کے لئے آپ سے شادی کی تھی۔''

''دولت سے یاد آیا میرے پیسے کہاں ہیں؟ہاں؟''وہ اندر بیٹھ چکا تھا اور وہ اس کی کھڑکی پہ جھکی ناراضی سے کہہ رہی تھی۔

''جن پیسوں کو ہاشم کاردار ٹریس نہیں کر سکا' آپ نے سوچا بھی کیسے کہ وہ آپ کو مل جائیں گے۔جائیے زمر بی بی'جوتے پہن کر آئیں' پھر میں آپ کو ڈنر پہ لے کر جاؤں گا۔''

''ہاں'وہ بھی میرے پیسوں سے ہوگا۔''وہ سیدھی ہوتے ہوئے خفا خفا سی بولی اور مڑ گئی۔پیچھے سے اس نے اس کی بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

''لالچی وکیل نہ ہو تو۔''اس دفعہ اصلی والا غصہ چڑھا مگر سر جھٹکتی اندر چلی گئی۔اس کا ٹوٹا دل بالآخر جڑنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خوابوں کے چاند ڈھل گئے تاروں کے دم نکل گئے

پھولوں کے ہاتھ جل گئے' کیسے یہ آفتاب تھے!

وہ صبح پگھلے سونے کی سی حدت لئے ہوئے طلوع ہوئی تھی۔سورج کی ترچھی کرنیں قصر کاردار کے ستونوں سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں۔ اندر اونچی کھڑکیوں سے چھن کر آتی روشنی نے ڈائننگ ہال کو منور کر رکھا تھا۔سربراہی کرسی پہ ہاشم بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔نوشیرواں ہنوز کمرے میں بند تھا'اس کا ساتھ دینے کو دائیں ہاتھ جواہرات بیٹھی تھی۔جانے دونوں کی کرسیوں کی جگہ کب بدلی تھی'مگر جواہرات نے اعتراض نہیں کیا تھا۔جانتی تھی کہ اب خاندان کی ڈرائیونگ سیٹ پہ وہ نہیں تھی۔مگر وہ مطمئن تھی۔کانٹے میں پھل کا ٹکڑا پھنساتے وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی تھی۔

''تم نے خاور کے متعلق سنا؟''

''ہوں!'' اس نے سر ہلایا۔ ''اس کے بیٹے کا فون آیا تھا۔ میں مالی طور پہ مدد کرتا رہوں گا اس کی فیملی کی۔ کچھ عرصے تک۔''

''تمہارا بڑا ظرف ہے، ہاشم!'' اس نے جھرجھری لی۔ وہ خاموشی سے کھاتا رہا تو وہ ذرا پینترا بدل کر بولی۔ ''مگر جو بھی ہے، مجھے بہت افسوس ہوا اس کا سن کر۔''

''اپنے کیے کا پھل ملا ہے۔'' اس نے سر جھٹکا تھا، پھر نیپکین رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ آفس کے لئے تیار لگ رہا تھا۔ ٹائی، کف لنکس، سب اپنی جگہ پہ تھے۔ ''ٹرائل کا کیا بنے گا؟''

''کوئی ٹرائل نہیں چلے گا ممی۔ ایک ایک پیشی کے لئے ترساؤں گا انہیں۔'' موبائل اسکرین پہ انگلی پھیرتے وہ ساتھ سے نکل کر چلا گیا۔ جواہرات نے طمانیت کا گہرا سانس لیا اور مسکرا کر جوس لبوں سے لگالیا۔ خاور کا باب تو ختم ہوا.....

چند میل دور..... اس پر شکوہ عمارت کے ایک وسیع آفس میں ہارون عبید اپنی مخصوص کرسی پہ براجمان تھے۔ ٹیک لگا کر بیٹھے، گال تلے انگلی رکھے وہ محظوظ نظروں سے سامنے بیٹھی زمر کو دیکھ رہے تھے جس کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور چبھتی ہوئی نظریں ان پہ جمی تھیں۔ وہ درمیان میں حائل میز کے باعث یہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ زمر نے کرسی کی نشست ایک ہاتھ سے مضبوطی سے تھام رکھی ہے۔ اور بار بار وہ تھوک نگل کر خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تو آپ نے کیا فیصلہ کیا؟''

''اگر آپ واقعی ہاشم کاردار کو ہمارے ساتھ ٹرائل لڑنے پہ آمادہ کر لیتے ہیں تو ٹھیک ہے۔'' ہلکے سے کندھے اچکا کر خود کو بے نیاز ظاہر کرنا چاہا۔ ''میں فارس کو چھوڑ سکتی ہوں۔''

''اچھا۔'' وہ ذرا سا مسکرائے۔

''اور میں جانتی ہوں کہ آپ یہ اپنی بیٹی کے لئے نہیں کر رہے۔'' اب کہ وہ بھی ذرا سا مسکائی تھی۔ ''آپ فارس کو استعمال کرنا چاہتے ہیں، اسے اپنی بیٹی کا باڈی گارڈ بنانا چاہتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہو پائے گا۔ وہ کبھی بھی ایسے کسی دام میں نہیں آئے گا۔ میں تنبیہ وارن کروں گی اسے۔ مگر وہ خود اتنا سمجھدار ہے کہ آپ کا ہر وار خطا جائے گا۔''

''یہ میرا مسئلہ ہے، اس لئے کیوں نا ہم وہ بات کریں جو آپ کا مسئلہ ہے۔'' آگے ہوتے ہتھیلیاں باہم پھنساتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ نے اچھا فیصلہ کیا، اپنے بوجھ کو کسی کی زندگی سے نکال کر اسے ہلکا کرنے کا فیصلہ بہت اچھا رہتا ہے۔ آپ کو اور کچھ نہیں کرنا۔ بس اس کی زندگی سے نکل جانا ہے۔''

''مگر ٹرائل کے بعد۔ ہم ٹرائل جیتیں یا ہاریں، اس وقت کا انتظار نہیں کروں گی میں، مگر کم از کم جب اتنا کیس چل چکا ہو گا کہ مجھے لگے آپ نے اپنا وعدہ ایفا کر دیا ہے تو میں اسے چھوڑ دوں گی۔''

''اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو؟'' کمرے میں لمحے بھر کو سناٹا چھا گیا مگر زمر نے اداکاری جاری رکھتے ہوئے اسی بے نیازی سے شانے

اچکائے۔

''جب میں آپ پہ اعتبار کر رہی ہوں تو آپ کو بھی مجھ پہ یقین کرنا چاہیے۔''

''مگر ہو سکتا ہے کہ یہ صرف آپ کی چال ہو۔ آپ صرف وعدہ کرنے کی اداکاری کر رہی ہوں' اور اپنا مطلب نکل آنے کے بعد آپ اپنی بات سے پھر جائیں۔ ایسے میں مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔'' ان کی زیرک نگاہیں اندر تک اتر رہی تھیں۔ زمر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا مگر چہرے پہ مسکراہٹ برقرار رہی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ نے یقیناً کوئی کانٹریکٹ بنوا رکھا ہوا گا۔ لائیے' میں دستخط کر دیتی ہوں۔''

''آپ وکیل لوگ ہر کانٹریکٹ کے نکلنے کے سوراخ ڈھونڈ لیتے ہیں' میں ایسی غلطی نہیں کروں گا۔''

''تو پھر آپ میری یہ گفتگو ریکارڈ کر رہے ہوں گے۔ یقیناً تاکہ مجھے بلیک میل کر سکیں۔''

''ایسا بھی نہیں ہے۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کیونکہ آپ بہت محتاط الفاظ کا چناؤ کر رہی ہیں' اگر اس منظر کی ویڈیو بنا کر میں فارس کو دکھا بھی دوں تو آپ وکٹم لگیں گی اور میں ولن۔ یوں فیصلہ آپ کے حق میں ہو جائے گا۔ مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔''

پہلی بار زمر کو محسوس ہوا کہ کمرے میں تناؤ اور گھٹن بڑھ گئی ہے۔ خطرے کا سائرن دور کہیں زور زور سے بجنے لگا۔ کوئی آواز مگر سنائی نہیں دیتی تھی' صرف سرخ بتی جلتی بجھتی دکھائی دیتی تھی۔ کسی نے اندر کہا کہ اٹھو اور چلی جاؤ' لعنت بھیجو اس کیس پہ' سعدی کو سمجھا لینا' مگر جس کا اندر زیادہ زور چلتا تھا' اس نے اس آواز کو دبا لیا۔ کیونکہ ''زمر'' کا انتخاب زمر نے کر لیا تھا۔

''تو پھر کیسی ضمانت چاہیے آپ کو مجھ سے؟''

انہوں نے جواب دینے کی بجائے میز پہ کھڑا کر کے سیدھے رکھے ٹیبلٹ کی طرف توجہ مبذول کی' اور اسکرین کو چھو کر کچھ دیکھنے لگے۔

''جب آپ اس عمارت میں داخل ہوئی تھیں تو آپ نے اپنا پرس ایکس رے سے گزارا تھا۔ آپ کے پرس کے اندر کی تصویر... اندر تک کا خاکہ میرے پاس کھلا رکھا ہے۔ اس میں ایک چھوٹی چوکور شے نظر آ رہی ہے۔ جس کے اندر ایک ننھا سا ہیرہ موجود ہے۔ یہ تصویر چونکہ پرس کا ایکسرے امیج ہے' یہ صرف ایک خاکہ دے سکتا ہے' مگر میں جانتا ہوں کہ وہ ہیرہ اس نوز پن کا ہے جو کسی زمانے میں فارس غازی نے آپ کو دی تھی۔''

کرسی کی نشست پہ جمے اس کے ہاتھ نے زور سے لیدر کو بھینچا۔ اس کے کندھے قدرے سیدھے ہوئے۔ لب پھڑپھڑائے۔ آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔

''اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ گفٹ دینے والا فارس تھا تو آپ غصے سے گھر چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئی تھیں۔ اس دن کے بعد سے آپ نے اس کو نہیں پہنا۔ حیران مت ہوں۔ کچھ تو معلومات ہوں نا میرے پاس بھی!''

''یقیناً یہ میرے ملازم نے کاردارز کے گارڈ کو بتایا ہو گا' سب نوکروں کو خبر ہو گئی تھی اس رات۔ اور ملازم کانوں کے جتنے پکے ہوتے ہیں

زبان کے اتنے ہی کچے ہوتے ہیں۔ خیر' آپ اس نوز پن کا ذکر کیوں کر رہے ہیں؟''

وہ بولی تو آواز میں دبا دبا غصہ سا لگتا تھا۔

''اگر یہ آپ کے پرس میں نہ ہوتی تو مجھے خیال بھی نہ آتا' مگر میری قسمت اچھی تھی۔'' وہ ٹیبلٹ نیچے رکھتے ہوئے مسکرا کر بولے۔

''آپ اسے خود ہی میرے پاس لے آئیں۔'' پھر باہم مٹھیاں پھنسائے مزید آگے کو ہوئے اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''مسز زمر... اپنی بات پہ اعتبار دلانے کے لئے آپ مجھے اس سے اچھی ضمانت نہیں دے سکتیں۔ اس ڈبی کو میرے پاس چھوڑ جائیے۔''

آسمان کے سارے تارے ایک دم سمندر میں جا گرے تھے۔ اس کا سانس تک رک گیا تھا۔ ''یہ ڈبی؟''

''جی۔ جب آپ یہ وعدہ پورا کریں گی تو میں اسے واپس کر دوں گا۔ نہیں کریں گی تو میں.... بلکہ میں کیا کروں گا؟ میری ملکیت میں یہ ڈبی دیکھ کر وہ خود ہی آپ کو چھوڑ دے گا۔ اسی کو ضمانت کہتے ہیں نا۔ اسی کو کانٹریکٹ اور ایگریمنٹ کہتے ہیں نا۔ اور جب آپ نے اسے چھوڑ ہی دینا ہے تو پھر یہ ڈبی کوئی حیثیت تو نہیں رکھتی ہو گی آپ کے لئے۔ سو... اسے.... مجھے.... دے دیں۔''

تارے سمندر کی سطح پہ چند لمحے تیرتے رہے' مگر تنکے جیسا سہارا بھی نہ ملا تو اندر گرتے چلے گئے.... ڈوبتے چلے گئے۔ اس کی بھوری آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہارون منتظر سے اسے دیکھے گئے۔ وہ کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ ان کو بجھی بجھی نظروں سے دیکھتی رہی۔ اس کے ذہن میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ اور دل بند ہونے کو تھا۔

''میں آپ کے ساتھ کسی قسم کی اداکاری نہیں کر رہی۔ لیکن اگر آپ کو صرف اس طرح یقین آئے تو اس طرح سہی۔'' پرس سے وہ ڈبی نکال کر اس نے کھول کر میز پہ پٹخی۔ اندر جگمگاتا ننھا ہیرا ڈھیر ساری روشنی منعکس کرنے لگا۔

''یہ لیجیے۔ اگر آپ نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو میں ہاشم کو بتا دوں گی کہ آپ کی بیٹی میرے شوہر کے لئے کیا جذبات رکھتی ہے' اور جب اسے پتہ چلے گا تو وہ اس کا کیا حشر کرے گا' آپ کو معلوم ہے سو اب آپ بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

ہارون واقعی چونکے تھے۔ اس کے الفاظ پہ نہیں' اس ڈبی کو دیکھ کر۔ پھر انہوں نے ایک سراہتی نظر زمر پہ ڈالی۔ ''گویا وہ امتحان میں پاس ہو گئی تھی۔

''وہ بہت جلد خود آپ سے کہے گا کہ اسے یہ کیس لڑنا ہے' یہ میرا وعدہ ہے۔ اسی میں ہم سب کا فائدہ ہے۔''

زمر نے پرس اٹھایا اور ایک کٹیلی نظر ان پہ ڈال کر باہر نکل گئی۔ دروازہ زوردار آواز سے بند کیا تھا۔

باہر راہداری میں چلتے ہوئے اس نے بدقت ابلتے آنسو روکنے چاہے مگر وہ نہیں رکے۔ قطرے ٹپ ٹپ چہرے پہ لڑھکنے لگے۔ اس نے رک کر دیوار کا سہارا لیا' گویا خود کو ڈھے جانے سے روکا ہو' بچایا ہو۔ کچھ کھو دیا تھا اور اب دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا تھا۔ چند گہرے سانس لیے' چند آنسو پیے اور پھر وہ دوبارہ سے چلنے لگی۔ اب کی دفعہ آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی مگر چال ویسی ہی تھی محتاط سی۔ ذرا سی پھسلن گرا سکتی تھی اور اسے اب کوئی غلطی نہیں کرنی تھی۔

چند میل دور ہاشم کے آفس کے باہر کھڑی آبدار نے موبائل پہ آیا پیغام دیکھ کر سے واپس پرس میں ڈالا' پھر جی کڑا کر چلتی ہوئی دروازے کے قریب آئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ پرسکون رکھنے کی کوشش کیے ہوئے تھی۔

دروازے کا ہینڈل پکڑتے ہوئے وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''اتنا بڑا خطرہ مول لے لوں کیا؟'' پھر سر جھٹکا' اور اداسی سے مسکرائی۔

''وہ... تمہارے لئے... ایسا کبھی نہیں کرے گی' فارس!'' اور پھر اندر داخل ہو گئی۔ آفس ابھی خالی تھا اور حلیمہ کے بقول ہاشم کے آنے میں آدھا گھنٹہ تھا۔ آبدار کو اب آدھا گھنٹہ ادھر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' حنین یوسف نے اس صبح اس سے یہ کہا تو جواب میں فارس نے سر ہلا کر کہا تھا۔

''مجھے بھی تمہیں کچھ بتانا ہے۔'' وہ دونوں مورچال کے پورچ میں کھڑے تھے اور وہ باہر جانے کی تیاری میں تھا۔

''میں جانتی ہوں آپ کو خاور کے بارے میں بتانا ہے۔ میں بھی وہی بتانا چاہ رہی ہوں۔'' وہ چمکتی آنکھوں اور مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔ ''اس کا ایک بیٹا ہے جو اب واپس اپنی ماں اور دادی سمیت خاور کے گھر آ کے رہنے لگ گیا ہے۔ میں نے اس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس کے باپ نے کیا کیا' اور کن کے لئے یہ سب کیا۔ اس کا دل بدل گیا ہے اپنے باپ کے لئے' اور کسی شخص کے لئے اس سے بڑی سزا کیا ہو گی کہ اس کی اولاد کا دل بدل جائے اس کے لئے؟ میرا خیال ہے آپ کو....'' وہ جوش سے تیز تیز بول رہی تھی۔

قریباً گھنٹے بھر بعد وہ اس بنگلے کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ جینز اور شرٹ میں ملبوس' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے سنجیدگی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ عجیب خاموشی کمرے میں حائل تھی۔ سامنے بیٹھا نوعمر لڑکا خاموش تھا۔ وہ الجھا ہوا بھی تھا۔ مگر مقدس خاموشی کو توڑ نہیں پا رہا تھا۔

دفعتاً چوکھٹ پہ آہٹ سی ہوئی۔ وہ دونوں اس طرف دیکھنے لگے۔

ایک عورت پہلے نمودار ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ ایک وہیل چیئر کی پشت کو تھامے ہوئے تھے جس کو دھکیلتی ہوئی وہ اندر لا رہی تھی۔ فارس کی نظریں وہیں جم گئیں۔ وہ بس اسے دیکھتا رہا۔

وہ خاور تھا۔

اس کا اکڑا ہوا فالج زدہ جسم وہیل چیئر پہ رکھا تھا۔ گویا اس میں روح نہ ہو۔ گردن ترچھی منجمد سی تھی' اور چہرے پہ آکسیجن ماسک چڑھا تھا۔ ساتھ چند نالیاں بھی جڑی تھیں۔ اس کے ہونٹ ٹیڑھے میڑھے سے ہو کر ایک زاویے پہ جم گئے تھے اور آنکھیں.... صرف وہی حرکت کرتی تھیں۔ ان کی سیاہ گیندیں گھوم گھوم کر فارس کے چہرے سے ٹکراتی تھیں۔ ان میں بے بسی تھی' خوف تھا' دکھ تھا۔

''کیا ان کی بہتری کی کوئی امید ہے؟'' اس نے سادگی سے لڑکے کو مخاطب کیا۔ لڑکے نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''ان کا جسم مستقل طور پہ مفلوج ہو چکا ہے۔ ہاتھ کی صرف ایک انگلی ہلا سکتے ہیں' ایک دفعہ ہلائیں تو مطلب ہے ہاں' دو دفعہ تو ناں۔

بول بھی نہیں سکتے۔ بس دیکھ سکتے ہیں۔ روتے بہت ہیں۔ آوازوں سے۔ مگر الفاظ نہیں نکلتے۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ قدرتی فالج اٹیک ہے' اور ایسی صورتحال میں ہمیں اب سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔" وہ دبی آواز میں بتا رہا تھا۔

فارس بس گردن موڑے اسے دیکھتا رہا۔ جو سمٹا سمٹا سا وہیل چیئر پہ پڑا تھا۔ زرد بے جان چہرہ' بے حد گرا ہوا وزن ہڈیوں کا ڈھانچا سا انسان۔ اس کی بھیگی نظریں فارس پہ جمی تھیں۔ بہت سے ماہ و سال دونوں کے درمیان فلم کی طرح چلنے لگے تھے۔

"بول نہیں سکتے تو کیا ہوا۔ سن تو سکتے ہیں نا۔" وہ بہت دیر بعد بولا تھا اور آواز ٹھنڈی تھی۔ ٹھنڈی اور سپاٹ۔

"جی' سن سکتے ہیں۔" لڑکے نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر آج کرنل خاور تمہارے ساتھ کچھ سنیں گے۔ ایک کہانی جو میں سنانے جا رہا ہوں۔" فارس نے نگاہوں کا رخ اس لڑکے کی طرف پھیرا۔ "اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کہانی کو ساری زندگی یاد رکھو جب تک یہ زندہ ہیں تم روز ان کو وہ کہانی سنایا کرو۔" خاور کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

"میں سمجھا نہیں۔" لڑکا اب کے الجھا تھا۔

"جب میں شروع کروں گا تو سمجھ جاؤ گے۔ پھر بتاؤ شروع کروں؟" اس نے اسی سکون اور اطمینان سے پوچھا تھا۔ لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا۔ خاور نے بہت کوشش کی کہ وہ چیخے چلائے' گردن ادھر ادھر مارے' اس کی منت کرے' اسے روکے' روئے پیٹے' اس کے قدموں میں گر جائے اور اسے منع کرے۔ میرے بیٹے کو مت بتاؤ۔ خدارا مت بتاؤ۔

مگر اب..... اختیار اس کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔

اور اگر تمہیں کبھی کوئی کہے کہ انسان کے کیے گئے ظلم گھوم پھر کے اس کے پاس ایک دن ضرور لوٹتے ہیں تو یقین کر لینا کیونکہ ایسا ضرور ہوتا ہے۔

ادھر حنین مورچال کے لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتے ہوئے ڈرائے فروٹ کھا رہی تھی۔ زمر ابھی ابھی لوٹی تھی اور خاموش سی ادھر بیٹھی تھی' گویا ذہن کہیں دور الجھا ہو۔ سعدی لیپ ٹاپ لئے بیٹھا کچھ پوائنٹس کاغذ پہ لکھ رہا تھا۔ وہ انٹرویو کی تیاری کر رہا تھا۔

دفعتاً حنین اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ مٹھی میں خشک میوے بھرے' وہ ان کو وقفے وقفے سے کھاتی' زینے چڑھتی اوپر آئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور پھر.....

اس کی دلخراش چیخ سب نے سنی تھی۔ زمر اور سعدی کے خیالات ٹوٹے' جیسے ان کو ہوش آیا۔ وہ دونوں اوپر کی طرف بھاگے۔

"حنین کیا..." چوکھٹ تک آتے ہوئے سعدی کے الفاظ ٹوٹ گئے۔ کمرے کی حالت بتا رہی تھی کہ کیا ہوا تھا۔

ہر شے بکھری ہوئی تھی۔ الماریاں دراز کھلے پڑے تھے۔ جوتوں والے خانے سے سارے ڈبے نکلے ہوئے تھے۔ لاک والی دراز میں چابی لگی تھی اور وہ کھلا تھا۔ حنین حواس باختہ سی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ شل۔ ہکا بکا۔ کھڑکی بھی پوری کھلی تھی۔

''حنہ، تم ٹھیک ہو؟ کیا ہوا؟'' زمر نے بے اختیار اسے کندھوں سے تھاما اور اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا۔

''وہ میرے سامنے کھڑکی سے کودا...اور...'' وہ شل سی ابھی تک گردن موڑے باہر دیکھ رہی تھی۔'' اور اس نے دیوار پھاند لی۔''

''کون؟ کون تھا؟'' سعدی تیزی سے بالکونی میں بھاگا تھا۔

''وہ ایک آدمی تھا، اس نے سرخ مفلر لپیٹ رکھا تھا اور...اور اس کے لمبے بال تھے...اور چھوٹا سا قد تھا۔'' وہ سفید چہرے کے ساتھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بتانے لگی۔ سعدی واپس اندر آیا اور سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ اسے نیچے جا کر اس آدمی کو پکڑنا تھا۔

''کیا کر رہا تھا وہ یہاں؟ بتاؤ حنین؟''

''اس کے ہاتھ میں میرا میموری کارڈ تھا۔ وہ علیشا والا میموری کارڈ لے کر چلا گیا۔ اللہ میرے!'' حنین نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ زمر نے بے ساختہ کھلی دراز کو دیکھا۔ اسے زور کا چکر آیا تھا۔

''میرے پاس تو اسکی کاپی بھی نہیں ہے زمر۔ اب کیا ہوگا؟''

زمر نڈھال سی کاؤچ پہ گر سی گئی۔ اب کیا ہوگا؟

قصرِ کاردار کے برآمدے کے اونچے ستونوں پہ دھوپ کی پہلی کرنیں گرتی نظر آ رہی تھیں۔ ہاشم موبائل دیکھتا زینے اترتا نیچے آ رہا تھا۔ اس کی کار سامنے منتظر سی کھڑی تھی۔ شوفر دروازہ کھولے، ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ جیسے ہی کار کے قریب آیا، ایک گارڈ سامنے سے تیز تیز چلتا اس طرف آتا دکھائی دیا۔

''سر!'' اس نے عجلت میں پکارا۔ ہاشم نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کیا ہے؟''

''ایک ملاقاتی ہے آپ کے لئے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ ان سے واقف ہیں، سوان سے مل لیں؟''

''اسی وقت؟'' اس نے نخوت سے ابرو اٹھائی مگر پھر وہ ٹھہر گیا۔ گارڈ کے پیچھے آتے ذی نفس کو وہ پہچان گیا تھا۔ پاسپورٹ، انجان کالز، بہت سی کڑیاں ایک ساتھ ذہن میں ملی تھیں۔

''ہیلو مسٹر کاردار!'' وہ قدم بقدم چلتی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اپنے ہیروں کی انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ سے کان کے پیچھے بال اڑستی نرمی سے بولی۔ ''میں یہ جانے بغیر کہ کس کے لئے کام کر رہی ہوں، آپ کے لئے بہت کچھ کر چکی ہوں پہلے۔ اب بھی فارس غازی کے خلاف آپ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''آپ کی تعریف؟'' وہ انجان بن کر بولا البتہ چہرے کی تمام بےزاری اور کلفت غائب ہو چکی تھی۔ مسکرا کر، دلچسپی سے وہ اس نوارد کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ڈاکٹر ایمن کہتے ہیں۔ فارس غازی نے میرا اسپتال جلایا تھا، اس نے مجھے تباہ کر دیا۔ تو کیوں نا ہم مل کر اس سے بدلہ لیں؟''

ہاشم کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ”تو وہ آپ تھیں۔ سعدی یوسف کا پاسپورٹ چرانے والی۔ اور یقیناً پاسپورٹ کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوگا آپ کے پاس۔“ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتا وہ کہہ رہا تھا۔

”وہ آپ تھیں! ہے نا!“

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

A Page Turning Episode
;)

نمل (نمرہ احمد)

پچیسویں قسط:

”اِک مسافت عالَمِ تنویم میں....!“

لوگ کہتے ہیں کہ
زبردست محبت وہ ہوتی ہے
جو تمہیں بٹھاتی ہے،
پینے کو پانی دیتی ہے
اور تسلی آمیز انداز میں
تمہارے سر پہ تھپکی دیتی ہے۔
مگر میں کہتی ہوں کہ
زبردست محبت وہ ہے
جو تمہیں اڑا دے فضا میں
بھڑکا دے تمہارے وجود میں شعلے
تم آسمانوں میں جلتے ہوئے اڑتے جاؤ
اور رات کو ہما پرندے کی طرح روشن کر دو۔
ایسی محبت جو تمہیں جنگل کی آگ کی طرح
بھگاتی جائے اور تم.....
تم دوڑتے دوڑتے رکو نہیں۔
اور جس نے ڈگر بھی تم چھوڑو

اسے جلا کر راکھ کرتے جاؤ۔

میں کہتی ہوں یہ ہے اچھی محبت۔

جو تمہیں جلا ڈالے

جو تمہیں اڑا ڈالے

اور تم اس کے ساتھ

بھاگتے چلے جاؤ.....

(سی جوائے بیل سی)

سرما کو اپریل کے سورج نے پگھلا کر گویا بھاپ بنا کے اڑا دیا تھا۔ وہ ایسا گیا کہ اب نام و نشان بھی نہیں ملتا تھا۔ فضا گرم تھی۔ ہوا ساکن تھی۔ گزشتہ برسوں کی نسبت اس سال موسمِ گرما بہار کے درمیان سے ہی شروع ہوا چاہتا تھا۔

کچہری کا جہنمی ہجوم ویسے ہی بھانت بھانت کی بولیاں بولتا راہداریوں سے گزر رہا تھا۔ البتہ اس کمرہ عدالت میں بند دروازوں کے باعث آوازوں کی آمد منقطع تھی۔ چبوترے پہ اونچی کرسی پہ براجمان سیشن جج جناب عابد آغا صاحب اپنے کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے دونوں اطراف کرسیاں لگی تھیں۔ کورٹ رپورٹر اپنے کی بورڈ پہ ہاتھ جمائے تیار بیٹھا تھا۔ بولنے والوں کا ہر سچ اور ہر جھوٹ اچک کر صفحہ قرطاس پہ منتقل کرنے کو بے تاب تھا۔

دونوں جانب کی کرسیوں کے درمیان گزرنے کا کھلا سا راستہ بنا تھا۔ ہاشم کاردار ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ ساتھ سوٹ ٹائی اور جھکے سر والا شیرو موجود تھا' اور مزید آگے دیکھو تو جواہرات بیٹھی' بےزاری سے اپنے نیکلیس کو انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ دائیں جانب بھی دیکھ لیتی جہاں دوسری میز کے پیچھے زمر اور سعدی ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ سر ایک دوسرے کے قریب کیے' وہ دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ پچھلی کرسیوں پہ حنین اور اسامہ بیٹھے تھے۔ بالکل خاموش۔

اب تم واپس ہاشم کاردار کی طرف آ جاؤ تو وہ اسی طرح مطمئن سا بیٹھا نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی' اور چہرہ سنجیدہ سا لگتا تھا۔

"زمر صاحبہ' آپ شروع کریں۔" جج صاحب نے کاغذات سے نظریں اٹھا کر زمر کو اشارہ کیا۔ ٹرائل شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بولنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ سعدی سے ہلکا سا کچھ کہتی اٹھ کھڑی ہوئی' کوٹ ذرا کھینچ کر درست کیا۔ بال کان کے پیچھے اڑسے۔ اس کی ناک میں ننھے سے ہیرے کی لونگ دمک رہی تھی۔ ہاشم یونہی اسے دیکھے گیا۔ وہ اس لونگ اور اس میں چھپی داستانوں سے بےخبر تھا' مگر اس کی چمک سے اسے کچھ یاد آ رہا تھا... ذہن پیچھے کہیں تیرنے لگا تھا... اور ایک دم وہ **دو ماہ پہلے** کی اس صبح میں غوطہ زن ہو گیا تھا۔

"ڈاکٹر ایمن!" سبزہ زار پہ اپنی کار کے ساتھ کھڑا وہ مسکراتے ہوئے اس عورت سے کہہ رہا تھا جس نے ہاتھوں میں ہیرے کی

انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ ”تو وہ آپ تھیں نا۔جنہوں نے مجھے وہ پاسپورٹ بھیجا تھا۔“

ڈاکٹر ایمن نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔وہ جو کچھ اور کہنے جا رہی تھی رُک گئی۔بھنویں ناسمجھی سے اکٹھی ہوئیں۔”سوری‘ مگر کون سا پاسپورٹ؟“

”آپ.....نے.....مجھے.....“ وہ توڑ توڑ کر کہتا اس کے سامنے آیا۔”ایک.....پاسپورٹ بھیجا تھا.....سعدی یوسف کا.....“

اس نے اچنبھے سے نفی میں سر ہلایا۔وہ حیران ہوئی تھی۔”نہیں میں نے آپ کو کچھ نہیں بھیجا۔میں نے تو دو تین دفعہ بس آپ کے آفس کال کی تھی‘ ملنا چاہتی تھی۔اگر آپ کو کسی نے میرے خلاف کچھ کہا ہے تو یقین مانیں اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔“

ہاشم نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کر غور سے اسے دیکھا۔انداز سے لگتا تھا وہ سچ کہہ رہی ہے۔اس نے سر جھٹکا۔

”خیر.....کیوں ملنا چاہتی تھیں آپ مجھ سے؟“ انداز ذرا روکھا ہو گیا تھا۔دلچسپی گویا ختم ہو گئی تھی۔

”میں فارس غازی کے خلاف آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔جب آپ ٹرائل میں اس کے بھانجے کے خلاف دلائل دیں گے تو.....“

”ایک منٹ بی بی۔“ اس نے انگلی اٹھا کر روکا۔”کوئی ٹرائل نہیں ہو رہا۔نہ کبھی ہو گا۔یہ آپ لوگوں کی بھول ہے کہ ہم اور ”وہ“ کبھی دو خاندانوں کی طرح استغاثہ اور دفاع کی کرسیوں پہ کسی کورٹ روم میں بیٹھے ہوں گے۔اور مجھے اگر آپ کی مدد کی ضرورت پڑی.....”اگر“ پڑی تو میں خود آپ کو یاد کر لوں گا۔ابھی آپ جا سکتی ہیں۔“ اور سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھاتا‘ ہاتھ جھلا کر ڈرائیور کو اشارہ کرتا وہ اندر بیٹھا۔با ادب ملازم نے کالے شیشے والا دروازہ بند کر دیا۔گاڑی زن سے سامنے سے گزر گئی اور ڈاکٹر ایمن جو ابھی کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی‘ تلملا کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔

(آج)

”زمر صاحبہ.....آپ شروع کریں.....“ جج کی آواز کی بازگشت تھی جو اسے سنائی دی تھی۔ہیروں کی چمک مدھم ہوئی۔قدرے چونک کر ہاشم سیدھا ہوا‘ اور پھر اپنے اطراف میں دیکھا۔ وہ کمرہ عدالت میں بیٹھا تھا‘ اپنے خاندان کے ساتھ۔اور دوسری طرف.....اس نے گردن گھما کر دیکھا۔وہاں پچھلی کرسیوں پہ حسین کے ساتھ فارس بیٹھا تھا۔وہ شاید ابھی ابھی آیا تھا۔اور ذرا ابرو لیے کر کے بیٹھا مسلسل چیونگم چباتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا۔صرف وہی تماشائی لگتا تھا۔باقی سب شدید تناؤ کا شکار تھے۔ہاشم کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے اس نے نگاہیں گھمائیں۔سنہری آنکھیں سیاہ آنکھوں سے ملیں۔ہاشم سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا‘ مگر سنہری آنکھیں مسکرائیں۔ماتھے تک ہاتھ لے جا کر اس کو ذرا سا خم دیا۔(سلام!) ہاشم نے نخوت سے رخ واپس پھیر لیا۔

”یور آنر!“ زمر چبوترے کے سامنے زمین پہ کھڑی بات کا آغاز کر رہی تھی۔”سرکار بنام نوشیرواں کا کردار کو درست طور پہ سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے سعدی یوسف کو سمجھنا ہو گا۔ایک رشتہ دار کی حیثیت سے نہیں‘ ایک وکیل کی حیثیت سے میں معزز عدالت کو بتانا

چاہتی ہوں کہ سعدی یوسف کون ہے۔ اور سعدی یوسف کون تھا۔ میں آپ کو سعدی یوسف کی کہانی سنانا چاہتی ہوں۔"

جج صاحب توجہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ حنین کی نظریں بھی زمر کی پشت پہ جمی تھیں۔ وہ اس کے الفاظ پہ فوکس کرنا چاہتی تھی' ایک ایک لفظ دھیان سے سننا چاہتی تھی' مگر کورٹ رپورٹر کے کی بورڈ پہ ٹھک ٹھک چلتے ہاتھوں کی آواز دھتا زمر کی آواز اس کا دھیان بٹا رہی تھی۔ پھر یکایک ساری آوازیں پس منظر میں چلی گئیں اور دھیرے دھیرے کمرہ عدالت اس کے بیڈروم میں تبدیل ہوتا گیا.....

(دو ماہ پہلے)

وہ اپنے کمرے میں کھلی کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔ پریشان نگاہیں باہر لگی تھیں۔ زمر سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور سعدی تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"وہ بھاگ چکا ہے۔ سرخ مفلر والا آدمی۔ گارڈ کہہ رہا ہے کہ وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا مگر تب تک وہ گلیوں میں گم ہو چکا تھا۔" وہ پھولے سانس کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "اب وہ کسی ہمسائیوں کے گھر میں کود چکا ہے۔ گارڈز گئے ہیں مگر میرا نہیں خیال کہ وہ اب ملے گا۔" پھر حنین کو دیکھا۔

"تمہارا میموری کارڈ.... کیا تھا اس میں؟"

وہ ابھی تک کھڑکی میں دیکھ رہی تھی اب کہ آہستہ سے چہرہ گھما کر سعدی کو دیکھا۔ آنکھوں میں بدلی تھی۔

"وہ علیشا نے ہمیں دیا تھا۔ ہم اتنے سال اس کو لے کر پھرتے رہے آپ کے کی چین میں مگر اس کو استعمال نہیں کر سکے۔"

"مگر اس میں تھا کیا؟" زمر نے تھکی تھکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ حنین نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"کرنل خاور کے بیٹوں کو ہاشم نے مروایا تھا۔ اور مسز کاردار نے۔ پھر الزام ایک آفیسر پہ ڈال دیا جو خاور کے کیس کی تفتیش کر رہا تھا۔ یہ اگلے سو سال کی منصوبہ بندی کرنے والے لوگ ہیں۔ اس لیے یہ اتنے امیر اور اتنے کامیاب ہوتے ہیں۔ جب یہ کسی کو اپنا دستِ راست بناتے ہیں تو اس کی ساری کشتیاں جلا دیتے ہیں۔ خاور نہیں جان سکا۔ اس نے اس بریگیڈیئر کی آنکھوں کے سامنے اس کے خاندان کو مارا اور پھر اس کو بھی مار دیا۔ اس کو بعد میں علم ہوا کہ اس بریگیڈیئر کا ایک اور بیٹا بھی ہے جو امریکہ میں زیر تعلیم ہے۔ اور اس کو وہ خفیہ اولاد کی طرح چھپا کر رکھتا ہے۔" حنین سانس لینے کو رکی۔ یہ باتیں بتانا عجیب لگ رہا تھا۔ سعدی غور سے اور زمر عدم توجہی سے سن رہی تھی۔ "خاور کا اس بچے سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ اس نے صرف بریگیڈیئر کو اذیت دینی تھی۔ جب دے دی تو انتقام ختم ہوا۔ اس نے اس لڑکے کو تلاش کرنا چاہا مگر وہ اس کو مار کر کیا کرتا؟ بریگیڈیئر سنگش کے دوستوں نے اسے روپوش کرا دیا۔ خاور کو صرف اس کی ایک گھڑی ملی تھی جس پہ اس لڑکے کا پارشل فنگر پرنٹ تھا۔ اس کارڈ میں ایک ویڈیو تھی جو یقیناً مسز کاردار نے بنوائی تھی۔ اس میں خاور ان کے سامنے آکر اعترافِ جرم کرتا ہے اور وہ اس کو نوکری پہ رکھ لیتے ہیں گویا اپنے پروں میں چھپا لیتے ہیں۔ یوں ان کو وفادار ملازم بھی مل گیا' اور اس کی دکھتی رگ کو بھی ہاتھ میں لے لیا جس سے وہ کبھی بھی اس کو اپنے جوتے تلے مسل سکتے ہیں۔ علیشا نے وہ پورا فولڈر کاپی کیا تھا۔ اس میں کچھ تصاویر تھیں۔ وہ ویڈیو

تھی۔ اور ایک پارشل فنگر پرنٹ کی فائل تھی۔ جواہرات کے لیپ ٹاپ سے لیا اس نے یہ سب اور مجھے یاد ہے وہ کبھی بھی خاور کو اپنے کمپیوٹر کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی تھیں۔ علیشا ہیکر تھی۔ انہی جرائم کی وجہ سے وہ جیل گئی تھی۔ اس کے پاس نیشنل ڈیٹا بیس تک رسائی تھی۔ اس نے اس پارشل فنگر پرنٹ کو ڈھونڈ نکالا۔ شاید خاور امریکہ میں ہوتا اور دلچسپی لیتا اور کاردارز نے اسے مصروف نہ کر رکھا ہوتا تو وہ بھی ڈھونڈ نکالتا مگر اس کا تو انتقام پورا ہو گیا تھا۔ مگر انتقام کے سائیکل میں ایک سروائیور رہ جاتا ہے۔ اور وہ اس چکر کو الٹا چلاتا ہے۔ وہ لڑکا سلطان کئی برس کی انتھک محنت کے بعد اور تگ و دو کے بعد کاردار کے پاس ملازمت کرنے آتا ہے۔ اس کے ڈرائیونگ لائسنس کی کاپی اس کارڈ میں تھی اور میں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کہ یہ احمر شفیع کی پرانی تصویر ہے۔''

''احمر؟ وہ انچنی؟'' سعدی کو دھکا لگا تھا۔ زمر خاموش رہی۔ اسے اب کوئی بھی بات حیران نہیں کرتی تھی۔

''میں نے یہ ساری باتیں فارس ماموں کو بتائیں تو انہوں نے احمر سے یہ سب پوچھا۔ یہ بات احمر نے انہیں بتائی کہ اس کے والد نے نہیں کاردارز نے خاور کے بیٹوں کو مارا تھا۔ چونکہ فارس ماموں نے خود اس دن خاور کو جانے دیا تھا زمر کے کہنے پہ، حالانکہ بعد میں خاور نے زمر پہ گولی بھی چلانی چاہی، مگر انہوں نے احمر سے کہا کہ وہ اسے جانے دے ورنہ خاور اس کو اکسا کر اسے کہے گا کہ مجھے مار ڈالو اور یوں احمر مجرم بن جائے گا۔ انتقام کا چکر الٹا ہو گا۔ خاور کا تیسرا بیٹا ابھی زندہ ہے۔ وہ احمر کو جینے نہیں دے گا۔ مگر احمر نے بات نہیں مانی۔ اس نے ہی کیا ہے جو بھی اس نے کیا ہے خاور کے ساتھ۔ خاور کے ایکسیڈنٹ اور فالج کے بارے میں تو آپ سب نے ہاشم کے ٹوئٹر پہ پڑھ لیا ہو گا۔ خیر مجھے خاور سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اس لیے میں نے اس کے بیٹے کو سب بتا دیا ای میل کر کے۔ فارس ماموں بھی صبح ادھر ہی گئے ہیں۔ وہ ایک دفعہ.....''

''تم نے اسے کاپی کیوں نہیں کیا؟ ہم اسے کورٹ میں استعمال کر سکتے تھے۔'' سعدی جھنجھلایا تھا۔ خاور سے وہاں کسی کو دلچسپی نہ تھی۔

''بھائی وہ کاپی نہیں ہو رہی تھی اور میں نے وہ بہت سنبھال کر رکھی تھی۔''

''حنین۔'' زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''کس کس کو علم تھا کہ وہ تم نے کہاں رکھی ہے؟ کسی ملازم نے دیکھا تھا تمہیں وہ رکھتے ہوئے؟''

''نہیں زمر۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ، اس دراز کی چابی کی جگہ میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ کوئی بھی نہیں جانتا۔'' وہ سچ کہہ رہی تھی۔ ''پہلے وہ فلیش ڈرائیو خالی نکلی اور اب یہ سارے ثبوت گئے۔ شاید Yousufs اتنی بھیانک اور تاریک چیزیں رکھنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔'' حنین نے دل گرفتگی سے ایک اور سچ بولا۔ سعدی نے نفی میں سر ہلایا۔

''اونہوں۔ مجھے یقین ہے جب سونیا کی سالگرہ کی رات میں نے ہاشم کے کمرے میں جا کر وہ فلیش ڈرائیو کاپی کی تھی تو اس کے اندر کافی سارا مواد موجود تھا۔ میموری تقریباً فل ہو گئی تھی۔ اور اب اس میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یقیناً کسی نے اہم ڈاکومنٹس اس میں سے مٹائے ہیں۔''

”کوئی میری ناک کے نیچے میری فلیش سے کیسے کچھ مٹا سکتا ہے؟“

”جیسے کوئی تمہاری دراز سے کارڈ نکال کر لے جا سکتا ہے۔ یقیناً اس شخص کو ہاشم نے بھیجا ہو گا اور اسے اس فلیش کا پاسورڈ معلوم ہو گا۔ نہ ہم خود محفوظ ہیں، نہ ہمارے گھر۔“ سعدی تلخی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ حنین نے بے اختیار زمر کو دیکھا تھا۔ ”اب کیا ہو گا؟ ٹرائل کے لئے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“

ذرا دیر بعد زمر نے چہرہ اٹھایا تو لگتا تھا وہ خود کو قدرے سنبھال چکی ہے۔

”پاکستان میں ایسے ہی ہوتے ہیں ٹرائلز۔ مخالف فریق ٹرائل شروع ہونے سے قبل ہی ہمارے ثبوت مٹا دیتے ہیں۔ لیکن کوئی بات نہیں۔“ وہ بالوں کو لپیٹ کر جوڑے کی شکل دیتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

”ہمارے پاس ہماری زبانیں، ہمارے دلائل اور ہمارے گواہ موجود ہوں گے۔ ٹرائل ہو گا اور ضرور ہو گا، اور اسے ہم ہی جیتیں گے، اور اگر نہ بھی جیت سکے تو کم از کم....“ اس نے سنجیدگی سے حنین کو دیکھا۔

“It would be worth trying.”

(آج)

”یور آنر!“ حنین نے سر جھٹکا۔ اردگرد چلتا منظر بجلی جانے پہ بند ہونے والی ٹی وی کی طرح غائب ہو گیا۔ وہ ذرا سنبھل کر سیدھی ہو کر بیٹھی۔ کمرۂ عدالت اس کے اطراف میں آ بسا تھا اور وہاں سب دم سادھے زمر کو سن رہے تھے جو جج کے چبوترے کے سامنے کھڑی بات کا آغاز کر رہی تھی۔ یہاں سے اس کی پشت نظر آتی تھی۔ سیاہ کوٹ کے اوپر گھنگریالے بال آدھے بندھے گر رہے تھے اور وہ وقفے وقفے سے کان کے پیچھے ایک لٹ اڑستی تھی۔

”میرے موکل سعدی یوسف کی کہانی 21 مئی کو نہیں شروع ہوئی تھی۔ یہ اس سے بہت پہلے شروع ہوئی تھی۔“ چہرہ موڑے بغیر سعدی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے اس نے بات جاری رکھی۔ وہ بس زخمی آنکھوں سے سامنے دیکھے گیا۔

”جو سعدی یوسف اس وقت کمرۂ عدالت میں انصاف کا طالب بن کر بیٹھا ہے، یہ وہ سعدی نہیں ہے جس کو اس کے گھر والے گزشتہ کئی برسوں سے جانتے ہیں۔ وہ سعدی اور تھا۔ وہ زندہ دل تھا۔ لوگوں کو معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا تھا۔ ملک کی خدمت کا جذبہ لے کر اس نے اپنی ملازمت کا آغاز کیا تھا۔ وہ ایک محنتی اور قابل نوجوان تھا۔ اس کے پاس ٹیلنٹ تھا، ہنر تھا، ذہانت تھی۔ اگر اس کو کام کرنے دیا جاتا، اس کو مواقع ملتے تو وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوتا، مگر یور آنر میرے ملک کے نوجوانوں کو اگر اسی طرح پھلنے پھولنے دیا جائے تو معروف اور امیر آئی پی پیز کے آتش دان ٹھنڈے نہ پڑ جائیں؟ اگر ان نوجوانوں کو یونہی بڑے بڑے پراجیکٹس پہ محنت اور لگن سے کام کرنے کی اجازت دے دی جائے تو وقت کے فرعونوں کی غلامی کون کرے گا؟“

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا ہاشم، گال تلے انگلی رکھے اطمینان سے زمر کو دیکھ رہا تھا۔ آخری بات پہ آگے کو جھکا، نوٹ پیڈ اٹھایا اور اس پہ

چند الفاظ تحریر کیے۔

"سعدی یوسف۔ غریب کارڈ۔ محبِ وطن کارڈ" نوٹس لے کر اس نے پیڈ ڈال دیا اور توجہ سے سننے لگا۔ وہ اب چبوترے کے سامنے چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہاتھ ہلا کر۔ دائیں سے بائیں ٹہلتی۔

"سعدی یوسف کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی اس کی معصومیت تھی۔ اس نے سمجھا کہ شاید دوسرے لوگ بھی اس کی طرح ہوتے ہیں' ان کو اللہ کا خوف دلاؤ تو وہ سدھر جاتے ہیں۔ اور اسی خیال کے تحت وہ 21 مئی کی صبح ہاشم کاردار کے بلانے پہ اس کے آفس گیا تھا۔ یور آنر وہ وہاں پر ان سے جھگڑا کرنے' یا ان کو مارنے کی نیت سے نہیں گیا تھا' بلکہ وہ وہاں ان کو قانون کی حرمت کا احساس دلانے گیا تھا۔"

ہاشم سنجیدگی سے سنتا رہا۔ چہرے پہ وہی تاثرات برقرار رہے۔

"اس موقعے پہ ہاشم کاردار نے سعدی یوسف کو تین کروڑ روپے لے کر اپنا منہ بند کرنے کی پیشکش کی' جسے اس نے ٹھکرا دیا۔ یہ اسی وقت تھا جب ملزم نوشیرواں کاردار سے اس کی تلخ کلامی ہوئی مگر نہ ہی سعدی یوسف نے کسی پہ ہاتھ اٹھایا نہ لمبی تکرار کی بلکہ چند الفاظ کہہ کر وہ وہاں سے چلا آیا۔ ایک پچیس سال کے نوجوان کے خاندان کی عورتوں کے بارے میں نازیبا باتیں کی جائیں تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مخالف کا منہ نہ توڑ دے۔ مگر سعدی یوسف نے زبانی تلخی کے سوا کچھ نہیں کیا۔ وہ قانون توڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ قانون کی بالادستی اور انصاف قائم کرنے کے لئے ان کو نصیحت کرنے گیا تھا۔ کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی سے پہلے وہ خیر کا ایک آخری راستہ دکھانے گیا تھا ان کو' شاید کہ وہ نادم ہوں' شاید کہ وہ پلٹ آئیں تو ان کی سزا میں کمی ہو جائے۔ ایسا تھا ہمارا سعدی۔ دشمنوں کا بھی خیر خواہ۔" زمر نے رک کر چہرہ موڑا۔ سعدی اب سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہاشم البتہ انہماک سے پیڈ پہ الفاظ کا اضافہ کر رہا تھا۔

"کریکٹر اسکیچ۔ مسیحا' ہمدرد۔ غریب بمقابلہ امیر۔ مختصر یہ کہ فرشتہ کارڈ کھیل رہی ہے پراسیکیوٹر۔" اور اس کا دماغ زمر کے ہر کارڈ کا توڑ سوچ رہا تھا۔ پہلے نوٹ پیڈ پہ نظریں جمائے وہ زمر کی باتیں سن رہا تھا مگر بار بار دھیان بٹ سا جاتا تھا۔ نوٹ پیڈ کے صفحے بالکل زرد تھے۔ سورج مکھی کے پھولوں جیسے زرد۔ اور اس زردی میں بہت سے بلب جگمگانے لگے.....

(دو ماہ پہلے)

اس کے آفس کا کاریڈور صبح کے باوجود زرد بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔ وہ تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔ ذہن میں ڈاکٹر ایمن کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ جمع تفریق کر رہا تھا۔ جوڑ توڑ کر رہا تھا۔

اپنے آفس کے دروازے پہ وہ ٹھہرا۔ چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ در آئی۔ موڈ ایک دم اچھا ہو گیا۔

"زیڈ؟" اس نے مسکرا کر آفس میں قدم رکھا۔ وہ جو کرسی پہ بیٹھی تھی' چونک کر مڑی۔ پھر کھڑی ہو گئی۔ چہرے پہ بدقت پھیکی سی مسکراہٹ لائی۔ سرخ رومال سر پہ لپیٹ کر گردن کے پیچھے گرہ لگائے ہوئے تھی' اور کانوں میں آنسو شکل کے سرخ یاقوت لٹک رہے تھے۔ سبز مائل آنکھیں بے خوابی کے باعث اندر سے گلابی ہو رہی تھیں' مگر پھر بھی وہ سنبھل کر مسکرا رہی تھی۔

''گریم ریپر!'' ہاشم اس طرز تخاطب پہ ہلکا سا ہنستا اندر آیا اور میز کے پیچھے جا کر' کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے اپنی کرسی سنبھالی۔

''مجھے اس نام سے پکارنا بند کر سکتی ہو' آبی؟'' کرسی کو میز کے قریب لاتے اس نے چند چیزیں اٹھا کر الٹ پلٹ کیں۔ چہرے پہ وہی وجیہہ مسکراہٹ تھی۔ سارا ماحول گویا معطر ہو گیا تھا۔

آبدار دھیرے سے کرسی پہ واپس بیٹھی۔ اس کی گم صم نگاہیں ہاشم کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''ناشتہ کیا ہے؟ کیا منگواؤں تمہارے لیے؟''

''میں سمندر کی گیلی ریت پہ لیٹی تھی... میرا اندر پانیوں میں ڈوب چکا تھا۔'' وہ کسی گہرے خیال میں بول رہی تھی۔ ''کیا پھیپھڑے اور کیا دل... سب پانی تھا... ایسے میں کوئی میرے اوپر جھکا تھا... اس کی شرٹ کی پشت پہ ننھا سا سیپ چپکا تھا... اس سیپ میں تین رنگ تھے... گویا رگوں کی طرح ابھرے ہوئے تھے... تب میں نے اسے فرشتہ سمجھا تھا... موت کا فرشتہ... مگر اس موت کے فرشتے نے مجھے نئی زندگی دی۔''

وہ جو فون اٹھا کر آرڈر کرنے لگا تھا' ریسیور واپس ڈال کر مسکرا کے اسے دیکھنے لگا۔ وہ گم صم سی دیوار کو دیکھتی بول رہی تھی۔ ''اور اب وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔'' (ہاشم مسکراتا رہا۔) اب... جب کہ ایک دنیا... اسے شیطان کہنے لگی ہے۔''

ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ دماغ گویا بھک سے اڑا۔ اس نے لب کھولے مگر پھر بھینچ لیے۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔

''اور وہ چاہتا ہے کہ میں... اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔ سمر ویڈنگ یا اسپرنگ ویڈنگ!'' آبی کی گم صم نگاہیں اس کے چہرے پہ آ ٹھہریں۔ ''سمر ویڈنگ یا اسپرنگ ویڈنگ... یہی پوچھا تھا نا تم نے!''

''آبی تم سوچنے کے لئے وقت لے سکتی ہو اور پھر...''

''اور پھر میں وہ عورت بن جاؤں گی جو شہر کے ساتویں eligible bachelor کی ملکہ بن کر اس کی زندگی میں آئے گی اور اس کے ساتھ ہر جگہ' ہر تصویر' ہر میگزین کور پہ کھڑی ہو گی' اس کے ساتھ سیاہ گلاسز لگائے کالے شیشوں والی لمبی گاڑی سے نکلا کرے گی مگر لوگ...'' وہ آگے ہوئی۔ مسکراہٹ نہیں تھی' آنکھوں میں آنچ تھی۔ سرخی تھی۔ ''مگر لوگ سامنے سرخ قالین بچھا کر اس کے انتظار میں پھول لئے نہیں کھڑے ہوں گے۔ لوگ پوسٹرز اور بینرز اٹھا کر کھڑے ہوں گے' رپورٹرز مائیک لہرا لہرا کر پوچھیں گے کہ سعدی یوسف کی زندگی کا خون کرنے کے بعد تم لوگ سر اٹھا کر کیسے جی رہے ہو؟''

''وہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے اس کو صرف اغوا کیا تھا' مگر اس کے خاندان کے افراد و ہم نے قتل نہیں کیے' نہ ہی شیرو نے اسے گولیاں ماری تھیں۔'' وہ تلملا کر بولا تھا۔ ''اسے نیاز بیگ نے مارا تھا' میں صرف اسے اس کے دشمنوں سے محفوظ رکھ رہا تھا مگر وہ اتنا ناشکرا ہے کہ...''

شدت جذبات سے سرخ پڑتے چہرے کے باعث وہ بول ہی نہیں پا رہا تھا۔

''وہ ناشکرا ہے یا شکر گزار' وہ... بول رہا ہے' اور دنیا اس کو سن رہی ہے۔ دنیا اس کو دیکھ رہی ہے۔ دنیا اس کے انکشافات سے لطف اندوز

ہو رہی ہے۔اس کا کیس اگلے بیس سال عدالت میں چلے گا مگر بیس سال کس نے دیکھے ہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی تھی۔''میری زندگی کے.... تمہارے ساتھ میری زندگی کے پہلے دو سال.... دو کریم ائیرز وہ لے لے گا۔کم از کم دو سال تو میڈیا اور لوگ اس کو یاد رکھیں گے نا۔میں دو سال تک اخبارات' ٹی وی اور سوشل میڈیا پہ الزامات پڑھتی رہوں گی۔وہ بولتا رہے گا اور لوگ اسے سنتے رہیں گے۔میں جب گھر سے نکلوں گی' پبلک مجھے نفرت سے دیکھے گی۔کیونکہ وہ تمہارا اور نوشیرواں کا میڈیا ٹرائل کر چکے ہیں۔پبلک تمہیں مجرم قرار دے چکی ہے۔ان کی باتیں مجھے گھر میں قید کر دیں گی۔میں باہر تک نہیں نکل سکوں گی۔سنا تم نے۔جرم تم پہ ثابت ہوا ہے اور جیل مجھے ہو جائے گی۔''

''ہم کسی اور ملک چلے جائیں گے' تمہیں کچھ نہیں سننا پڑے گا۔'' وہ آگے کو ہوا جلدی سے کہنے لگا تھا۔

''لیکن اگر تم قاتل نہیں ہو' اگر تم نے کچھ غلط نہیں کیا تو ہم کیوں بھاگیں؟ اگر تم اور نوشیرواں بے قصور ہو تو اس کی زبان بند کیوں نہیں کرتے؟'' آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔گود میں رکھے اس کے ہاتھ ہولے سے کپکپا رہے تھے۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر وہ بظاہر جذباتی چہرہ بنائے' کہے جا رہی تھی۔''ان کو چپ ہونا ہو گا ہاشم' ورنہ تمہارے خاندان سے خود کو کبھی منسلک نہیں کروں گی' جب تک یہ گندگی تمہارے ساتھ ہے۔''

''میں کیا کروں؟ تم کیا چاہتی ہو' میں کیا کروں؟'' وہ آگے ہوتے ہوئے بولا۔بار بار وہ سر جھٹکتا تھا' کبھی انگلیاں باہم پھنسا کر کھولتا تھا۔

''ان کو چپ کرواؤ' پبلک رائے کو بدلو۔'' اگلے الفاظ کہنے سے پہلے اس نے دل میں کہا تھا۔(وہ تمہارے لئے...فارس غازی... یہ کبھی نہیں کرے گی۔) اپنا... دفاع کرو۔اپنی بے گناہی ثابت کرو۔یوں کہ دنیا مان جائے' تم سچے تھے۔تمہارا بھائی سچا تھا۔میڈیا... سوشل میڈیا... نوجوان... سب اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔وہ مشہور ہوتا جا رہا ہے۔وہ ہیرو بن رہا ہے۔کیونکہ اس کا میڈیا ٹرائل نہیں ہو رہا۔تمہارا ہو رہا ہے۔تم پہلے ہی ٹرائل کی زد میں ہو تو اب... اس کو گھسیٹو ٹرائل میں! ہاشم کاردار....'' اس نے میز پہ ہاتھ رکھ کر' آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔''اس کو عدالت میں لے کر آؤ اور اس کے سارے الزامات کا توڑ کرو۔اس کو وہاں تباہ کرو' اس کو جھوٹا ثابت کرو مگر ایسا کرنے کے لیے تمہیں اس کے ساتھ ایک کورٹ روم میں کھڑا ہونا ہو گا۔اور پھر' جب خود کو دنیا کی نظروں میں بری کروالو... اور چونکہ تم بے گناہ ہو تو کروا ہی لو گے۔تب مجھے پرپوز کرنا۔میں اپنا فیصلہ تب تک کے لیے محفوظ رکھتی ہوں۔'' اور پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''If you want me, earn me!'' اپنا بیگ دبوچنے والے انداز میں اٹھایا اور اسے دل گرفتگی سے خود کو دیکھتے چھوڑ کر وہ باہر نکل آئی۔دروازہ بند کر کے وہ تیزی سے حلیمہ کی میز پہ آئی' پانی کی بوتل اٹھائی اور غٹا غٹ پانی پیتی گئی۔حلیمہ بے اختیار کام سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔آبی نے بے ترتیب سانسوں کے درمیان بوتل واپس رکھی اور آستین سے تر پیشانی پونچھتی آگے بڑھ گئی۔

اندر بیٹھے ہاشم کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔وہ ٹائی ڈھیلی کیے سوچتی نظروں سے خالی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

(آج)

"یور آنر' ہوا یوں کہ...." زمر کی آواز دور کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاشم نے ذہن سے تمام خیالات کو جھٹک کر نگاہیں اٹھائیں اور خود کو واپس کمرہ عدالت میں لے آیا۔ وہ جج کے چبوترے کے سامنے کھڑی تھی' یہاں سے اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ گھنگریالی لٹ گال کو چھو رہی تھی اور بھوری آنکھیں جج کے چہرے پہ جمی تھیں۔

سب خاموشی اور محویت سے اسے سن رہے تھے۔

"ہوا یوں کہ اکیس مئی کی شام جب ایک خوش باش' زندگی سے بھرپور سعدی یوسف گھر واپس آتا ہے' اور اپنے سارے خاندان کو ڈنر پہ مدعو کرتا ہے' اس وقت بھی اس کو خاندان کے اس ایک فرد کا بھی خیال ہوتا ہے جو وہاں نہیں جائے گا۔ ڈاکٹر سارہ جو خود کو خاندانی جھمیلوں سے دور رکھتی ہیں' اس وقت وہ ان کو وہاں بلاتا ہے' ان کو اپنے خاندان اور زندگی کی طرف لوٹ کر آنے کے لئے منانے' ان کو ان کے اصل دشمنوں کی خبر دینے' کیونکہ اب اس کے پاس ثبوت بھی تھے۔ مگر وہاں.... اس تاریک گلی میں اس کا پیچھا کرنے' اس کو دھمکانے' اور زبانی تلخ کلامی کا بدلہ گولی سے لینے کے لئے ملزم نوشیرواں کاردار آتا ہے' اور وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں جاتا جب تک وہ سعدی کے جسم میں تین گولیاں پیوست کر کے' اس کو مار پیٹ کر نیم مردہ حالت میں نہیں پہنچا چکا ہوتا۔ یور آنر.... پولیس اور گواہوں کو خرید کر میرے زخمی موکل کو ہسپتال سے غائب کروا دینے کے بعد اسے آٹھ ماہ اور ایک دن تک حبس بے جا میں رکھنے کا ذمہ دار نوشیرواں کاردار ہی ہے۔ ہاشم کاردار اس کا ایک معاون تھا' مگر اصل مجرم نوشیرواں ہے۔ یہ سب کچھ اس کے حکم پہ اور اس کی ایما پہ ہوا۔ امیر لڑکوں کا یہی مسئلہ ہے۔ اگر ان کے نام کے آگے کانجو' جتوئی' کاردار یا تالپور لگتا ہے تو ان کو کسی دوسرے نوجوان سے حسد نکالنے کے لیے اس کو مارنے کا کا بہانہ مل جاتا ہے۔ میرے لیے سب کی ذات برابر اور قابل احترام ہے لیکن ہمارے یہ رئیس اپنی حرکتوں سے اپنی ذات کو خود بدنام کرتے ہیں یور آنر۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا جب ان کا احتساب کیا جائے؟"

ہاشم نے پیلے کاغذ پہ ایک سطر مزید کھینچی۔

"صرف شیرو کیوں؟ ہاشم کاردار کیوں نہیں؟" لکھ کر پرسوچ نظروں سے اس نے پہلی قطار میں پرے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ اور پھر زمر کو۔ زمر نے اس کی نگاہوں کی حدت محسوس کر لی تھی یا کیا' اس نے پلٹ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہاشم نے رخ موڑ لیا مگر زمر ادھر ہی دیکھتی رہی۔ یونہی۔ بے مقصد۔ پھر یکایک نظروں کے سامنے سے عدالتی کمرے کی کرسیاں اور وہ تماشائیوں جیسے لوگ غائب ہوتے گئے۔ ہوا نے اس کے ذہن کو پیچھے کھینچا اور وہ اس رو میں بہتی چلی گئی.....

(دو ماہ پہلے)

مورچال کے اندر وہی سوگوار ماحول تھا۔ زمر نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے رک کر کچن میں دیکھا۔ وہاں حنین اور سعدی آمنے سامنے کھڑے [illegible] بات کر رہے تھے۔

"ہمارے سب ثبوت ختم ہوتے جا رہے ہیں۔" وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔ حنین ناخن مسلسل دانت سے کترتی اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہ ویڈیو تو ہے ناجو آپ نے ہاشم کے آفس میں بنائی تھی۔ اس میں ہاشم نے اعتراف جرم کیا تھا۔"

"ہم اسے عدالت میں استعمال نہیں کر سکتے۔" زمر نے چوکھٹ پہ رک کر کہا تو دونوں مڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ "قانونی پیچیدگیاں ایک طرف اس ویڈیو میں ہاشم نے یہ بھی کہا ہے کہ کس طرح اس نے حنہ کے ایگزام کے دوران اس کی مدد کی۔ لا کالج کے اس سینئر وکیل صاحب کی کال بھی ہے اس میں۔ ہم وہ ویڈیو جج کو نہیں دکھا سکتے۔"

حنین کا چہرہ بجھ گیا۔ مگر سعدی تیزی سے بولا۔ "اگر ہم اسے ایڈٹ کر دیں تو!"

"تو وہ اوریجنل نہیں رہے گی اور عدالت میں قابل قبول نہیں ہوگی۔"

"یہ اچھا حساب ہے!" وہ بے زار سا ہو گیا۔ حنہ ابھی تک ناخن کتر رہی تھی۔ زمر چپ چاپ آگے بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی اور فون پہ ایک کال ملانے لگی۔

"احمر۔ فارس کہاں ہے؟" چھوٹتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"آخری اطلاعات تک میں اس کی بیوی نہیں تھا۔ سو مجھے کیسے پتہ ہوگا؟" زمر کے لبوں پہ سوگوار مسکراہٹ بکھری۔ عرصے تک خود کو چھپا چھپا کر اور لوگوں کو اپنے دائرے سے باہر نکال کر رکھنے کی عادت ڈال لینے والا احمر آج مدتوں بعد پہلے جیسا لگا تھا۔

"خیر۔ کیا یہ سب سچ ہے؟"

"کیا؟" وہ محتاط سا بولا۔

"جو میں سن رہی ہوں۔"

احمر نے گہری سانس لی۔ "غازی کا میسج آیا تھا مجھے۔ کہہ رہا تھا میں اسے جانے دوں۔ مگر مجھے یاد ہے' آپ نے اس کے اپنے ریسٹورانٹ میں آنے کے بارے میں پولیس رپورٹ میں کہا تھا کہ جب غازی نے اسے جانے دیا تو بھی اس نے آپ پہ گولی چلانی چاہی۔ کیا ایسے شخص کو چھوڑ دینا چاہیے؟" ایک دم سنجیدہ اور گہرا سا احمر.... کچھ اچھا نہیں لگا۔ زمر نے گہری سانس لی۔

"میں تو اس بنک نیم کی بات کر رہی تھی جو آپ نے میرا رکھا ہوا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟"

احمر گویا کرسی سے اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا ہو۔ "کون سا نک نیم؟ میں دیکھیں' بہت مہذب انسان ہوں۔ یہ آپ کا شوہر ہے انتہائی دو نمبر آدمی۔ اس کی عادت ہے اپنے کیے ہوئے کام دوسروں کے سر ڈالنے کی۔ مجھے اس معاملے سے دور رکھیں۔"

"اصل میں آپ دونوں ہی بہت مہذب ہیں۔ بس مجھے سمجھ نہیں آتا کہ زیادہ مہذب کون ہے۔ اور زیادہ شریف کون۔ بہر حال' جلد سے جلد خود کو کاردارز کی قید سے نکال لیجیے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ آپ کی حقیقت جانیں' آپ کو یہاں سے بہت دور چلے جانا چاہیے۔" یہ وہ آخری بات تھی جو اس نے کال پہ احمر سے کہی تھی۔

(آج)

جج صاحب کھنکھارے تو زمر نے چونک کر انہیں دیکھا' پھر سر جھٹک کر آگے آئی۔

''یور آنر' ہمارے پاس گواہ ہیں جو حلف لے کر گواہی دیں گے کہ کس طرح سعدی یوسف کو کولمبو کے ایک ہوٹل کے زیر زمین تہہ خانے میں رکھا گیا۔ اس کو وہاں مختلف طریقوں سے ٹارچر کیا گیا۔ ہم اس کو وہاں مقید دیکھنے والے ایک ایک شخص کو عدالت میں پیش کریں گے اور ان کے بیانات سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ یہ لڑکا سچ بول رہا ہے۔ اور یہ ایک بہت کٹھن جنگ لڑ کر آیا ہے۔''

حاضرین میں بیٹھے فارس نے بور سے ہو کر گردن کو دائیں کندھے کی طرف جھکایا' پھر بائیں کندھے کی طرف۔ گویا پٹھوں کو آرام دیا۔ پھر ایک سرسری سی نگاہ ارد گرد دم سادھے بیٹھے حاضرین پہ ڈالی۔ ذہن کے نہاں خانوں میں ایک منظر لڈ کر اوپر آنے لگا تو اس نے اسے چھو لیا... گویا پیالے میں رکھی کوئی یاد ہو جسے چھونے سے انسان وقت میں پیچھے چلا جائے....

(دو ماہ پہلے)

لونگ روم کی کھڑکی پہاڑوں کی گردن تک اترے اجلے اجلے بادل صاف دکھائی دے رہے تھے۔ کھڑکی کے نیچے رکھے صوفے پہ بیٹھا نو عمر لڑکا الجھن سے سامنے بیٹھے فارس کو دیکھ رہا تھا۔

''کیسی کہانی سنانا چاہتے ہیں آپ؟ اور آپ کو کیسے علم ہوا کہ ہم یہاں ہیں۔''

فارس اس کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بھوری لیدر جیکٹ اور سیاہ جینز پہنے' وہ ٹھنڈی مگر نرم نگاہوں سے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پہ گردن موڑی۔ نگاہ وہیل چیئر پہ مفلوج پڑے خاور تک جا ٹھہری۔

''تمہیں حنین نے ای میل کی ہوگی یقیناً۔ اور یہ کہا ہوگا کہ تمہارا باپ ایک قاتل ہے۔''

''مجھے یقین نہیں ہے۔'' وہ کمزور سے سخت لہجے میں نفی میں سر ہلا کر بولا تھا۔

فارس نے کافی دیر تک جواب نہیں دیا' بس وہ سرد نظروں سے خاور کی دائیں جانب ڈھلکی گردن دیکھتا رہا۔ آکسیجن ماسک سے وہ دھیرے دھیرے سانس لے رہا تھا' چہرے پہ مونچھیں داڑھی سب شیو کیا جا چکا تھا اور اب اگنے والے ننھے ننھے بال زیادہ تر سفید تھے۔ البتہ آنکھیں' وہ بدقت بائیں طرف کو گھوم گھوم کر فارس کو دیکھ رہی تھیں۔ ان میں وہ سارے جذبات اور تاثرات اب بھی تھے جو اس ''حادثے'' سے قبل ان میں ہوتے تھے۔ ان میں زندگی تھی۔ اور انتقام کی خواہش۔

''تم سوچتے ہوگے خاور کا اتنا عرصہ ان کے ساتھ کام کرنے کے باوجود تم کیوں نہ جان سکے کہ تمہارے بیٹوں کو بھی انہوں نے ہی مروا دیا تھا۔'' لڑکا چونک کر اسے دیکھنے لگا مگر فارس اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

''انہوں نے تمہارا اعتراف جرم بھی ریکارڈ کیا' تمہیں اپنا بھی لیا' تم سے کام بھی کروائے' مگر تمہیں اصلیت نہیں معلوم ہونے دی۔ وہ کیا ہے کہ ہر علم والے کا ایک علم ہوا کرتا ہے۔ جس mercenary سے انہوں نے ہر کام کروایا ہو گا یقیناً اس نے سارے ثبوت اور شواہد

کا رخ بریگیڈیئر بخش کی طرف موڑ دیا ہو گا۔یقیناً وہ تم سے زیادہ ذہین ہو گا۔نہ ہو تب بھی جب انسان کی ذات انوالو ہو جائے کسی حادثے میں تو غم اور غصہ اس کی سمجھداری کو دھندلا کر دیتا ہے۔ ہر شخص کا ایک بلائنڈ سپاٹ ہوتا ہے۔بڑے بڑے ذہین مار کھا جاتے ہیں۔کیا زمر' کیا ہاشم اور کیا میں۔اگر ہم سارے ذہین لوگ گھر کے بھیدیوں کے ڈھاتے لنکاؤں کا شکار نہ ہوں تو ہم تو خدا بن بیٹھیں۔اور فرعون نے بھی تو خدائی کا دعویٰ کیا تھا مگر اپنے گھر میں پلتے بچے کے بارے میں درست اندازہ نہ لگا سکا۔ایسے ہی تو نہیں وہ خود کو خدا سمجھتا تھا۔ٹیلنٹڈ' ذہین' سحر انگیز' بہت کچھ ہو گا وہ مگر مار کہاں کھائی؟'' خاور مزاحمتی انداز میں' غصے سے غاں غوں کی آوازیں نکال رہا تھا مگر ماسک کے باعث وہ گھٹ جاتی تھیں۔لڑکا اس کی کرسی کے عین پیچھے جا کھڑا ہوا اور فکرمندی سے اس کا کمبل درست کرنے لگا۔

''میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ مجھے تمہاری حالت دیکھ کر افسوس نہیں ہوا۔میں اپنے ساتھ وہ تمام ثبوت بھی لایا ہوں جن کو دیکھ کر تمہاری اپنی اولاد' تمہاری بیوی اور تمہاری ماں تمہاری اصلیت جان لیں گے اور میں جانتا ہوں وہ تم سے تب بھی محبت کریں گے لیکن وہ تمہاری عزت نہیں کریں گے۔تم بھی تو جانو خاور' کہ بغیر عزت کے محبت کیسی ہوتی ہے۔بغیر عزت کے وفا کیسی ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مرو۔میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو۔ایک طویل اور تکلیف دہ زندگی گزارو۔تمہیں ہر پل یاد دلایا جائے کہ یہ لوگ کون تھے۔''اس نے فولڈر کھولا اور اندر سے بڑے بڑے فوٹو نکال کر سامنے میز پہ ڈالے۔خاور کی آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی اور ان میں نمی سی تیر رہی تھی۔''یہ زرتاشہ ہے' یہ وارث ہے اور یہ سعدی۔میں چاہتا ہوں کہ آج تمہارا بیٹا بھی ان کی کہانی مجھ سے سنے۔کیا تم سنو گے؟''اس نے نگاہیں اٹھا کر اس لڑکے کو دیکھا۔وہ بالکل محو ہو کر' مگر بدستور متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا' اس سوال پہ معمول کی طرح سر ہلا دیا۔

جس وقت وہ واپس گھر پہنچا' زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل کے آگے یونہی کھڑی تھی۔جب اس نے دروازہ کھولا تو وہ نہیں مڑی۔جانتی تھی وہ آ چکا ہے بلکہ کافی دیر کا آ چکا ہے' اور اس تازہ نقب زنی کی واردات کا کھوج لگاتا پھر رہا ہے۔باہر گارڈز کو ڈانٹنے' غصہ کرنے کی آوازیں سب نے سنی تھیں۔اور جب کوئی سرا ہاتھ نہ آیا تو اب وہ اندر آیا تھا۔وہ ریک میں رکھی کتابوں پہ خوامخواہ انگلی پھیرتی رہی۔ گھنگریالی لٹ گال کو چھوتی گردن پہ گر رہی تھی اور آنکھیں سوگوار لگتی تھیں۔ناک کسی بھی زیور سے خالی تھی۔

''تم نے کچھ دیکھا؟ کسی سرخ مفلر' واٹ اپ والے آدمی کو؟'' چابی اور والٹ میز پہ ڈالتے ہوئے اس نے ٹھہر کر زمر کو دیکھا۔

''نہیں۔تم کہاں تھے سارا دن؟'' وہ اس کی طرف گھومی۔نظریں ملیں۔

''میں.... یونہی... آگے پیچھے۔'' وہ چہرہ جھکا کر رسٹ واچ اتارنے لگا۔

''کیا ہم نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ اب ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپائیں گے؟'' فارس کا گھڑی اتارتا ہاتھ رکا۔چونک کر نظریں اٹھائیں۔غور سے اسے دیکھا۔ناک کو خالی دیکھ کر چونکا مگر پوچھا نہیں۔

''میں خاور کو ملنے گیا تھا۔اس کے بیٹے کو اس کے بارے میں سب کچھ بتانے۔''

''ادھر سے بات ہوئی تمہاری؟''

''سرسری سی ہوئی تھی ٹیکسٹ پہ۔ مل نہیں سکا۔ اس سے بھی حساب کتاب کرنا ہے ابھی۔''

''تم جانتے تھے اس کی اصلیت؟'' وہ سوال در سوال کر رہی تھی۔

''نہیں زمر بی بی! مجھے دلوں کا حال نہیں معلوم ہوتا۔ حنین نے ہی بتایا تھا۔ خیر... تم نے کیا کیا؟'' اب وہ پھر سے اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔

زمر پھیکا سا مسکرائی۔ جب وہ کچھ نہ بولی تو وہ شرٹ کی آستینیں موڑتا پلٹ گیا۔

''میں نے تمہیں گروی رکھ دیا۔''

فارس واپس گھوما۔ ''مجھے کیا رکھ دیا؟''

''میں ہارون عبید سے ملنے گئی تھی۔'' فارس کے تاثرات تیزی سے بدلے۔ ماتھے پہ بل در آئے۔ کچھ کہنے کو لب کھولے تو....

''نہیں، پہلے میری بات سنو۔'' وہ آگے بڑھی اور اس نے نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ ''میں سعدی کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی تھی، تمہیں بھی نہیں کھو سکتی تھی میں کڈنی پیشنٹ ہوں میں کبھی اپنی فیملی نہیں بنا سکوں گی، میرے ساتھ بھی ظلم ہوا ہے اور مجھے اپنے لئے بھی انصاف چاہیے۔ ہارون عبید نے مجھے کہا تھا کہ میں فارس یا سعدی میں سے ایک کو چنوں۔ مگر میں نے خود کو چنا۔ میری جتنی بھی زندگی رہ گئی ہے اس میں ایک واحد امید کی کرن 'انصاف' ہے۔ مجھے یہ ٹرائل چاہیے۔ اور تم مجھے یہ نہیں دے سکتے تھے۔ تم اٹھتے بیٹھتے کہہ رہے تھے کہ ٹرائل کبھی نہیں ہوگا۔ اس مسئلے کا حل تمہارے پاس بھی نہیں تھا۔ ہارون صاحب کے پاس تھا۔''

''ٹرائل واقعی نہیں ہوگا زمر!'' وہ برہمی سے بولا تھا۔ ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھے۔

''ہارون اسے منا سکتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح مگر وہ اس کو ٹرائل تک لے جا سکتے ہیں۔ اگلی جنگ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم لڑ لیں گے، جان لگا دیں گے مگر وہ میدان میں تو آئے نا۔''

''اور بدلے میں کیا مانگا ہارون صاحب نے؟'' وہ اسی درشتی سے بولا تھا۔ اسے بہت برا لگ رہا تھا۔ زمر کی بے چین نگاہیں اس کے چہرے پہ بھٹک رہی تھیں۔

''تمہیں مانگا تھا۔''

''اور میں تو جیسے کوئی کھلونا ہوں۔ ہے نا!''

''میں نے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں گی اگر وہ ہاشم کو ٹرائل تک لے آئے۔ وہ صرف تمہیں اپنی بیٹی کے لئے چاہتے ہیں۔ وہ اس کے لئے کچھ بھی کر لیں گے۔''

''تم مجھے چھوڑ دو گی؟'' اس کی آواز آخر میں.... بس آخر میں کانپی تھی، خوف سے، غصے سے۔

''جو میرا ہے فارس وہ میرا رہے گا۔ موت کے علاوہ کچھ بھی ہمیں الگ نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تم میری بات کو.... اس گیم کو غلط نہیں لو گے تو میں کبھی یہ ڈیل نہ کرتی۔ کیا بگاڑ لیں گے وہ میرا اگر میں انکار کر دیتی ہوں؟''

''اچھا۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامے اسی سنجیدگی سے میز کے کنارے بیٹھا۔ ''تو بعد میں تم اپنی بات سے کیسے مکرو گی؟''

''یہ سوچنا اور اس معاملے کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ تم میری حفاظت کرو گے' تم میرا دفاع کرو گے' اور جس دلدل میں میں نے خود کو ڈال دیا ہے' تم مجھے اس سے نکالو گے۔ ایک تمہاری وجہ سے ہی مجھے بے فکری تھی۔'' اس نے گردن کڑا کر بہت اعتماد سے کہا تھا۔ فارس کی پیشانی کے بل غائب ہونے لگے۔ ایسے کہ وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔

''تم یہ سب کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ بھی سکتی تھیں!''

''میں نے کہا نا' میں نے خود کو چنا ہے۔'' وہ اب متلاشی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ''تم خفا ہو؟''

''نہیں' مگر مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک تمہیں یہ یقین نہیں دلا سکا کہ میں تمہیں کسی کام سے نہیں روکوں گا۔ آئی ایم سوری۔ اگر میں نے تمہیں یہ محسوس کروایا ہے کہ تم مجھے اعتماد میں لو گی تو میں تمہیں تمہاری مرضی کے کام سے منع کر دوں گا۔''

''اب اگر غصہ کرو گے تو کیسے آئے گا مجھے یہ اعتماد؟'' وہ تیزی سے بولی تھی۔ دل البتہ دھڑک رہا تھا۔ وہ خفا تو لگ رہا تھا۔

''غصہ کیوں کروں گا۔ مجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ دو خوبصورت عورتیں میرے لئے لڑ رہی ہیں۔'' اور وہ غصے میں ہی لگ رہا تھا۔ زمر کے ابرو خفگی سے کھنچے ہوئے۔ ہاتھوں سے ہاتھ نکال لئے۔

''ایک خوبصورت عورت!'' تنبیہہ کی۔

''ہاں' ایک خوبصورت عورت' ایک چڑیل سے میرے اوپر لڑ رہی ہے۔ حد ہے۔'' سر جھٹک کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کو برا لگا تھا اور وہ کوشش کر رہا تھا کہ کچھ سخت نہ کہہ دے۔ زمر کہنا کچھ اور چاہتی تھی مگر منہ سے کچھ اور نکلا۔

''انہوں نے ضمانت کے طور پہ میری لونگ رکھ لی۔ جو تم نے دی تھی۔'' وہ جو آگے جا رہا تھا' تیورا کر گھوما۔ چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ آنکھیں پھیلیں۔

''واٹ؟'' وہ غرایا تھا۔ زمر دو قدم پیچھے ہوئی۔ چہرے پہ زمانوں کی سادگی طاری کر لی۔

''اس روز پولیس اسٹیشن میں وہ میرے پرس میں تھی' میں بار بار اس کی ڈبی کو نکال کر کھول کر بند کرتی تھی۔ کورٹ میں ضمانت کی سماعت کے دوران بھی وہ میرے پرس میں تھی اور میرا ہاتھ پرس کے اندر باہر ہی رہا تھا۔ میں اتنے دن سے اسے پہننا چاہ رہی تھی۔ ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔ پھر جب میں ان کے آفس گئی تو انہوں نے مجھے کہا کہ وہ جانتے ہیں اس لونگ کا قصہ۔''

''اس کو کیسے پتا؟'' وہ پھر غرایا تھا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''جب میں نے تم سے لونگ کے پیچھے جھگڑا کیا تھا تو صداقت وہیں تھا۔ ملازموں کی عادت ہوتی ہے۔ ادھر کی ادھر کرتے ہیں۔ اس نے کاردارز کے کسی ملازم کو کہا ہوگا اور اس نے آگے۔ ہارون عبید ہمارے خاندان پہ عرصے سے نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو پتہ ہوگا ظاہر ہے۔ جب میں وہاں گئی تو انہوں نے مجھ سے وہ مانگ لی۔'' وہ یاسیت سے بتا رہی تھی۔

''اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ تمہارے بیگ میں ہے۔''

''سیکورٹی چیک پوائنٹ پہ میرا پرس اسکین ہوا تھا نا' ایک جگہ پرس کی تلاشی بھی لی گئی تھی۔انہوں نے کہا کہ امیج دیکھ کر ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ وہی لونگ ہے۔شاید وہ صرف میرے اوپر اپنی دھاک بٹھانا چاہ رہے تھے۔''

''اور تم نے وہ ان کو دے دی؟''

''پھر اور کیا کرتی؟ مجھے ان کو یقین دلانا تھا کہ میں سچ بول رہی ہوں۔''

''زمر...زمر...'' وہ ہاتھ اٹھا کر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا' پھر ہاتھ گرا دیے۔پہلے سر جھٹکا۔پھر دائیں سے بائیں چکر کاٹنے لگا۔

''اب تم یوں کرو' مجھ سے خفا ہو جاؤ۔تاکہ ہم آپس میں ہی لڑتے رہیں' اور باہر کے لوگوں سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ہم یوں ہی خود ہی لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں۔''

''تمہارے نزدیک اس تحفے کی کوئی اہمیت نہیں تھی؟'' وہ گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور برہمی سے اسے دیکھا۔

''وہ ایک پتھر تھا فارس' ایک پتھر کھو کر میں ایک انسان کو نہیں کھو سکتی' مجھے یقین تھا۔'' وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔وہ لاجواب ہوا تھا۔پھر چند لمحے تک گہرے سانس لے کر خود کو بدقت نارمل کرنے لگا۔

''ٹھیک ہے۔وہ ایک پتھر تھا۔لیکن اگر تمہیں کوئی کام تھا تو تم میرے پاس کیوں نہیں آئیں؟''

''تم یہ نہیں کر سکتے تھے۔'' وہ اسی میز کے کونے پہ بیٹھ گئی جہاں چند لمحے قبل وہ بیٹھا تھا۔

''تمہیں کیسے پتہ کہ میں یہ کر سکتا تھا یا نہیں؟ اور ہارون صاحب کیسے کریں گے یہ' معلوم ہے تمہیں؟''

''وہ ہاشم کے دوست ہیں' کسی بھی طرح اسے راضی کر لیں گے اور.....''

''وہ اپنی بیٹی کو اس کے پاس بھیجیں گے تاکہ وہ اس سے جھوٹے وعدے کرے اور ہاشم کو راضی کرے۔''

زمر چونک کر کھڑی ہوئی۔آنکھوں میں ڈھیروں استعجاب در آیا۔

''بے کار باتیں مت کرو فارس۔کوئی اپنی بیٹی کو یوں استعمال نہیں کر سکتا۔''

''زمر ہر امیر آدمی جواہرات کی طرح نہیں ہوتا جو اولاد پہ جان چھڑکے۔وہ ایسا آدمی نہیں ہے۔اسے نہ اپنی بیٹی سے کوئی خاص لگاؤ ہے' نہ وہ اس کا خیال رکھتا ہے۔محبت ضرور ہو گی کیونکہ وہ فطری چیز ہے لیکن وہ یہ سب آبدار کی خوشی کے لئے نہیں کر رہا۔''

''وہ یہ سب آبدار کے لئے ہی کر رہے ہیں۔'' وہ بے یقین تھی۔

''غلط...'' فارس نفی میں سر ہلا رہا تھا۔''وہ صرف کاردارز کی بربادی چاہتا ہے۔دونوں کاروبار میں شراکت دار ہیں' ایک ڈوبے گا تو اس کی ساری دولت' شیئرز' تعلقات' سب دوسرا حاصل کرلے گا۔وہ دل سے چاہتا ہے کہ ہاشم مقدمے میں الجھے...اس کے لئے وہ تمہیں اور آبدار دونوں کو استعمال کر رہا ہے۔آبدار ہاشم کو راضی کرے گی' اور تم اپنی کشتیاں جلا کر اس مقدمے کے لئے اپنی جان لگا دو گی۔سب سے

زیادہ فائدہ اسی کو ہوگا۔" وہ کتنی ہی دیر شل بیٹھی رہی، پھر چونکی۔

"اور آبدار کا کیا ہوگا؟" زندگی میں پہلی دفعہ یہ نام لیتے ہوئے اس کی آواز میں پریشانی جھلکی تھی۔

"ہارون صاحب کو اس کی اتنی پرواہ ہوتی تو اس کو اس جنگ میں کیوں دھکیلتے؟ کس کو کال کر رہی ہو؟" وہ جو تلخی سے کہہ رہا تھا رک کر بولا۔ زمر نے لینڈ فون پہ نمبر ملا کر اسے کان سے لگا چکی تھی۔ فارس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ لب بھینچا سے دیکھے گیا۔

"چوبیس گھنٹے کے اندر اندر آپ کی کال موصول ہوئی ہے، کیا ارادہ بدل گیا ہے آپ کا زمر صاحبہ؟" ہارون عبید کا نرم اور نپا تلا لہجہ کانوں سے ٹکرایا تھا۔

"مجھے اپنا ہیرا واپس چاہیے۔ میں اس ڈیل کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟"

"مجھے ڈر ہے فارس کو نہ پتہ چل جائے۔ میں بہت خوفزدہ ہوں۔ پلیز مجھے بلیک میل مت کریں اور اسے واپس کر دیں۔" وہ منت کر رہی تھی۔ فارس نے گھور کر اسے دیکھا۔

"اب بہت دیر ہو چکی ہے مسز زمر۔"

"دیر کیسے ہوئی ہے؟ اب تک ہاشم سے بات تو نہیں ہوئی ہوگی آپ کی۔"

"میری بیٹی آپ کی وجہ سے اس سے بات کرنے گئی تھی، اور اب جبکہ اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لے ہی لیا ہے تو آپ پیچھے نہیں ہٹ سکتیں۔"

"آپ اپنی ہی بیٹی کو کیسے.... کیسے استعمال کر سکتے ہیں؟" وہ غصے بھری بے بسی سے بولی تھی۔ فارس اب سامنے صوفے کے کنارے جا بیٹھا تھا۔ ہارون اور بھی کچھ کہہ رہے تھے مگر زمر نے "آپ بیمار ہیں، سنا آپ نے؟ آپ.... بیمار ہیں!" کہہ کر موبائل پرے ڈال دیا۔ وہ ایک دم ڈسٹرب نظر آنے لگی تھی۔

"اچھا پریشان مت ہو۔ آبدار کے ساتھ جو کیا ہے اس کے باپ نے کیا ہے۔" وہ اب کے ذرا نرمی سے بولا۔ زمر نے چہرہ اٹھا کر مغموم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں مجھ پہ بہت غصہ آ رہا ہوگا، ہے نا؟"

"ساری عمر آتا رہا ہے، کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔ لیکن خیر.... تم مجھے بتاؤ۔ تم کیا چاہتی ہو؟"

"تم سے نہیں ہوگا تو کیوں...."

"زمر.... تم بتاؤ.... تم کیا چاہتی ہو!" اس نے زور دے کر کہا۔ زمر چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں چاہتی ہوں کہ ہاشم عدالت میں پیش ہو۔ وہ پوری ایمانداری سے یہ ٹرائل لڑے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر گواہ عدالت میں پیش ہو

اور سچ بولے۔ سعدی نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے ساتھ اس رات ڈاکٹر سارہ تھیں، مگر ڈاکٹر سارہ کتنے دن سے میرا فون نہیں اٹھا رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ گواہی دے دیں۔" جذبات میں تیز تیز بولتے اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ تبھی دروازہ بجا۔ فارس اسی خاموشی سے اٹھا اور دروازہ کھولا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا، ہاتھ میں چند کاغذ تھے۔ اس نے فارس کے کندھے کے پیچھے سے اندر جھانکا۔ "زمر... یہ وہ ڈاکومنٹس ہیں جو میں نے آپ کو دکھانے تھے۔" الجھا ہوا سا آگے بڑھنے لگا پھر رک کر پوچھا۔ "اندر آجاؤں۔"

"ہاں، تم اندر آجاؤ، میری خیر ہے۔" آخری الفاظ زیر لب بڑبڑا کر وہ خفا سا باہر نکل گیا۔ کچن کے دروازے پہ حنین اسی طرح کھڑی ناخن کتر رہی تھی۔ وہ ساتھ سے گزرنے لگا تو وہ بولی تھی۔

"سعدی بھائی اور زمر کی ٹیم کتنی بورنگ لگتی ہے نا!" وہ ان سنی کر کے آگے بڑھ گیا.....

(آج)

فارس غازی کو گہرے خیال سے... گہری نیند بھرے سفر سے کورٹ رپورٹر کی بورڈ پہ چلتی انگلیوں کی ٹھک ٹھک نے جگایا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر زمر کی طرف دیکھنے لگا جس کی آواز کمرہ عدالت کی گھنی خاموشی کو چیر رہی تھی۔

"نوشیرواں کاردار نے قید کے ان آٹھ ماہ میں اپنے بھائی کے ساتھ مل کر یور آنر نہ صرف سعدی یوسف کو محبوس رکھا بلکہ اس کو مختلف نوعیت کے ذہنی اور جسمانی ٹارچرز کا بھی نشانہ بنایا۔ اس سے اس کے پراجیکٹ کے اہم راز دبا ڈاور تشدد کے ذریعے اگلوانے کی بھی کوشش کی اس کو اس کے خاندان کو نقصان پہنچانے کا ڈراوا بھی دیا۔ 22 جنوری کی رات جب سعدی یوسف اپنی ذہانت اور بہادری کے بل پہ اس قید سے نکلا تو نوشیرواں کاردار اور ہاشم کاردار نے اس کی تصویر کے پوسٹرز بنوائے، اور سارے کولمبو میں پھیلا دیے۔ ایک خونی manhunt کا آغاز کیا گیا جس کا اختتام تب ہوا جب سعدی یوسف نے ملک واپس پہنچ کر اپنی ویڈیو ریلیز کی۔"

ہاشم سر جھکائے پیڈ پہ لکھ رہا تھا۔ "غیر قانونی سفر، اور خاور کی تفصیلات گول۔"

"ان طویل اوپننگ آرگومنٹ کے بعد میری عدالت سے استدعا ہے کہ نوشیرواں کاردار کو قتل، اقدام قتل، اغوا، حبس بے جا میں رکھنا، تشدد اور غیر قانونی انسانی اسمگلنگ کے جرم میں قرار واقعی سزا دی جائے۔ پراسیکیوشن نوشیرواں کاردار کی پھانسی کا مطالبہ کرتی ہے۔"

ہاشم کے ساتھ بیٹھے نوشیرواں نے زخمی آنکھیں اٹھا کر زمر کو دیکھا، اور پھر تڑپ کر اپنے بھائی کو دیکھا جو محویت سے نوٹ پیڈ پہ لکھتا جا رہا تھا۔

"دہشت گردی کی دفعات غائب۔ ہاشم کاردار کی نامزدگی غائب۔ کمزور استغاثہ۔" تبصرہ لکھ کر اس نے پیڈ رکھ دیا اور پھر اسی توجہ سے زمر کو دیکھنے لگا۔ وہ اب اپنے دلائل کا اختتام کر رہی تھی۔ کمرہ عدالت کی کھڑکیوں سے چھن کر آتی دھوپ میں موسم گرما کے اوائل کی سی تمازت محسوس ہوتی تھی۔ اگر تم کھڑکیوں کو دیکھتے جاؤ تو ان پہ پڑی گرد کی تہہ سرکتے لمحوں اور بیت جانے والی شاموں کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر کسی روز بارش کی بوندوں نے اسے دھو ڈالا اور پھر نئے سرے سے گرد پڑنے لگی۔ واپس کمرہ عدالت کی جانب رخ پھیرو

نوبراسکیوشن کی میز کے پیچھے ذمرتا نگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔ آج اس کے بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور گھنگریالی لٹیں نکل نکل کر کوٹ کی پشت پہ جھول رہی تھیں۔ وہ قلم لبوں میں دبائے نظریں سامنے کھڑے ہاشم پہ جمائے ہوئے تھی۔ ساتھ بیٹھا سعدی آدھے آستین والی سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ وہ پہلے سے بہتر نظر آرہا تھا۔ گردن اٹھی ہوئی تھی اور بھوری آنکھوں میں امید سی تھی۔ پیچھے.... ساری کرسیوں سے پیچھے.... آخری قطار میں فارس ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور مسلسل منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔

دفاع کی میز پہ نوشیرواں ڈیزائنر سوٹ ٹائی میں ملبوس چڑ چڑے تاثرات کے ساتھ براجمان تھا۔ پچھلی نشست پہ جواہرات اور احمر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ جواہرات مسلسل اپنے لاکٹ کو انگلی پہ لپیٹتے ہوئے پر سوچ نظریں چبوترے کے سامنے کھڑے ہاشم پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ ہاشم کی اس جانب پشت تھی مگر آواز صاف سنائی دیتی تھی۔

"یور آنر' مسز زمر کے ابتدائی دلائل اچھے لگے مجھے۔ جذباتی اور شاعرانہ۔ ان سے ہمیں یہ تاثر ملا کہ ایک معصوم شہزادہ.... بلکہ شہزادی ظالم دیو کی قید میں پھنس گئی تھی اور اب چونکہ شاہزادی واپس آگئی ہے تو لازم ہے کہ ظالم دیو کو چوک میں لٹکا کر پھانسی دی جائے۔ اور اس ظالم دیو کا جرم کیا ہے یور آنر؟ صرف یہی کہ وہ امیر ہے۔"

جواہرات یاقوت اور ہیرے جڑے لاکٹ کو مسلسل انگلی پہ لپیٹ کھول رہی تھی۔ شیرنی کی آنکھوں میں گہرے سائے لہرا رہے تھے۔ بادلوں جیسے سائے جن میں یادوں کے بہت سے قطرے لدے تھے۔ یکا یک وہ قطرے اندر ہی اندر ٹپکنے لگے اور اس جھلملاتے پانی کے پردے پہ عکس سے ابھرنے لگے.....

(دو ماہ پہلے)

قصر کاردار کے لاؤنج میں اونچی کھڑکیوں کے اوپر اٹھے رومن بلائنڈز کے باعث تیز روشنی اندر آرہی تھی۔ جواہرات پرل وائٹ قمیص میں ملبوس' بالوں کا نفیس جوڑا بنائے' کان میں ائیر رنگ پہنتی ہوئی کمرے سے باہر نکل رہی تھی' ایسے کہ کہنی پہ پرس لٹکا تھا' اور کان کو پکڑے ہاتھ میں فون تھا' جب وہ ٹھٹک کر رکی۔

لاؤنج میں.... سامنے.... مچھلیوں کے ایکویریم کے سامنے آبدار کھڑی تھی۔ جھک کر وہ ہولے ہولے شیشے کی دیوار پہ دستک دیتی۔ مچھلیاں سرعت سے دائیں بائیں تیر رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ جواہرات اس کو مخاطب کرتی' سیڑھیوں پہ آہٹ ہوئی۔ آبدار سیدھی ہوئی اور اوپر دیکھا۔ سر پہ سرخ ریشمی رومال باندھے' اس کی سبز آنکھوں میں گہرا کاجل ڈلا تھا۔ یقیناً اوپر سے ہاشم اترتا ہوا آرہا تھا۔ جواہرات نے کھڑکی کے شیشے میں اس کا عکس دیکھا اور الٹے قدموں مڑ گئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ چوکھٹ تک لے گئی مگر بند نہیں کیا۔ ذرا سی درز سے وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکتی تھی۔

آبدار نے مسکرا کر اسے اترتے دیکھا یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"تم نے مجھے بلایا تھا۔ کہو خیریت تھی؟" وہ جبراً مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

''ہاں' میں تمہاری باتوں پہ سوچتا رہا تھا۔ بیٹھو۔'' وہ اشارہ کرتا' کوٹ کا بٹن کھولتا بڑے صوفے کے کنارے پہ جا بیٹھا۔ آبدار پرلے کنارے پہ ٹک گئی۔

''پھر... کیا سوچا تم نے؟'' گود میں مٹھیاں رکھ کر باہم ملائے وہ ان کی کپکپاہٹ چھپانا چاہ رہی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا۔ بے چین نظریں ہاشم کے چہرے پہ جمی تھیں جو سوچ میں ڈوبا تھا۔ پھر اس نے آنکھیں اٹھائیں۔ آبی سے نظریں ملیں۔

''تمہاری ساری باتیں درست تھیں۔ جب تک اس کیس کا معاملہ حل نہیں ہو جاتا' تم اس خاندان میں آ کر کبھی خوش نہیں رہو گی۔''

آبدار کے لب حقیقی مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

''یعنی کہ تم نے میری باتوں کو سنجیدہ لیا؟''

''ہاں' اور تم اپنی جگہ درست ہو۔ ہم شادی نہیں کر سکتے' جب تک کہ میں اس سارے میں سے نہ نکل آؤں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

آبدار نے طمانیت بھری گہری سانس لی۔ آنکھوں میں فاتحانہ چمک در آئی۔

''تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم اس کیس کو لڑو گے اور خود کو اور اپنے خاندان کو بے گناہ ثابت کرو گے!'' اس کے دل میں ڈھیروں اطمینان در آیا تھا۔

''نہیں ریڈ۔'' وہ قطعیت سے بولا تھا۔ ''نہ کوئی ٹرائل ہو گا' نہ میں اپنا دفاع کروں گا۔ مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے ہم شادی کے معاملے کو کچھ وقت کے لئے ملتوی کر دیتے ہیں۔ تب تک تم مزید سوچ لو۔ اور اگر تم میرے خاندان اور اس کے تمام مسائل کے ساتھ سمجھوتہ کر لو تو ہم شادی کر لیں گے۔'' اس کا لہجہ اطمینان سے پر تھا۔

آبدار کی مسکراہٹ اڑنچھو ہوئی۔ دل گویا اچھل کر حلق میں آ گیا۔ چند لمحے وہ شل سی بیٹھی رہی' پھر ایک دم اٹھی۔ پرس دبوچ کر اٹھایا۔

''اگر تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں ہے کہ پبلک رائے کو بدلو تو ٹھیک ہے۔ میری طرف سے اس شادی سے انکار ہے۔ نہ اب۔ نہ کبھی پھر... ہمارے راستے جدا ہیں۔'' درشتی سے کہتی وہ باہر کی طرف بڑھی۔ ہاشم اسی اطمینان سے آنکھیں اٹھا کر اسے بغور دیکھتا رہا۔

''شاید یہ صرف ایک بہانہ تھا۔ شاید تمہیں شادی سے انکار کی کوئی اور وجہ بل نہیں رہی تھی۔ یا شاید تمہارے بابا نے تمہیں ایسا کرنے کو کہا تھا؟ ہماری بربادی پہ سب سے زیادہ خوش وہی ہوں گے... ہے نا۔'' وہ اب ذومعنی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''جو چاہو سمجھو۔'' وہ تلخی سے کہتی باہر نکل گئی۔

وہ اپنی کار کے قریب پہنچی ہی تھی... اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ... غصے اور بے بسی کی حالت میں جب...

''سو تم نے خود ہی انکار کر دیا۔'' وہ چونک کر مڑی۔ جواہرات سامنے سے چلتی آ رہی تھی کہ اس کی پشت پہ تیز سورج تھا۔ کرنیں اس کے اطراف سے نکل کر آبی کی آنکھوں میں پڑ رہی تھیں یوں کہ جواہرات سفید لباس کے باوجود دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ آبی کی آنکھیں چندھیا

گئیں۔

''اب کیا مجھے وہ ویڈیو مل سکتی ہے؟''

''جس دن آپ کا بیٹا مکمل طور پہ میری جان چھوڑ دے گا اس دن ہاں۔'' وہ چبا چبا کر بولتی دروازہ کھول کر اندر بیٹھی۔ کرنیں ہنوز اس کے اطراف سے تیروں کی طرح اس جانب لپک رہی تھیں۔ روشنی تیز روشنی... اور جب وہ بجھی.....

(آج)

تو جواہرات کاردار نے خود کو عدالت کے کمرے میں بیٹھے پایا۔ اپنے عالمِ تنویم سے خود کو نکال کر وہ سر جھٹکتی سامنے کھڑے ہاشم کو دیکھنے لگی۔ کمرے میں خاموشی تھی اور سب توجہ سے اس کو سن رہے تھے۔

''بس ظالم دیو کا جرم صرف اتنا ہے یور آنر کہ وہ امیر ہے۔ مسز زمر نے ان چند دنوں میں تقریباً تین سو دفعہ استعمال کیا ہے۔ درست تعداد کورٹ رپورٹر کو معلوم ہوگی۔'' پھر رپورٹر کو ہدایت کرتے بولا۔ ''یہاں درست تعداد لکھ دیجئے گا۔''

اور رپورٹر نے بنا تاثر لئے ٹائپ کیا۔

''ہاشم کاردار: درست تعداد کورٹ رپورٹر کو معلوم ہوگی۔ یہاں درست تعداد لکھ دیجئے گا۔''

''یور آنر یہ کہانی نئی نہیں ہے۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے چبوترے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ ''یہ کہانی 'یہ مثالیں' یہ غریب کارڈ' یہ عرصے سے کھیلا جا رہا ہے اور میں جانتا ہوں کہ بہت جگہوں پہ بہت سے ''امیر'' درندوں نے معصوم شہزادوں کو کچلا بھی ہے مگر اسی کارڈ کو بہت سی غریب لومڑیوں نے اپنے مفاد کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ اس سارے منظر نامے میں یور آنر میرے موکل کا صرف ایک ہی قصور ہے اور وہ یہ کہ وہ ایک رئیس خاندان میں پیدا ہوا۔ مسز زمر کی دلفریب شاعری کے برعکس سعدی یوسف نہ ہی اتنا انسان دوست ہے نہ ہی اتنا معصوم اور سادہ۔ وہ بلاشبہ ایک محنتی نوجوان ہے مگر وہ ambitious بھی ہے۔'' چبوترے کے سامنے ٹہلتے ہوئے وہ اب چہرے کا رخ استغاثہ کی کرسیوں پہ بیٹھے سعدی کی طرف کیے کہہ رہا تھا۔ زمر اسی اطمینان سے ایک فائل پہ پوائنٹس لکھ رہی تھی۔ جبکہ سعدی کی پرتپش نظریں ہاشم کے چہرے پہ یوں جمی تھیں گویا اندر تک اتر جائیں گی۔ کسی انی کی طرح۔

پیچھے بیٹا فارس مطمئن لگتا تھا البتہ اس کے ساتھ موجود حنین بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس کی نظروں میں ڈھیروں زخم تھے اور وہ بار بار مٹھیاں بھینچتی تھی۔ پھر وہ فارس کی طرف جھکی۔ ''یہ اسی طرح میرے بھائی کا کردار عدالت میں مسخ کر دے گا' کوئی اس کو روکتا کیوں نہیں ہے۔''

''وہ جو کر رہا ہے قانونی طور پہ یہ اس کا حق ہے۔ عدالت میں بولنے والے تمام لوگوں میں سے صرف ایک شخص سچ بولنے کا حلف نہیں لیتا اور وہ وکیل ہوتا ہے۔''

''اور وکیل کو تو جھوٹ بولنے کا لائسنس ملا ہوتا ہے۔ واہ۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر تھی۔

''زمر کے اپنے ابتدائی دلائل میں کتنا سچ تھا' کتنا جھوٹ' ہم دونوں واقف ہیں۔ عدالتوں میں یہی ہوتا ہے۔ ایک سچ کو ثابت کرنے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ تم ان بیوقوفوں کو عدالت میں ایک دوسرے سے لڑنے دو۔'' اس نے نرمی سے حنہ کا ہاتھ دبایا۔

''سعدی یوسف ایک انتہائی ذہین مگر ایک بہت ambitious لڑکا تھا یور آنر۔ evil genius۔ استغاثہ کی الف لیلوی داستان سے ہٹ کر ہمیں اس کیس کی اصل حقیقت کو دیکھنا ہوگا اور اصل کہانی یہ ہے کہ سعدی یوسف کا گزشتہ آٹھ سال سے یعنی اس واقعے سے سات سال قبل سے میرے موکل کے گھر آنا جانا تھا۔ اس کو اس خاکسار نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ٹریٹ کرتے ہوئے اس پہ کبھی اپنے گھر کے دروازے بند نہیں کیے۔ اس کو اپنی ہر دعوت میں بلایا۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھا۔ ان اچھے تعلقات کی مثال میرے اور سعدی کے فیس بک پہ لگی ہماری سینکڑوں تصاویر ہیں۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا۔'' وہ یوں ترچھا ہو کر کھڑا تھا کہ گاہے بگاہے جج صاحب پہ نظر ڈالتا پھر اسی سادگی اور اطمینان سے استغاثہ کی کرسیوں کو دیکھتا۔ ''اپنی ambitious اور manipulative طبیعت سے مجبور سعدی یوسف نے نوشیرواں کا ردار سے راہ و رسم بڑھانا چاہا' وہ ہم دونوں بھائیوں کی گڈ بکس میں رہنا چاہتا تھا۔ اور تو اور اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ نوشیرواں کس یونیورسٹی میں جانا چاہتا ہے تو اس نے بھی وہیں اپلائی کیا۔ برسوں تک وہ ساری دنیا کو یہ بتاتا رہا کہ وہ اسکالرشپ پہ پڑھ رہا ہے' مگر یہ صرف اس کی پاپولر اور ہر دل عزیز ہونے کی ایک اور کوشش تھی کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی فیس اس کے خاندان والے ہی دیتے تھے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دوسروں کی نظر میں متاثر کن بننے کے لئے مدعی کس حد تک جا سکتا ہے۔''

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کر کے سر جھٹکا۔ بہت برداشت چاہیے تھی اپنے ہر سچ کو اپنے ہی خلاف استعمال ہوتے دیکھنے پر۔ صد شکر کہ قیامت کے روز اس بڑی عدالت میں یا تو فرشتوں' پتھروں' زمین اور انسان کے اپنے اعضاء جیسے گواہ ہوں گے' یا پھر ایک ہی منصفِ اعلیٰ۔ صد شکر کہ اس دن کوئی وکیل نہیں بولے گا۔ صد شکر کہ اس دن زبانیں بند ہوں گی۔

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ جج صاحب عینک ناک پہ لگائے' بہت توجہ سے ہاشم کو سن رہے تھے۔ سیشن جج جناب عابد آغا صاحب ایک بے داغ اور شفاف ریکارڈ کے حامل تھے۔ رعب ایسا تھا کہ بالواسطہ رشوت دینے کی جرأت کوئی نہ کرتا تھا۔ سابق گورنر کے صاحبزادے تھے' اور بھائی بیوروکریسی کے اہم افسران میں سے تھے۔ بلاواسطہ رشوتیں' مدد کی درخواستیں' اور دھمکیاں سب آتا تھا' مگر کہتے تھے کہ وہ بہت ہمت اور عزم سے ہر شے کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور اس وقت استغاثہ اور دفاع کے وکیلوں کو اپنے اپنے گواہ اور ثبوت پیش کر کے خود کو سچا ثابت کرنا تھا۔

''سعدی یوسف نے نوشیرواں کاردار سے یونیورسٹی کے دنوں میں دوستی کرنے اور اس سے فوائد اٹھانے کی بھرپور کوشش کی۔ نوشیرواں اس کے لئے ایک سونے کی مرغی تھا۔ ایک بیوقوف امیر زادہ۔ جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا۔'' (نوشیرواں کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور بے تاثر' ویران نظریں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔ وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔) یور آنر لوگوں کو لگتا ہے کہ امیر آدمی کے مسئلے نہیں ہوتے۔ سو امیر آدمی کا استحصال کرتے جاؤ کیونکہ اس کا جرم ہے کہ وہ امیر ہے' وہ لوگوں کو لوٹ کر ان کا خون پی کر امیر بنا ہے۔ اس کو لوٹنا' مارنا' نقصان

پہنچانا غریب کا حق ہے غریب کا انتقام ہے مگر کیا واقعی امیر ولی عہد کی زندگی میں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا؟ کیا واقعی نوشیرواں ایسا تھا؟'' کمرہ عدالت میں دبیز خاموشی تھی۔اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھا۔گویا سوال کا جواب مانگا ہو۔ پھر تلخی سے مسکرایا۔

''المیہ یہ ہے یور آنر کہ نوشیرواں ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو غریب کا خون چوس کر امیر ہوئے ہوتے ہیں۔اگر سعدی یوسف اپنے کمپلیکس سے باہر نکلتا تو شاید وہ سمجھ پاتا کہ نوشیرواں حد سے زیادہ توجہی کا شکار تھا اس کی دولت اس کے باپ اور بھائی نے برسوں کی ان تھک محنت اور ایمانداری سے کمائی تھی۔ایسے میں وہ اپنے باپ سے وہ وقت اور توجہ نہ پا سکا جو مجھے ملا۔وہ اندر سے بہت معصوم اور سادہ تھا۔ہر ایک پہ یقین کر لینے والا۔ ہر ایک سے توجہ اور پیار چاہنے والا۔اس کو سعدی کی دکھاوے کی دوستی نہیں چاہیے تھی۔اس کو خلوص چاہیے تھا۔ امیر لڑکوں کے جانی دشمن بہت ہوتے ہیں۔وہ سیکیورٹی کے بغیر نکل نہیں سکتے۔وہ ہر جگہ جا نہیں سکتے۔ان کو کچھ بھی کرنے سے پہلے اپنے عالی مقام خاندان کے نام کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔وہ ایک مڈل کلاس لڑکے کی طرح نہ تھا جو جب دل چاہتا لیڈز کی گلیوں میں نکل جاتا' کسی بار میں بیٹھ کر' کسی دوست کے ساتھ کچھ بھی کرتا۔نوشیرواں کو لوگ پہچانتے تھے۔وہ ایک سیاستدان کا بیٹا تھا۔وہ ہر وقت مختلف paparazzis کی ہٹ لسٹ پہ ہوتا تھا۔یہ دولت اس کے لئے ایک قید سے کم نہ تھی مگر سعدی یوسف کو وہ صرف سونے کے انڈے دینے والی مرغی لگتا تھا۔اس کا شاندار گھر جہاں سعدی اکثر آتا تھا' جہاں کھانے پینے کی مکمل آزادی تھی' ان کی دوستی کو مضبوط کرنے کی وجہ تھا' مگر ایسا زیادہ دیر نہ چل سکا یور آنر۔سعدی یوسف کی مطلبی اور مادیت پرست باتوں نے دھیرے دھیرے نوشیرواں کو اس سے برگشتہ کرنا شروع کیا۔''

''میرا دل چاہتا ہے اس آدمی کے چہرے پہ تیزاب پھینک دوں۔'' حنہ نے اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی تو اس کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

فارس نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اس کے کندھے تھپکے۔

''اسے بولنے دو حنہ۔وہ زیادہ اچھا وکیل ہے' بلکہ وہ ساحر ہے۔اسے اپنے جادو کے بولوں سے ہمارے ہر جج کو مات دینے دو۔جب وہ تھک جائے گا تو ہم اسے دیں گے۔شہ مات۔ Checkmate!'' ایک عزم کو دہرایا تو حنہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اس کے باوجود نوشیرواں نے اس سے دوستی نہیں چھوڑی۔اسے اپنے گھر آنے دیا۔اسے اپنی دولت کو لوٹنے دیا۔مگر یہ کافی نہیں تھا۔ سعدی یوسف کے لئے یہ کافی نہیں تھا یور آنر۔وہ صرف مادی چیزوں پہ خوش نہیں ہوتا تھا۔وہ پاپولر ہونے اور ہر دلعزیز بننے کا طالب بھی تھا۔ ہمیں یہاں پہ سعدی یوسف جیسے لڑکوں کی سائیکی سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔اسے یونیورسل فیورٹ بننا اچھا لگتا تھا ہر کوئی اس کی باتوں کی تعریف کرے' ہر کوئی دلچسپی سے اسے سنے۔جب نوشیرواں کے رویے میں اس نے سرد مہری محسوس کی تو اس کی یہ نفسیاتی حس بار بار پھڑکنے لگی۔خاکسار کے ساتھ غلط بیانی کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا سو اس نے مسز جواہرات کا کردار کو اپنی میٹھی باتوں کے دام میں لیا۔

(سعدی نے مڑ کر جواہرات کو دیکھا اور لبوں کو بنا آواز نکالے گھمایا (واؤ)۔ جواہرات نے کوشش کی کہ وہ بالکل بھی اس وقت سعدی کو نہ

دیکھے۔) ہر ماں کی طرح وہ بھی بیٹے کے لئے ان سیکیور رہتی تھیں اس نے ماں کو بیٹے کی شکایت لگانی شروع کی وہ نشہ کرتا ہے وہ غلط لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تاکہ مسز جواہرات نوشیرواں کو مجبور کریں کہ وہ صحیح لڑکے یعنی کہ "ہمارے سعدی" کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرے۔

نوشیرواں ایوریج ذہانت کا لڑکا ضرور تھا مگر گھامڑ نہیں تھا۔ اس نے سعدی کے ان جھوٹوں اور غلط بیانیوں پہ خود کو اس سے دور کرنا شروع کر دیا۔ سعدی کے مسلسل جواہرات کا دار کو بھڑکانے پہ دونوں میں تلخ کلامی بھی ہوئی اور یوں اس دوستی کا اختتام ہو گیا۔

ساحرا پنے مسحور کن انداز میں بول رہا تھا اور سب توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ تبھی دروازہ کھلا اور بنا چاپ کے دھیرے سے آبدار اندر داخل ہوئی پھر اسی طرح خاموشی سے فارس اور حنین کے ساتھ آبیٹھی۔ یوں کہ حنین دونوں کے درمیان میں تھی۔ چہرہ موڑ کر اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر فارس کو مخاطب کیا۔ "ہیلو غازی!"

فارس نے بس سر کو اثبات میں خم دیا۔ چہرہ تک نہیں موڑا۔ درمیان میں بیٹھی حنین ایک دم خود میں عجیب سا محسوس کرنے لگی۔

دلائل دیتے ہوئے ہاشم نے رخ حاضرین کی طرف پھیرا تو بس لمحے کے ہزارویں حصے کے لئے وہ چونکا۔ آبدار پہ نظریں جاری کی۔ مگر پھر اس نے بات جاری رکھی۔ گو کہ اس کی نگاہ بار بار اس طرف اٹھتی تھی۔ آبی سنجیدہ چہرہ لئے بیٹھی رہی۔ شناسائی قرابت داری رسمی مسکراہٹ اس کی آنکھیں ہر احساس سے عاری تھیں۔ (حنین نے نظریں جھکا لیں۔ وہ آبدار کے لئے ہی مگر بار بار ادھر دیکھتا تو تھا اور اس کا دیکھنا دل کو دکھی کر دیتا تھا۔ محبت رہے یا نہیں یادیں تو آخری سانس تک رہتی ہیں۔)

اس کے دلی جذبات سے بے خبر آبدار سنجیدہ چہرہ لئے بیٹھی تھی۔ البتہ اس کی خوبصورت پیشانی پہ دو بل پڑے ہوئے تھے۔ ان دو بلوں کی تہہ میں جا دو پرت در پرت داستانیں رقم تھیں۔ یکا یک وہ پرتیں عیاں ہوتی گئیں اور سنہری پیشانی سنہری روشنی میں بدلتی گئی.....

(دو ماہ پہلے)

ہارون عبید کے آفس کاریڈور میں تیز سنہری بتیاں روشن تھیں۔ آبدار ماتھے پہ سلوٹیں لئے تیز تیز چلتی آرہی تھی۔ آفس کا دروازہ زور سے کھولا۔ ہارون سیٹ پہ براجمان سامنے بیٹھی دو خواتین سے محو گفتگو تھے۔ آبدار سرخ چہرے کے ساتھ اندر آئی ہاتھ جھلا کر گویا تخلیہ کا اشارہ کیا۔۔ ہارون نے شدید ناپسندیدگی سے اسے دیکھا پھر خواتین سے معذرت کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ آخری دفعہ تھا بابا۔ آئندہ میں آپ کے ہاتھوں کبھی استعمال نہیں ہوں گی۔" وہ دونوں تنہا رہ گئے تو وہ کرسی کھینچ کر بیٹھی تھی سے بولی تھی۔ ہارون کے ابرو بھنچ گئے۔

"مسئلہ کیا ہے؟ یہ میرے اہم مہمان تھے۔ تم نے....."

"ہاشم نہیں مانا۔ وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ کیس نہیں لڑے گا۔"

چند لمحے کے لئے ہارون کچھ بول نہ سکے۔

"سنا آپ نے بابا.... ہاشم کو نہیں منا سکی میں۔ کوئی ٹرائل نہیں ہوگا اب۔"

''مگر....'' وہ لاجواب ہو گئے تھے۔ ''تم نے اس کو سمجھانا تھا کہ تم اس کے پرپوزل پہ غور کرو گی اور....''

''بابا.... میں کیا ہوں آپ کے لئے؟ ہاں؟ میں کیا صرف آپ کے دشمنوں کو نیچا دکھانے کا ایک ہتھیار ہوں؟ اوزار؟ میری ماں کے ساتھ بھی کیا آپ نے۔ مجھے بھی انہی کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔'' اس کی آنکھوں کے کٹورے بھیگ گئے تھے۔

''بیٹے میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں یہ سب تمہارے لئے ہی کر رہا ہوں۔'' انہوں نے پینترا بدل کر نرمی سے کہنا چاہا مگر وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

''مجھے اب یقین نہیں آتا۔ گیس واٹ بابا' اب اگر ٹرائل ہوا بھی تو میں بھی اس میں جاؤں گی اور آپ سب کے خلاف گواہی دوں گی۔ عدالت مجھے بھی سمن کرے گی۔ میں سچ بولوں گی۔ سب کچھ بتا دوں گی۔ آپ لوگ اسی قابل ہیں۔ یہ سب ٹرائل کے لئے کر رہے تھے نا آپ تو میں....''

''میں تمہارے لئے کر رہا تھا بچے۔ تم چاہتی تھی کہ اس کی بیوی اسے چھوڑ دے۔ اس نے اسے چھوڑ بھی دیا۔ تم نے میرا کام نہیں کیا' مگر میں نے تمہارا کام کر دیا ہے۔'' وہ اس کو ٹھنڈا کرتے ہوئے کہہ رہے تھے' ساتھ میں جھک کر دراز بھی کھول رہے تھے۔ آبی کے آنسو پلکوں پہ ہی ٹھہر گئے۔ آنکھوں میں بے یقینی در آئی۔

''بابا'' اس کا سانس رک گیا۔ ''کیا کیا ہے آپ نے؟ میں نے منع کیا تھا آپ کو' آپ ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں دیں گے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔''

''اس نے اپنی مرضی سے یہ مجھے دی ہے میں نے اسے مجبور نہیں کیا تھا۔'' سادگی سے کہتے ہوئے انہوں نے ایک ڈبی اس کے سامنے رکھی۔ آبدار نے تحیر سے انہیں دیکھا۔ ''میں نے آپ کو اس کے بارے میں اس لیے تو نہیں بتایا تھا کہ آپ....''

''یہ اب تمہاری ہے۔ جیسے بھی اسے استعمال کرو۔''

(آج)

کوئی کاغذ سا اس کے ہاتھ سے ٹکرایا تو وہ گہرے خیال سے چونکی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کمرہ عدالت میں بیٹھی تھی اور ساتھ بیٹھی حنین اس کی طرف ایک کاغذ بڑھائے ہوئے تھی۔ آبدار کی نظریں فارس کی طرف اٹھیں۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ حنین اپنی گود میں دیکھ رہی تھی۔ آبی نے کاغذ تھاما۔ اس پہ تحریر تھا۔

''آپ کا دل بیمار ہے' میں جانتی ہوں۔ میں اس سب سے گزر چکی ہوں۔ میرے پاس ایک ایسی کتاب ہے جس میں اس مرض کی دوا ہے۔ اگر آپ نے اپنا علاج نہیں کیا تو بہت نقصان اٹھائیں گی۔''

ساتھ میں قلم بھی تھا۔ آبدار کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ بکھری۔ اس نے سرعت سے قلم تھاما اور لکھا۔ ''نہ میں بیمار ہوں' نہ مجھے کسی علاج کی ضرورت ہے۔ جس کیفیت کا میں شکار ہوں' وہ دنیا کا سب سے خوبصورت جذبہ ہے۔ میں کیوں نکلوں اس سے؟ میں اسی میں خوش

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہوں۔"

حنین نے جب کاغذ واپس تھاما تو وہ تحریر پڑھ کر اس کا دل دور اندر ڈوب گیا۔

اس نے کیسے سمجھ لیا تھا کہ ہر بیمار علاج کا سن کر شفایاب ہونے دوڑا چلا آئے گا۔ عشق تو وہ مرض ہے جس کے مریض کو یہ معاشرہ اس کا میڈیا اس کا لٹریچر میٹھی نیند سلا کر برسوں تھپکتے رہتے ہیں کیونکہ جو چیزیں رواج میں آجائیں ان کا غلط ہونا ذہنوں سے نکل جاتا ہے۔

اس نے کیسے سوچ لیا کہ ہر مریضِ عشق اپنی بیماری سے واقف بھی ہوتا ہے؟ کیا اسے بھول گیا تھا کہ ایسے مریضوں کے پاس ہر وقت خود کو دینے کے لئے ڈھیروں من گھڑت دلیلیں اور بہانے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تو انائی خود کو جسٹفائی کرنے میں ہی صرف کر دیتے ہیں' اور زندگی میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ قیس ہو یا رانجھا' یہ سب مجنوں بھی تھے اور فارغ بھی۔

"یور آنر... سعدی یوسف سے دھیرے دھیرے میرے موکل کا خاندان برگشتہ ہوتا گیا۔" ساحر کے جادوئی بول جاری تھے۔ وہ ان کی طرف پشت کر کے کھڑا جج کی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا۔ "تقریباً ڈیڑھ سال تک سعدی یوسف کے گھرانے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ نوشیرواں سے میرے باپ اور ماں کو بدظن کرنے کے لئے ایک رات یہ اچانک سے ہمارے گھر آیا اور اس نے کہا کہ نوشیرواں دو دن سے رابطے میں نہیں ہے' یقیناً وہ اغوا ہو چکا ہے۔ نوشیرواں ساؤتھ کوریا میں تھا اور دو دن تک کسی سے کوئی رابطہ اس نے نہیں رکھا تھا تو اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سعدی یوسف نے میرے باپ سے کہا' بلکہ ان کو ایک فیس بک میسج بھی دکھایا جس میں لکھا تھا کہ شیرو اغوا ہو چکا ہے اور تاوان کی رقم اس اکاؤنٹ نمبر تک پہنچا دیں۔ تب سعدی یوسف ماشاءاللہ اتنا تحتاط اور شاطر نہیں ہوا تھا۔ اس کی بات پہ وقتی طور پہ یقین کرنے کے باوجود میں نے جانچ پڑتال کروائی تو معلوم ہوا یور آنر کہ شیرو کو سعدی نے یہ پرینک کھیلنے کو کہا تھا۔ رقم کا تو ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ جب نوشیرواں کو علم ہوا تو وہ فوراً ملک واپس آ گیا۔ اس کو سامنے دیکھ کر شرمندگی سے بچنے کے لئے سعدی نے الزام لگایا کہ یقیناً وہ خود روپوش ہو کر خود ہی اپنے آپ کو اغوا کرنے کا ڈرامہ کر کے باپ سے رقم بٹورنا چاہتا ہے۔ ہم نے اس کا یقین نہیں کیا' اور اس کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اکاؤنٹ نمبر بھی اسی کا تھا' اور یہی نہیں یور آنر' موقع کا فائدہ اٹھا کر اس رات جب میں لاؤنج میں بیٹھا تھا تو یہ میرے کمرے میں گیا' میرا لاکر کھولا اور اندر سے ایک خطیر رقم نکال لی۔ میرے لاکر کا کوڈ میری ڈیٹ آف برتھ ہے' اس کے لئے گیس کرنا آسان تھا۔ اس واقعے کے بعد میرا دل اس سے بہت برا ہوا۔ اور میں نے اس سے ترکِ تعلق کر لیا۔ جب کاردارز سے کچھ نہ ملا تو یہ میری سابقہ بیوی شہرین کاردار کے پاس گیا' اور اسے مختلف حیلوں بہانوں سے بلیک میل کرتا رہا اور رقم بٹورتا رہا۔"

"کیا میں تالیاں بجاؤں؟" زمر پیچھے سے اونچا سا بڑبڑائی تھی۔ جج صاحب نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ احمر سر جھکائے گردن کھجانے لگا اور سعدی... وہ بس ہاشم کو دیکھتا رہا۔ اب اسے گویا ہاشم پہ افسوس ہو رہا تھا۔

"اس کے پاس اپنے دفاع کے لئے کچھ بھی نہیں ہے' سو وہ مدعی کا کردار اتنا مسخ کر دے گا کہ اگر نوشیرواں پہ جرم ثابت ہو بھی جائے تو

جج کو لگے سعدی جیسے لڑکے کو مار کر اس نے اچھا ہی کیا تھا۔ قتل کے کیس سے بچ نکلنے کا یہ سب سے اچھا طریقہ ہوتا ہے۔ مقتول یا زخمی کا کردار مسخ کردو۔" زمر نے اس کا ہاتھ دبا کر سرگوشی کی پھر سامنے دیکھنے لگی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں سنجیدگی تھی اور ناک کی لونگ چمک رہی تھی۔ وہ مسلسل بائیں انگوٹھے سے تیسری انگلی میں پہنی بڑے سے نگینے کی خوبصورت انگوٹھی اوپر نیچے کر رہی تھی۔ اس میں جڑا نگینہ دور سے نیلا ہیرا لگتا تھا۔ اس کی روشنی مدھم' مگر شفاف تھی۔ ایسی شفاف کہ گویا سیاہ رات میں چمکتے تارے ہوں' جو ٹوٹ کر جڑے ہوں' اور ان کی دودھیا روشنی زندگی کی ساری سچائیوں کو منعکس کرتی جائے.....

(دو ماہ پہلے)

اس صبح فوڈ لی ایور آفٹر کی بالائی منزل کی دیوار گیر کھڑکیوں سے بھی تیز روشنیاں اندر آرہی تھیں۔ زمر اداسی سے بیٹھی' گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی' شیشوں کے پار سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ فائلز سامنے بکھری پڑی تھیں' اور وہ ان سے لاتعلق لگتی تھی۔ یکا یک وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ نیچے پارکنگ میں اس نے کار سے اسے نکلتے دیکھا تھا۔ سرخ رومال والی لڑکی کو۔ زمر تیزی سے فائلز اٹھا کر نیچے لپکی۔

جس وقت آبی نے ریسٹورانٹ کا دروازہ کھولا' زمر کچن کے دروازے کے قریب کرسی پہ بیٹھی محویت سے کتاب سے نوٹس بنانے میں مگن نظر آتی تھی۔ آبدار کی نظریں اس کی ناک میں پہنی سونے کی نتھ پہ اٹھ گئیں۔ ایک ہلکی سی مسکان اس کے لبوں پہ ابھری۔ پھر وہ زمر کو نظر انداز کیے' کاؤنٹر تک آئی۔ وہاں گاہکوں کی طرف پشت کیے سعدی کھڑا رجسٹر کھول کر کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی پرانی زندگی میں دوبارہ پرانے کام کرنے کے باوجود اب پرانے سعدی جیسا نہیں لگتا تھا۔

"کچھ پھر تم ڈالو گے یا ہم ڈالیں؟" وہ مسکرا کر بولی تو سعدی نے چونک کر گردن موڑی۔ آبدار کو دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

"تم؟ ادھر؟" پھر اس پاس دیکھا۔ زمر کام میں منہمک نظر آتی تھی۔ گاہک آگے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھے مصروف تھے۔

"ویلکم ہوم۔ اچھا لگا تمہیں دیکھ کر۔ سنا ہے کل تمہارا انٹرویو آرہا ہے۔ انٹرویو میں تو کہو گے نہیں' مگر مجھے سامنے دیکھ کر شکریے کا ایک بول کہہ ہی سکتے ہو۔ آخر میں نہ ہوتی تو تم گھر کیسے آتے؟" تفاخر سے مسکرا کر وہ بولی تھی۔

"بہت شکریہ۔" وہ رکھائی سے کہہ کر واپس گھوم گیا۔ آبی کے ابرو خفگی سے بھنچے۔

"سعدی یوسف خان' میرا ادھار ہے تم پہ۔"

وہ پھر اچنبھے سے واپس مڑا۔ "کیا؟"

"تمہارا انٹرویو لینا تھا میں نے۔ اپنا کام تو نکلوالیا تم نے' میرے کام کا کیا ہوگا؟" اس نے یاد دلایا۔

"میرے پاس بتانے کو کوئی کہانی نہیں ہے۔" مگر آبدار نے پرس سے کارڈ نکال کر اس کی شرٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا۔

"میں اپنے کلینک میں تمہارا انتظار کروں گی۔ تمہاری نیند کی حالت کی مسافت کا قصہ سننا ہے میں نے۔" اداسی سے مسکرا کر وہ جنید کی طرف گھومی۔ "فارس کہاں ہیں؟" سعدی سر جھٹک کر واپس کام کرنے لگا۔ جنید نے کچن کا بتایا تو وہ وہیں چلی گئی۔ زمر کی کرسی کے ساتھ

سے گزری۔ نہ نظر ملائی نہ رخ پھیرا۔ بس اندر چلی گئی۔

زمر کے لکھتے ہوئے ہاتھ سست پڑ گئے۔ چہرے پہ بے بسی در آئی۔ کوفت اور غصہ۔ اس نے زور سے قلم بند کیا۔ اور ایک عزم سے اٹھی۔

کچن سے ورکرز باہر آ رہے تھے۔ فارس نے شاید ان کو نکالا تھا۔ وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی' وہ دونوں دوسری جانب تھے۔

درمیان میں اونچے ریکس تھے۔ وہیں رک گئی۔ اندھیر ریک کی اوٹ میں۔

''جی آبدار کہیے۔ آپ کیوں ملنا چاہتی تھیں۔'' وہ دونوں برنر کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ بار بی کیو کا دھواں اور اشتہا انگیز خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔ فارس گرمی کے باعث پوری آستینوں کو موڑے' دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سادگی سے پُر تھا۔ نہ کوئی کوفت' نہ شکوہ۔ وہ جیسے اسے سننا چاہتا تھا۔ زمر کا دل برا ہوا۔ (مجھے نہیں بتایا کہ اس کو ملنے کے لئے بلا رہا ہے۔ ہونہہ۔)

''بابا نے ایک کام کہا تھا مجھے۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے مسکرا کر رسان سے بولی تھی۔ ''کہ ہاشم کو مناؤں' وہ کیس کے لئے راضی ہو جائے۔''

''کس کیس کے لئے؟'' وہ اچنبھے سے بولا۔ زمر کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے اس پہ بھروسہ تھا مگر پھر بھی۔ وہ سب بتا چکی تھی پھر بھی۔

''سعدی یوسف بنام نوشیرواں کاردرا۔ واٹ ایور! اور میں نے اپنے آپ کو بہت خطرے میں ڈال کر ہاشم سے کہا کہ میں اس سے شادی کر لوں گی اگر وہ خود کو بے گناہ ثابت کرے عدالت میں اور اس گند سے ہمیشہ کے لئے نکل آئے۔ آپ کے لئے... آپ کے خاندان کے لئے میں نے یہ رسک مول لیا۔''

''ابھی تو آپ نے کہا کہ آپ اپنے بابا کے کہنے پہ یہ کر رہی تھیں۔'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔ آبی لمحے بھر کو چپ ہوئی۔

''انہوں نے کہا تھا' مگر کیا تو میں نے آپ کے لئے۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تو نہیں کہا تھا۔ آپ نہ کرتیں۔ خیر تھی۔'' فارس نے شانے اچکائے۔ ''میں تو ویسے ہی عدالت وغیرہ کے چکر کے خلاف ہوں۔ یونہی آپ نے اپنا وقت ضائع کیا۔''

آبدار پھر سے لاجواب ہوئی۔ ''بہر حال وہ نہیں مانا۔''

زمر نے چونک کر سر اٹھایا اور ریکس کے پار' دور کھڑے ان دونوں کو دیکھا۔ اس کے دل میں بے پناہ مایوسی اتر آئی۔ یعنی ہاشم نہیں مانا؟ وہ اس کیس کو لٹکاتا جائے گا؟

''اچھی بات ہے۔ ملک و قوم کا بہت سا پیسہ بچ گیا۔ یہی بتانے آئی تھیں آپ؟'' فارس غازی پہ تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ آبدار نے گہری سانس لی۔

''فارس.... یہ بات زمر نے کہی تھی بابا سے۔''

وہ چونکا۔ ''کیا بات؟''

آبدار کی رکی سانس بحال ہوئی۔ ہمت بڑھی۔

''یہی کہ اگر میں راضی کر لوں ہاشم کو تو وہ آپ کو چھوڑ دیں گی۔ میرے لئے۔''

آخری دو الفاظ نے یکدم چھناکے سے جیسے بہت سا بھرم اور لحاظ توڑ دیا تھا۔ فارس غازی لاجواب ہو گیا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب وہ اپنے منہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ زمر نے بے اختیار ریک کو تھاما۔ بہت کچھ اپنی پیچ سے نکلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''میرے بابا اور زمر کی ڈیل ہوئی تھی۔ آپ کے اوپر۔ اور زمر نے کچھ گروی بھی رکھوایا تھا۔ مجھے دو روز پہلے پتہ چلا تو میں فوراً یہ واپس لے آئی۔ بابا کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' پرس سے اس نے سیاہ مخملیں ڈبی نکالی اور فارس کی طرف بڑھائی۔ فارس سنجیدگی سے لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس رخ پہ کھڑا تھا کہ زمر کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ اس کی آنکھوں میں زخمی پن سا در آیا تھا۔ اور اس کی ان آنکھوں کو دیکھ کر زمر کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ تیزی سے وہاں جانا چاہتی تھی' یہ ڈبی اس لڑکی کے ہاتھ سے چھیننا چاہتی تھی' مگر قدموں میں جان ہی نہ رہی تھی۔

''آپ یہ زمر کو واپس دے دیں۔ یہ ان کی ہے۔ انہی کی رہنی چاہیے۔''

اس نے فارس کی آنکھوں میں تکتے ہوئے' بنا پلک جھپکے' ڈبی بڑھا کر کہا تھا۔ فارس نے آہستہ سے ڈبی اس کے ہاتھ سے اٹھائی۔ پھر کھولی۔ اندر رکھا ہیرا زمانوں کی داستانیں خود میں سموئے جگمگا رہا تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے وہ ہیرا نکال کر دیکھا۔ بدلتی روشنی میں وہ مزید خوبصورت لگنے لگا تھا۔

''آپ کو برا تو لگا ہو گا۔ مجھے بھی لگا۔ معذرت کے ساتھ مگر مسز زمر کو یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ معصومیت سے افسوس کر رہی تھی۔

''اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ دو انگلیوں میں لونگ پکڑے دھیما سا بولا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ مجھے آپ کو دکھانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے شاید۔ یا شاید.....'' وہ اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔ ''شاید.....مسز زمر نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ آپ برا محسوس نہ کریں۔ ہر شخص میں قربانی دینے کا جذبہ نہیں ہوتا۔ وہ.....آپ کے لئے.....وہ سب کبھی نہیں کریں گی جو قربانی دینے والے کرتے ہیں۔''

اندھیرے ریک کے اوٹ میں کھڑی زمر نے بے اختیار کنپٹی مسلی۔ سر میں درد ہونے لگا تھا۔

''نہیں میرا دل نہیں دُکھا۔'' اس نے گہری سانس لے کر آبدار کو دیکھا۔ آبی کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔ زمر نے بے اختیار ریک زور سے تھاما۔

''اس نے آپ کا تحفہ یوں کسی کو دے دیا' آپ کا دل نہیں دکھا۔''

''یہ تو ایک چیز ہے۔ چیزوں کا کیا ہے؟ آتی جاتی رہتی ہیں۔'' وہ دو انگلیوں میں مسل کر اسے دیکھ رہا تھا۔ ''میں یا زمر چیزوں کے پیچھے نہیں بھاگتے۔'' یہ کہنے کے ساتھ وہ دائیں جانب گھوما' برنر کا بٹن گھمایا۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ تو اس نے ہیرے کی لونگ آگ میں

ڈال دی۔ آبدار کا منہ کھل گیا تھا۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ تو آپ کو بہت عزیز تھی۔ آپ نے خود مجھے بتایا تھا' جب ہم کولمبو جا رہے تھے۔" بے اختیار منہ سے پھسلا۔

"یہ تو ایک پتھر ہے۔ اور مجھے یہ عزیز نہیں ہے۔ میں اسے پہلے بھی ایک دفعہ پھینک چکا ہوں۔ مجھے وہ عزیز ہے' جس کو میں نے یہ دیا تھا۔" وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا الفاظ میں گویا کاٹ سی تھی۔ آبدار کے گال سرخ ہوئے۔ آنکھوں میں برہمی ابھری۔ حیرت بھری برہمی۔

"بات چیز کی نہیں ہے۔ اس نے "آپ" کو تین دن تک گروی رکھا ہے۔"

"اس نے مجھے چار سال تک جیل میں بھی رکھا تھا۔ میں اس کو ہزار دفعہ معاف کر سکتا ہوں۔"

کچن میں کوئلوں کے دہکنے کی بو زور سے محسوس ہوئی تھی۔

"آبدار آپ کو اگر لگتا ہے کہ ایک پتھر کے پیچھے ہم ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو آپ ہم دونوں کو نہیں جانتیں۔ ہم نے آگ اور خون کا دریا ایک ساتھ پار کیا ہے۔ ہم اچھے اور برے وقت کے ساتھی ہیں۔ موت کے علاوہ ہمیں کوئی چیز ایک دوسرے سے دور نہیں کر سکتی۔"

زمر سے مزید سنا نہیں گیا۔ شدت ضبط سے اس نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں سے آنسو ابل ابل جانے کو بے تاب تھے مگر وہ ان کو روکے ہوئے تھی۔

آبدار نے آنکھیں جھکا کر اپنی پٹی شدہ کلائی کو دیکھا' پھر شعلہ بار نگاہیں اس تک اٹھائیں۔ "وہ تمہارے لئے.... یہ کبھی نہیں کرے گی۔" طرز تخاطب بدلا' جذبات بدلے' انداز بدلا۔ وہ کہہ کر رکی نہیں۔ تیزی سے وہاں سے نکل آئی۔ دروازے تک پہنچ کر اس نے دیکھا۔ زمر وہاں کھڑی تھی۔ وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ بس سنجیدہ سی کھڑی تھی۔ آنکھیں ذرا بھیگی ہوئی تھیں۔ آبدار پیر پٹخ کر آگے بڑھ گئی۔

وہ اب برنر کی طرف گھوم چکا تھا۔ بھڑکتے شعلے میں وہ جلتی لونگ کو دیکھ رہا تھا جس کے سونے کی تار پگھل پگھل رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔ نرمی سے اس کا بازو تھاما۔ وہ چونک کر مڑا۔ اسے دیکھ کر حیرت ہوئی۔ فوراً دروازے کو دیکھا۔

"میں سمجھا تم اوپر ہو۔ تم کب آئیں۔" برنر تیزی سے بند کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ وہ واقعی اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

"جب تم اسے کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔" فارس نے گرم چولہے سے ننھا ہیرا اٹھانا چاہا' مگر تیز تپش لگی تو جھٹکے سے ہاتھ واپس کھینچا اور انگلی ہونٹوں سے لگائی۔ پھر چونک کر اسے دیکھا۔

"ایک منٹ۔ میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔"

"تم نے کہا تھا۔ میں نے سنا ہے۔ میں نے صرف یہی سنا ہے۔"

"اپنے کانوں کا علاج کرواؤ۔" وہ خفگی سے بازو چھڑا کر اب کپڑے سے لونگ چولہے سے اتار رہا تھا۔

''میں نے خود سنا ہے۔تم بار بار یہی الفاظ دہرا رہے تھے۔مجھے ہر لفظ ایسا ہی لگ رہا تھا۔'' آنسو اب کے اس کی آنکھوں کو بھگونے لگے تھے۔''میں تمہیں ڈیزرو نہیں کرتی۔میں بہت بری ہوں فارس۔''

''میرا ابھی یہی خیال ہے۔'' وہ ابھی تک خفا تھا۔وہ روتے روتے ہنس دی۔پھر ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھے۔

''اس کا کیا کرو گے اب؟''

''تم نے میرا تحفہ پھینک دیا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے کالک ذدہ ہیرا کپڑے میں اٹھا کر ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔وہ نم آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اسے یہ کرتے ہوئے دیکھے گئی۔

''تم مجھ سے کبھی خفا تھے ہی نہیں۔موقع ملنے پہ تم نے خود بھی اسے پھینک دیا۔تم نے اچھا کیا فارس۔ہمارے گھر والے' ہمارے ملازم' آبدار' یہ سب لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری محبت کی نشانی ہے۔صرف میں اور تم جانتے ہیں کہ یہ ہمارے راستے کا وہ پتھر تھا جو ہر خوبصورت لمحے کے آخر میں ہمارے پاؤں میں آ کر چبھتا تھا۔یہ ایک اچھا تحفہ نہیں تھا۔اس میں دھوکہ تھا۔دنیا سے چھپا کر کچھ کرنے کا عنصر تھا۔یہ ہم دونوں کے لئے ڈھیروں شرمندگی کا باعث تھا۔تم نے اچھا کیا جو اسے پھینک دیا۔میں نے اچھا کیا جو اسے پھینک دیا۔'' وہ ڈسٹ بن میں گرے ہیرے کو دیکھ کر بے خودی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔فارس کی پیشانی کی شکنیں کم ہوئیں۔وہ گہری سانس لے کر اس کی جانب گھوما۔

''ٹرائل نہیں ہو گا۔'' وہ لونگ کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔اس کا ذکر کبھی بھی ندامت اور عجیب سے اجنبی پن سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

''میں جانتی ہوں۔اور میں کوشش کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔'' وہ واقعی تھکی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔''لیکن میں پھر سے کسی ایسے شخص کو ڈھونڈوں گی جو ہاشم کو منا سکے۔اس کے لئے مجھے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔''

''چلو....مل کر سوچتے ہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''مل کر کیسے؟''

''دو تین دن کے لئے کسی لمبی مسافت پہ نکل جاتے ہیں۔اس سارے شور ہنگامے سے دور۔ان مسئلوں' تھانے کچہریوں اور ان لوگوں سے دور۔تم تھک گئی ہو۔کچھ دن آرام کرو گی تو دماغ سے ساری آلودگی چھوٹ جائے گی۔''

''جو تم کہو۔'' وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر بولی تھی۔

''مگر یاد رکھنا میں نے تمہیں معاف نہیں کیا۔'' وہ انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتے ہوئے بولا تھا۔وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''تمہاری معافی کی پرواہ ہے کسے؟ تم تو شکر کیا کرو کہ میں نے تمہیں معاف کر کے تم سے شادی کر لی ورنہ تم جیسے دو نمبر آدمی کو میں ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔''

''مجھے ایک کورٹ رپورٹ کو ساتھ لے کر گھومنا چاہیے جو تمہاری ہر بات ساتھ ساتھ لکھ کر ریکارڈ کرتا جائے' تم وکیلوں کا کیا بھروسہ جب چاہو مکر جاتے ہو۔'' وہ جل کر بولا تھا۔وہ جواب میں چہک کر کچھ کہہ رہی تھی مگر آوازیں مدھم ہو رہی تھیں....گویا دور کسی کنوئیں سے آ رہی

ہوں.... ڈسٹ بن میں گری لونگ کا ہیرا کالک کے باوجود مدھم سا جگمگا رہا تھا......

(آج)

"21 مئی سے چند دن پیچھے آئیں یور آنر۔" ہاشم کی آواز نے اسے عالم تنویم (گہری سوچ'نیند' hypnosis) سے نکالا۔ وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ کمرہ عدالت میں سب کے سامنے کھڑا ہاشم پورے اعتماد سے جج کو بتا رہا تھا۔

"یور آنر سونیا کاردار کی سالگرہ کے موقع پہ سعدی یوسف کو کاردار خاندان نے مدعو نہیں کیا۔ ہمارے تعلقات اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے لیکن جب کورٹ میں مجھے مسز زمر ملیں (زمر نے ماتھے پہ ہاتھ لے جا کر اس کی سچائی کو سلام کیا) تو ان کی درخواست پہ میں نے سعدی یوسف اور زمر یوسف کے لئے کارڈ بھجوا دیے۔ ہم نے سوچا یور آنر کہ شاید اب یہ نوجوان توبہ تائب ہو چکا ہو۔ مگر یہ ہماری خام خیالی تھی۔ عین پارٹی کے وقت' جب میں باہر مہمانوں میں تھا' سعدی یوسف میرے کمرے میں گیا' اور میرا لاکر کھولنا چاہا۔ پاسورڈ بدل چکا تھا' وہ اسے تو نہ کھول سکا مگر میرے دراز میں رکھا میری بیٹی کا نیکلس جو اسے میری ماں نے سالگرہ کے تحفے کے طور پہ دیا تھا اور جو اس نے میرے دراز میں ڈال دیا تھا' بچوں کی لاپرواہی یو نو' سعدی یوسف نے وہ نکال لیا اور یور آنر اس کے میرے کمرے سے چوروں کی طرح نکلنے کی پوری فوٹیج موجود ہے ہمارے پاس۔ جب وہ باہر آیا تو نوشیرواں نے اس سے باز پرس کی' جس پہ دونوں کی تلخ کلامی ہوئی۔ سعدی کو ایک دم جانے کی جلدی ہوگئی۔ جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ایگزٹ تک آیا تو گارڈ نے اسکینر کے الارم کے باعث اس کو روک کر تلاشی لینی چاہی جس پہ زمر یوسف نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ میں اس وقت صورتحال سے ناواقف تھا۔ یہ سب دیکھ کر میں نے گارڈز کو جھڑکا اور سعدی کو جانے دیا۔ چند دن بعد جب ہم ایک شادی کی تقریب میں اس سے ملے تو میں نے اسے کہا کہ وہ یہ نیکلس واپس کر دے۔ وہ میری بیٹی کو بہت عزیز ہے۔ مگر سعدی یوسف نے نہ صرف صاف انکار کیا بلکہ مجھے بھی بے عزت کیا۔ اس دن کے بعد میں نے سعدی یوسف کی شکل صرف اخبارات اور ٹی وی پہ دیکھی۔ اگلے آٹھ نو ماہ تک ہم نے اس کو نہ دیکھا' نہ اس سے ملے۔ یہ فرعون کے دربار والی کہانی مجھے انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ من گھڑت ہے۔ سعدی یوسف 21 مئی کو ہمارے آفس نہیں آیا تھا۔ یور آنر ہماری بلڈنگ کی لاگ بک' انٹری ڈیٹا' سی سی ٹی وی فوٹیج' سب ہم عدالت میں جمع کرا چکے ہیں۔ استغاثہ کے پاس ایک بھی گواہ یا ثبوت نہیں ہے جو ثابت کرے کہ ہم نے اس روز سعدی سے ملاقات کی تھی یا شیرو اور سعدی کا کوئی جھگڑا ہوا تھا۔ یور آنر ہم نے تو اتنا عرصہ صرف یوسفز کی مدد کی' ہر مشکل میں ان کے ساتھ کھڑے رہے' فارس غازی کو جیل سے نکلوانے میں کتنا ساتھ دیا ان کا' یہ جانتے ہیں (''جی بالکل۔ بجا فرمایا۔'' گال پہ ہتھیلی جمائے بیزاری سے سنتے ہوئے زمر بولی تھی) یور آنر ہمارے لئے ان کا ایک دم ہمارے خلاف اٹھ آنا شدید دکھ اور صدمے کا باعث ہے۔ فارس غازی نے ہماری انیکسی' ہمیں ہی فروخت کی مارکیٹ سے تین گنا زیادہ قیمت پر۔ شاید وہ رقم بھی کافی نہیں تھی' جواب یہ ایک ایسا کیس کر رہے ہیں جس کے درمیان میں ان کو لگتا ہے ہم لوگ ان کو منہ بند کرنے کے لئے ایک خطیر رقم دیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہوگا یور آنر۔ نوشیرواں کاردار ایک معصوم اور بے گناہ لڑکا ہے' اس کی عزت' اس کی نیک نامی' اس کی کریڈیبلٹی ہر شے کو اس الزام نے ٹھیس پہنچائی ہے۔ میری معزز

عدالت سے استدعا ہے کہ نوشیرواں کا ردار کو نہ صرف باعزت بری کیا جائے بلکہ سعدی یوسف کی ملک دشمن سرگرمیوں کا بھی نوٹس لیا جائے۔ یہ آٹھ ماہ کہاں تھا اور کون سے جرائم پہ پردہ ڈالنے کے لئے الزام ہمارے سرتھوپ رہا ہے اس سب کی تحقیقات ہونی چاہئیں۔ اور یہ کام جلد سے جلد ہونا چاہیے۔ کیونکہ میرا خاندان میرے دوست میرا کاروبار ہماری ساکھ ہمارے رشتے ہر چیز اور ہر شخص کو اس بے بنیاد الزام نے شدید دھچکا لگایا ہے۔ ہمیں ہمارے امیر ہونے کی برسوں کی محنت کے بعد حلال رزق سے یہ ایمپائر کھڑی کرنے کی اپنا پیٹ کاٹ کر خون پسینہ اس کمپنی کے لئے لگا کر اس کو اس مقام تک پہنچنے کی سزا دی جا رہی ہے یور آنر۔ میں معزز عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ تمام گواہوں اور ثبوتوں کو اچھی طرح پرکھ کر انصاف کے عین تقاضے پورے کر کے فیصلہ سنائے اور عدالت جو بھی فیصلہ سنائے گی ہمیں وہ قبول ہوگا۔ تھینک یو یور آنر!''

سر کو خم دے کر وہ واپس اپنی کرسی تک آیا تھا۔ جواہرات اب مطمئن سی مسکرا رہی تھی اور زمر سعدی حنین ہاشم کو بھوکے شیروں والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ ایسے میں صرف نوشیرواں تھا جس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں اور وہ ایک نقطے پہ پتلیاں ساکت کیے بنا پلک جھپکے بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ جج صاحب کچھ کہہ رہے تھے مگر نوشیرواں کا دماغ اس کی نگاہوں کی طرح ایک ہی نقطے پہ آ کر جم گیا تھا گویا برف کا کوئی تودہ ہو جس کی تہہ در تہہ برف میں یادیں اور قصے ثبت ہو کر امر ہو گئے ہوں... ٹھنڈے... یخ......

(دو ماہ پہلے)

برف کی موٹی موٹی ڈلیاں مشروب کے گلاس کی سطح پہ تیر رہی تھیں جب بارٹینڈر نے کاؤنٹر پہ وہ گلاس اس کی جانب دھکیلا۔ اونچے اسٹول پہ بیٹھے شیرو نے اسے اپنی طرف کیا اور اندر ذرا سا اسٹرا ہلایا۔ ساتھ ہی وہ موبائل چیک کر رہا تھا۔

''تمہاری اینکل اسٹریپ کہاں ہے شیرو؟'' دو نوجوان وہیں قریب میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے اونچی سی آواز کسی۔ دوسرا ہنسا۔ (امریکہ میں اس طرح اگر کسی کو ضمانت پہ رہا کیا جائے اور ہاؤس اریسٹ کر دیا جائے تو اس کے ٹخنے پہ ایک پٹا باندھا جاتا ہے جو اس کی پوزیشن کو مانیٹر کرتا رہتا ہے۔) نوشیرواں نے چہرہ اٹھا کر تندہی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''تمہارے باپ کو جب نیب والے پکڑ کر لے گئے تھے تو میری اسٹریپ ادھار میں ساتھ لے گئے تھے۔'' دوسرا نوجوان پھر سے ہنسا۔ مگر پہلے نے ابرو اچکائے۔

''میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یہ جیل جانا عدالتوں سے گزرنا یہ تو شان کی باتیں ہوتی ہیں۔'' آگے بڑھ کر اس نے شیرو کا کندھا زور سے تھپکا۔ نوشیرواں نے (ہونہہ) کندھا جھٹکا اور موبائل کی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا.....

اور پھر یہ تبھی تھا جب سارے میں ایک شناسا سی آواز گونجنے لگی۔ کسی ڈراؤنے خواب کی سی کیفیت میں اس نے سر اٹھایا۔ کسی نے لاؤنج کی دیوار پہ لگی وہ پورے انسان کے سائز کی ایل ای ڈی کی آواز تیز کر دی تھی۔ مدھم بتیوں کے باعث سارے میں نیم اندھیرا سا تھا اور اسکرین کسی سینما کا ماحول پیش کر رہی تھی۔ نوشیرواں کی نگاہیں وہاں جا کر ٹھہریں تو واپس پلٹنا بھول گئیں۔

معروف اینکر کے سامنے صوفے پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا وہ ویران مگر سنجیدہ چہرے والا لڑکا... ٹھہرے ہوئے مگر مضبوط لہجے میں وہ کتھا بیان کر رہا تھا۔ "میں اسے وہاں اس زیر تعمیر گھر میں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔"

"اور پھر اس نے آپ کو گولی ماری۔" آگے کو ہو کر بیٹھا اینکر تاسف اور ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔ سلور گرے ڈریس شرٹ میں ملبوس سعدی کے بال ذرا بڑے ہو گئے تھے۔ گھنگریالے بل اب نظر آنے لگے تھے۔ ان کو جیل لگا کر اس نے پیچھے کو جما رکھا تھا۔ بھوری آنکھوں میں یہ سنتے ہی گہرا درد آ بسا۔ آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ کہنی صوفے کے ہتھے پہ جمائے وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم مسل رہا تھا۔

"میں نے اسے کہا کہ وہ یہ نہ کرے۔ نہیں۔ میں نے اس کی منت نہیں کی۔ مگر میں نے کہا کہ وہ اپنے بھائی جیسا نہیں ہے۔" نیم روشن لاؤنج میں لڑکے لڑکیاں گلاس چھوڑ کر سننے لگے تھے۔ موسیقی بند ہو گئی تھی۔ پلیٹوں میں چلتے چمچ کانٹے رک گئے تھے۔ دم سادھ کر گویا اسے سنا جا رہا تھا جو بڑی اسکرین پہ یہ اتنا بڑا سا لگ رہا تھا۔ خود زندگی سے بھی بڑا۔

"میں نے اسے کہا کہ میں جانتا ہوں وہ یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں وہ اندر سے ایک اچھا انسان ہے۔ اور پھر میں نے وہی کہا جو ہابیل نے قابیل سے کہا تھا۔ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہو تب بھی میں تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ کیونکہ وہ میرا مسلمان بھائی تھا۔ مجھے آخری لمحے تک یقین نہ تھا کہ وہ مجھ پہ گولی چلا سکتا ہے۔ وہ high تھا (نشے میں تھا)۔ اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ مجھے اس پہ ترس بھی آ رہا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ وہ میرے اوپر گولی نہیں چلائے گا۔ میں نے اس کی جان بچائی تھی۔ مجھے لگا وہ کبھی نہیں بھول سکے گا کہ جب وہ ڈرگز کی زیادتی کے باعث مر رہا تھا تو میں اسے ہسپتال لے کر گیا تھا۔ مجھے لگا وہ یاد رکھے گا کہ کبھی ہم دوست تھے۔ مگر نوشیرواں کا دار نے کچھ یاد نہیں رکھا۔ میں ان آخری لمحوں میں بھی اسے شیرو کہہ کر پکار رہا تھا۔ اور پھر اس نے مجھے تین گولیاں ماریں اور کہا کہ میرا... نام... نوشیرواں ...ہے۔"

شو کے سیٹ پہ چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ گویا سانسیں تک رک گئی ہوں۔

"گولی کھانے کے بعد کیا ہوا؟ آئی نو یہ آپ کے لئے تکلیف دہ ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ ملک بھر میں بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں بھی بی این نیوز کی نشریات جا رہی تھیں اور لوگ آپ کو دیکھ رہے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے۔"

سعدی نے ایک گہری سانس لی۔ "مجھے تین گولیاں ماریں اس نے۔ پیٹ میں۔ کندھے میں۔ ٹانگ میں۔ میں نیچے گر گیا۔ زمین پہ۔ مجھے لگا اب وہ بھاگ جائے گا مگر وہ نہیں بھاگا۔ میں اب تک بے یقین تھا۔ شاک میں تھا۔ پھر وہ میری طرف آیا۔ شاید مجھے لگا کہ اب یہ مجھے اٹھائے گا۔ وہ میرا دوست تھا۔ وہ میرا اچھا دوست رہا تھا۔ مگر اس نے مجھے بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ وہ میرے منہ پہ...." رک کر سانس لیا۔ "وہ میرے منہ پہ جوتے سے ٹھوکریں مارتا رہا۔ ساتھ میں وہ مجھے گالیاں بھی دے رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ میری وجہ سے وہ ہمیشہ outshine ہو جاتا ہے۔ میرے سامنے وہ بیسٹ نہیں لگ سکتا۔ وہ مجھے مارتا گیا۔ بری طرح۔ گولی سے زیادہ تکلیف دہ وہ ٹھوکریں تھیں۔ وہ بوٹ کی ٹھوکریں جو میرے منہ پہ آ لگی تھیں۔" اسکرین پہ اب زخمی سعدی یوسف کی پولیس فوٹوز دکھائی جا رہی تھیں۔ زخم زخم

چہرہ۔ زخمی جسم۔ بند آنکھیں۔ رستا خون۔

''لوگ کہتے ہیں روحانی اذیت زیادہ ہوتی ہے مگر میں آپ کو بتاؤں' جسمانی اذیت زیادہ برا حال کرتی ہے۔ اسی لئے تو قیامت کے بعد برے لوگوں کے لئے جہنم کا وعدہ ہے۔ جسمانی اذیتوں کی جگہ۔ یہ نہیں وعدہ کیا گیا کہ مشرکوں کو ڈپریشن ہوگا' یا ان کے دل ٹوٹ جائیں گے' ان کو طنز و طعنے سے اداس کیا جائے گا بلکہ جسمانی عذاب کی وعید سنائی گئی۔ وہ تکلیف' وہ اذیت ...وہ بہت زیادہ تھی' اور اس لمحے میرے منہ سے ایک ہی بات نکلی تھی..... ''اللہ حساب لے گا۔''

اینکر اب بریک پہ جا رہا تھا۔ کوئی ٹرانس سا ٹوٹا تھا۔ گردنیں مڑیں۔ نگاہیں اٹھیں۔ سب نوشیرواں کو دیکھ رہے تھے۔ کوئی کچھ نہیں بولا۔ بس نظریں اس پہ گاڑھ دیں۔ وہ ملامتی' وہ اندر تک اتر جانے والی غصیلی نظریں' وہ نفرت انگیز نظریں...وہاں موجود ہر شخص مدھم زرد بتیوں میں صاف نظر آتے اسٹول پہ بیٹھے شیرو کو دیکھ رہا تھا۔

نوشیرواں چیخ چلا کر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ دم توڑ گئے تھے۔ وہ دھیرے سے اٹھا۔ والٹ اور چابیاں اٹھائیں' فون جیب میں ڈالا۔ سب اسے گھور رہے تھے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ نظریں انی کی طرح اس کے سارے وجود میں اتر رہی تھیں۔ اسے پسینہ آنے لگا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ دروازہ دور تھا۔ نظریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس کا تنفس تیز' بے ترتیب ہو رہا تھا۔ نفرت' ملامت' غصہ' وہ سارے جذبات آگ کی لپٹوں کی طرح اس کا پیچھا کر رہے تھے....گویا یہ لپٹیں اس کو کھا جائیں گی....بدقت وہ باہر نکل پایا تھا...مگر اس ساری تپش نے کاؤنٹر پہ رکھے گلاس میں تیرتی برف کی ڈلیوں کو پگھلا دیا تھا۔ برف کی جمی پرتیں پانی بنتی جا رہی تھیں۔

(آج)

''استغاثہ اگلی پیشی پہ گواہوں کو پیش کرے گا' تمام کاغذات عدالت میں جمع کرا کے....'' جج صاحب کی سخت کھردری آواز نے نوشیرواں کو چونکایا تھا۔ وہ ایک دم بے اختیار گردن موڑ کر استغاثہ کی کرسیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں سعدی اسی طرح اداس سا بیٹھا تھا۔ زمر اب اٹھ کر جج صاحب کے ڈیسک تک جا کھڑی ہوئی تھی۔ ہاشم ہاتھ میں کاغذ پکڑے کچھ کہہ رہا تھا اور احمر فائل سے کاغذ نکال نکال کر اسے تھما رہا تھا۔ مگر شیرو کی نظریں اس کے اداس چہرے پہ جم سی گئیں.....

سعدی وہاں نہیں تھا۔ اس کا گہرا خیال اسے یہاں سے دور کسی جنگل بیاباں سے گزار کر.....برف کے سمندر اور سنہری ریت کے محل عبور کرا کے....نیلی جھیل اور سفید چوٹیوں کے اوپر سے اڑا کے.....اونچی آبشاروں کی سطح پہ تیرا کے....اس کا خیال اس کو وقت میں پیچھے لے جا رہا تھا.....

(دو ماہ پہلے)

مورچال کی دیواروں سے چمٹی سبز بیلیں اداس اور ویران لگتی تھیں۔ زمر اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ بیڈ پہ سفری بیگ کھلا تھا اور وہ اس میں کپڑے تہہ کر کے ڈالے جا رہی تھی۔ انداز سے غصہ [illegible] لگتی تھی۔ وہ [illegible] سر اٹھا کر کونے میں کھڑے [illegible] اور [illegible] سعدی کو

دیکھا۔"میں نے یہ تمہارے لئے نہیں کیا۔دسویں دفعہ بتا رہی ہوں۔"

"آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے؟" وہ ذرا بے بس پریشانی میں قریب آیا۔"اگر آپ ٹرائل کے لئے فارس ماموں کو چھوڑ دیں گی تو کیا میں یوں خوش ہوں گا۔"

"میں ان ٹپیکل عورتوں میں سے نہیں ہوں جو ہر دوسرے دن کسی ٹی وی ڈرامے میں شوہر کو قربانی کر رہی ہوتی ہیں۔میں تو صرف..."
سر جھٹکا اور بیگ کی زپ بند کی۔"میں صرف ایک کوشش کر رہی تھی۔مگر بہر حال اب کوئی ٹرائل نہیں ہوگا۔کیس فائلوں میں دب جائے گا۔ اس لئے میں ....کچھ دن کے لئے یہاں سے جا رہی ہوں۔پلیز مجھے مت روکنا۔"

وہ خفگی سے اسے دیکھتا رہا۔"آپ جا رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ میں آپ کو نہ روکوں؟" پھر گہری سانس لی۔"آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں آپ کو روکوں گا؟ کب سے لگنے لگا میں آپ کو اتنا خود غرض۔کیا میں آپ کو سکون سے چند دن نہیں گزارنے دوں گا؟ نہیں چاہیے مجھے ایسا ٹرائل جس کے لئے مجھے آپ دونوں کی قربانی دینی پڑے۔"

زمر کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ بکھری۔"مگر مجھے تو چاہیے تھا نا۔خیر جب میں واپس آؤں گی تو ہم مل کر کچھ حل نکالیں گے اور پھر....."

"اور پھر کوئی کیس نہیں لڑ رہے ہم۔کم از کم آپ کے واپس آنے تک میں اس موضوع پہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"او کے!" زمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے تسلی دی۔"اب میں پیکنگ کر لوں۔"

"اور یہ آبدار صاحبہ کب سے آپ کو تنگ کر رہی ہیں؟ اس کو میں کل فکس کرتا ہوں۔" وہ شدید غصے میں تھا۔زمر ایک دم ہنس پڑی۔

"ہنسیں کیوں؟"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے کوئی غنڈہ بدمعاش مجھے بس اسٹاپ پہ روز تنگ کرتا ہو۔ارے یار وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور اس کو تمہارے دو نمبر ماموں اچھے لگتے ہیں۔ظاہر ہے کوئی ہمت بڑھائی ہو گی ان صاحب نے جو بات یہاں تک پہنچی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی آخر میں لہجہ ذرا جل سا گیا۔سعدی کے ماتھے کے بل ڈھیلے پڑے۔ذرا سا مسکرایا۔

"ایک وقت تھا وہ آپ کو زہر لگتے تھے۔"

"شہد اب بھی نہیں لگتا۔زہر ہی ہے۔" سر جھٹک کر وہ پرس میں چیزیں ڈالنے لگی۔پھر اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے چہرہ اٹھایا۔وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟"

"کچھ نہیں۔" ہنس کر سر جھٹکا۔"آپ آرام سے جائیں۔اب ہم کسی ٹرائل کا نہیں سوچیں گے۔" زمر اسے چند لمحے تک دیکھے گئی۔جیسے کنفیوژ ہو۔پھر امید بندھی۔"تم سچ کہہ رہے ہو نا۔میرا مطلب ہے۔تم ٹھیک ہو نا؟"

"اب ہو گیا ہوں ٹھیک۔آپ کو خوش دیکھ کر ٹھیک ہوں میں۔اور وہ جو باتیں گروپ پہ آپ میرے لئے لکھتی ہیں نا ان کو پڑھ کر مزید

ٹھیک ہو گیا ہوں۔ فکر نہ کریں اور آرام سے جائیں۔" وہ مسکرا رہا تھا اور تسلی بھی دے رہا تھا۔ زمر کا دل جیسے ہلکا سا ہو گیا۔ وہ سکون سے پیکنگ کرنے لگی۔

پھر باہر سے استری والے کپڑے اٹھانے آئی تو کمرے کے سامنے لاؤنج کے صوفے پہ حنہ بیٹھی تھی۔ یقیناً وہ کھلے دروازے کے باعث سب دیکھ اور سن چکی تھی۔ (گھر میں اس وقت اور کوئی نہیں تھا۔ سب سارہ خالہ کی طرف گئے تھے۔ ندرت کو بہت گلے تھے ان لوگوں سے۔)

"اس کو جج مت کریں۔" زمر کو استری اسٹینڈ سے تہہ شدہ کپڑے اٹھاتے دیکھ کر وہ بے خودی کے عالم میں بولی تھی۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ بیمار ہے۔ آبدار۔ اس کو جج مت کریں۔"

زمر نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ بس کپڑے اٹھاتی رہی۔ دونوں کے بیچ سعدی کے آنے کے بعد سے در آنے والا تناؤ ایک دم زیادہ محسوس ہونے لگا تھا۔ پھر حنین شکستگی سے بولی۔ "سوری مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میرا مقام ایسا نہیں ہے کہ میں آپ کو غلط یا صحیح بتا سکوں۔"

زمر ایک جھٹکے سے اس کی طرف گھومی۔ پیر اوپر کر کے بیٹھی اس اداس لڑکی کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"تم سعدی کی جگہ نہیں لے سکتیں حنین۔ تم ..... سعدی ..... کبھی نہیں بن سکتیں۔ جو میرے لئے سعدی ہے وہ تم نہیں ہو سکتیں، کبھی بھی!"

حنین ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ دل اتنا زور کا ٹوٹا تھا کہ اسے اپنے کانوں میں کرچیاں بکھرنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"ہر شخص کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ تم سعدی نہیں بن سکتیں، نہ تم اس کی طرح ہو۔ تم حنین ہو۔ اور جو تم میرے لئے ہو وہ سعدی میرے لئے نہیں بن سکتا۔ اسی طرح فارس، سعدی، یا دنیا میں کوئی بھی شخص خواہ اس سے میں کتنی ہی محبت کروں یا وہ مجھ سے محبت کرے، وہ میرے لئے حنین نہیں ہو سکتا۔ حنین کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ خونی رشتوں میں موازنہ اور مقابلہ نہیں کرتے۔ کر ہی نہیں سکتے۔ ہر شخص کی اپنی جگہ ہوتی ہے۔ تمہاری بھی ہے اور اس جگہ کو کوئی نہیں بھر سکتا۔"

آنسو حنین کی آنکھوں میں چمکنے لگے۔ لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"اور ایسے ہی تمہاری زندگی میں کوئی زمر کی جگہ نہیں لے سکتا جس کے جانے کے بعد تم کھڑکی پہ کھڑی ہو کر اس کے واپس آنے کا انتظار کرو۔ جس کی بھولی ہوئی چابیاں اور گلاسز لوٹانے کے لئے تم اس کا بیچ راستے سے مڑنے کا انتظار کرو۔ جب تم زمر کا مقابلہ سعدی سے نہیں کر سکتی تو میں بھی حنین کا مقابلہ سعدی سے نہیں کر سکتی۔"

حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنکھوں پہ چھائی گرد کو زمر نے پانی ڈال کر جیسے دھو دیا تھا۔ زمر کپڑے لے کر آگے بڑھ گئی اور وہ ایک خوشگوار احساس میں گھری بیٹھی رہ گئی۔ ایک محبت کھوئی تو کیا ہوا۔ بہت سی مل بھی تو گئیں۔ سعدی آہستہ سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھا تو حنہ چونکی۔ اس کی مسکراہٹ غائب تھی۔ اور چہرے پہ ویرانی تھی۔ "ہم نے ٹرائل لڑنا ہے حنہ، مجھے بتاؤ کیسے!"

حنین کے دل کو دھکا سا لگا۔" تو وہ سب جو ابھی کہا۔"

" یہ میری جنگ ہے مجھے لڑنی ہے ان کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔"

سوری مگر میں ٹیم فارس ہوں اور میرا خیال ہے آپ کو بالکل بھی انصاف نہیں ملے گا۔ یہ سب بے کار ہے بھائی۔" وہ الٹا اسے سمجھانے لگی تھی۔ سعدی بنا تاثر لئے بس اسے دیکھے گیا۔

(آج)

اپنے عالم تنویم سے وہ نکلا تو خود کو عدالتی کمرے میں پایا۔ پھر سر جھٹک کر وہ اٹھا اور جانے والوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ اس کی کرسی وہیں پڑی رہی۔ دیوار پہ لگی گھڑی کی سوئیاں اپنی مسافت طے کرتی رہیں۔ روشنی، اندھیرا، روشنی، بارش، آندھی، پھر اندھیرا، پھر روشنی۔ کھڑکی سے باہر آسمان کے سارے بدلتے عکس اس کرسی پہ پڑتے رہے یہاں تک کہ وہ واپس آ کر اس پہ بیٹھا، آج سیاہ کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس تو یوں لگتا تھا گویا بالخصوص تیار ہوا ہو۔ تازہ شیو، تازہ قلموں سے تراشے بال، نیا کرتا شلوار، پیروں میں پشاوری چپل، وہ گویا تیار تھا۔

گواہی دینے کے لئے۔

نظر اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔ تو سب اپنی معمول کی کرسیوں پہ آ بیٹھے تھے۔ ہلچل اور آوازوں کے بیچ بھی وہ دیکھ سکتا تھا، نوشیرواں چپ چاپ ہاشم کے پہلو میں بیٹھا ہے۔ اس کا چہرہ ویران اور آنکھیں رتجگے کے باعث سرخ تھیں۔ وہ بالکل لاتعلق سا سامنے دیکھ رہا تھا۔ کسی غیر مرئی نقطے کو... شاید اس کی نظروں میں بہت سے نقطے تھے... سفید نقطے... ٹی وی اسکرین کے سفید شور کی طرح...

(دو ماہ پہلے).

اس نے چینل بدلا تو اسکرین پہ سفید دانے سے آ رہے تھے۔ (White noise) ہاشم نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اگلا چینل لگا لیا۔ وہ اس وقت آدھی آستین کی شرٹ اور ٹراؤزر میں بیٹھا، بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے ہوئے اور پاؤں میز پر رکھے ہوئے تھا۔ یہ اس کے آرام کا وقت تھا۔ بیڈروم کی بتیاں بھی مدھم تھیں۔ ایسے میں دروازہ دستک کے بعد کھلا تو اس نے چونک کر دیکھا۔ چوکھٹ میں شیرو نظر آ رہا تھا۔ نیم روشن ماحول میں بھی وہ اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ سکتا تھا۔

"تم نے ڈرگز لی ہیں کیا؟" ہاشم بولا تو لہجہ نہ سخت تھا نہ نرم۔ بس وہ جاننا چاہتا تھا نوشیرواں خاموشی سے اندر آیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔ لاک کے چوکھٹ میں گھس کر "کلک" ہونے کی آواز آئی۔ شیرو ہاتھ پیچھے دروازے پہ رکھے یونہی کھڑا رہا۔

"میں انٹرویو نہیں دے سکتا۔"

ہاشم نے نہ ابرو بھینچے نہ ہی حیرت ظاہر کی۔ بس سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھے گیا۔

"میں سعدی کی طرح انٹرویو نہیں دے سکتا۔ آپ نے جو انٹرویو میرے لئے رکھوایا ہے اس کو منسوخ کر دیں۔"

"کیوں؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔ سیاہ آنکھیں نوشیرواں کی سرخ آنکھوں پہ جمی تھیں۔

چند پل سر کے۔ زرد روشنیوں کا نیم اندھیرا مدھم سی ٹی وی کی آواز' کھڑکی کے باہر بہتی' بھیگتی رات.... سب خاموش تھے۔

''مجھ سے وہ سب.... وہ اسکرپٹ نہیں بولا جائے گا۔ بھائی لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''جب سے اس کا انٹرویو آیا ہے میں جس جگہ جاؤں' لوگ یا تو مجھے باتیں سناتے ہیں یا نفرت سے دیکھتے ہیں۔ میں کسی پارٹی میں کسی محفل پہ بیٹھوں تو لوگ وہاں سے اٹھ جاتے ہیں۔ میں قابلِ نفرت' قابلِ حقارت بن کر رہ گیا ہوں۔'' اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔ ''اس نے ساری زندگی میرے ساتھ یہی کیا۔ مجھے ہمیشہ اندھیروں میں دھکیل کر ساری روشنی خود سمیٹنی چاہی۔ وہ اب بھی میرے ساتھ یہی کر رہا ہے۔ جو بوٹ میں نے اس کے منہ پہ مارے تھے' وہ میرے ہر دوست' ہر عزیز' پبلک کے ہر آدمی سے میرے منہ پہ لگوا رہا ہے۔ میں قید ہو کر رہ گیا ہوں۔''

''ملک سے باہر چلے جاؤ۔''

''اس سے کیا ہو گا؟ میرا سوشل سرکل تو وہی رہے گا نا۔ میں ایک دفعہ بھاگا تھا اب نہیں بھاگوں گا۔'' ایک عزم سے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں انٹرویو نہیں دوں گا' کچھ نہیں بولوں گا۔ کیونکہ میرے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔ برڈن آف پروف الزام لگانے والے پہ ہوتا ہے' انہیں ثابت کرنے دیں۔ عدالت میں ان کے خلاف میرا دفاع کریں بھائی۔ مجھے بری کروا دیتا کہ میں فخر سے کہہ سکوں کہ میں بے گناہ تھا تبھی مجھے بری کیا گیا ہے۔''

ہاشم چند ثانیے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ شیرو کے چہرے سے واضح تھا کہ وہ بہت مشکل سے اس فیصلے پہ پہنچا ہے۔

''ہم ٹرائل پہ نہیں جا رہے شیرو۔ میں اس کیس کو فائلوں میں دبا دوں گا۔''

''مگر بھائی' ہم.....''

''تمہیں کیا لگتا ہے میں یہ کیوں کر رہا ہوں؟'' ہاشم ریموٹ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا لہجہ تند ہو گیا تھا۔

''کیا؟''

''یہی۔ بار بار کہنا میں ٹرائل پہ نہیں جاؤں گا۔''

نوشیرواں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ہاشم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے سامنے آ رکا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں یہ تمہیں بچانے کے لئے نہیں کر رہا تھا۔ میں یہ خود کو بچانے کے لئے کر رہا ہوں۔''

''مگر آپ کا تو نام ہی نہیں.....''

''میں یہ اپنی روح بچانے کے لئے کر رہا ہوں۔ جانتے ہو ٹرائل میں جائیں گے تو کیا ہو گا؟'' وہ تیزی اور درشتی سے بولا تھا۔ ''مجھے ان کے خاندان کے ایک ایک شخص کو عدالت میں گھسیٹ گھسیٹ کر بے عزت کرنا ہو گا۔ مجھے زمر کو ایک کرپٹ وکیل اور ایک منافق عورت ثابت کرنا ہو گا جو اپنے شوہر کے خلاف بھی پلاننگ کرتی رہی ہے۔ مجھے سعدی کو دہشت گرد اور مجرم اور ہوس پرست لالچی نوجوان ثابت کرنا

ہوگا' حسین کو بدکردار اور فارس کو قاتل ثابت کرنا ہوگا۔ جب ہم ان سب کے کردار مسخ کر چکے ہوں گے تو فائلیں کھول کھول کر جج کو دکھائیں گے کہ ندرت یوسف نے ناجائز زمین پہ قبضہ کر رکھا ہے اور ان کے بڑے ابا اپنی ملازمت کے دوران کتنی دفعہ رشوت لے چکے ہیں اور جب یہ کہانیاں اخباروں میں چھپیں گی اور ٹی وی پہ دکھائی جائیں گی' تب... تب عدالت سعدی کی بات پہ یقین کرنا ختم کرے گی۔ تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لئے یا تو میں اس پورے خاندان کو نئے سرے سے تباہ کروں یا اس کیس کو ہی دبا دوں۔ دونوں صورتوں میں جیتیں گے ہم ہی۔ تو پھر میں کیوں کروں ان کے ساتھ دوبارہ ایسے؟ کیا ہم نے کم نقصان کیا ہے پہلے ان کے خاندان کا؟ کتنے لوگ مارے' کتنے ابھی تک ہماری وجہ سے بیمار ہیں' اور سعدی... کیا میں اسے دہشت گرد ثابت کر دوں؟ کیا یہ اس کو مار ڈالنے کے برابر نہیں ہوگا؟ تم کیوں چاہتے ہو کہ میں مووآن نہ کروں؟ اس سب کو چھوڑ کر نئی زندگی نہ شروع کروں؟ بہت دفاع کر لیا میں نے تمہارا' اب نہیں کروں گا اور تم چپ چاپ وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ یہ میں اپنے مفاد کے لئے نہیں کر رہا۔ مجھے... عدالت... میں... کوئی نہیں ہرا سکتا نوشیرواں۔ زمر اور سعدی مل کر بھی نہیں۔ مگر یہ سب میں اپنی روح اور ان کی زندگیوں کے لئے کر رہا ہوں۔''

نوشیرواں حق دق سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس سب کی امید نہ تھی.....

ٹی وی اسکرین ہنوز چل رہی تھی۔ سگنل پرابلم کی وجہ سے اس چینل پہ رنگ برنگے دانے سے ابھرتے نظر آنے لگے تھے.... ساتوں رنگ کے دانے....

(آج).

''ریکارڈ کے لئے اپنا نام بتایئے۔'' کسی مقناطیس نے لوہے کے ان سارے ذرات کو گہرے کنویں سے باہر کھینچ نکالا۔ نوشیرواں سنبھل کر اپنے گردو جود اتنی کمرے کا احساس کر کے' کٹہرے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سعدی کھڑا تھا۔ کٹہرے کے اندر۔ وہ حلف لے چکا تھا اور اب اس کے سامنے' تین قدم پیچھے کھڑی زمر' گردن اٹھا کر اسے دیکھتی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

''سعدی ذوالفقار یوسف خان۔'' اس نے کٹہرے کی ریلنگ پہ دونوں ہاتھ جمائے پوری طمانیت سے کہا تھا۔

''آپ کہاں پیدا ہوئے تھے؟''

''اسلام آباد۔''

''مذکورہ واقعے سے پہلے آپ کیا کرتے تھے؟'' سب خاموشی سے ان دونوں کو سن رہے تھے۔

''میں... کیمیکل انجینئر تھا۔''

''ذرا اونچا بولیں۔'' زمر نے اشارہ کیا۔ وہ ہلکا سا کھنکار کر بولا۔ ''میں کیمیکل انجینئر ہوں' یونیورسٹی آف لیڈز سے میں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ اور میں نیسکام میں بطور سائنسدان کام کرتا تھا۔ تھرکول پاور پراجیکٹ کا میں سینئر انجینئر تھا۔'' سعدی کے چہرے پہ طمانیت تھی۔ وہ اٹھی گردن اور ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ بتا رہا تھا۔ جج صاحب رخ اس کی جانب ترچھا کیے غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''سعدی یوسف' آپ کے والد کیا کرتے تھے؟'' زمر دونوں ہاتھ باہم پھنسائے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''وہ ایک ٹیچر تھے۔ میں تیرہ سال کا تھا جب ان کی ڈیتھ ہوئی۔''

''اور آپ کی والدہ؟''

''ابو کی ڈیتھ کے بعد انہوں نے ٹیچنگ شروع کی۔ ہمیں بڑا کیا۔ پھر بعد میں انہوں نے ریسٹورانٹ کھول لیا۔ کرایے پہ شاپ حاصل کی تھی۔ ہمارا گھر بھی کرایے کا تھا۔'' زمر نے ذرا چہرہ موڑ کر جج صاحب کے تاثرات دیکھے' پھر واپس اس کی طرف گھومی۔ جج صاحب عینک کے پیچھے سے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔

''تو آپ پھر لیڈز پڑھنے کیسے گئے؟''

''میں نے ایک اسکالرشپ اپلائی کی تھی' مجھے بتایا گیا کہ مجھے اسکالرشپ ملی ہے' ایک امیر آدمی مجھے اسپانسر کرے گا۔''

''کیا واقعی ایسا ہی تھا؟''

''میں کئی برس تک سمجھتا رہا کہ ایسا ہی ہے' مگر بہت دیر سے مجھے معلوم ہوا کہ میری فیس زمر یوسف دیتی ہیں۔''

''اور میں نے آپ کو اس بات سے کیوں آگاہ نہیں کیا تھا۔''

''کیونکہ میں آپ کو آپ کا واحد پلاٹ اپنے لئے نہ بیچنے دیتا کبھی۔ آپ نے مجھے بتائے بغیر اسے بیچا' اور پھر میری فیس بھری۔ پانچ سال تک بھری۔''

وہ اداسی سے مسکرایا۔ زمر بھی ہلکا سا مسکرائی۔ ماحول میں ایک نرم سے' خلوص بھری محبت کی خوشبو آنے لگی۔

''Too poetic'' پیچھے کرسی پہ براجمان ہاشم نے اونچی آواز میں تبصرہ کیا تھا۔ زمر اس کی طرف گھومی ہی تھی کہ جج صاحب بولے۔

''آپ کو کوئی اعتراض کرنا ہے کار دار صاحب؟''

''نہیں یور آنر۔ میں تو محض اونچا سوچ رہا تھا۔'' سادگی سے شانے اچکائے۔ اس خوشبو کا اثر ایک دم ٹوٹ سا گیا۔ زمر واپس گھومی۔ سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

''سو جب بھی آپ یہ کہتے تھے کہ آپ اسکالرشپ پہ گئے ہیں' آپ اس اسکالرشپ کی حقیقت سے ناواقف ہوتے تھے!''

''جی۔''

''اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے کبھی 'شو آف' نہیں کیا۔''

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جہاں تک مجھے یاد ہے' ایسا ہی ہے۔''

نوشیرواں فوراً ہاشم کی طرف جھکا۔ ''جب میں اس کے ریسٹورانٹ گیا تھا' اور ایک بچہ میری کار کے نیچے آتے آتے بچا تھا' تب اس نے بھرے مجمعے کے سامنے اسکالرشپ کی بات کی تھی۔ تب تو اس کو پتہ تھا۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

''وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔اسے یاد نہیں ہوگا۔''

''تو آبجیکٹ کریں نا۔'' شیرو جھنجھلایا۔ہاشم نے اسے گھورا۔

''تاکہ ثابت ہوجائے کہ تم اس کے ریسٹورانٹ گئے تھے! چپ کر کے بیٹھو!'' شیرو کڑوا سا منہ بنا کر پیچھے کو ہوگیا۔

دوسری جانب والی کرسیوں پہ پیچھے پیچھے آبدار بیٹھی تھی۔آج اس کی قطار خالی تھی۔حنین اگلی قطار میں تھی اور فارس نہیں تھا۔آبدار گود میں رکھے سیل فون کی سیاہ اسکرین پہ بے خیالی میں انگلی پھیر رہی تھی۔اس کا ذہن منتشر خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔سیاہ اسکرین پہ نظریں ساکن کیے وہ اس میں جھلملاتا اپنا عکس دیکھنے لگی.....

(دو ماہ پہلے)

وہ اپنے کلینک میں کرسی پہ بیٹھی اور سامنے رکھے لیپ ٹاپ کی سیاہ بجھی ہوئی اسکرین میں اسے اپنا عکس نظر آرہا تھا۔وہ کسی گہری سوچ میں گم لگتی تھی۔اس کے عین پیچھے دیوار گیر کھڑکی سے سورج کی تیز روشنی کے علاوہ اوپر سے نیچے لٹکتی سبز بیلیں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔تبھی دروازہ دھیرے سے کھلا۔آبدار نے نظریں اٹھائیں۔ذرا سا مسکرائی۔

ایک متذبذب مگر سنجیدہ سا سعدی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔آبی اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔بس سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا آپ اپنے مریضوں کو کاؤچ نہیں پیش کرتیں؟'' وہ سامنے والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ مریض نہیں ہیں۔subject ہیں میرے لئے۔کچھ پئیں گے؟'' انٹرکام پہ ہاتھ رکھے اس نے استفسار کیا۔

''اونہوں....صرف بولوں گا۔''

''کہیے۔میں سن رہی ہوں۔'' سعدی چند لمحے سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔وہ ہلکی سی سفید سوئیٹر اور جینز میں ملبوس تھا۔سوئیٹر کے اندر سے کالر بھی جھلک رہے تھے۔چہرے سے سوگوار لگتا تھا۔

''تمہیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے سعدی یوسف کا کوئی ghost بیٹھا ہے۔تم وہ شخص نہیں رہے۔'' آبدار کو افسوس ہوا۔

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ جو لڑکا میں تھا اگر وہ لڑکا اب مجھے دیکھے تو کیا کہے گا۔کیا سوچے گا۔'' وہ ہلکا سا ہنسا۔کھڑکی سے باہر لان میں ٹہلتے مور، درختوں پہ بیٹھے پرندے.....

''یہی سوچے گا کہ تمہیں راہ راست پہ لانے کو کون سا لیکچر دیا جائے۔وہ لڑکا ہر وقت دوسروں کو فکس کرنے والی باتیں سوچتا تھا۔'' پھر شرارت سے مسکرا کر آگے ہوئی۔''کہیں مجھے بھی فکس کرنے تو نہیں آئے۔''

''سوچا بھی تھا، مگر تم میرے لئے میری بہن کی طرح ہو۔اور اس نے کہا تھا کہ تمہیں جج نہ کیا جائے۔سو میں یہاں تمہارا شکریہ کرنے آیا ہوں۔مگر مجھے افسوس ہے میرے پاس تمہیں بتانے کے لئے کوئی لمبا چوڑا NDE نہیں ہے۔''

آبدار حیران ہوئی۔''مگر تم تو نیئر ڈیتھ سے نکل کر آئے ہو۔ہے نا۔''

''یہ صرف میرے ڈاکٹر کا اندازہ تھا' ورنہ میں گہرے خواب سے نکل کر موت تک نہیں گیا تھا۔ میں پہلے کبھی بتا نہیں سکا' مگر میں اس لیول تک نہیں جا سکا۔ میں نے صرف ایک خواب دیکھا تھا۔''

''آہاں۔'' وہ توجہ سے سننے لگی۔ ''کیا خواب؟ یہ کرسی آرام دہ ہے' تم ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ۔'' سعدی نے ہلکی سی ٹیک لگائی' مگر سر پیچھے نہیں لگایا۔ وہ کھڑکی سے باہر نظر آتے مور کو دیکھ رہا تھا۔ مور اپنے بھدے پیروں کے ساتھ دھیرے دھیرے ٹہل رہا تھا۔ اس کے پنکھ دھنک کے ساتوں رنگ اپنے اندر سموئے اس کے وجود کے گرد پھیلے تھے۔

''تم نے کیا دیکھا تھا؟'' اسے آبدار کی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔ نگاہوں کے سامنے بس وہ مور تھا۔ اس کے پیروں کے رنگ تھے۔

''میں نے.... خواب دیکھا تھا۔ جب میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ ہم لوگ گئے تھے کسی پہاڑی وادی میں۔ نام یاد نہیں۔ وہاں ایک چشمے پہ بیٹھے ہوئے زمر نے مجھے کہا تھا کہ....'' مور دفعتاً ٹہلتے ٹہلتے رک گیا تھا۔ گویا غور سے کسی کو دیکھنے لگا ہو۔ سامنے سے مورنی چلتی آرہی تھی۔ وہ سفید تھی' برائلر مرغی جیسی سفید اور واجبی سی۔ بلکہ بدصورت سی۔

''زمر نے کہا تھا کہ زندگی میں چاہے کچھ بھی ہو جائے' وہ میری keeper بنیں گی۔ میرا خیال رکھیں گی۔ میری حفاظت کریں گی۔ مگر کوئی بھی میری حفاظت نہیں کر سکا۔''

''تم غصہ ہو سب پہ؟'' مورنی اب مور کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ گول' گول۔

''میں دکھی ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے ...جیسے....''

''جیسے یہ سب پھر سے دہرایا جائے گا اور تم اس دفعہ سروائیو نہیں کر پاؤ گے۔''

وہ چونک بھی نہیں سکا۔ اس کی توجہ موروں پہ تھی۔ مور کسی راجکمار کی طرح پر پھیلائے اکڑ کر کھڑا تھا اور مورنی اس کے گرد گھومے جا رہی تھی۔

''ہاں۔ مجھے اندر سے یہی خوف لاحق ہے۔ کہ میں پھر سے کسی ٹریجڈی کا شکار ہو جاؤں گا۔''

''کیا تم نے اس خوف کو اپنے اندر سے نکالنے کے لئے کچھ کیا ہے؟''

''کیا کروں؟''

''سوچو۔ کوئی راستہ نکالو۔'' وہ آواز گو کہ دور سے آرہی تھی مگر اس میں رعب تھا۔ اثر انگیزی تھی۔ ایسی مضبوطی کہ وہ اسے جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ جیسے اس کا حکم ماننے پہ مجبور ہو۔ نظریں موروں پہ تھیں۔ مورنی اب مور کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

''کیسے نکالوں راستہ؟''

''صرف تم نکال سکتے ہو راستہ۔''

"مجھے انصاف چاہیے۔"

"ہم زندگی میں اکثر چیزوں کی تمنا کر کے سوچتے ہیں کہ جب مجھے یہ مل جائے گا تو میں بہت خوش ہو جاؤں گا۔ غلط۔ خوشی ہمارے اندر ہوتی ہے۔ اگر کچھ نہ ہو کر بھی ہم خوش نہیں ہیں تو کچھ پا کر بھی نہیں ہوں گے۔ ابھی سے ٹھیک ہونے کی مشق کرو گے تو ٹھیک ہو بھی جاؤ گے۔"

"کیا کروں؟" اس کا وجود کمزور پڑ رہا تھا۔ آواز کمزور تھی۔

"انصاف ڈھونڈو مگر یہ بھی سوچو کہ اگر انصاف نہ ملا تو کیا تم سنبھل سکو گے؟ کیا دوبارہ اٹھ کھڑے ہو سکو گے؟"

"کیا ہو جاؤں گا؟"

"ہاں۔ ہو جاؤ گے۔" آواز میں یقین تھا' مضبوطی تھی۔ دھونس تھی۔ اس کا اثر دل تک ہوتا تھا۔ اس کا اثر دماغ پہ بھی ہوتا تھا۔

"کیا کرنا ہو گا مجھے انصاف کے لئے؟"

"جو کرنا ہے تمہیں ہی کرنا ہے۔ نہ میں کچھ کر سکتی ہوں' نہ بابا' نہ ذمر' نہ فارس۔ سب نے اپنی اپنی کر کے دیکھ لی۔ مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے ہاشم کو اس مقام تک لانا چاہا کہ وہ تمہارا مقابلہ کورٹ میں کرے' مگر کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔ صرف تم یہ کر سکتے ہو۔" مور اب چپ چاپ اپنی مورنی کے قریب بیٹھ گیا۔ پروں کو سمیٹ لیا تھا۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں خود گنہگار ہوں۔" اس کی آواز کانپی۔

"یہاں سب گناہگار ہیں سعدی۔ ہر ایک کو برے کاموں اور بری لتوں نے جکڑ رکھا ہے۔ کوئی اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرتا رہتا ہے اور کوئی سیاہ کاریوں کے اندھیرے میں بھی ننھا سا دیا جلائے رکھتا ہے۔ سب ہی گناہگار ہیں۔ تم ہو تو کیا بڑی بات ہے؟"

"میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟ جو کوئی نہ کر سکا وہ میں کیسے کر سکتا ہوں؟"

"کیونکہ تم ہمیشہ وہی کرتے آئے ہو جو کوئی اور نہیں کر سکا۔ میں نے عرصہ پہلے تمہیں کہا تھا' تمہارے اندر ایک ہی خوبی ہے۔ تمہاری باتیں۔ اس کو استعمال کرو۔ ایک دفعہ پھر....."

موروں کے جوڑے نے یکایک کسی شے کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں اٹھ کر آگے کو بھاگے۔ کھڑکی سے نظر آتے لان کے حصے سے وہ غائب ہو گئے۔ سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ دھیرے دھیرے اس کے شل اعصاب بیدار ہونے لگے تھے۔ اس نے آنکھیں مسلیں۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اسی طرح سادگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا میں.....؟" وہ پوچھ بھی نہیں سکا۔ وہ حیران تھا۔ وہ اچنبھے میں تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا تمہارے ساتھ۔ تم معمولی سے hypnosis (عالمِ تنویم) میں تھے۔ جیسے کوئی کتاب پڑھتے ہوئے' کوئی فلم دیکھتے ہوئے ہم اس میں کھو جاتے ہیں۔ تم بھی گہرے خیال میں تھے۔" سعدی چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں چلتا ہوں۔"

''میری باتوں پہ غور کرنا!'' اس نے تاکید کی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا کر سر ہلا رہا تھا.....

(آج)

''پہلی دفعہ آپ کا ہاشم کاردار سے تعارف کب ہوا تھا؟'' آبدار نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ کورٹ روم میں بیٹھی تھی اور دور سامنے' کٹہرے کے نیچے کھڑی زمر سوالات کر رہی تھی۔ وہ سنبھل کر سیدھی ہوئی۔

''آٹھ سال پہلے' جب وہ اپنے مرحوم والد کے ساتھ میرے گھر آئے تھے اپنے ولیمے کا کارڈ دینے۔'' اسٹینڈ میں کھڑا سعدی بتا رہا تھا۔

''آپ کا ان کے بارے میں پہلا تاثر کیا تھا؟''

''یہی کہ وہ ایک بہت اچھا آدمی ہے۔''

''اور اب آپ کو لگتا ہے کہ آپ غلط تھے۔''

''آبجیکشن یور آنر!'' پیچھے بیٹھا ہاشم پکارا تھا۔ 'مسز زمر گواہ سے رائے مانگ رہی ہیں۔'' (گواہ سے گواہی یعنی fact مانگے جاتے ہیں' رائے نہیں۔) ہاشم نے ایک دو واجبی سے اعتراضات کے علاوہ کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

''Sustained'' جج صاحب نے زمر کو اشارہ کیا' اس نے سر کو خم دیا۔

''نوشیرواں کاردار سے آپ کی پہلی ملاقات کب ہوئی؟''

''چند دن بعد جب میں ہاشم کاردار کے گھر گیا۔''

''ابھی آپ کو ان سے ملے چند دن ہی تو ہوئے تھے اور آپ ان کے گھر بھی چلے گئے۔''

''میں اس لئے گیا تھا کیونکہ وہاں میرے ماموں رہتے تھے۔ واپسی پہ میں ہاشم کی طرف چلا گیا۔''

''اور پھر؟''

''میں اسٹڈی میں تھا جب میں نے کراہنے کی آواز سنی۔ دیکھا تو ساتھ والے کمرے کی بالکونی میں نوشیرواں گرا پڑا ہے۔ وہ ڈرگز کی اوور ڈوز کی وجہ سے قریب المرگ لگتا تھا۔ میں نے میری انجیو کو کار نکلوانے کا کہا اور پھر ہم اسے ہاسپٹل لے گئے۔ بہر حال وہ جلد ٹھیک ہو گیا۔''

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اسکی جان بچائی!''

''میں کہہ نہیں رہا۔ سب گواہ ہیں اس کے۔''

''اوکے!'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ انکھیوں سے وہ مسلسل جج صاحب کے تاثرات بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ اب تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے' کہنی ڈیسک پہ ٹکائے' متوجہ مگر سپاٹ چہرے کے ساتھ سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

''مسز کاردار سے آپ کا کیسا تعلق تھا؟''

"میں اپنی اور مسز کاردار کی تمام ای میلز کا ریکارڈ کورٹ میں جمع کرا چکا ہوں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مجھے اپنے بیٹے کی جاسوسی کرنے کے لئے کہتی تھیں اور میں محض اس کی بھلائی کے لئے ان کو بتا دیتا تھا اگر نوشیرواں کسی غلط کام میں ملوث ہوتا تو۔ بہت دفعہ میں نے نوشیرواں کا پردہ بھی رکھا' مگر یہ ایک ماں کا حق تھا۔"

"لیکن جب نوشیرواں کو آپ کے سامنے یونی میں مارا پیٹا گیا تو آپ نے اسے کیوں نہیں بچایا؟"

"میں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ میں نے اس لئے نہیں بچایا کیونکہ ہاشم کاردار نے مجھے منع کیا تھا' کیونکہ اس نے خود اپنے بھائی کو پٹوایا تھا تا کہ وہ اس کی دوست آبدار عبید کو تنگ نہ کرے۔"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" جواہرات بے یقینی سے ہاشم کے قریب ہوئی۔ "تم نے اس کو نہیں بتایا تھا۔"

"کیا اس کو پتہ تھا بھائی!" شیرو ہلکا سا غرایا۔ ہاشم خود بھی چونکا تھا۔ "نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے۔" وہ حیران تھا۔

"سو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہاشم جس لڑکی کو پسند کرتا تھا نوشیرواں اس کو ہراساں کرنے لگا تھا' سو ہاشم نے اپنے ہی بھائی کو پٹوایا؟" زمر کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ ہاشم ابرو اکٹھے کیے آگے کو ہوا۔ وہ متحیر تھا۔

"جی۔ جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا' ہاشم کی میل ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے اور میں اس کی کاپی آپ کو دے چکا ہوں۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتی ہیں کہ ہاشم ہی اپنے بھائی کا دشمن تھا میں نہیں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

جب زمر نے ایک کاغذ جج صاحب کو اور ایک ہاشم کو پکڑایا تو ہاشم نے تیزی سے ناک پہ عینک لگائی اور اسے پڑھا۔ جواہرات اس کے کندھے سے جھک کر اسے پڑھ رہی تھی۔ سعدی اور زمر نے مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا۔ یوں لگتا تھا دفاع کی کرسیوں پہ کھلبلی سی مچ گئی ہو۔

"یہ تمہارا لکھنے کا اسٹائل ہے۔ ای میل بھی درست لگ رہی ہے۔ فارنزک میں بھی درست ثابت ہو گی ورنہ زمر اس کو جمع نہ کراتی۔ ہاشم یہ کیا ہے۔" جواہرات نے تلملا کر اسے گھورا۔ وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"یہ درست ہے مگر یہ کسی نے بیک ڈیٹ میں جا کر اب بھیجی ہے' کوئی جس کو ان امور میں مہارت ہو اور....." چونک کر اس نے گردن موڑی۔ استغاثہ کی کرسیوں پہ پیچھے بیٹھی حنین کو دیکھا۔ وہ (جج صاحب سے نگاہ بچا کر) ہاتھ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ پھر ہاتھ اٹھا کر' ہتھیلی ہاشم کو دکھائی۔ BINGO۔ ہاشم نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر شانے اچکا کر سامنے دیکھنے لگی۔

ہاشم گہری سانس لے کر سیدھا ہوا۔ "وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔" اس نے مدھم سرگوشی کی۔ "وہ کہہ رہا ہے کہ یہ سب میں نے انٹرویو میں کہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ یہ سب انٹرویو میں کہہ چکا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ رہا کہ ایسا ہوا بھی تھا۔ technically یہ جھوٹ نہیں ہے اور وہ پکڑا نہیں جا سکتا۔ لعنت ہے۔"

"تو اس نے انٹرویو دنیا کو ایموشنل کرنے کے لئے نہیں دیا تھا؟ بلکہ عدالت میں اپنے الفاظ کی ہیرا پھیری کرنے کے لئے دیا تھا!"

"میں نے ایک دفعہ بھی اس کا انٹرویو نہیں سنا۔ ڈیم اِٹ۔" ہاشم کا غذ لے کر اٹھا۔

"یور آنر یہ ای میل خود ساختہ ہے میں نے ایسی کوئی میل سعدی کو نہیں کی۔"

"رئیلی ہاشم؟ کیا تم پروو کر سکتے ہو؟" زمر نے سادگی سے آنکھیں جھپکائیں۔ ہاشم گہری سانس لے کر واپس بیٹھ گیا۔ ایک تیز نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نے بھی مسکرا کر کندھے اچکائے تھے۔

زمر واپس سعدی کی طرف گھومی۔ استغاثہ کے بینچ میں واضح تبدیلی آئی دکھائی دیتی تھی۔ مسکراہٹیں بڑھ چکی تھیں۔ آرام دہ ماحول بن چکا تھا۔ زمر نے اگلا سوال پوچھنے سے پہلے غیر ارادی طور پہ انگلی میں پہنی انگوٹھی کو گھما کر پیچھے دھکیلا۔ اس کا نیلا ہیرے جیسا چمکتا نگینہ ڈھیروں روشنیاں پھوٹنے لگا۔ ایسی خوبصورت روشنیاں کہ اگر تم ان میں دیکھنے لگو تو تمہاری آنکھیں چندھیا جائیں اور پھر تم کچھ اور نہ دیکھ سکو.... ہیروں جیسی روشنیاں......

(دو ماہ پہلے)

اور جب یہ روشنیاں چھٹیں تو سامنے ایک خوبصورت وادی تھی۔

سبز پہاڑوں کے درمیان بل کھاتی نیلی سڑک کسی آبشار کی طرح اونچائی سے نیچے گر رہی تھی۔ سڑک پہ چہل قدمی کرتے سیاح' دکانوں کا رش' اپنا اپنا سامان بیچتے خوانچہ فروش' اوپر تیرتے بادل' ان سب سے بے نیاز وہ دونوں سڑک کنارے چلتے اوپر سے نیچے آ رہے تھے۔

فارس نے اپنی بھوری جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے' سر پہ پی کیپ تھی' اور زمر سیاہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بال ڈھیلے جوڑے میں باندھے' گردن جھکائے قدم بقدم نیچے اتر رہی تھی۔ دفعتاً اس نے سر اٹھایا اور کچھ اداسی سے بائیں طرف چلتے فارس کو دیکھا۔

"ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ بلکہ میں ادھر کیا کر رہی ہوں؟ مجھے تو اس وقت کورٹ میں ہونا چاہیے تھا۔"

فارس کے چہرے پہ خفگی ابھری۔ کیپ والا سر موڑ کر اور آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا ہم نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کم از کم ان تین چار دنوں میں ہم نوشیرواں کے ٹرائل کی بات نہیں کریں گے۔"

"میں اس ٹرائل کی بات نہیں کر رہی۔ کل اس کی پیشی تھی اور نہ ہاشم گیا نہ میں۔ میں اپنے کورٹ کیسز کی بات کر رہی ہوں۔ میں ایسے ہی ادھر آ گئی۔ میرا اتنا کام پڑا تھا پیچھے۔" اس نے سر کو ذرا جھٹک کر گال کو چھوتی گھنگریالی لٹ پرے ہٹانی چاہی۔ (گرم جیبوں سے ہاتھ نہیں نکالے۔) لٹ کان تک گئی اور پھسل کر واپس گال پہ آ گئی۔

"جی ہاں۔ جانتا ہوں۔ پتہ ہے مجھے آپ وکیل کیا کرتے ہیں۔ لمبی لمبی فیسیں لے کر تاریخ پہ تاریخ دیتے جاتے ہیں۔ آپ کی چند دن کی غیر حاضری سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ویسے بھی عدالت میں جا کر آپ نے جھوٹ ہی بولنا ہوگا۔ اچھا ہے نا' چند دن آپ کے اس بائیں کاندھے والے نگہبان کو ریسٹ ملے گا۔"

"ہاں ہاں تم تو جیسے جیل میں نعتیں پڑھتے تھے۔ لنگر بٹوایا کرتے تھے۔" وہ مسکرا کر گرمتندہی سے بولی تھی۔

فارس نے جیبوں سے ہاتھ نکال کر جیکٹ کا کالر جھٹکا۔

"سوشل ورک کرتا تھا میں۔"

"ہاں' کسی کی پسلی توڑی تو کسی کا جبڑا۔سوشل ورک۔رائٹ!"

"استغفراللہ۔کیوں میری مقبولیت سے جلتی ہیں۔" وہ مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ٹھنڈی سی سرمئی سڑک کے اردگرد پھیلے سبز پہاڑوں سے قطعاً بے نیاز وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔"جیل میں لوگ مجھے پسند کرتے تھے۔"

"غلط۔تم سے ڈرتے تھے۔"

"کچہری میں لوگ آپ سے نہیں ڈرتے کیا؟"

"میری عزت کرتے ہیں۔"

"جی ہاں' بڑی عزت سے آپ کو چڑیل کہتے ہیں۔"

"فارس غازی!" وہ خفگی سے ایک دم گھوم کر اس کے سامنے آئی۔فارس کے قدم رک گئے۔مسکراہٹ دبا کر اس کے چہرے کو دیکھا جو برہمی سے تمتمانے لگا تھا۔

"ہم تین دن کی بریک پہ آئے ہیں اور تم اس طرح کی باتوں سے باز نہیں آئے جو مجھے غصہ دلاتی ہیں۔"

"آپ کو کون سی باتیں غصہ نہیں دلاتیں۔" مگر اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

"وعدہ کرو مجھ سے کہ کم از کم ان تین دنوں میں اب تم کوئی بدکلامی نہیں کرو گے۔" فارس نے تابعداری سے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"رئیلی سوری۔میں واقعی چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ سفر خوشگوار رہے۔اس لیے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان تین دنوں میں.....کوئی سچ نہیں بولوں گا۔"

اسے پھر سے غصہ آیا مگر ہنس دی اور سر جھٹک کر واپس چلنے لگی۔وہ بھی مسکرا کر نیچے اترنے لگا۔دونوں ساتھ ساتھ تھے۔کندھے سے کندھا' کہنی سے کہنی۔برابر۔ہم قدم۔

رش بڑھ رہا تھا۔وہ جس گلی میں اتر آئے تھے وہاں دونوں اطراف میں دکانیں تھیں۔لوگوں کا شور' گہما گہمی عروج پہ تھی۔کہیں سے پکوڑوں اور باربی کیو کی مہک بھی آتی محسوس ہو رہی تھی۔زمر نے شاپس کی قطار کو دیکھ کر کہا۔

"ویسے تم نے مجھے کبھی گفٹ نہیں دیا۔" وہ سوچتے ہوئے بولی تھی۔فارس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"اور وہ جسے آپ میرے تیسرے سسر کے حوالے کر آئی تھیں' وہ کیا تھا؟"

"اونہوں!" زمر نے ناک سکوڑی۔"تب میں تمہاری بیوی نہیں تھی۔میں چاہتی ہوں کہ تم اب مجھے کچھ لے کر دو۔ڈھیر سارے پیسے خرچ کر کے ایک قیمتی سا گفٹ۔"

''مفت تو وہ لونگ بھی نہیں تھی۔ اس میں solitaire ڈائمنڈ تھا۔ پتہ ہے کتنے کا آتا ہے؟'' وہ جل کر بولا تھا۔

''اُف فارس!'' اس نے شدید خفگی سے اسے دیکھا۔ دونوں وادی کے بازار کے بیچ میں سڑک پہ آمنے سامنے رک کھڑے ہوئے تھے۔

''اب کیا تحفے کی قیمت بتاؤ گے؟''

''بل بھی دکھا سکتا ہوں۔''

''کتنے کنجوس ہو۔ ایک تحفہ تک نہیں لے سکتے میرے لئے۔ پہلی بیوی کو تو بہت تحفے دیتے تھے۔ ساڑھیاں' ہینڈ بیگز۔''

''اس کو شوق تھا۔''

زمر نے پلکیں جھپکا کر کھولیں۔ ''مجھے نہیں ہے کیا؟''

''تمہیں؟'' فارس ہنسا اور ناک سے مکھی اڑائی۔ ''تمہیں ساڑھیاں اور ہینڈ بیگز کون دے۔ تمہارے لئے سب سے بڑا تحفہ پتہ ہے کیا ہوگا؟ کسی وکیل کے کمپیوٹر کا ڈیٹا چرا کر دے دو تا کہ تم اسے بلیک میل کر سکو۔ کسی کے غیر قانونی پلاٹ قبضے کے خلاف ثبوت اکٹھے کر کے دو' تا کہ تم اس کو جیل بھیج دو۔ تمہیں میں اس طرح کے بہت سے تحفے دے سکتا ہوں۔ چلو بتاؤ شروع کہاں سے کریں؟''

زمر نے خفگی سے اس کی کہنی پہ ہتھیلی بند کر کے ماری اور پھر آگے بڑھ گئی۔ وہ تیزی سے پیچھے آیا۔ ''یار میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔'' پھر رکا۔ آنکھوں میں چمک اتری۔ ہلکا سا مسکرایا۔ ''بلکہ میرے پاس پیسے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے ''میرے پیسے۔''

''واٹ ایور۔ تم بتاؤ تمہیں کیا چاہیے۔'' اس کے انداز پہ وہ رکی' گردن گھما کر ابرو اٹھا کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔ فارس نے سر کو خم دیا۔

''مجھے؟'' اس نے لب آپس میں مس کیے' اوپر نگاہیں اٹھا کر سوچا۔

''مجھے ڈائمنڈز چاہئیں۔ بہت خوبصورت اور قیمتی ڈائمنڈز۔ بلکہ ادھر مارکیٹ میں آگے جا کر بہت اچھے اچھے جیولرز ہیں۔ چلو میرے ساتھ' اور مجھے کچھ لے کر دو۔ میں بہت خوش ہوں گی۔''

''جو حکم!'' وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ (ہاں یہ خوش ہو لیں' اگلا بندہ چاہے کنگال ہو جائے۔ ڈائمنڈز چاہئیں۔ ہونہہ۔) چہرے کے زاویے بگڑے بگڑے سے تھے۔

چند ثانیے دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ مختلف بولیاں اور شور سنتے رہے۔ پھر وہ بولا۔ ''ویسے تم نے اس سب سے پہلے کبھی میرے بارے میں سوچا تھا؟ برسوں پہلے۔''

''ان باتوں کا اب کیا فائدہ فارس؟''

''بتاؤ نا۔'' وہ مصر تھا۔ پھر ایک دم سمجھنے والے انداز میں بولا۔ ''ویسے میں جانتا ہوں کہ تمہارے لئے یہ یاد کرنا مشکل ہوگا' کیونکہ تم فطرتاً

ایک انتہائی خودغرض، سیلف سینٹرڈ اور خود پرست لڑکی واقع ہو لیکن پھر بھی۔ کبھی موقع ملا کسی دوسرے انسان کے بارے میں سوچنے کا؟"

زمر چپ رہی۔ تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے چلتی رہی۔

"تم مجھے برے کبھی نہیں لگے۔ بلکہ میں تمہاری بہت عزت کرتی تھی۔ ہمیشہ تمہیں ہاشم سے کمپیئر کرتی تھی۔ تمہاری سب کے سامنے تعریف کرتی تھی۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تمہارا میرے لئے پرپوزل آیا ہے تو میں کبھی انکار نہ کرتی اور سوچنے کے لئے ایک دن سے زیادہ وقت نہ لیتی۔"

"اچھا۔" وہ مسکرایا۔ "مجھے نہیں پتہ تھا تم شروع سے مجھ سے محبت کرتی تھیں۔"

"ایک منٹ۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" وہ غصہ ہوئی تھی۔

"مجھے تو صرف یہی سنائی دیا ہے۔"

وہ اور بھی بہت کچھ کہنے لگا پھر رک کر ساتھ چلتے ایک ریڑھی بان کی ریڑھی کو دیکھنے لگا۔ اس پہ رنگ برنگی ڈھیروں چیزیں رکھی تھیں۔ کلپ، پنیں، جیولری۔ زمر نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

"تمہیں اچھی لگی یہ فارس؟" وہ ایک انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ چونکا، پھر سنبھل کر مسکرایا۔ "نہیں میں اس لئے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اور میں مذاق کر رہا تھا۔ میرے پاس ہیں پیسے۔ میں تمہیں کسی اچھی سی جیولری شاپ سے قیمتی ڈائمنڈز لے دوں گا۔ چلو۔"

مگر وہ نہیں ہلی۔ آگے بڑھ کر ریڑھی سے پلاسٹک ریپر میں لپٹی انگوٹھی اٹھائی اور الٹ پلٹ کر دیکھی۔ پھر فارس کو دیکھا۔ "تم مجھے یہی لے دو۔"

"مذاق اڑا رہی ہو کیا؟" وہ دبی آواز میں خفگی سے بولا۔

"اونہوں۔" وہ طمانیت سے مسکرائی۔ "مجھے قیمتی زیور چاہیے تھا۔ مہنگا نہیں۔ اتنا تو پڑھ سکتی ہوں تمہیں کہ معلوم ہو جائے یہ اچھی لگی ہے تمہیں۔ تحفوں کی قیمت نہیں دیکھی جاتی ان کے ساتھ جڑی فیلنگز دیکھی جاتی ہیں۔ فرمائش قیمتی چیز کی کرنی چاہیے ضروری نہیں ہے کہ وہ مہنگی ہی ہو۔" اس نے ریپر فارس کی طرف بڑھایا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور پھر والٹ نکال کر ریڑھی بان کو ادائیگی کرنے لگا۔

چند لمحے بعد وہ دونوں وہیں ٹھیلوں اور اسٹالز کے ساتھ کھڑے تھے اور فارس وہ نیلے پتھر والی ہیروں کی سی چمک لئے انگوٹھی اسے پہنا رہا تھا جو دو سو پچاس روپے کی تھی۔ زمر نے اسے پہن کر ہاتھ اوپر اٹھا کر دیکھا۔

سورج کی کرنوں کے نقلی ہیرے سے ٹکرانے پر اصلی روشنیاں پھوٹنے لگی تھیں۔ یوں کہ سارے پہ روشنی چھا گئی... تیز نیلی روشنی.....

(آج)

جب وہ بجھی تو انگوٹھی زمر کی انگلی میں تھی اور ہاتھ سے اوپر کلائی پہ سیاہ کوٹ کی آستین جھلکتی تھی۔ نظر اٹھا کر دیکھو تو وہ اس روشن سے کمرہ

عدالت میں کٹہرے کے سامنے کھڑی تھی اور سعدی یوسف سے پوچھ رہی تھی۔

"قید کے دوران آپ سے کون کون ملنے آتا تھا؟"

"ہاشم کاردار' جواہرات کاردار' کرنل خاور' جس کو بعد میں میرے ساتھ قید کر دیا گیا اس کے علاوہ چند ایک بار آبدار عبید آئی تھیں۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بتاتا گیا۔ حاضرین میں بیٹھی آبدار سر جھکا کر موبائل دیکھنے لگی۔

"میں جانتی ہوں یہ آپ کے لئے تکلیف دہ ہوگا سعدی' لیکن کیا آپ قید کے پہلے روز سے آخر روز تک کی داستان مختصراً یہاں سنانا چاہیں گے۔"

"جی بالکل یہ میرے لئے تکلیف دہ ہے۔" سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں۔ "مگر اپنی کہانی کا اَن کہا یا اَن سنا رہ جانا زیادہ تکلیف دہ ہے۔ بہر حال' جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا' مجھے سب سے پہلے ایک ہسپتال لے جایا گیا' وہاں ایک دفعہ میں نے باتھ روم کے روشن دان کو....."

اور ہاشم نے تپ کر نفی میں سر جھٹکا تھا۔ "واہ۔ اب یہ انٹرویو کے نام پہ اپنی مرضی کی کہانی کانٹ چھانٹ کر کے سنائے گا۔"

سعدی کو دیکھو تو وہ کٹہرے پہ ہاتھ رکھے کھڑا کہانی سنا رہا تھا۔ اس کے لب ہل رہے تھے مگر اسے خود کو اپنی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی .... بھوری آنکھوں میں بھورے شعلے سے جل بجھ رہے تھے۔ ہر دفعہ پلکیں جھپکنے پہ نیا منظر ابھرتا اور ایسے تیزی سے ابھرتا کہ دیکھنے والا اندر ڈوب جائے .... دور اندر .....

(دو ماہ پہلے)

مورچال میں زمر اور فارس کی غیر موجودگی نے عجیب ویرانی کر رکھی تھی۔ حنین کو نت نئے شوق چڑھ گئے تھے۔ ہر وقت گھر کے کسی کونے میں کھڑی ہوتی گردن اٹھائے تنقیدی نگاہوں سے در و دیوار کا جائزہ لیتی نظر آ رہی ہوتی تھی۔ بلکہ نظر کہاں آتی تھی۔ وہ تو مصروف ہو گئی تھی۔ بیٹھ کر خاکے بناتی رہتی یا ہوم امپروومنٹ اور ہوم ڈیکور کی ویب سائٹس دیکھتی رہتی۔ اب وہ لوگوں سے بات کم کرتی تھی' ان کے پیچھے کھڑی دیواریں زیادہ دیکھتی تھی۔ یہاں ایسا فریم لگاؤں' یہاں ایسا تھری ڈی آرٹ ٹھونکوں۔ یہاں وال مورال ہونا چاہیے۔ یہ وہ۔

ایسے میں سعدی اپنے کمرے میں یونہی اداس سا بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلا تھا اور سامنے والے کمرے سے ندرت کی لتاڑنے' ڈانٹنے اور پھر رک کر سمجھانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مخاطب اسامہ تھا جو اکھڑا اکھڑا سا بیٹھا تھا۔ قد لمبا ہوا' مگر سمجھ نہیں۔ ندرت کا موقف تھا کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے سیدھا گھر آئے گا "اور اگر تمہارا کوئی دوست کبھی گھر کے دروازے تک آیا نا تو میں نے جوتا اٹھا کر اسے مار مار کر وہیں گنجا کر دینا ہے۔ یہ گھروں تک لانے والی دوستیاں ذرا پسند نہیں مجھے۔" آگے سعدی کی مثالیں۔ اسامہ کو برا لگ رہا تھا۔ "میں کوئی برے لڑکوں سے دوستی تو نہیں کرتا۔ اور سعدی بھائی کا زمانہ اور تھا۔ اور آپ مجھ پہ شک کیوں کرتی ہیں۔"

سعدی آرام سے اٹھا اور دروازہ بند کر دیا۔ آوازوں کا راستہ رک گیا۔ جانتا تھا' مسئلے گلے پانچ' چھ سال تک چلیں گے۔ بچوں کی

آنکھوں پہ بندھی پٹی اترنے کے لئے کم از کم بھی بیس سال کی عمر کو پہنچنا ہوتا ہے۔ کھینچنے اور نوچنے یا سوراخ چھیدنے سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ بس دھیرے دھیرے پٹی ڈھیلی کرنی ہوتی ہے' بہت سی باتوں سے صرف نظر اور ڈھیر ساری توجہ۔ مگر ابھی وہ امی کو سمجھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ابھی وہ خود سمجھنا چاہتا تھا۔ اپنا دماغ سوچوں سے خالی کرنا چاہتا تھا۔ کوئی روزن کھلے' کوئی روشنی آئے۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھا۔ یہ اس کے چھوٹے باغیچے والے گھر سے مختلف اور زیادہ خوبصورت تھی۔ مگر اجنبی لگتی تھی۔ کونے میں چند کتابوں کے اوپر قرآن مجید رکھا تھا۔ سعدی نے اسے اٹھایا اور چند لمحے اس کتاب کو ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔ وہ بھاری تھی مگر دلوں کو ہلکا کر دیتی تھی۔

ایک گہری سانس لے کر اس نے صفحے پلٹائے۔

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔"

"اور کہا انہوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ جب ہو جائیں گے ہم مٹی اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہم (پھر قبروں سے) نکالے جائیں گے؟ بلاشبہ ہوتا رہا ہے ہم سے یہ وعدہ۔ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے اس سے پہلے۔ نہیں ہیں یہ مگر پہلوں کی کہانیاں۔ کہہ دو کہ چلو پھرو زمین میں پھر دیکھو کہ کیا انجام ہوا مجرموں کا اور نہ غم کرنا ان پر اور نہ تنگی میں ہونا اس سے جو چالیں یہ چل رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کب ہو گا یہ وعدہ پورا اگر تم سچوں میں سے ہو۔ کہہ دو شاید کہ آ پہنچا ہو نزدیک تمہارے کچھ اس میں سے جس کی تم جلدی کر رہے ہو۔"

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"اللہ تعالیٰ' میرا دل بہت ٹوٹا ہوا ہے' بہت ویران ہے' اور اب میں امید بھی کھوتا جا رہا ہوں کہ کبھی مجھے بھی انصاف ملے گا کیا؟ دور اندر مجھے لگتا ہے کہ میں بھی تو گناہگار ہوں۔ کسی پہ قتل کا الزام لگایا ہے' دو قتل بھی کیے ہیں۔ یہی تو ہاشم کے جرائم تھے۔ قتل کا الزام فارس پہ اور دو لوگوں کا قتل۔ گناہ ویسے ہی ہیں تو کیا گناہگار بھی ویسا ہی ہوں؟" ہولے سے سر جھٹکا۔ "پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہو گا لیکن کیا ان کے ساتھ کبھی کچھ ہو گا یا نہیں؟ کیا مجھے انصاف ملے گا اللہ؟ مجھے قیامت والے حساب سے پہلے یہاں کا حساب چاہیے۔ تا کہ کوئی تو عبرت پکڑے۔ مگر اللہ تعالیٰ' جب انسان کے باپ دادا کو سزا نہیں ملتی' والدین کو ان کی سیاہ کاریوں کے باعث کوئی نہیں پکڑتا یا خود ہمارے ماضی میں ہمارے گناہوں پہ کوئی پکڑ نہیں ہوتی تو ہمیں لگتا ہے کہ وہ گناہ justified تھے۔ اللہ کو وہ برے نہیں لگے۔ ہم نئے گناہ کرتے جاتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ ایسے فتوے اور ایسی نصیحتیں پہلے بھی سن رکھیں مگر اللہ راضی ہے ہم سے۔ لیکن اللہ کی شریعت flexible تو نہیں ہے نا۔ کہ ہر کسی کے لئے الگ الگ رخ پہ مڑ جائے۔ اصول تو برابر ہیں۔ سب کے لئے۔ پھر ہم اتنے لاپرواہ کیوں ہوتے جاتے رہے ہیں؟ پھر وہ لوگ اتنے لاپرواہ کیوں ہیں؟" اور پھر وہ چونکا۔ "لیکن اگر میں یہ سمجھوں کہ ان کو سزا نہیں ملے گی ان کے باپ دادا کی طرح تو یہ "کفر" ہے۔ امید چھوڑنا کفر ہے۔ تو پھر...." اس نے اچنبھے سے کلام مجید کے اوراق کو دیکھا۔ "کیا میں امید رکھوں؟ کیا میں زمین میں چل پھر کر دیکھوں؟ ان تمام کیسز کو دیکھوں۔ جن کے فیصلے آئے تھے؟ ان تمام لوگوں کا انجام دیکھوں جو عدالتی حکم کے بغیر ہی قدرتی آفات کا شکار ہوئے تھے؟ تو کیا ہمیں کبھی امید نہیں چھوڑنی چاہیے؟ میں غم کو ترک کر دوں' دل کی تنگی سے خود کو نکالوں اللہ؟ ان آیات پہ غور کروں تو میرے

کرنے کا کوئی کام نہیں ہے' انصاف اور عذاب اللہ دے گا' مجھے بس وہ یہ کہتا ہے کہ غم نہ کرو۔ دل کی تنگی کا شکار نہ ہو۔ کیونکہ یہ چیزیں امید لے جاتی ہیں۔ ان لوگوں کی مدت شاید قریب ہو' بہت قریب۔ میں نے کچھ نہیں کرنا۔ صرف ترکِ غم کرنا ہے۔ یہ وسائل' پیسہ' تعلقات' عدالتی کارروائی کی جنگ نہیں ہے۔ یہ اعصاب کی جنگ ہے اور غم مجھے کھول دے گا۔ مجھے اب غم نہیں کرنا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی بات ماننی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اپنی اپنی کشادگی کا انتظار کرتے ہم لوگ اپنے آپ کو غموں اور ڈپریشن سے نکالیں۔ مجھے اب غم نہیں کرنا۔ تب ہی حل نظر آئے گا۔'' وہ بے خودی کے عالم میں بولتا جا رہا تھا۔ لب ہل رہے تھے' آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے مگر اپنی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

(آج)

کٹہرے میں کھڑے سعدی نے بھوری آنکھیں زمر پہ جمائے گہرا سانس لیا۔ خواب سا ٹوٹا۔ وہ اب پوچھ رہی تھی۔

''اس کے بعد کیا ہوا؟''

''میں یہ بات انٹرویو میں بھی کہہ چکا ہوں' سب جانتے ہیں کہ پھر مجھے کینڈی میں دوبارہ پکڑا گیا' مگر ہاشم کو اطلاع ابھی نہیں کی گئی تھی' یا شاید وہ پہنچا نہیں تھا۔ اگلی صبح ایک آدمی میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ چند دن بعد مجھے پاسپورٹ اور پیسے دے دیے جائیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ مجھے پاسپورٹ دے دیا گیا اور مجھے جانے دیا گیا۔ غالباً وہ لوگ ہاشم سے دغا کر رہے تھے۔ ہاشم کے اپنے پارٹنرز جیسے کہ ہارون عبید چاہتے تھے کہ میں آزاد ہو کر ہاشم کے خلاف بولوں۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کہا گیا تھا۔ میں پاکستان آ گیا اور یہاں آ کر اپنی ویڈیو ریلیز کر دی۔ اب چونکہ میں مشہور ہو گیا ہوں اس لئے یہ لوگ مجھے مار نہیں سکتے۔''

''آبجیکشن یور آنر!'' ہاشم نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے بے زاری سے کہا تھا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ''کس بنیاد پہ؟ ویسے آپ اپنی باری کا انتظار کیوں نہیں کرتے؟ گواہ کو کراس کرتے وقت سب پوچھ لیجئے گا۔'' ہاشم خاموش ہو گیا۔ زمر واپس مڑی۔

''کیا پاکستان واپس آنے کے بعد آپ سے ہاشم کاردار نے کسی قسم کا رابطہ کیا؟'' سوالات' الفاظ' سب مدھم ہوتے گئے۔ کمرہ عدالت میں گونجتی ساری باتیں گڈمڈ ہو کر عجیب سا ملاپ بنانے لگیں.... یوں کہ حرف حرف الگ ہو گیا اور نئے لفظ بننے لگے......

(دو ماہ پہلے)

ہوٹل کے خوبصورت سے بیڈروم کے بیج کلر کے پردے دیوار گیر کھڑکیوں کے سامنے سے ہٹے تھے اور جالی دار سفید پردے شیشوں کے آگے لہرا رہے تھے۔ پردوں کی جالی نے منظر کو قدرے دھندلا دیا تھا۔ مدھم سا دکھائی دیتا تھا کہ باہر بالکونی ہے اور نیچے دور تک پھیلے سبز پہاڑ اور ان کے بیچ بستی وادیاں۔ کھڑکی کے آگے دو آمنے سامنے رکھی کرسیاں پڑی تھیں۔ زمر اور فارس مقابل بیٹھے تھے۔ درمیان میں چھوٹی میز تھی جس پہ scrabble کا کالج کلر بورڈ کھلا پڑا تھا۔ لکڑی کے ننھے ننھے چوکور ٹکڑوں پہ لکھے حروف ان دونوں کے سامنے اسٹینڈز پہ پڑے تھے۔ زمر ٹیک لگائے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی نوٹ کر رہی تھی۔ وہ آگے ہو کر بیٹھا غور سے بورڈ کو دیکھتا کبھی اپنے پاس موجود

حروف کو۔

"مان لو ہار۔ میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گی۔" زمر نے مسکراہٹ دبائے فیاضی سے کہا تھا۔ آگے کو جھکے فارس غازی نے محض ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ابھی وہ وقت نہیں آیا جب آپ سے ہار مانی جائے۔ مجھے سوچنے دیں۔"

"ویسے اتنے سال تم نے جیل میں سوشل ورک کرنے کی بجائے تعلیم کی طرف توجہ دی ہوتی تو پڑھی لکھی بیوی کے سامنے شرمندہ نہ ہو رہے ہوتے۔" وہ مسکرا کر پیر جھلا رہی تھی۔

"آپ مسلسل چیٹنگ کر کے جیت رہی ہیں' پڑھی لکھی' ہونہہ۔" خفگی سے سر جھٹکا۔ پھر حروف کو دیکھنے لگا۔

"چچ چچ۔ ہر ہارنے والا یہی کہتا ہے۔"

فارس نے جواب دیے بنا چند حروف اٹھائے اور پہلے سے۔۔۔rise کے پیچھے لگا دیے۔ اب وہ یوں بن گیا zumarise۔ زمر ایک دم سیدھی ہوئی۔ "یہ کوئی لفظ نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں۔ یہ ایک لفظ ہے۔" وہ تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ اٹھا کر بولا۔ "اور اس کا مطلب ہوتا ہے جھوٹ کو سچ کے پردے میں لپیٹ کر پیش کرنا۔ محتاط الفاظ کا چناؤ کر کے عدالت میں حلف دلوا کر گواہ سے جھوٹ بلوانا مگر کہنا technically یہ سچ ہے۔ ہر دوسری بات پہ کسی شریف انسان کو بلیک میل کرنا اور دھمکانا۔ باتوں کی ہیر پھیر سے اپنا مطلب نکلنا اور دھونس جمانا۔ یہ واقعی ایک لفظ ہے۔"

زمر اب آنکھیں تیکھی کر کے اسے گھور رہی تھی۔ "یہ چیٹنگ ہے۔"

"نہیں زمر بی بی' یہ ڈبل ورڈ اسکور ہے جو میرے کھاتے میں لکھا جائے گا۔" اب وہ قلم اٹھا کر نوٹ پیڈ پہ بنے کالمز میں سے ایک میں لکھ رہا تھا۔ زمر نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"فارس' یہ آخری دفعہ تھا' اب اگر تم نے کوئی لفظ بنایا جو ڈکشنری میں نہ ہوا تو تم ہار جاؤ گے۔"

"مجھے یقین ہے یہ ڈکشنری میں ہوگا۔ چیک کر لیں بے شک۔" ساتھ رکھی دبیز ڈکشنری کی طرف اشارہ کیا۔ زمر ناک سکوڑ کر آگے ہوئی اور اپنی پلیٹ میں لگے حروف پہ غور کرنے لگی۔ وہ ایک محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ گھنگریالے بال کھول کر چہرے کے ایک طرف ڈالے' اس کی پلکیں پلیٹ پہ جھکی تھیں' اور بار بار حروف کو چھوتی انگلی میں انگوٹھی موجود تھی۔ اس نے چند حروف کو دیکھا جو بورڈ پہ سجے تھے' اور پھر مسکرائی۔ ان کے درمیان چند حروف گھسا دیے اور فاتحانہ نظریں اٹھا کر فارس کو دیکھا۔

Farcissism

"یہ کوئی لفظ نہیں ہے' پراسیکیوٹر صاحبہ۔" اس کا موڈ خراب ہوا۔

"ہے نا۔" وہ ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس کا مطلب ہوتا ہے ایک خاص قسم کا برتاؤ۔ اور جانتے ہو' ایسا

برتاؤ کرنے والا کون ہوتا ہے؟ انتہائی اکھڑ' ریزرو' کسی پہ اعتبار نہ کرنے والا' غصیلا' بدمزاج' ہر بات چھپا کر رکھنے والا' اداکار......"

"اور گڈ لکنگ!" اس نے لقمہ دیا۔

"اور گڈ لکنگ' اور ہر وقت لڑنے کو تیار' گہرے راز رکھنے والا' خود کو عقلِ کل سمجھنے والا' arsonist' جیل یافتہ' بلیک میلر.... یہ سب ہوتا ہے اس کا مطلب۔" وہ انگلیوں پہ گنواتی گئی۔

"استغفر اللہ۔ میں آپ کو ایک شائستہ اور ٹھنڈے مزاج کی خاتون سمجھتا تھا۔" وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لفظ بناؤ' غازی۔ باتیں نہ بناؤ!" اس نے چیلنج کیا۔ وہ سر جھٹک کر اگلا لفظ بنانے لگا۔ m سے اس نے mat بنایا تھا۔ زمر کی نظریں ابھی تک زمرائز کے "زی" پہ تھیں جس کے نیچے ڈبل ورڈ اسکور کا خانہ تھا اور ذرا نیچے ٹرپل ورڈ اسکور۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اس نے چوکور ٹکڑے بورڈ پر رکھے۔ زی کے اوپر نیچے حروف سجائے۔

Ghazi

"یہ چیٹنگ ہے۔ یہ لفظ ڈکشنری میں نہیں ہے اور یہ اصول تھا کہ ہم نام نہیں بنائیں گے۔"

"دنیا تمہارے نام کے گرد نہیں گھومتی۔ یہ ڈکشنری میں ہے۔" وہ گردن کڑا کر بولی تھی۔

"زمر بی بی اگر یہ ڈکشنری میں نہ نکلا تو؟" اس نے ڈکشنری پہ ہاتھ رکھا۔ زمر نے جھٹ اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

"اگر یہ نہ نکلا تو میں ہار جاؤں گی' تم جیت جاؤ گے۔ نکل آیا تو میں جیت جاؤں گی اور تم ہار و گے۔" فارس کے ہاتھ پہ اس کا ہاتھ تھا اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"یہ ڈکشنری میں نہیں ہے۔" وہ چبا چبا کر بولا' کتاب کھینچی اور اسے کھولا۔ صفحے پلٹائے۔ انگلی دوڑاتا گیا۔ اوپر سے نیچے۔

"جی ایچ.... جی ایچ...." وہ مطلوبہ کالم تک آیا۔ لبوں پہ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چونک کر سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھتی مسکرا رہی تھی۔ ادھر صفحے پہ لکھا غازی (مسلم وار ہیرو) اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"کہا تھا نا' تھوڑا بہت پڑھ لیا ہوتا جیل میں تو آج کام آ جاتا۔ خیر' میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گی۔" وہ آگے کو جھکی اور بازو لمبا کر کے ہاتھ سے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ فارس نے "اونہوں" اپنا چہرہ جھٹک کر پیچھے ہٹایا۔ ماتھے پہ خفگی سے بل پڑ گئے تھے۔

"آپ مسلسل چیٹنگ کر کے جیتی ہیں۔ ہر دوسری باری پہ آپ مجھے اسکریبل کا نیا اصول بتاتی ہیں جو میرے باپ دادا نے بھی نہیں سنا۔ جبکہ میں پوری ایمانداری سے کھیل رہا ہوں۔"

"ہاں' ایک اس بات کا تو یقین ہے مجھے کہ اب تم میرے ساتھ پورے ایماندار ہو۔ اور یہ بھی کہ کم از کم اب تم مجھ سے کوئی بات چھپا نہیں رہے۔" وہ مسکرا کر سارے ٹکڑے بورڈ سے اٹھا رہی تھی۔ حروف بکھر گئے۔ الفاظ ٹوٹ گئے۔

فارس بالکل سُن سا بیٹھا رہا۔ اندر تک اس کا وجود ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ جیسے کوئی انسان برف کے صحرا میں ٹھنڈ سے مر جائے۔ سفید.... نیلا.....

لمحے بھر میں وہ پیچھے چلا گیا.....

وہ ڈاکٹر قاسم کے کلینک میں بیٹھا تھا... اور وہ کہہ رہے تھے۔

"مگر میں .... برا آدمی نہیں ہوں۔" فارس اٹھنے لگا۔

"میں اب چلتا ہوں۔ مگر یاد رکھیے گا کہ زمر کو آپ وہی کہیں گے جو میں نے آپ کو سمجھایا ہے' ورنہ میرا اسنائپر آپ کو کسی بھی وقت نشانہ بنا سکتا ہے۔" وہ موبائل جیب میں ڈالتا کھڑا ہوا تھا۔

"کیا آپ جانتے ہیں فارس غازی کہ اس ملک میں بلکہ اس دنیا میں ہر سال ہزاروں عورتوں کو جبراً seterlize کیا جاتا ہے؟"

وہ بالکل ٹھہر گیا تھا۔ بہت سے چکر الٹے ہوئے تھے۔ "سوری؟"

"امریکی جیلیں ہوں یا پاکستان کے ہسپتال' یا دیہات میں لگے فری کیمپ' یہاں زخم کسی اور شے میں ہوتا ہے' اور سرجری کے بہانے اس عورت کو seterlize (بانجھ) کر دیا جاتا ہے۔ بعد میں کہا جاتا ہے کہ آپریشن کے دوران یہ ناگزیر تھا۔ بعض عورتوں کے رشتے دار بھی یہ کام کرواتے ہیں۔ صرف ایک ڈاکٹر ڈھونڈ و' اسے پیسے دو اور یہ ہو جاتا ہے۔"

وہ بالکل سُن رہ گیا تھا۔ "کاردارز نے پیسے دیے تھے اس کی غلط سرجری کرنے کے لئے؟ وہ ان گولیوں کی وجہ سے ایسی نہیں ہوئی تھی' بلکہ اس کو بعد میں یہ نقصان پہنچایا گیا تھا۔" وہ سفید پڑ رہا تھا۔ متحیر' بے یقین۔

"مسز کاردار چاہتی تھیں کہ وہ شادی نہ کر سکے تا کہ وہ ایک مضبوط گواہ کے طور پہ آپ کو جیل بھیج دے۔ اس کے گردے واقعی گولیوں کی وجہ سے خراب ہوئے تھے مگر اس سرجری کے لئے ڈاکٹرز کے پینل کو مسز کاردار نے خریدا۔ اس کے بعد بھی مسز زمر صرف ان ڈاکٹرز کے پاس گئیں جن کی طرف ہم ان کو ریفر کرتے تھے۔ مسز کاردار چاہتی تھیں کہ ہم ان کو بالکل تباہ کر کے....."

ڈاکٹر قاسم اپنی بات مکمل نہیں کر سکے تھے۔ وہ کسی بھوکے شیر کی طرح ان پہ جھپٹا تھا۔ گریبان سے پکڑ کر زمین پہ گرایا اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ دھند سی چھا گئی۔ وہ دیوانہ وار اس کو مار رہا تھا' پیٹ رہا تھا' جس کا کتنا خون نکلا' کون سی ہڈی ٹوٹی' کتنے دانت خون میں لتھڑ کر باہر گرے' اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ مگر اس سرخ دھند میں اس نے اس کی دبی دبی سی کراہ سنی۔

"میری پوری بات سنو۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میری بھی ایک بیٹی ہے۔ میں نے صرف رپورٹس میں ادل بدل کیا تھا۔ مسز کاردار کو نہیں معلوم۔ کسی کو نہیں معلوم۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔" وہ خون آلود منہ اور اکھڑی سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ اب یہ بات کھل جائے گی۔ وہ ٹھیک ہے وہ ماں بن سکتی ہے۔ ہاں..... مشکل سے ہو گا۔ اس کے گردوں کی وجہ سے کافی مشکل ہو گا۔ مگر ممکن ہے۔ بہت زیادہ ممکن ہے۔ میں نے صرف رپورٹس اور دوائیاں بدلی تھیں' اور......"

وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ اس کے سفید سوئیٹر پہ خون لگ گیا تھا... سرخ تازہ خون......

فارس نے زمر کو دیکھا جو اسکریبل کے نئے ٹکڑے سجا رہی تھی اس کے جھکے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ

کرچتے گئے۔ جز جز کر ٹوٹتے گئے......

(آج)

''سعدی یوسف' کیا آپ کی ہاشم کاردار سے پاکستان آنے کے بعد اپنے وکلاء کی غیر موجودگی میں کوئی ملاقات ہوئی ہے؟'' زمر اس سے پوچھ رہی تھی۔ کٹہرے میں کھڑے سعدی نے نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے ہاشم کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پرانے دنوں کے بہت سے سائے لہرائے۔

''مجھے یاد نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ہاشم ہلکے سے مسکرایا۔ بس ایک ثانیے کو اس نے آنکھیں بند کیں تو اندھیرا چھا گیا۔

(دو ماہ پہلے)

نیم اندھیر کلب میں لاؤنج کی طرح کی جگہ بنی تھی۔ مدھم رنگ برنگی بتیاں سارے میں محو رقص تھیں۔ کچھ بھی صاف نظر نہ آتا تھا۔ بڑے صوفے پہ اردگرد کھاتے پیتے ٹہلتے لوگوں سے بے نیاز ہاشم کاردار ڈنر جیکٹ میں ملبوس موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ ٹائی ندارد۔ کالر کا اوپری بٹن کھلا تھا۔ وہ آرام دہ سا بیٹھا تھا۔ پس منظر میں بجتی موسیقی اعصاب کو سکون دے رہی تھی۔ ایسے میں کوئی اس کے ساتھ آ کر بیٹھا۔ وہ اپنی اسکرین کو دیکھتا رہا۔ ہلا تک نہیں۔ نظر بھی نہیں اٹھائی۔ بس اسکرین پہ انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔ ''قانوناً تم اپنے وکلاء کی غیر موجودگی میں مجھ سے نہیں مل سکتے۔ تم سے کورٹ میں اس بارے میں پوچھا جا سکتا ہے۔ سعدی یوسف!''

''میں یہاں سے گزر رہا تھا تو ادھر آ گیا۔ اور اب یہاں ایک پبلک پلیس میں بیٹھا ہوں۔ اتفاق سے تم میرے ساتھ بیٹھے ہو۔ اس میں میرا کیا قصور ہوا؟'' ہاشم نے اب کے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سیاہ آدھی آستین کی ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس بیٹھا تھا۔ اب اس نے گردن موڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

وہ آنکھیں اندر تک زخمی تھیں۔ مگر ان زخموں کے کھرنڈ لگتا تھا بننے لگ گئے ہیں۔

''کہو۔ کیا چاہتے ہو؟'' ہاشم نے فون رکھ دیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''کبھی سوچا تھا تم نے ہاشم' کولمبو کے اس تہہ خانے میں جب ہم ملتے تھے' کبھی وہاں بیٹھے سوچا تھا کہ ایک روز ہم یوں بھی ملیں گے؟''

''اگر تو تم مجھ سے کوئی اعتراف جرم کروانا چاہتے ہو تو.....''

''وہ میں کروا چکا ہوں۔ وہی دکھانے آیا ہوں۔ میں تمہارے آفس 21 مئی کو اسی لئے آیا تھا۔'' اس نے موبائل اسکرین پہ ویڈیو پلے کی اور موبائل ہاشم کو دے دیا۔ اندھیرے کمرے میں اتنے رش اور شور کے باوجود بھی وہ اس ویڈیو میں چلتی آواز صاف سن سکتا تھا۔ اسکرین پہ وہ پاور سیٹ پہ بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ اور وہ بولے جا رہا تھا۔ بہت سے اعتراف جرم۔ HD کوالٹی ویڈیو۔ صاف آواز۔

ہاشم کاردار کی گردن پہ پسینہ آنے لگا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا ٹائی ڈھیلے کرنے کو گریبان تک ہاتھ لے کر گیا مگر ٹائی تو گردن کو کسے ہی نہیں ہوئے تھی۔ [illegible]؟

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''تم اسے کورٹ میں استعمال نہیں کر سکتے۔'' اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ سونی کی آنکھیں نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔

''مگر میں اسے یوٹیوب پہ لیک تو کر سکتا ہوں۔ ایڈٹ کر کے۔ دیکھو نا' تمہارا اعتراف جرم کتنا دلچسپ ہے۔ juicy اور سنسنی خیز۔ میڈیا کتنے ہی دن اس کو چلائے گا۔'' وہ اب مزے سے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ ''اور پھر میں اس ویڈیو کو سونیا کے ٹیب پہ اپ لوڈ کر دوں گا۔ تم وہاں سے مٹاؤ گے تو میں سونیا کے ہر کلاس فیلو کے فونز اور ٹیب پہ اسے بھیج دوں گا۔ میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ تمہاری بیٹی اس ویڈیو کو دیکھ لے' اس کو زبانی رٹ لے۔ وہ اس ویڈیو کے ساتھ بڑی ہو گی۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلی جائے' یہ ویڈیو اسے ڈھونڈ لے گی۔ وہ اس سے کبھی بھاگ نہیں سکے گی۔ اور وہ جتنی دفعہ اسے دیکھے گی' تم پہ بے یقینی اور اس ویڈیو پہ یقین بڑھتا جائے گا۔ وہ اگلے دس سال تک اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گی۔'' وہ اس کے ساتھ بیٹھا' گردن موڑ کر اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سرد تھیں' مسکراہٹ بھی سرد تھی' اور ہاشم کی رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ وہ کوئلے جیسی رات میں سونے کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔ تنفس تیز ہو گیا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں تمہاری بیٹی کو اس سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس کو give اپ کر دوں گا۔ اپنی زبان دیتا ہوں۔ نہ عدالت میں استعمال کروں گا۔ نہ انٹرنیٹ پہ ڈالوں گا۔ تم میری اور سونیا کی ویڈیو کو اپ کر دو' جس میں میں نے اسے اغوا کیا تھا۔ ہم دونوں اپنے سب سے بڑے ثبوت گنوا کر آؤ نہتے اس میدان میں لڑتے ہیں۔ اپنی زبانوں' اپنے سچ اور جھوٹ کے ساتھ۔ تم اپنی دلیلیں دو' میں اپنی دوں گا۔ آؤ اس کیس کو ختم کرتے ہیں مگر لڑ کر۔ بھاگ کر نہیں۔''

ہاشم کتنی دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ کبھی بے چینی سے۔ کبھی ترحم سے۔

''مجھے تمہیں عدالت میں ڈیل کرنا ہو گا۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔ ''میں یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں ایک دفعہ تمہاری زندگی برباد کر چکا ہوں۔ دوبارہ نہیں کرنا چاہتا۔ تم شاید یقین نہ کرو لیکن تم مجھے سونی اور شیرو اور ممی اور آبی کی طرح اب بھی اتنے ہی عزیز ہو۔'' سعدی کے لبوں پہ زخمی سی مسکراہٹ گویا تلملائی تھی۔

''عزت اور ذلت وکیلوں کے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔ جس کے ہاتھ میں ہوتی ہے' وہ چاہے تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے' چاہے تو سب بگڑ سکتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں رہنے دو عزت کو۔ اور تمہیں جو کرنا پڑے' تم کرو۔''

''مجھے ہر حد تک جانا ہو گا۔ سب سے پہلے تم گواہی کے لئے پیش ہو گے۔ میں ایک فقرے میں تمہیں تباہ کر دوں گا۔ میں جیت جاؤں گا' سعدی۔ میں کیس سے نہیں ڈرتا۔''

''تمہیں جس حد تک جانا ہے' تم جاؤ۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ مگر اس کیس کو لڑو۔ ایک اسپیڈی ٹرائل لڑ و تا کہ چند ماہ میں فیصلہ آ جائے۔ آر یا پار۔'' اس کے لہجے میں عزم تھا۔ ہاشم اسے دیکھے گیا۔ پھر اس نے چہرہ واپس موڑ لیا۔ سامنے دیکھنے لگا۔ سعدی موبائل

جیب میں ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا تم مجھے معاف کر سکتے ہو؟'' سعدی یوسف کے قدم زنجیر ہوئے اس نے چہرہ موڑا۔

''ہاشم!'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''یہ کیس میں تمہارے خلاف نہیں لڑ رہا۔ یہ میرے اور نوشیرواں کے درمیان ہے۔ اور وہ مجھ سے معافی مانگے بھی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ سی یو ان کورٹ!'' وہ اب دور جا رہا تھا۔ نیم اندھیرے میں وہ گم ہو گیا تھا۔

ہاشم کاردار نے موبائل اسکرین روشن کی۔ فوٹو گیلری کھولی۔ اس نوٹ کی تصویر نکالی جو اس نے چند دن پہلے لے کر محفوظ کر لی تھی۔ اس پہ لکھا نمبر زبانی ازبر کیا اور پھر ٹوئٹر کھولا۔

''ہر حد!'' اس نے تازہ ٹویٹ میں وہ نمبر ''گڈ ایوننگ پاکستان!'' لکھ کر آگے ڈالا اور ٹویٹ پبلک کر دی۔ ابھی اس نے موبائل واپس رکھا ہی تھا کہ وہ تھرتھرایا۔ ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ بلاکڈ نمبر سے پیغام موصول ہوا تھا۔

''اپنے کمرے کی سنگھار میز کی سب سے نچلی دراز کھولو۔ سعدی یوسف کا پاسپورٹ.... مکمل پاسپورٹ تمہیں وہیں ملے گا۔'' ہاشم والٹ اور چابیاں اٹھا کر تیزی سے باہر کو لپکا تھا۔

(آج)

''مجھے یاد نہیں۔'' سعدی یوسف ایک اور سوال کے جواب میں کہہ رہا تھا۔ سب حاضرین تماشائیوں کی طرح خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان میں حنین بھی بیٹھی جو مسلسل دانت سے ناخن کتر رہی تھی۔ سوچتی نظریں زمر پہ تھیں جو سعدی سے سوال در سوال پوچھ رہی تھی۔

اس کی ناک کی لونگ سونے کی بنی تھی اور پچھلی لونگ سے ذرا مختلف تھی۔ مگر ہیرا ہو بہو تھا۔ حنہ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی.... اور اسے یوں لگا گویا ارد گرد پتھروں کی پتیاں بکھر گئی ہوں۔ خوشبو سی خوشبو تھی۔

(دو ماہ پہلے)

زمر اپنے کمرے سے نکلی تو حنین سامنے کھڑی تھی۔ بالوں کو جوڑے میں لپیٹ کر گول مول باندھتی زمر نے چونک کر حنہ کو دیکھا۔ مورچال میں صبح کی مخصوص گہما گہمی تھی۔ کچن سے سیم اور سعدی کی آوازیں آ رہی تھیں، مگر حنین یہاں کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''جنید کو خالی ڈبی کچن کے فرش پہ ملی تو اس نے پورا کچن چھان مارا۔ کچرے کی ٹوکری سے آپ کی لونگ ملی۔ سونا ذرا پگھل چکا تھا۔ سو میں آپ کے پیچھے....'' اس نے کمر پہ کیا ہاتھ سامنے کیا تو اس پہ سفید مخملیں ڈبی رکھی تھی۔ ''اس کو جیولر پہ لے کر گئی۔ اس نے ڈائمنڈ کو نکال کر نئی لونگ میں جڑ دیا۔ یہ وہی لونگ ہے، اور وہ نہیں بھی ہے۔ اندر وہی ہے، مگر بیرونی سانچہ فرق ہے، احساس وہی ہے، مگر گلٹ اور بوجھ جیسی آلائشوں سے پاک ہے۔ میں نیا ڈائمنڈ نہیں لینا چاہتی تھی۔ کوئی کسی کی جگہ نہیں لے سکتا زمر!'' مسکرا کر اس نے وہ ہیرا پیش کیا۔ زمر کے ہاتھوں نے جوڑے کو چھوڑ دیا۔ بال پھسل کر پیچھے گرے۔۔۔ وہ متحیر سی اس ڈبی کو کھول کر دیکھ رہی تھی.....

ادھر کچن میں سیم سعدی سے ناخوشی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

''آپ کو وہ ویڈیو ان کے خلاف استعمال کرنی چاہیے تھی۔''

''یہ میرا طریقہ ہے اسے استعمال کرنے کا ہاشم کے خلاف۔ یقین کرو سیم ہم اس کو ویسے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ ہر گیند کھیلنے والی نہیں ہوتی۔ کسی کسی گیند کو روکنا بھی ہوتا ہے۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ اسامہ مسکرا دیا۔

''انسان کو کوئی چیز نہیں ہرا سکتی جب تک کہ وہ خود ہار نہ مان لے۔''

سعدی نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''یہ کس کا ڈائیلاگ ہے۔''

''عمران خان کا ہے بھائی!'' اس نے برا سا منہ بنا کر بتایا تھا۔ وہ ان سب کی آوازوں سے بے نیاز اپنی سنگھار میز کے سامنے کھڑی اس لونگ کو اپنی مغرور ناک میں سجا دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ پھوٹ رہی تھی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا اور فارس باہر نکلا تو وہ اس کی طرف گھومی اور شانے اچکائے۔ فارس کی نظریں ٹھہر گئیں۔

''وہی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی تھی۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ اس کے چہرے سے ہی سب ظاہر تھا۔ وہ مبہوت ہوا تھا۔ گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی واضح نظر آئی تھی۔ آنکھوں میں ایک چمک بھی اتری تھی جو شاید زمر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ محض تائید میں سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گیا۔ ان تاثرات کے لیے وہ جان بھی دے سکتی تھی۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا۔ مسکرا کر وہ بال برش کرنے لگی تھی۔

(آج)

''your witness'' زمر کٹہرے کے سامنے سے نیچے اتر آئی تھی۔ دو لفظوں میں ہاشم کو اشارہ کیا۔ اب گواہ ہاشم کا ردار کا تھا۔ وہ جیسے چاہے اس کو کراس کرے۔ (جرح کرے۔)

ہاشم کوٹ کا بٹن بند کرتا' دو کاغذ ہاتھ میں لئے قدم قدم چلتا آگے آیا۔ سب ہنوز خاموش تھے۔ سب کی نظریں ہاشم پہ جمی تھیں۔ پرسکون کھڑے سعدی کی بھی۔

سامنے آ کر ہاشم مسکرایا۔ دونوں پرنٹ آؤٹ سعدی یوسف کے سامنے لہرائے۔

''کیا آپ کمار نامی اس سنہالی باشندے کو جانتے ہیں؟ یا کیا آپ فصیح نامی اس پاکستانی باشندے کو جانتے ہیں سعدی یوسف؟ کیونکہ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ کمار کو زہر کا ٹیکہ لگا کر اور فصیح کو گردن توڑ کر آپ نے قتل کیا ہے۔ کیا آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر اپنے انٹرویو کا حوالہ دیے بغیر بتائیں گے کہ آپ ان دو لوگوں کے قاتل ہیں یا نہیں؟''

بہت سی سانسیں ایک ساتھ رکی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ۔)